ترقی

لاہور - بابت ماہ جون سنہ ۱۹۰۸ء (۶) ۹

ایڈیٹوریل نوٹس

جن اصحاب نے مہربانی فرماکر ترقی کے لئے خریدار بہم پہنچائے ہیں ہم اُن کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اُنکے نام آئندہ نمبر میں شائع کئے جائینگے - باقی خریداروں سے یہ التماس ہے کہ وہ بھی ہماری اپیل پر جلد تر توجہ فرماکر اور اپنے فرض کو ادا کرکے ایک ایک خریدار بہم پہنچائیں - تاکہ ہمیں مزید علمی خدمت کا حوصلہ پیدا ہو ٭

جن اصحاب نے ترقی کے لئے خریدار دئے ہیں اُن میں سے جناب دیوان گوپال داس صاحب بی - اے مالک کشمیر ہوٹل بمبئی کا ذکر خصوصیت طلب ہے - آپ نے ایک خریدار کا چندہ اپنے پاس سے بھیجکر یہ لکھا کہ محمدن کالج علی گڈھ - آریہ کالج لاہور اور خالصہ کالج امرتسر میں سے جس کسی کو ایڈیٹر ترقی مستحق سمجھے اُسکے کتب خانہ کے نام ترقی جاری کردیا جاے - چونکہ خالصہ کالج میں ترقی اب تک نہ تو لائبریری کے لئے خریدا جاتا تھا اور نہ وہاں کوئی اَور صاحب ترقی کے خریدار تھے - اس لئے اس کالج کی لائبریری کے نام رسالہ جاری کردیا گیا - دیوان صاحب کی یہ فیاضی ہر طرح پر قابل داد ہے - کیونکہ اُس سے ایک علمی انسٹی ٹیوشن کو نفع پہنچیگا - اگر خریداران یا ناظرین ترقی میں سے کوئی صاحب کسی قومی کالج یا مدرسہ یا یتیم خانہ یا لائبریری یا ریڈنگ روم کو علمی نفع پہنچانا چاہیں تو وہ اُسکے لئے ترقی جاری کرائیں - عہ سالانہ کچھ بڑی رقم نہیں ہے - اور ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے ناظرین میں سے بہت سے اصحاب یہ رقم ایک علمی انسٹی ٹیوشن کے فائدے کے خیال سے آسانی کے ساتھ صرف کرسکتے ہیں ٭

ابھی حال میں جو خطوط ترقی کے مضامین کی تعریف میں آئے ہیں
ندر ناظرین کئے جاتے ہیں:- جس سے واضح ہوگا کہ علم دوست اصحاب کے
کیا وقعت ہے:- "اندور - ۱۱ جون ۱۹۰۸ء - مہربان من - تسلیم
نمود ترقی ماہ مئی پہنچا- مضامین بہت اچھے اور نہایت دلچسپ ہیں -
معلوم ہوتا ہے- عالیجناب رائے بہادر لالہ نانک چند صاحب سی-آئی
ریاست اندور نے مضامین پسند فرماکر ترقی کی خریداری منظور فرمائی ہے
رجسٹر خریداران کر لیجئے اور پرچہ بذریعہ وی پی پارسل روانہ کیجئے گا-
راقم لالہ نہالچند پرائیویٹ سکرٹری رائے صاحب
"بمبئی - ۳۱ مئی ۱۹۰۸ء - جناب بندہ - تسلیم - تر
رسالہ ہے- مضامین بڑے اعلیٰ پایہ کے ہیں- جنوری ۱۹۰۸ء سے
"ترقی" کی فہرست میں درج فرماکر مشکوری کا موقع دیجئے- اور گزشتہ عہد
ذریعہ وی- پی بھیجکر سنہ رواں کا چندہ طلب کر لیجئے -
آغا محمد شاہ حشر کاشمیری (مشہور ڈرامست
نیو الفریڈ کمپنی- پلے ہوس- بمبئی

موجودہ نمبر ترقی میں دو خاص مضامین نذر ناظرین کرکے است
کہ ان مضامین کو ناظرین ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیں- اُن میں سے ایک مضمون
راجہ اشوک بابو ڈپٹی لعل صاحب نگم بی-اے جیسے قابل شخص کا لکھا ہوا
ہے جسکا وعدہ ہم نے ترقی اپریل نمبر میں کیا تھا + دوسرا مضمون مسلمان فرمیں
ہے- یہ حضرت ساغر اکبرآبادی ایڈیٹوریل اسسٹنٹ پنجاب ریلیجس بک سو
وسیع معلومات اور تحقیقات کا نتیجہ ہے +

افسوس کہ اس نمبر میں نظمیں بوجہ عدم گنجائش کے شائع ہونے سے
میں اسکی تلافی کردی جائیگی- نیز ایک مضمون خاص جو نہایت اعلیٰ پایہ کا- بیحد دلچسپ

صدی ہجری کے ابتدائی زمانہ میں سرزمین فارس میں امام موثق الدین ایک ایسا فاضل
یہ علم کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ اُنکے حلقہ درس میں دُور دُور سے لوگ آکر دولت علم سے
تھے۔ اُن کے طلباء میں سے تین نوعمر عجمی بھی تھے۔ جن میں سے دو کا نام حسن اور تیسرے
باہم بہت ربط ضبط اور اُنس تھا۔ اُن میں آپس میں یہ عہد ہوگیا تھا کہ تینوں میں سے جو کوئی
اور عزت کے منصب پر پہنچے وہ باقی دو کو بھی اپنی عزت اور دولت میں شریک کرے
تینوں فارغ التحصیل ہوکر نکلے تو ایک حسن دربار سلجوقی میں ملازم ہوکر اپنی قابلیت سے
پر پہنچ گیا۔ اُسکا لقب نظام الملک طوسی رکھا گیا۔ عمر گو دُنیوی وجاہت کے اعتبار
نکلا۔ مگر اعلےٰ درجہ کا شاعر اور فیلسوف تھا۔ اور عمر خیام کے نام سے مشہور ہوا۔ دوسرا

بن صباح تھا +

ن صباح ایک خیمہ دوز کے ہاں ضلع خراسان کے شہر طوس میں پیدا ہوا۔ اور جب
ہوچکا تو ملازمت کے لئے جا بجا پھرتا رہا۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اُس وقت وہ اپنے
حسن کے پاس پہنچا جو اس وقت ملک شاہ کے دربار میں نظام الملک کے لقب سے
ب پر مامور تھا۔ نظام الملک بڑے خلق سے پیش آیا اور اُسے اپنے برابر کے عہدے
ابن صباح کچھ عرصہ دربار میں رہا مگر ایک بات پر دربار سے نکالا گیا۔ اور اصفہان پہنچکر
س ابوالفضل کے ہاں مہمان ہوا۔ اور کچھ عرصہ رہ کر آوارہ گردی کرنے لگا۔ جس میں سے
داعی ملا۔ اُس سے اُس فرقہ کے اصول سیکھے۔ پھر کچھ عرصہ بیمار رہا۔ صحت یاب ہوکر
تعلیم حاصل کی اور آخر کار شیخ عبدالملک بن عطاء داعی عراق نے اُسے داعی
ر کر دیا۔ اور یہ رائے دی کہ وہ مصر جاکر امام الزمان خلیفہ المستنصر کی زیارت سے شرفیاب ہو
ع عراق کی طرف روانہ ہوا۔ ادھر حسن مصر کی طرف۔ جہاں پہنچنے سے پیشتر ہی اُس
اسمٰعیلیہ میں بہت کچھ شہرہ ہوچکا تھا۔ جب حسن دربار خلافت میں حاضر ہوا تو خلیفہ بڑے
سے پیش آیا۔ اور بڑی عزت کرنے لگا۔ دیگر اراکین اس بات پر حسن سے حسد کرنے لگے۔
پہ سالار نے تو اُسکی جان لینے کا قصد کرلیا۔ اور ایک دن موقع پاکر اُس نے حسن کو زنجیر
ساز میں ڈلوا دیا جو کہیں جا رہا تھا۔ جب جہاز سمندر کے بیچوں بیچ پہنچ گیا تو ایک
بس نے جہاز کو بہت صدمہ پہنچایا۔ جہاز کے ڈوبنے کا سب کو یقین ہوگیا۔ اُس وقت

حسن نے کہا کہ "میرے نزدیک تو کوئی بات اندیشے کی نہیں۔ خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ ہم نہ ڈوبینگے" ذرا ہی دیر بعد طوفان جاتا رہا اور سمندر کے پانی میں سکون ہو گیا۔ سب لوگ دوڑ کر حسن کے قدموں پر گر پڑے اور ایمان لے آئے کہ وہ خدا کا برگزیدہ بندہ اور ولی ہے۔ جب جہاز ساحل شام پر پہنچا تو اُسے حسن نے چھوڑ دیا۔ وہ مدتوں مختلف مقامات کا سفر اور مذہب اسمٰعیلیہ کی منادی کرتا ہوا آخر کار قلعہ التموت میں پہنچا۔ اور ہمیشہ کے لئے وہیں قیام کر دیا یہ ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا۔ اور نہایت بلندی پر اور سخت پیچیدہ گھاٹیوں کے درمیان۔ قلعہ کا مالک ایک شخص مہدی نامی تھا۔ وہ فاطمی تھا۔ اُسی سے حسن نے یہ قلعہ حاصل کیا۔ اور اپنا لقب شیخ الجبال رکھا۔ اسکے بعد وہ بڑے استقلال سے اپنے مذہب کو دُنیا میں پھیلانے لگا۔ اور قلعہ کے گرد عالیشان محل اور باغ تعمیر کرائے۔ حسن کی روز افزوں طاقت کو دیکھکر قرب وجوار کے حکمران ڈرنے لگے کہ کہیں حسن سارے ایران پر قبضہ نہ کرلے۔ اس لئے نظام الملک نے اُس پر فوجکشی کرائی۔ اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ حسن نے ایک مرید بھیجکر اُسے ہلاک کرا دیا۔ اتنے ہی میں ملک شاہ فوت ہو گیا۔ اور محاصرین واپس بلا لئے گئے۔ حسن نے اور کئی فرمانرواؤں کو جو اُس کا زور گھٹانے کے درپے تھے قتل کرایا۔ اور جب وہ ۵۱۸ ہجری میں فوت ہو گیا تو اسکے جانشین بھی فرمانرواؤں کو قتل کراتے رہے اس فرقہ کے لوگ اپنے مذہب کی اشاعت میں رخنہ ڈالنے والوں کو ضرور قتل کرا کے دم لیتے تھے۔

حسن نے اپنے معتقدوں کے دل پر اپنی ریاضت اور سختی سے ڈھاک بٹھائی۔ وہ مذہبی احکام کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ اُس نے ایک بیٹے کو ایک شخص کے قتل کے اور دوسرے کو شراب نوشی کے جرم میں قتل کرایا۔ حسن نے اپنے دعوے کا یقین دلانے کے لئے یہ نرالی ترکیب نکالی کہ قلعۂ التموت کے گرد سرسبز و شاداب کوہساروں میں دُور تک ایک جنت بنائی۔ اُس میں عمدہ اور خوبصورت مکانات۔ برج اور کوشکیں تعمیر کرائیں۔ پہاڑ کاٹ کر اُسکے اندر نہریں لائی گئی تھیں۔ اُن میں نوجوان۔ نازک اندام اور خوبصورت عورتیں رکھی گئیں۔ جس شے کی ضرورت ہوتی اُسے یہ حوریں نہایت رازداری کے ساتھ جنت کے اندر لے جاتی تھیں۔ جنت اس قسم کی تھی کہ اُس میں جانے والے کی فرحت اور مسرت دمبدم بڑھتی رہتی تھی اُسکے بنانے کے بعد حسن نے اپنے مریدوں کو تین درجوں میں تقسیم کیا یعنی داعی۔ رفیق۔ فدائی۔ داعی دُور دُور تک جا کر خفیہ طریقہ میں اسمٰعیلیہ مذہب کی تبلیغ کرتے۔ رفیق حسن کے معتمد علیہ تھے۔ اور فدائی اُن لوگوں کو قتل کرتے جو اسمٰعیلیہ مذہب کی اشاعت و ترقی میں ہارج ہوتے تھے۔ ان ہی لوگوں کے ذریعے حسن ایک نہایت خوفناک اور دُنیا میں ایک بڑا شخص مشہور ہوا۔ ان لوگوں نے دوسروں کے دلوں پر

تاریخ یورپ

اٹلی

اس ملک کا نام اٹلی ایک بادشاہ اٹالیئس کے نام پر جس کا ذکر قصہ کہانیوں میں پایا جاتا ہے رکھا گیا تھا۔ قدیم یونانی اس ملک کو ہسپیریہ یا "مغربی ملک" کہتے تھے۔ کیونکہ وہ یونان سے مغرب کو اور بحیرۂ ایڈریاٹک کے پرے واقع تھا۔ اس ملک کے قدرتی حدود یہ ہیں۔ جنوب میں بحیرۂ روم۔ مشرق میں بحیرۂ ایڈریاٹک۔ مغرب میں بحر روم اور شمال میں کوہستان ایلپس۔ اٹلی کے مغرب میں فرانسیسی۔ شمال میں سوئس اور مشرق میں آسٹرین اقوام آباد ہیں۔ تجارت کے اعتبار سے اٹلی ایک عمدہ ملک ہے۔ کیونکہ اُس کے تین طرف سمندر ہے۔ اور اسی باعث اُسے اسپین یا فرانس پر فوقیت حاصل ہے۔ ان قدرتی حدود و فوائد کو دیکھتے ہوئے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ اٹلی کا وجود ایک متحدہ سلطنت کی حیثیت سے ابھی تھوڑے ہی عرصہ سے ہے۔ اس اتحاد کا آخری سبب ۱۸۷۰ء کی جنگ تھی۔ مگر اس جنگ میں خود اٹلی حصہ دار یا شریک نہیں تھا۔

یورپ میں کوئی دوسرا ملک اس قدر منقسم و منفرد نہیں تھا جس قدر کہ اٹلی۔ جرمنی کی بھی یہ کیفیت نہیں تھی۔ اگرچہ کبھی وہ بھی بہت سے حصوں اور نوابیوں میں منقسم تھا۔ جن پر بادشاہوں۔ نوابوں اور امیروں کی حکومت تھی۔ لیکن اُس کے سارے حکمران جرمن قوم ہی کے لوگ تھے۔ برخلاف اس کے اٹلی زیادہ حصوں میں منقسم تھا اور اُسکے فرمانروا غیر قوم کے لوگ تھے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ملک روم اور خود شہر روم کسی زمانہ میں دُنیا کا سرتاج تھے۔ اُن کے ماتحت بہت سے ممالک تھے۔ روم میں دولت اور تہذیب کی ترقی کے ساتھ ساتھ بہت سے شہر دولت و تہذیب اور طاقت کے مرکز بن گئے۔ اور جب روم کی سلطنت کو زوال ہوا تو یہ شہر مرکز کے اعتبار سے

متعدد مگر چھوٹی چھوٹی سلطنتوں یا یوں کہو کہ نوابیوں کے پیدا کرنے کا موجب ہوئے۔ ان شہروں نے گرد و نواح کے ملک کو اپنا مطیع کر لیا۔ مگر جو سلطنتیں اس طریقہ میں پیدا ہوئیں اُن میں سے ایک بھی دولت و طاقت کے اعتبار سے اس قدر وسیع اور بڑی نہیں تھی کہ دوسری سلطنتوں کو قابو میں کر کے اپنا ماتحت بنا سکتی اور کل اٹلی میں ایک ہی بادشاہ کی اور ایک ہی زبردست سلطنت کی بنیاد ڈال سکتی۔ ایک اور سبب اٹلی کے منقسم رہنے کا یہ ہے کہ چونکہ رومیوں کو دُنیا میں بڑا عروج و اقتدار حاصل تھا۔ اس لئے روم اور کل اٹلی ایک ملکی یا پولیٹکل زیارت گاہ سارے یورپ کے لئے بن گئی۔ پھر روم میں پوپ کا پایہ تخت ہونے کے باعث بھی ایک درجہ تک طاقت کا مرکز اٹلی ہی رہا جس طرح مسلمان مکہ کی زیارت کو جاتے ہیں۔ اور قدیم یونانی ڈیلوس جاتے تھے یا عیسائی بیت المقدس جاتے ہیں۔ اسی طرح قرون اوسط میں یورپ کے بڑے بڑے حکمران روم میں تاجپوشی کی رسم ادا کرانے جاتے تھے۔ تاکہ اُن کی وقعت اُن کی رعایا کی نگاہوں میں زیادہ ہو جائے۔ وہاں جاکر ان بادشاہوں کی آنکھیں کھل جاتی تھیں۔ اور جب وہ اٹلی کی دولت دیکھتے تو اُس کا لالچ کرنے لگتے تھے +

مذکورہ بالا طریقہ میں شاہان شارلیمین اور فریڈرک باربروسہ نے اٹلی کا ایک حصہ حاصل کیا تھا۔ جب "ہولی رومن امپائر" کا فرمانروا کاؤنٹ روڈلف ساکن ہیسبرگ بنایا گیا تو اٹلی کے ممالک پر آسٹریہ کا قبضہ ہوگیا۔ یہی وجہ تھی کہ اٹلی میں آسٹریہ کے قدم جم گئے۔ اور یہ قدم کم و بیش ۱۸۶۶ء تک جمے رہے +

اٹلی کا بالائی حصہ اور دریائے پو کا طاس جن کے پس پشت کوہستان ہے اس قسم کا ملک تھا کہ دوسری قوموں کا اُس پر فوجکشی کرنے کے لئے جی بھر بھر آتا تھا۔ ابتدائی زمانہ میں یہ حصہ ملک زراعت اور دولت کے اعتبار سے قابل لالچ تھا۔ مزید برآں قدرتی مناظر کے اعتبار سے بھی اٹلی ایک عمدہ اور دلفریب ملک ہے۔ تجارت کے لحاظ سے بھی فائدہ بخش ہے۔ ان ساری باتوں کے ہوتے ہوئے وہ وحشی اقوام جو کوہستان ایلپس سے شمال کو آباد تھیں وہ اٹلی پر قبضہ کرنے کی خواہش میں رہتی تھیں اور جب کبھی جس کسی ایسی قوم کا موقع لگا تو اُس نے اٹلی پر قبضہ کرنے یا کم از کم اُسے

تاخت و تاراج کرنے میں کوتاہی نہیں کی +

شمالی وحشی اقوام میں سے وسی گوتھ قوم جس نے اسپین پر قبضہ کر لیا تھا اُس کی ایک شاخ اوسترو گوتھ تھی جو شمالی سرحد کے دروں میں ہو کر اٹلی میں داخل ہوئی تھی۔ اسی طریقہ میں ایک اور شمالی قوم لونگو بارڈ یا لومبارڈ نامی اٹلی میں داخل ہوئی۔ اس قوم کے نام پر اٹلی کے ایک حصے کا نام لومبارڈی رکھا گیا +

قوم لومبارڈ بڑھتے بڑھتے وسطی حصہ پر قابض ہوئی جس پر کسی زمانہ میں رومی قوم کا قبضہ تھا۔ لیکن جب اٹلی پر شاہ شارلیمین کا قبضہ ہوا تو اُس نے اس قوم کو ہلاک کر کے اُس ملک کو لے لیا جس پر اُس کا قبضہ تھا +

جزیرہ سسلی۔ اور اٹلی کے جنوبی اضلاع پر رفتہ رفتہ اوّل یونانیوں کا پھر مسلمانوں کا اور سب کے آخر میں نارمنڈی کی رہزن اقوام کا قبضہ ہو گیا۔ ان میں سے یونانیوں کا قبضہ اس قدر طاقت کے ساتھ رہا کہ اٹلی کے جنوبی اضلاع کا نام "یونان برتر" پڑ گیا۔ مسلمان جنہوں نے یونانیوں سے اس حصۂ ملک کو فتح کیا وہ اُن مسلمانوں میں سے تھے جنہوں نے اسپین کو فتح کیا تھا۔ مگر اُن کی حکومت اس لئے زیادہ مدت تک نہ رہی کہ سواحل افریقہ سے اسپین تو نزدیک تھا۔ مگر اٹلی کا جنوبی حصہ زیادہ دُور۔ اسی طرح نارمن قوم کا قبضہ بھی بہت ہی تھوڑے عرصے تک رہا +

مذکورۂ بالا اسباب کے باعث اٹلی کے مختلف حصے مختلف حکمرانوں کے زیر نگین آ گئے۔ بحیرہ ایڈریاٹک کے شمال و مغربی گوشہ پر سمندر کا پانی بہت اُتھلا ہے۔ اس میں بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں۔ جب روم پر شمال کی وحشی اقوام نے حملہ کیا تو اٹلی کے بہت سے باشندے پناہ لینے کے لئے ان جزیروں میں چلے گئے۔ چونکہ یہ جزیرے اس قابل نہ تھے کہ حملہ آور اُن پر حملہ کرتے اس لئے لوگ اُن میں جا کر محفوظ رہے۔ ان جزیروں کے لوگوں نے ایک چھوٹی سی جمہوری سلطنت کی بُنیاد ڈالی۔ اور ایک شخص کو اپنا سرغنہ بنا لیا۔ اُس کا لقب ڈوج رکھا۔ ان ہی جزیروں سے رفتہ رفتہ سلطنت وینس کی بُنیاد پڑی +

روم اور قسطنطنیہ بڑے شہر تھے۔ اور اگرچہ وہ اُس وقت رو بہ تنزل تھے۔

لیکن اُنھوں نے اس چھوٹی سی جمہوری سلطنت کے ساتھ تجارت شروع کی - اور جو چیزیں وینس کے جہاز لے جاتے تھے اُن کو دوسرے ملک کے جہازوں کی چیزوں پر فوق دینے لگے - وینس ہی کے جہازوں میں روم اور قسطنطنیہ کے لوگ بحری سفر بھی کرتے تھے +

ان باتوں کے ذریعے سے وینس دولت اور طاقت میں ترقی کرتا گیا - یہاں تک کہ اُس نے فتوحات شروع کیں - اُنھوں نے صوبہ آسٹریہ کی چٹانی سرحد البریٹہ کو فتح کیا - اور شہر کروشیٹیہ اور ڈلماشیٹہ کو اپنا مطیع کر لیا - الغرض وینس رفتہ رفتہ جنوبی یورپ میں ایک طاقتور سلطنت بن گیا +

وینس نام کے لئے جمہوری سلطنت تھی - کیونکہ کچھ ہی عرصہ بعد اُس کا انتظام حکومت صرف چند لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا - یہ لوگ دولت مند تھے - اور ڈوج ڈنڈولو کے ایک جانشین گریڈینیگ نے دس شخصوں کی ایک مجلس قائم کی جس نے لوگوں پر بہت ظلم کیا - وہ اسپین کی "مذہبی عدالت" سے بھی بدتر نکلی +

فرانس کی انقلاب پسند جماعت نے یورپ کے پولیٹکل مطلع کو بہت کچھ صاف کیا - جب انقلاب کے حامیوں نے فرانس کا نظم ونسق نیپولین کے سپرد کر دیا تو فرانس کی جمہوری سلطنت کی فوج سارے یورپ میں ریلی پھیلی پھرنے لگی اور ایک ایک کر کے ملکوں کو فتح کرنے لگی +

دُنیا میں پھر ایک بار خونخواری کا دوردورہ ہوا - مگر اُس کا خاتمہ فرانس کی جمہوری سلطنت کے اثر سے ہوا - اُس کے ذریعے سے اوّل تو اسپین کی "مذہبی عدالت" کا خاتمہ ہوا جس نے لاکھوں جانیں تلف کر دی تھیں - پھر وینس کی اُس ظالمانہ مجلس کا خاتمہ ہوا جو "مجلس عشرین" کہلاتی تھی - نیپولین اگرچہ کئی باتوں میں جابر اور سخت گیر تھا - لیکن وہ ظلم کا مخالف بھی تھا - اُس کی کوشش سے ان دونوں نہایت ظالمانہ مجالس کا خاتمہ ہوا +

تاریخ بابل

بدقماش میرودانخ دو سال کی حکومت کے بعد قتل کر دیا گیا۔ اُسے اُسکے بہنوئی نیرگل سراُصر نے جو مجوسیوں کا سردار تھا اور شاہ بنوکد نضر کے ساتھ یروشلم کے محاصرہ میں موجود تھا قتل کیا۔ نیرگل سراُصر تین سال حکومت کر کے ۵۵۶ قبل مسیح میں فوت ہوا۔ اُس کا بیٹا لاباسی مرودخ اُس کا جانشین بنایا گیا۔ مگر نو ماہ کی حکومت کے بعد قتل کر دیا گیا +

اسکے بعد نابونیدس جو نابوبلاٹ سو اکبی کا بیٹا تھا اُس نے ۵۵۶ قبل مسیح میں حکومت شروع کی۔ اُس وقت سے سلطنت بابل کو رفتہ رفتہ زوال ہونے لگا۔ شاہ خُرس زور پکڑتا جاتا تھا۔ اور نابونیدس کی لاپروائی نے اُسے بابل پر قبضہ کر لینے میں مدد دی۔ نابونیدس شہر تیمہ میں رہتا تھا۔ فوج کا انتظام اُس نے اپنے بیٹے کے سپرد کر دیا تھا۔ نابونیدس نے اپنی حکومت کے پہلے سال میں ایک بادشاہ سے جس کا نام تواریخ میں نہیں ملتا جنگ کی۔ دوسرے سال ہمات میں ہنگامہ ہو گیا۔ تیسرے سال نابونیدس ملک کو عمانا نو گیا۔ چھٹے سال شاہ خُرس ایک ملک میں گیا جس کا نام تواریخ میں نہیں پایا جاتا۔ اُس کی سیاحت کا حال سُن کر اسٹیاغس کی سپاہ نے اپنے بادشاہ کو خُرس کے حوالے کر دیا۔ شاہ خُرس اپنی طاقت کو جلد جلد ترقی دے رہا تھا۔ اُس نے شہر اخباطنہ پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے سونے روپے کی چیزوں کو اپنے ہمراہ لے گیا۔ ساتویں اور نویں سال بھی نابونیدس شہر تیمہ ہی میں رہا۔ مگر اُسکی فوج اکاد میں تھی۔ نویں سال نابونیدس کی ماں انتقال کر گئی۔ ابھی نابونیدس والدہ کے سوگ سے فارغ نہ ہوا تھا کہ خُرس نے ایک بھاری فوج سے اُسکے ملک پر چڑھائی کر دی۔ دسویں سال بھی نابونیدس تیمہ میں اور اُس کی فوج اکاد میں رہی۔ بابل اور بورسپہ کے پوجاریوں نے دیوتاؤں کو قربانی گزران کر صلح کے لئے درخواست دی۔ اسی سال خُرس نے عیلام سے سرزمین اکاد پر فوجکشی کی۔ گیارھویں سال بھی نابونیدس

تیمہ میں رہا اور فوج اکاد میں - الغرض یہ کہ شاہ خُرس دن بدن سلطنت بابل کی سرزمین میں قدم جماتا گیا - آخر کار اُنیسویں سال میں یعنی ۵۳۹ء قبل مسیح میں اُس نے خاص شہر بابل پر قبضہ کر لیا ٭

تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ مسٹر رسّام - بابل سے نابونیدس کے زمانے کے کتبے انگلستان لے گئے - اُن میں ایک نہایت اہم ہے - اُسکے کندہ کرانے والے کا نام نابو بلاٹ سُواکبی درج ہے - نیز یہ درج ہے کہ ایک دشمن سمندہ - ملک ہاران کو چلا گیا - اور اُس نے ماہتاب کے دیوتا کو تباہ کر ڈالا - اس پر بیل دیوتا نے نابونیدس سے یہ خواہش کی کہ وہ شہر ارا مندہ کو از سرِ نو آباد اور مرمت کرائے - اسی طرح مردوخ سن اور ماہتاب کا دیوتا بھی خواب میں نظر آ کر نابونیدس سے کہنے لگے کہ وہ بیل دیوتا کی خواہش کو پُوری کرے - اس بارہ میں ایک کتبہ خود نابونیدس نے کندہ کرایا تھا ٭

جب نابونیدس نے دیوتاؤں کو خواب میں دیکھا تو اُس نے مرمت کا کام شروع کرایا - اور اپنی فوج کو غازہ سے لے آیا - جب مرمت کے لئے بنیادیں کُھدرہی تھیں تو زمین سے وہ کتبے نکلے جو شاہ سلمنسر دوم نے اور اشر بنی پال نے رکھے تھے - جب وہ ماہتاب کے دیوتا کے مندر کی مرمت کرا چکا تھا تو اُس نے آفتاب کے دیوتا کے مندر کی مرمت شروع کرائی - مگر وہاں شاہ بنوکدنضر کے وقت کا کوئی کتبہ نہیں ملا - نابونیدس نے اس خیال سے اس دیوتا کی مورت دوسرے میں رکھوائی کہ وہ درست مقام پر نہیں رکھی گئی تھی - اُس نے بنیادیں ۱۸ ہاتھ نیچی کھدوائیں - تب اُسے وہ سنگ بنیاد ملا جو شاہ نارام سن نے رکھا تھا ٭

اس کے بعد نابونیدس نے ستارہ کے مندر کی مرمت کرائی - جب وہ بنیادیں کھدوا رہا تھا تو اُسے دو اَور بادشاہ کے وقت کے سنگ بنیاد ملے - نابونیدس کے اس کتبہ سے اُسکے عہد حکومت کے اوّل گیارہ سال کے حالات تو معلوم ہو جاتے ہیں - مگر اُسکے بعد کے نہیں - اس لئے کہ وہ کتبہ ادھورا ہے ٭

فتح بابل کی یہ مختصر تاریخ ہے - یہ فتح ہتیار سے یا فوج سے نہیں بلکہ اَور ذریعوں سے حاصل کی گئی تھی - نابونیدس کی سپاہ میں بغاوت ہو گئی اور وہ خوف

گھاکر بھاگ نکلا۔اس لئے سپارہ پر بڑی آسانی کے ساتھ قبضہ ہوگیا۔اور باغی جو ہی ساگیلی میں پناہ گزین تھے اُن کے پاس ہتیار نہیں تھے۔اس لئے وہ بلا کسی دقت کے مغلوب کر لئے گئے۔عجائب خانہ لندن میں ایک کتبہ ہے جو شاہ خُرُس کے حکم سے تیار کیا گیا تھا۔اس میں اُسکے فتح حاصل کرنے کے حالات کندہ ہیں۔اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ نابونیدس دیوتاؤں کو بھول گیا۔وہ قربانیاں اور نذریں نہیں گزرانتا تھا۔اس لئے دیوتا بھی دوسرے ملک والوں کے طرفدار ہوگئے اور مردوخ دیوتا نے دیوتاؤں کے لئے ایک نیا بادشاہ تلاش کرلیا۔

مردوخ دیوتا نے شاہ خُرُس کو سلطنت بابل پر قبضہ دلادیا۔یہ دیوتا خُرُس کے دل پر حکمرانی کرتا تھا۔اس لئے ملک میں راستبازی اور قانون کی حکومت رہی۔دیوتاؤں ہی نے نابونیدس کو شاہ خُرُس کے ہاتھوں میں گرفتار کرادیا۔ملک کے سارے سرداروں اور لوگوں نے شاہ خُرُس کی اطاعت قبول کرلی۔شاہ خُرُس نے مردوخ دیوتا کے اثر سے یہ فرمان بعد فتح جاری کیا کہ:۔

"میں شاہ خُرُس سب سے زبردست بادشاہ تنتز۔سومیر۔اکاد۔اور چار دانگ عالم کا فرمانروا ہوں۔میں ایران کے نامور بادشاہ کمبیسس کا بیٹا اور شاہ خُرُس اعظم کا پوتا ہوں۔میں اُس خاندان سے ہوں جس کی حکومت پر بیل اور نبیو دیوتا بھی خوشی مناتے ہیں"۔

شاہ خُرُس نے بابل کے تاج و تخت پر قبضہ کرلیا۔اُس کی صلح پسند فوج سارے ملک پر مسلط ہوگئی۔خُرُس نے شہروں کو مرمت کرکے ازسرنو آباد کیا۔اُس نے مردوخ دیوتا کے مندر کی مرمت بھی کرائی۔مگر بعجلت تمام نواح کے سارے بادشاہوں نے خُرُس کو نذریں دیں۔خُرُس نے سارے شہروں میں دیوتاؤں کے مندروں کی مرمت کرائی۔وہ ہر روز نبیو اور بیل کی پرستش کرتا تھا۔تاکہ وہ اُسکی عمر میں برکت دیں۔اور اُس کی سلطنت کو خوشحال رکھیں۔

کتبوں سے تو صرف اس قدر حالات معلوم ہوتے ہیں جو اوپر بیان ہوچکے مگر ہیروڈوٹس مورخ لکھتا ہے کہ شاہ خُرُس نے دریائے فرات کو بالکل خشک کردیا۔

خشک اس طرح کیا کہ اُس میں سے ایک نہر نکلوا کر ایک جھیل میں گرادی - اور اُن دروازوں میں ہوکر جو سطح دریا میں بنے تھے اور جن کی نگرانی سے اہل بابل غافل تھے اُسکی فوج شہر کے اندر داخل ہوگئی - اگرچہ اس کا ذکر کتبہ میں نہیں ہے - مگر یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے - نابوتیدس کی فوج کا سپہ سالار اُس کا بیٹا تھا - بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ جس روز شاہ خورس کا قبضہ بابل پر ہوا اُسی رات کو نابونیدس کا بیٹا مارا گیا +

یوسیفس مورخ اور بائیبل کے بیان میں ایک واقعہ سے متعلق اتفاق رائے ہے - یہ واقعہ ان ہی دو کتابوں میں ہے - حالانکہ نہ کتبوں میں ہے اور نہ ہیروڈوٹس کی تاریخ میں - وہ یہ ہے کہ "شاہ بیلشضر نے جو نابونیدس کا بیٹا تھا ایک ہزار امیروں کی دعوت کی - اور اُن سونے چاندی کے ظروف میں جنھیں اُس کا باپ یروشلم سے لایا - اُس نے - امیروں یا اُس کی جوروؤں نے اور اُس کی سریتیوں نے شراب پی - اور سونے - چاندی - پیتل - لوہے - لکڑی اور پتھر کے معبودوں کی ستائش کی - اس وقت ایک ہاتھ نے نمودار ہوکر دیوار پر کچھ لکھا جو کسی کی بھی سمجھ میں نہ آیا - نجومی کسدی اور فالگیر بھی دیوار پر کی تحریر کا مطلب نہ بتا سکے - مگر دانی ایل نبی نے اُس تحریر کا مطلب بتا دیا جو یہ تھا کہ تیری سلطنت اب جاتی رہیگی اور مادی (ایرانی) قوم تیرے ملک پر حکمرانی کریگی" یہ کہنا پورا ہوا - کیونکہ اُسی رات شاہ خورس کا قبضہ ملک پر ہوگیا +

بابل والے سن چکے تھے کہ خورس بڑا فاتح ہے - مگر اُن کو یہ اطمینان تھا کہ بابل کی شہرپناہ بہت مضبوط ہے - شاہان بابل بڑے فاتح ہوئے ہیں - اس لئے شاہ خورس ملک کو فتح نہیں کرسکیگا - مگر یہ خیال غلط ثابت ہوا +

بحر اوقیانوس کے ایک سرے سے دوسرے تک بحری تار برقی کے ذریعے سے تین سیکنڈ میں خبر پہنچ جاتی ہے +

عمدہ قسم کے انجن میں ۳۰۰۰۰ پرزے ہوتے ہیں +

تاریخ پالیٹکس

زراعت اور طائفہ (۱)

زراعت کی ابتدا جس طرح اس بات کا ٹھیک پتہ نہیں لگ سکا کہ حیوانات کے پالنے کی ابتدا کس نے کی اُسی طرح اس بات کا سراغ بھی نہیں لگ سکتے کہ زراعت کی ابتدا کس نے کی۔ لیکن جس طرح یہ یقینی ہے کہ ایک مقام کے لوگوں سے دوسرے مقام کے لوگوں نے حیوانات کے پالنے کا فن سیکھا اُسی طرح یہ بھی یقینی ہے کہ ایک مقام کے لوگوں سے دوسرے مقام کے لوگوں نے فن زراعت حاصل کیا۔

اگرچہ فن زراعت کی ابتدا کا ٹھیک حال معلوم کرنا دشوار ہے تاہم سائنٹفک استقرا کے طور پر یہ فرض کر لینا بالکل درست ہے کہ اگرچہ آسٹریلیا کے وحشی لوگ زراعت کے فن سے ناواقف ہیں۔ مگر وہ کسی اناج کے تخم کو پیس کر روٹی پکانا ضرور جانتے ہیں۔ اب ہم یہ فرض کر لیں کہ وسط آسٹریلیا جو قدرتی پیداوار کے اعتبار سے بہت زرخیز ملک ہے۔ اُسکے لوگوں نے زائد غلّہ کو زمین کے اندر گرمائی مسکن کے نزدیک اس خیال سے دبا دیا کہ جب وہ دوبارہ وہاں آئینگے تو اُسے صرف میں لائینگے۔ اس کے بعد وہ وہاں سے نقل سکونت کر کے کسی مقام میں چلے گئے۔ جہاں موسم سرما گزارنے کے بعد وہ پھر گرمائی مسکن کو واپس آ گئے۔ یہاں آ کر دیکھا کہ جہاں اُنہوں نے غلّہ دبایا تھا وہاں غلّے کے درخت کھڑے ہیں اور اُن میں اُسی قسم کی بالیں یا خوشے لگے ہیں جن میں سے کہ وہ غلّہ نکالتے ہیں۔ اس طریقہ میں کسی وحشی قوم میں فن زراعت کا خیال پیدا ہو گیا۔ اور جس طرح غلّہ کی کاشت کا خیال پیدا ہوا اُسی طرح آلو وغیرہ کی کاشت کا بھی۔

زراعت کی نوعیت۔ یہ امر قرین عقل ہے کہ جوں ہی مذکورہ بالا خیال کسی وحشی قوم کے دل سے دوچار ہوا توں ہی زراعت کی ابتدا ہو گئی۔ یہ امر یقینی ہے کہ

گلہ بانی کی حالت میں اقوام میں بھدی قسم کی زراعت کا دستور ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی سوال کرے کہ زراعت سے بیشتر گلہ بانی کی ابتدا کیوں ہوئی۔ تو اُس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ زراعت میں بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔ اور وحشی اقوام میں محنت کا شوق نہیں ہوتا۔ کسان کی زندگی کے مقابلہ میں گلہ بان کو محنت کم کرنا پڑتی ہے۔ اور لطف بھی زیادہ آتا ہے۔ حیوانات کا گرفتار کرکے سدھانا وحشی اقوام کے نزدیک ایک دلپسند شغل ہے۔ گرفتار کرنے میں تو اُس کے جوش و سرگرمی کی سیری ہوتی ہے اور سدھانے میں فرصت کا وقت لطف کے ساتھ گزر جاتا ہے۔ اسی طرح حیوانات کا چرانا۔ دوہنا۔ ذبح کرکے کھال درست کرنا۔ اُون کاتنا اور بُننا بھی پُرلطف اشغال ہیں۔ اسی لئے ان میں سے زیادہ تر کو عورتیں انجام دیتی ہیں۔ مگر زراعت مشکل ہے۔ زمین کو دھوپ میں جوتنا۔ اُسے کماتا۔ تخم ریزی کرنا اور پانی دینا۔ کاٹنا۔ کوٹنا۔ پیٹنا۔ غلّہ نکالنا۔ یہ سب کام سخت محنت طلب ہیں۔

زراعت اختیار کرنے کے اسباب۔ مذکورۂ بالا وجوہات کے اعتبار سے زراعت کے اصول معلوم ہونے پر بھی زراعت مدّت دراز تک محض ایک زائد شغل کی صورت میں رہتی ہے۔ اور جب تک مردم شماری کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی تب تک زراعت کو بھی ترقی نہیں ہوتی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اگرچہ زراعت محنت طلب ہے۔ لیکن اُس کا ثمرہ گلہ بانی کے ثمرہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ یہ بدیہی بات ہے کہ جس قدر رقبۂ زمین میں سو گلہ بانوں کی گزر ہو سکتی ہے اُسی قدر میں چار سو یا پانسو کسانوں کی گزر ہو جاتی ہے جیسا کہ عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے زراعت کی ابتدا دریائے نیل کے ڈیلٹا (مثلث نما اراضی) اور مسپٹامیہ کی سرزمین سے ہوئی۔ جہاں کی خشک اور ریتلی زمین مواشی کے لئے بہت کم چارہ مہیا کر سکتی تھی۔ لیکن جہاں کی زرخیز زمین جو دریا کی وادیوں کا حصہ تھی زراعت کے قابل تھی۔ اُس میں زراعت آسانی کے ساتھ ہو سکتی تھی اور زیادہ نفع دینے والی تھی۔ ان ہی ممالک سے زراعت پھیلتے پھیلتے دوسرے ملکوں میں چلی گئی۔ اوّل ایشیائے کوچک میں گئی۔ اور وہاں سے شمال اور مغرب کی طرف چلی گئی۔ یہاں تک کہ سارے یورپ میں پھیل گئی۔ چونکہ یورپ کی آبادی رقبہ کے اعتبار سے زیادہ رہی ہے اس لئے لوگوں نے زراعت کا پیشہ جلد تر اختیار کر لیا۔ رفتہ رفتہ زراعت ایشیا

اور افریقہ میں بھی پھیل گئی ؞

زراعت کے ابتدائی طریقے - زراعت جس شکل میں کہ فی زمانہ مختلف ملکوں میں پائی جاتی ہے - ابتدا میں اُسکی شکل اس قسم کی نہیں تھی - بلکہ اس شکل میں وہ بتدریج آئی - اس سے پیشتر اُس پر کئی حالتیں گزر چکی ہیں - جن میں سے خاص خاص یہ ہیں :-

(۱) **جنگلوں کا صاف کرنا** - سب سے اول زراعت کے لئے جنگلوں کو صاف کیا گیا - اس خیال سے کہ سب سے زیادہ زرخیز زمین پر نباتات اُگتی ہے - بعض اوقات جنگل کو آگ لگا کر صاف کیا گیا - اور اُسکی راکھ ابتدائی کھاد کے کام میں لائی گئی - اسی راکھ یا خاک میں تخم بکھیر دیا گیا - اور اُگ آیا - بعض اوقات درختوں کو کلھاڑوں سے کاٹ کر صاف کیا گیا - اس کے بعد زمین کو کُدالیوں یا پھاوڑوں سے کھودا گیا ؞

زمین صاف کر کے سال بسال اُس میں فصل بوئی گئی - یہاں تک کہ زراعت سے متعلق ایک نہایت زبردست اصول معلوم ہوا - وہ یہ تھا کہ ایک ہی قسم کی فصل لگاتار ایک ہی زمین میں بونے سے زمین کی زرخیزی کم ہو کر زمین بنجر ہو جاتی ہے - ایسی زمین کو کاشتکار بیکار پڑا رکھتے ہیں - اور کسی نئی زمین میں زراعت کرتے ہیں - اس قسم کی زراعت کو فراخ زراعت کہتے ہیں - اُس میں محنت بھی زیادہ کرنا پڑتی ہے اور کاشت کا رقبہ بھی زیادہ ہوتا ہے ؞

(۲) **اُفتادہ اراضی کی گھاس** - بعض اوقات اراضی کو تخم ریزی کی غرض سے صاف کیا جاتا ہے - مگر اُس کا کچھ حصہ بیکار پڑا رہتا ہے - اُس میں گھاس اُگ آتی ہے - جسے مواشی کھاتے ہیں - گرم ملکوں مثلاً ہندوستان میں - یا نیم گرم ملکوں میں مثلاً آسٹریلیا میں اُفتادہ اراضی میں پھر جلد تر ایک جنگل یا جھاڑیاں کھڑی ہو جاتی ہیں - ایسے جنگلوں سے اُن اقوام کی بابت جو غیر تاریخی زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں بہت سی باتیں دریافت ہو جاتی ہیں ؞

لیکن معتدل ممالک میں اُفتادہ اراضی میں دوبارہ جنگل پیدا نہیں ہو سکتا - اور جب ایک اراضی کی زرخیزی کم ہو جاتی ہے تو کاشتکار افتادہ اراضی یا ترک شدہ اراضی میں پھر کاشت کرنے لگتے ہیں - اس سے دوسرا اصول یہ دریافت ہوتا ہے

کہ ایک مدت اراضی بیکار پڑی رہنے سے اُس میں پھر زرخیزی آجاتی ہے ۔

(۳) دو اراضیوں کی باری باری سے کاشت ۔ مذکورہ بالا اصول کے دریافت ہونے پر کاشتکار یہ رویہ اختیار کرتے ہیں کہ کھیتوں میں سے بعض کو ایک سال جوتتے اور دوسرے سال نہیں ۔ جن ممالک میں زراعت کم ہے اُن میں یہ اصول رائج ہے ۔

(۴) تین اراضیوں کی باری باری سے کاشت ۔ اس طریقہ سے تین کھیت زیر کاشت رہتے ہیں ۔ مگر اُن میں سے ایک ہر سال بیکار رہتا ہے اور دو میں فصل رہتی ہے ۔ کاشت کا یہ طریقہ زیادہ مفید ہے ۔ مگر اس پر مدتوں عمل نہیں کیا گیا ۔ حالانکہ کاشتکار اس سے واقف تھے ۔ اگر دو کاشتکاروں کے پاس فی کس ۱۸۰ ایکڑ اراضی ہو ۔ مگر ایک طریقہ (۳) پر عمل کرے تو اُسے ہر سال ۹۰ ایکڑ کی پیداوار اور دوسرا طریقہ (۴) پر عمل کرے تو اُسے ۱۲۰ ایکڑ کی پیداوار حاصل ہوتی ہے ۔

(۵) مصنوعی طریقہ ۔ طریقہ (۴) سے بھی اچھا ایک یہ طریقہ ہے کہ کسی زمین کو کبھی بھی بیکار نہ رکھا جائے ۔ بلکہ اُسے مصنوعی کھاد سے زرخیز بنایا جائے ۔ اور زراعتی انجمنوں کے ذریعے سے جنہوں نے کاشت کے نئے اور مفید اصول طریقے جاری کئے ہیں ۔ یہ باتیں آجکل یورپ و امریکہ میں رائج ہیں ۔

کیا انسان پودوں سے پیدا ہوا ہے ؟ پروفیسر ارنسٹ ہیکل کی رائے ہے کہ "تمام حیوانات اور نباتات جو آجکل پائی جاتی ہیں ۔ یا جو اب سے پہلے تھیں وہ ایک قدرتی طریقہ میں ایک ہی منبع سے یا ایک ہی قسم کے کئی منبع سے پیدا ہوئی ہیں جن کی بناوٹ بہت سیدھی سادی تھی ۔ رفتہ رفتہ اپنے اردگرد کی چیزوں اور موسم کے اعتبار سے ہر نسل کے بعد اُن میں کچھ نہ کچھ فرق پیدا ہوتا گیا ۔ یہاں تک کہ موجودہ شکل و صورت کے انسانوں کا ظہور ہوا ۔

تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ دو ہزار سال پرانے تخم بھی اُگ سکتے ہیں ۔

اسٹیفنسن کی وفات

اسٹیفنسن کو اُس کی وفات سے ایک سال پیشتر سر رابرٹ پیل نے ۱۸۴۷ء میں اُس جلسہ میں مدعو کیا جو ٹرینٹ ویلی ریلوے کے افتتاح سے متعلق کیا گیا تھا۔ اس لائن کو بھی اسٹیفنسن ہی نے تجویز کیا اور اُسکی سڑک بھی اُسی نے پھیلائی تھی ٭

اگرچہ وفات سے کچھ عرصہ پیشتر اُس کی صحت میں فرق آگیا تھا۔ لیکن ویسے وہ ایک تندرست وقوی شخص تھا۔ اور لوگ سمجھتے تھے کہ وہ مدتوں زندہ رہیگا۔ لیکن وہ ۱۲ راگست ۱۸۴۸ء کو اس دنیا سے چل بسا۔ وہ دس دن بیمار رہا۔ موت کے وقت اُس کی عمر ۶۷ سال کی تھی۔ اُسکی نعش چیسٹر فیلڈ کے گرجے میں دفن کی گئی۔ اور اُسکی دائمی قیامگاہ یعنی قبر پر ایک سادہ سا کتبہ لگایا گیا۔ لیکن اُسکے بُت لورپول۔ لندن اور نیوکیسل میں نصب کئے گئے۔ تاہم اُس کی سب سے عمدہ یادگار ریکو انجن اور ریلوے لائن ہے٭

اسٹیفنسن کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا رابرٹ اسٹیفنسن ۱۱ سال زندہ رہا۔ اُس نے ۱۲ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو انتقال کیا۔ اور ویسٹ منسٹر ایبی میں دفن کیا گیا۔ جہاں مشاہیر دفن کئے جاتے ہیں ٭

اسٹیفنسن کی زندگی سے کیا کیا سبق ملتے ہیں

وہ جسمانی ورزش کا شائق تھا۔ بعض طلبا ورزش سے غفلت کرتے ہیں مگر اس سے آخر کار نقصان ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات اُن کی صحت مدت طالب علمی ختم ہونے سے پیشتر ہی خراب ہوجاتی ہے۔ یا اکثر اُس وقت خراب ہوجاتی ہے جبکہ وہ اُس منصب پر پہنچ جاتے ہیں جسکی اُنہیں خواہش ہوتی ہے۔ ورزش سے نہ صرف جسمانی طاقت ہی کو ترقی ہوتی ہے۔ بلکہ عمر بھی بڑھ جاتی ہے اور انسان فرائض کو عمدگی کے ساتھ انجام دے سکتا ہے ٭

نیچر سے محبت۔ وہ پرندوں اور پھولوں کا شائق تھا۔ اور حیوانات کو پالتا تھا۔ کیونکہ موجودات ایزدی کے مطالعہ سے انسان کی قوت باصرہ اور تجربہ میں

ترقی ہوتی ہے +

سادہ معاشرت اور نمائش سے نفرت - وہ نہ صرف مفلسی ہی کے زمانہ میں سادہ خوراک کا عادی تھا - بلکہ دولتمندی کے زمانہ میں بھی سلکڑ موقعوں پر اُس نے نمائش اور تکلف سے نفرت کا اظہار کیا - جیسی زندگی اسٹیفنسن کی تھی اُس سے لوگ کفایت شعاری سیکھ کر دولت کے بیجا اصراف کو روک سکتے ہیں - برعکس اس کے اظہار نمائش میں زیادہ روپیہ صرف ہوتا ہے +

منکسر مزاجی - جو لوگ کہ ادنے درجہ سے ترقی کرکے اعلےٰ درجہ پر پہنچ جاتے ہیں - وہ اکثر مغرور ہوجاتے ہیں - لیکن جارج اسٹیفنسن دولتمند ہوکر بھی عاجز اور منکسر رہا - وہ اپنے لڑکپن کے دوستوں کو بھولا نہیں - جب کبھی وہ اُن سے ملتا تو اُنہیں اُسی خندہ پیشانی سے سلام کرتا اور اُن کے ساتھ وہ برابر والوں کا سا سلوک کرتا تھا جس کا کہ وہ مفلسی کے ایام میں عادی تھا - ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ اُس نے گاڑی سے اُتر کر ایک جنٹلمین سے جو اُس کا آشنا سا تھا ہاتھ ملایا - اور اُسکے بعد ہی کوچوان سے ہاتھ ملایا - یہ اُس کا بڑا پُرانا آشنا سا تھا - اُس کی ماتحتی میں سکڑوں لوگ کام کرتے تھے مگر وہ اُن سے حکومت کے ساتھ کبھی نہیں بولتا تھا - شاہ انگلستان نے اُس کی ایجاد پر اُسے نواب کا خطاب عطا کیا - لیکن اُس نے اُس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا - ہر شخص کو چاہے وہ کیسا ہی اعلےٰ رتبہ رکھتا ہو مگر منکسر مزاجی کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے +

سخاوت - اسٹیفنسن اپنی زندگی بھر سخاوت کرتا رہا - جب وہ پرلے درجہ کا مفلس تھا تو فرصت کے وقت جوتوں اور گھڑیوں کی مرمت کرتا تھا - لیکن اُس وقت بھی وہ اُن لوگوں سے مرمت کا کچھ نہیں لیتا تھا جو دینے کے قابل نہیں ہوتے تھے جب وہ دولتمند ہوگیا تو حتے الامکان غریبوں کی مدد کرتا رہا - جب اُس کا ایک دوست مرگیا اور ایک بیکس خاندان چھوڑ گیا تو اسٹیفنسن باپ کی مانند اُس خاندان کی مدد کرتا رہا - کان کے اُڑ جانے سے اکثر مزدور ہلاک ہوجاتے تھے اور اُس کا دل ایسے حادثوں سے بہت رنجیدہ ہوتا تھا - اس لئے اُس نے ایک سیفٹی لیمپ کے بنانے اور خود اپنی

زندگی کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے جرأت کی۔

کام کو کام سمجھنا - اس سے مراد یہ ہے کہ جو کام جس طریقے میں ہو اُسے اُسی میں انجام دینا۔ اور جس وقت پورا ہونا چاہیئے اُسے اُسی وقت پورا کرنا۔ جب وہ ایک انجن کا انچارج تھا تو اُس نے کبھی بھی یہ کوشش نہیں کہ وہ کام پرے دم بھر کے لئے بھی کہیں جاے۔ اُس نے انجن کو درست رکھا۔ سینچر کے دن سہ پہر کو جبکہ وہ گھر چلے جانے کا استحقاق رکھتا تھا وہ انجن کے پُرزے پُرزے کرکے اُنہیں خوب صاف کرتا تاکہ وہ عمدگی کے ساتھ کام دے سکے۔ جب اُس نے اپنا ایک کارخانہ انجن بنانے کے لئے قائم کیا تب بھی اُس نے کمتر چیزیں لگاکر اور لاپرواہی سے کام کرکے ناجائز نفع اُٹھانا نہیں چاہا۔ اسی لئے اُس کے کارخانے کے انجن ہر اعتبار سے عمدہ اور مضبوط ہوتے تھے۔ وہ ایک قول کا قائل تھا کہ "دیانت سب سے عمدہ نعمت ہے"۔ اسٹیفنسن کی ترقی درجات کا موجب صرف یہی بات تھی کہ وہ کام کو کام سمجھ کر کرتا تھا۔

جو کچھ حاصل کیا وہ قوت بازو سے - جب اسٹیفنسن بچہ تھا تو انگلستان میں مدرسے بہت ہی تھوڑے تھے اور اُس کا باپ اس قدر غریب تھا کہ اُسے تعلیم نہیں دلا سکتا تھا۔ اس وجہ سے اسٹیفنسن اور اُسکے بھائیوں کو تعلیم نہیں دلائی گئی لیکن بقول شخصے کہ "شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے درکار نیست"۔ جب اسٹیفنسن جوان ہوگیا اور کام کرنے لگا تب اُس نے ایک نائٹ اسکول میں جاکر لکھنا پڑھنا شروع کیا۔ اور جس قدر وقت اُسے کام کرنے کے بعد ملتا رہا اُسے وہ اپنی ترقی تعلیم میں صرف کرتا رہا۔ اسی لئے اس نے جلدتر اور عمدہ تعلیم حاصل کرلی۔ اُس نے علم کتابوں ہی سے حاصل نہیں کیا۔ بلکہ بات چیت سے بھی۔ جب اُسے سفر درپیش آتا تو وہ گاڑی میں سوار ہونے سے پیشتر اُس درجہ کو تلاش کرلیتا جس میں کوئی سمجھدار آدمی ہوتا تاکہ اُسکے ساتھ بات چیت کرکے فائدہ اُٹھا سکے۔ مزید براں وہ بہت سی باتوں کو نگاہوں ہی نگاہوں میں اُڑا لیتا تھا۔ اس طریقہ میں بھی اُس نے اپنی علمی استعداد میں بہت کچھ اضافہ کیا۔

سیلف ہیلپ - اس سے مراد یہ ہے کہ "اپنی مدد آپ کرنا"۔ اسٹیفنسن

ترقی کر کے اعلےٰ درجہ پر پہنچ گیا۔ لیکن اُس نے کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ دوستوں کے پاس جاتا اور اُن سے اپنی ترقی کے لئے درخواست کرتا۔ بلکہ اُس نے خود ہی اس امر کی کوشش کی کہ وہ اپنے کو کس اسامی کے لائق بنائے۔ اُس نے اپنے ہی قوتِ اور قابلیت پر بھروسہ کیا اور کوشش و محنت کے ذریعہ سے اُس بات کو حاصل کرلیا جو مدنظر یا مقصود تھی۔ پس جہاں کہیں سے اور جس طریقہ میں بھی کوئی مفید بات حاصل ہوسکے اُس نے اُسے حاصل کیا +

استقلال۔ وہ بڑا مستقل مزاج تھا۔ اور ہر کام کو ثابت قدمی سے کرتا تھا۔ ابتدا میں لوگ اُس کی نسبت یہ رائے رکھتے تھے کہ وہ دیوانہ ہے اور پاگل خانہ کے قابل لیکن اُس نے اُن کی باتوں کی پرواہ نہیں کی۔ بلکہ اپنی دُھن کا پکا اور ارادہ کا سچا رہا۔ اور کام میں لگا رہا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اپنے مُدعاے دلی میں ہرگز کامیاب نہ ہوسکتا۔ استقلال ہر کام میں ضروری اور لازمی ہے۔ بعض لوگ ایک عرصہ کسی کام میں لگا کر اُس سے دل برداشتہ ہوجاتے ہیں اور بعض کسی مخالفت کی وجہ سے کسی کام کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اگرچہ ان دونوں باتوں سے اسٹیفنسن کو واسطہ پڑتا رہا۔ لیکن اُسکے استقلال میں فرق نہیں آیا۔ پس ہر شخص کو استقلال سے کام لینا چاہیئے +

ایجاد۔ اسٹیفنسن نے ایک ایسی بے مثال ایجاد کی جس سے دُنیا کو بہت نفع ہوا۔ اسی طرح ہر شخص کو کوشش کرنا چاہیئے کہ کوئی کام ایسا کرے جس سے دوسروں کو نفع پہنچے +

نتیجہ۔ اسٹیفنسن کی زندگی بہت سی باتوں کے لحاظ سے قابلِ تقلید ہے +

ہوائی کُرے کا ٹمپریچر (۴)

دن کے وقت چونکہ ہوا میدان میں فی درجہ فہرنہیٹ کے اعتبار سے ہر ۳۰۰ فیٹ کی زیادہ بلندی پر پھیل جاتی ہے۔ اس سے ہوا کا ٹمپریچر ۶ ہزار فیٹ کی بلندی تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن چونکہ پہاڑوں پر کی ہوا پھیل نہیں سکتی اس لئے وہ ساکن رہتی ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ سرد بھی رہتی ہے۔ رات کے وقت پہاڑ جلدتر سرد ہو جاتا ہے اور اُسکے اُوپر کی ہوا بھی زیادہ سرد ہو جاتی ہے۔ یہ ہوا اپنی بڑھتی ہوئی کثافت کے باعث پہاڑ کے پہلوؤں پر بہتی ہوئی نیچے کو اُتر آتی ہے۔ اور اُس کی جگہ اردگرد کی کم سرد ہوا چلی جاتی ہے۔ اس لئے ٹمپریچر بہت نیچے نہیں اُتر سکتا +

مگر پہاڑ کی وادیوں میں اس کے برعکس حالت کچھ اَور ہی ہوتی ہے۔ دن میں ہوا کے زیادہ گہراؤ کے باعث سورج کی گرمی سے ہوا کی زیرین سطح جلدتر گرم ہو جاتی ہے۔ اور رات کے وقت اردگرد کی پہاڑی چوٹیوں کی سرد ہوا وادی میں اُتر کر سردی کو بڑھانے کا موجب ہوتی ہے۔ اسی لئے وادیٔ لیہ جو کوہستان تبت میں واقع ہے اور ۱۱ ہزار ۵ سو فیٹ کی بلندی پر اُس میں ۲۹ درجہ روزانہ ٹمپریچر رہتا ہے +

اس طریقہ میں کرۂ ہوا اور سمندر ٹمپریچر کے درجوں کے گھٹانے میں اثر ڈالتے ہیں۔ اس اعتبار سے جو لوگ کہ پہاڑ کی چوٹی پر یا سمندر کے ساحل پر رہتے ہیں وہ ایک ہی ٹمپریچر کا لطف اُٹھاتے ہیں۔ خشکی میں ٹمپریچر طلوب آفتاب سے کچھ ہی پیشتر بہت کم درجہ کا ہوتا ہے۔ ہندوستان میں جو ایک گرم ملک ہے یہ ٹمپریچر قابل برداشت ہوتا ہے۔ خشکی میں سب سے زیادہ ٹمپریچر دن کے دو اور تین بجے کے درمیان ہوتا ہے۔ لیکن اُس کی مقدار موسم کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے +

سب سے گرم اور سب سے سرد مہینوں کے اوسط ٹمپریچروں کا فرق یہ ہے کہ وہ خط استوا پر کم ہوتا ہے۔ اور قطبین پر زیادہ۔ وہ ساحل سمندر سے دوری کے اوپر بھی بدلتا رہتا ہے۔ انگلستان میں سرد اور گرم مہینوں کا ٹمپریچر ۲۰ درجہ ہوتا ہے

اور جزیرۂ ہونولولو میں صرف ۵ درجے۔ اور سائبیریہ میں ۱۲۰ درجے ✦

علاوہ سالانہ اور روزانہ درجوں ٹمپریچر کے سال بھر کے اوسط ٹمپریچر میں بھی وقتاً فوقتاً قدرے تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ تبدیلی زیادہ تر آفتاب کے چہرے پر کے داغوں کے باعث جو ۱۱ سال بعد ظاہر ہوتے ہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ ۱۸۱۱ - ۱۸۲۲ - ۱۸۳۴ - ۱۸۴۳ - ۱۸۵۶ - ۱۸۷۷ - ۱۸۸۸ میں ٹمپریچر بہت زیادہ رہا اور ۱۸۶۰ - ۱۸۷۱ - ۱۸۸۴ - ۱۸۹۳ میں بہت کم۔ اس تبدیلی کا اثر نمایاں طور پر گرم ملکوں میں ظاہر ہوتا ہے ✦

ہوا کے ٹمپریچر سے بھی اس قسم کی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ پھلوں کی فصل۔ بارش۔ گلیشیر۔ طوفان۔ بادل وغیرہ سے بھی اس قسم کی تبدیلی ظہور میں آتی ہے۔ مگر اس قسم کی سالانہ تبدیلی کا اثر یہ نہیں ہوتا کہ مستقل طور پر ٹمپریچر میں بھی فرق پڑ جائے ✦

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ جہاں کہیں آفتاب کی حرارت براہ راست زمین پر پڑتی ہے۔ تو زمین پانی کی نسبت جلد تر گرم ہو جاتی ہے۔ جو جزائر کہ گرم ممالک کے قریب ہیں وہاں یہ حرارت زیادہ زور سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور اُس سے مقامی ہوا زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔ غروب آفتاب کے بعد رات کو حالت اسکے برعکس ہوتی ہے۔ اور سطح زمین کے نزدیک کی ہوا ہلکی ہو جاتی ہے اور اوپر کی تیز ✦

برِّ اعظم ایشیا اور امریکہ کے وسطی حصوں میں موسم گرما میں مقیاس الہوا میں تبدیلی زیادہ زور سے واقع ہوتی ہے۔ مگر سرما میں اس کے بہت برعکس معاملہ ہوتا ہے۔ بلند مقام میں مثلاً کشمیر میں مقام لیہ پر مئی کے شروع تک تو ہوا کا دباؤ ٹمپریچر بڑھتا رہتا ہے۔ مگر جون و جولائی میں کم ہو جاتا ہے۔ اس لئے جنوبی ایشیا سے متعلق ٹمپریچر کا گھٹاؤ۔ کرۂ ہوا کے نیچے حصّہ پر جو ۱۸ ہزار فیٹ کی بلندی کے نیچے ہے ہوتا ہے ✦

اسی طریقہ میں خشکی اور تری میں مانسون بھی چلتا اور پھیلتا ہے اور اسی طریقہ

میں مانسون ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ بلندی پر مانسون کو بھی طوفان کے باعث بہت سی تبدیلیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جہاں کہیں زمین کا ایک حصہ نواحی حصّوں سے زیادہ گرم ہوتا ہے وہاں مانسون کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ اور آندھی پانی اور بجلی کا طوفان نمودار ہوتا ہے۔ ایسے محرور مقام کو ٹھنڈا بنانے کے لئے یہی ایک سبب ضروری اور لازمی معلوم دیتا ہے +

ٹمپریچر سے متعلق ایک بات یہ ہے کہ اُسکے ذریعے ایک مقام سے گرمی دوسرے مقام میں منتقل ہوجاتی ہے۔ اور کسی مقام کی گرمی اُس حرارت پر منحصر ہے جو ہوا کے ذریعے سے وہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ اگر ہوا سمندر سے آتی ہے تو گرمی کم رہتی ہے اور اگر خشک مقام سے تو زیادہ ہوجاتی ہے۔ اگر سمندر سے ہوا متواتر آتی ہو اور پانی کی لہروں سے زیادہ ٹکراتی ہوئی تو ٹمپریچر میں ایک خاص تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے۔ لیکن جن مقامات کے گرد گلف اسٹریم یا دیگر موج گرم پانی کی ہوتی ہے اُن میں گرمی زیادہ ہوتی ہے +

ہوا کا عام اثر جس سے وہ فرق کم ہوجاتا ہے جو خط استوا اور قطبین کے ٹمپریچر میں پایا جاتا ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ اگر سطح زمین بالکل خشک ہو اور وہاں سے گرمی سمندر کی ہوا۔ یا کرۂ باد کی موج کے ذریعے سے منتقل نہ ہوسکتی ہو تو خط استوا پر حرارت ۱۳۱ درجہ فیہرنہیٹ ہوگی اور قطبین پر ۱۰۸ درجہ صفر۔ تجربات سے ظاہر ہوا ہے کہ خط استوا پر رات بھر اور دن بھر کا اوسط ٹمپریچر ۸۰ درجہ ہوتا ہے۔ اور قطب پر صفر۔ مگر ہوا جسکے ذریعے گرمی منتقل ہوجاتی ہے اُس سے خط استوا کا ٹمپریچر ۵۰ درجہ ہو کر قطب کا ۱۰۰ درجہ ہوجاتا ہے۔ اس طریقہ میں ساری زمین انسان کی آبادی کے قابل بنی رہتی ہے۔ اگر روے زمین پر سے ہوا جاتی رہے تو خط استوا پر حرارت ۹۴ درجہ صفر کی ہوجاے اور قطبین پر ۳۰۸ درجہ صفر کی۔ اور کل کرۂ ارض کا اوسط ٹمپریچر ۱۳۸ درجہ صفر ہوجاے۔ گویا ساری دُنیا میں سخت ترین سردی پڑنے لگے۔ اور انسان اور دیگر جاندار مخلوق زندہ نہ رہ سکیں +

مقامی تبدیلیاں جو کرۂ ہوا میں ہوتی ہیں وہ مقامی اسباب پر جن سے ٹمپریچر

گھٹنا یا بڑھنا ہے منحصر ہیں۔ مثلاً آندھی۔ بارش۔ ریگستان۔ کہر۔ پالا +

روے زمین پر سب سے زیادہ ٹمپریچر ہندوستان کا ہے۔ پھر شمالی افریقہ۔ بحیرہ احمر۔ خلیج فارس اور آسٹریلیا کا۔ صحرا کے مرکز پر وہ ۱۳۰ درجہ ہوتا ہے۔ جیکب آباد سندھ میں ۱۲۰۔ نیوساوتھ ویلز میں ۱۲۰ اور ۱۲۱۔ پیرس میں ۱۰۶۔ لندن ۹۶۔ سب سے زیادہ سرد ٹمپریچر نہ صرف قطبین ہی پر ہے بلکہ شمال و شرقی سائبیریہ اور شمال و شرقی امریکہ ہیں۔ چنانچہ درکوجنکس دُنیا میں سب سے سرد مقام ہے۔ وہاں جنوری میں ۵۵ درجہ صفر سے نیچے سردی ہوتی ہے۔ قطب شمالی کی طرف جو مہم گئی تھی اُس میں ۳۰ درجہ صفر سے نیچے ٹمپریچر دریافت ہوا تھا۔ اور ایک مرتبہ تو اس مہم میں ۴۸ درجہ ہوگیا تھا +

کرۂ ہوا کے ٹمپریچر۔ ہوا کی تاثیر اور دیگر باتوں کی بابت کچھ عرصہ سے یورپ و امریکہ کے سائنس دانوں کے حلقہ میں زور کے ساتھ تحقیقات اور تجربے ہو رہے ہیں۔ اور دن بدن کوئی نہ کوئی نئی بات معلوم ہوتی ہے۔ اب تو جس طرح اور مسائل نے مستقل علوم کی شکل اختیار کرلی ہے اسی طرح ہوا کے مسئلہ نے بھی +

ہوا کے ٹمپریچر پر جیساکہ ایک مُدت کی تحقیقات اور تجربات سے ثابت ہوا نہ صرف سردی گرمی وغیرہ کا دار و مدار ہے۔ بلکہ کل جاندار مخلوق کی زندگی اور کل دُنیا کی آبادی کا بھی انحصار ہے۔ اگر کسی وجہ سے ہوا کے ٹمپریچر میں اس قدر کمی یا بیشی ہو جائے جو قاطع حیات کہی جاسکے تو یہ امر جیساکہ سائنس دانوں کے نزدیک پایۂ ثبوت کو پہنچ چُکا ہے نہ تو دُنیا میں کوئی جاندار مخلوق زندہ رہ سکے اور نہ نباتات میں روئیدگی باقی رہے۔ اور دُنیا بربادی کا منظر بن جائے +

اس وقت تک جو باتیں معرض تحریر میں آچکی ہیں۔ اُن میں ابھی بہت کچھ اضافہ ہونے والا ہے۔ اور ہوا کے ٹمپریچر اور دیگر باتوں سے متعلق بہت کچھ نئی باتیں ظہور میں آنے والی ہیں +

سامانِ دعوت

جس وقت سیڈرک مغموم خیالات میں مستغرق تھا تو نرسنگھے کی آواز سُنائی دی ح
سیڈرک کے کتّوں نے اُسکے جواب میں بھونکنا اور باہر کی طرف کو لپکنا شروع کیا +
سیڈرک (غلاموں سے)۔ بدمعاشو دیکھو تو دروازے پر کون ہے؟ +
غلام (واپس آکر) "ماہنت ایمر اور سورما برائن ڈی بوش گلبرٹ مع مختصر بدرقہ کے آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ رات کی رات اُن کو قیام کرنے کی اجازت ملے۔ وہ صبح اُس دنگل میں شریک ہونگے جو ایشبی میں پرسوں ہونے والا ہے" +
سیڈرک (بڑبڑا کر) "ماہنت ایمر اور سورما گلبرٹ۔ دونوں نارمن ہیں۔ خیر کوئی سہی۔ مجھ پر میزبانی واجب ہے۔ جب وہ ٹھیرنا چاہتے ہیں تو شوق سے ٹھیریں۔ اگر وہ یہاں نہ آتے تو اچھا ہی تھا۔ لیکن جب آگئے تو اُنہیں رات بھر کے لئے مکان اور کھانا دینا ہی چاہئے"۔ اور ایک نوکر سے "ارے ہنڈی برٹ جا۔ ۶ نوکروں کو ہمراہ لے جا۔ اور مہمانوں کو مہمان گاہ میں ٹھیرا۔ اُن کے گھوڑوں کے لئے چارہ دلوا۔ اور اُنکی آسائش کا سامان کر کسی بات کی کمی نہ رہے۔ پانی۔ آگ۔ اور کپڑے (بشرطیکہ اُنکی ضرورت ہو) اُن کو مہیا کر۔ شراب وغیرہ بھی دے۔ اور باورچی سے کہو کہ اور جو کچھ ہوسکے وہ جلدی تیار کرے۔ اُن سے یہ کہدے کہ میں اُن کا استقبال تو کرونگا۔ مگر اپنے عہد کے مطابق چبوترہ سے صرف تین قدم بڑھکر۔ جا۔ جلد جا" +
نوکر حکم سُنتے ہی مع چند اور ملازموں کے تعمیل حکم کرنے کے لئے چلا گیا۔ اس وقت سیڈرک نے خود بخود یہ کہا کہ "مہنت ایمر! اگر میری یاد خطا نہیں کرتی تو وہ گائلز ڈی موبیوبرے کا جو آجکل مڈل ہیم کا نواب ہے بھائی ہے"۔ یہ کہتے وقت وہ اپنے نادم اوسوالڈ کی طرف دیکھتا رہا۔ خادم نے یہ سمجھ کر کہ اُس کا آقا اُس سے مخاطب ہے اظہار پسندیدگی کے طور پر سر ہلادیا +
سیڈرک (سلسلۂ بڑجاری رکھکر) "اُس کا بھائی ایک بہتر نسل کی میراث کو غصب کرکے مزے اُڑا رہا ہے۔ اور اُس ہی کی گدّی پر بیٹھا ہوا ہے۔ وہ الفاگر کی گدی پر قابض ہے

لیکن نارمن قوم کے اُور اُمرا بھی کیا کچھ نہیں کرتے - وہ بھی یہی کرتے ہیں - لوگ کہتے ہیں کہ یہ مہنت ایک آزاد اور زندہ دل آدمی ہے - وہ نماز کی کتاب اور گرجے کے گھنٹے سے شکاری نرسنگھے اور جام شراب کو زیادہ اچھا سمجھتا ہے - خوب وہ آئے تو سہی - میں خوب خاطر کرونگا - تم نے مذہبی سورما کا کیا نام لیا تھا؟" •

ایک نوکر - برائن ڈی بوئس گلبرٹ" •

سیڈرک "بوئس گلبرٹ! یہ نام تو دُور دور تک بُرائی اور بھلائی دونوں ہی کے لئے مشہور ہوگیا ہے - لوگ کہتے ہیں کہ وہ اپنے فرقہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر ہے لیکن اُس کا دامن اُن بُرائیوں سے آلودہ ہے جو اُسکے فرقہ والوں میں عام طور پر پائی جاتی ہیں - وہ مغرور - بد دماغ - ظالم اور عیاش ہے - ایسا سنگدل ہے کہ اُسے نہ دُنیا والوں کا خوف ہے اور نہ خدا کا - جو جنگجو فلسطین سے زندہ واپس آئے ہیں وہ یہی کہتے ہیں - خیر ایک رات کے لئے تو میں اُس کی بھی خاطر کرونگا - اوسوالڈ سب سے پُرانا خم کھول ڈالو - عمدہ قسم کی پُرانی - نوش ذائقہ اور خوشبودار شرابیں مثلاً میڈ - ایل - مورٹ - سائڈر میز پر لگادو - صراحیاں لبالب بھر دو - مہنت اور سورما عمدہ اور مقدار میں زیادہ شراب سے بہت خوش ہوتے ہیں - الگتھا - جاؤ تم لیڈی روؤینہ سے کہدو کہ آج رات اُس کا اس جگہ آنا مناسب نہیں - کم ازکم اُس وقت تک تو نہیں جب تک کہ اُس کی ایسی خواہش نہ ہو" •

الگتھا (تُرت) "وہ ضرور یہاں آنے کی خواہش کرینگی - کیونکہ وہ فلسطین کی تازہ خبریں سُننے کی بہت شائق ہیں" •

اس پر سیڈرک نے اُس حاضر جواب خادمہ کو غصہ کی نگاہوں سے دیکھا لیکن روؤینہ اور جو کچھ اُس سے متعلق تھا وہ سیڈرک کے غصہ سے بالکل بری تھا - اس لئے سیڈرک نے خادمہ سے صرف یہ کہا کہ "اے خادمہ خاموش - تیری زبان تیری عقل کو ظاہر کرتی ہے - تو اپنی بیگم کو میرا یہ پیغام دیدے - پھر جو اُسکے جی میں آئے سو کرے - کم ازکم اس گھر میں تو الفریڈ کی نسل کا ایک شخص ایک شاہزادی پر حکومت کرتا ہے" •

یہ کلمے سُنتے ہی الگتھا وہاں سے چلی گئی •

سیڈرک (بدستور سابق بڑبڑانے لگا) "فلسطین! فلسطین! جو خبریں دل برداشتہ مجاہد یا مکار زائر اُس مہلک ملک سے لاتے ہیں اُن کے سُننے کے کتنے لوگ شائق ہیں! خود میں اُن جھوٹی باتوں کو دریافت کرتا ہوں۔ اور دھڑکتے ہوئے دل سے سُنتا ہوں جن کو سُنا کر بدذات اور عیار مسافر ہمارے مہمان بنتے ہیں۔ لیکن نہیں۔ جس بیٹے نے میری عدول حکمی کی تھی۔ وہ اب میرا بیٹا نہیں رہا۔ اور نہ میں اب آئندہ اُسکی تقدیر سے کوئی واسطہ اُس سے زیادہ رکھونگا جس قدر کہ لوگ اُن لوگوں سے رکھتے ہیں جو نہایت ابتر قسم کے ہوتے ہیں اور اپنے شانوں پر صلیب کے نشان بناتے اور کشت وخون میں شریک ہوتے اور اپنی حماقت کو خدا کے حکم کی تعمیل بتاتے ہیں" یہ کہہ کر سیڈرک نے پیشانی پر شکن ڈال لی۔ اور ایک لمحہ تک زمین کی طرف تاکتا رہا۔ جوں ہی اُس نے نگاہیں اوپر اُٹھائیں تو ملازم نے آکر دروازہ کھولا۔ اُس کے پیچھے پیچھے چار نوکر ہاتھوں میں مشعلیں لئے ہوئے مع مہمانوں کے کمرے میں داخل ہوئے ✤

پُرتکلف دعوت

مہنت ایمر کو جو ذرا سا موقع ملا تو اُس نے اپنا سواری کا لباس بدل کر ایک زیادہ قیمتی پوشاک زیب بدن کی۔ اُس کے اوپر اُس نے ایک چغہ پہنا جس پر زردوزی کا عجیب وغریب اور نایاب کام تھا۔ اُس کے ہاتھ کی اُنگلی میں علاوہ اُس طلائی انگوٹھی کے جس میں اُس کی مہر تھی اور جو اُسکے دینی منصب کا نشان تھی کئی اور جواہرات سے جڑی ہوئی بیش قیمت انگوٹھیاں تھیں۔ یہ اُسکے فرقہ کے قانون کے برعکس تھیں۔ اُسکے جوتے بھی قیمتی چمڑے کے تھے جو اسپین سے منگایا جاتا تھا۔ اُسکی ڈاڑھی ترشی ہوئی تھی اور اس قدر چھوٹی تھی کہ اُسکے فرقہ میں روا رکھی جائے۔ اُسکی گھٹی ہوئی کھوپڑی ایک ارغوانی ٹوپی سے جس پر زربفت کا کام تھا ڈھکی ہوئی تھی۔ سورما نے بھی اپنی ہیئت بدل لی۔ اگرچہ اُس کی پوشاک میں زیادہ زیبائش نہیں تھی۔ تاہم اُس کا کپڑا اُتنا ہی قیمتی تھا جتنا کہ اُسکے رفیق مہنت کی پوشاک کا۔ مگر اُس کی شکل و

وضع مہنت کی وضع قطع سے زیادہ بارعب اور شاندار تھی۔ سورمانے زرہ کی جگہ گہرے ارغوانی رنگ کے ریشم کا ایک کرتہ پہن لیا۔ جس میں سمور لگی ہوئی تھی۔ اور اوپر سے ایک سفید لبادہ پہنا جس میں کثرت سے چنٹ تھی۔ اور آٹھ گوشہ والی صلیب جو اُسکے فرقہ کا نشان تھی اُس کے لبادے کے ایک شانہ پر سیاہ مخمل سے بنی ہوئی تھی۔ اُس کے سر پر ٹوپی ندارد تھی۔ اور چھوٹے چھوٹے مگر گھنے اور گھنگرالے بال کنڈلی مارے ہوئے پیشانی پر پڑے تھے۔ اُن کا اور اُس کے چہرے کا رنگ یکساں تھا۔ اُسکی چال اور اُس کا انداز بشرطیکہ وہ اُس غرور اور برتری سے مبرا ہوتا جو بے لگام اختیار کے باعث آسانی کے ساتھ پیدا ہوجاتی ہے تو نہایت شاندار اور دلفریب ہوتا۔

ان دونوں عالی مرتبہ اور وجیہہ اصحاب کے پیچھے اُن کے خادم تھے۔ اور اُن سے بھی دُور فاصلے پر اُن کا رہبر تھا۔ جس کی شکل معمولی زائروں کی سی تھی۔ اُس کے جسم پر ایک لبادہ موٹی اور سیاہ سرج کا تھا۔ وضع قطع کے اعتبار سے یہ لبادہ آجکل کی ہسار فوج کے سپاہیوں کا سا تھا۔ اُسکے پاؤں میں موٹے کھڑاؤں تسموں سے بندھے ہوئے تھے۔ سر پر ایک چوڑی سایہ دار ٹوپی تھی جس کے کنارے کنارے کوڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ ہاتھ میں ایک لمبا عصا تھا۔ جسکے نچلے سرے میں لوہے کا گولا لگا تھا اور اوپر والے سرے میں کھجور کے پتے بندھے ہوئے تھے۔ جب مہمانوں کی قطار اندر داخل ہوکر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئی تو رہبر بھی داخل ہوا۔ اور یہ دیکھکر کہ دسترخوان پر کافی جگہ نہ تھی وہ ایک طرف کو ایک آتشدان کے پاس بیٹھ کر اپنے کپڑے سکھانے لگا۔ اور اس انتظار میں رہا کہ اگر کہیں جگہ مل جائے تو وہ بھی جا بیٹھے یا یہ کہ میزبان کا خانساماں اُسے وہیں کچھ کھانے پینے کے لئے دیدے جہاں کہ وہ بیٹھا ہوا تھا۔ سیڈرک ایسے انداز سے جس سے شان مہماں نوازی مترشح تھی مہمانوں کے استقبال کے لئے اٹھا۔ اور چبوترے پر سے اُتر کر تین قدم آگے بڑھا۔ اور مہمانوں کے نزدیک آنے کا منتظر رہا۔

سیڈرک۔ پیرو مرشد مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے عہد کے مطابق ایسے مہمانوں کے استقبال کے لئے بھی جیسے کہ آپ اور سورما صاحب ہیں اپنے بزرگوں کے اس

چبوترہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ غالباً میرے داروغہ نے آپسے میری اس ظاہرا
کج خلقی کا سبب بیان کر دیا ہوگا۔ میں یہ بھی استدعا کرتا ہوں کہ میں اپنی مادری زبان
میں آپ سے گفتگو کروں۔ اور یہ کہ اگر آپ میری زبان میں کافی مہارت رکھتے ہوں
تو آپ بھی اسی زبان میں گفتگو کریں۔ اگر مہارت نہ ہو تو اپنی مادری زبان ہی سہی ہیں
نارمن زبان میں اس قدر مہارت رکھتا ہوں کہ بات چیت کا مطلب سمجھ لوں۔ اُمید کہ
آپ مجھے ان دونوں باتوں کے لئے معذور سمجھینگے"۔

مہنت :۔ "اے معزز فرینکلن (سردار) یا اگر آپ کی اجازت ہو تو میں آپ کو تھین
(سردار) کے لقب سے مخاطب کروں حالانکہ یہ لفظ اب خارج از استعمال ہے۔ عہدوں
کو توڑ دینا چاہئے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا۔ عہد کیا ہیں رشتے ہیں جو ہمیں آسمان (خدا)
کے ساتھ منسلک کرتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ قربانیوں کو مذبح کے سینگوں تک رسیوں سے
باندھتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نذر کا تعلق قربانگاہ سے پیدا کرتے ہیں۔ اور
اس لئے اُن کو توڑ دینا یا کھول ڈالنا چاہیے۔ تاوقتیکہ ہماری ماں مقدس کلیسیا
اسکے خلاف فتوےٰ نہ دے۔ رہی زبان سو میں بخوشی اُس زبان میں گفتگو کرونگا جس
میں میری بزرگ اور قابل تعریف نانی ہلڈا بات چیت کرتی تھی۔ اور جو بڑے تقدس
کے ساتھ اپنے ہم نام مقدس ہلڈا ساکن وہیٹی کی مانند فوت ہوئی۔ خدا اُس کی رُوح
پر اپنا فضل کرے"! ۔

سورما:۔ "میں تو ہمیشہ فرانسیسی زبان جو شاہ رچرڈ اور اُس کے امرا کی زبان ہے
بولتا ہوں۔ لیکن میں انگریزی زبان بھی اتنی تو جانتا ہوں کہ اس ملک کے باشندوں
سے اُس میں بات چیت کر سکوں"۔

سیڈرک نے سورما کی طرف جلدی سے ایک ایسی بیقرار نگاہ کی جو اکثر دو رقیب
اقوام کے لوگوں میں مقابلہ پر ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن مہمان نوازی کے فرض سے اُس نے
آثار ناخوشی کو روک لیا۔ اور ہاتھ کے اشارے سے اپنے مہمانوں کو بُلا کر اُن دو کرسیوں
پر بٹھا دیا جو اُس کی کرسی کے پاس ہی، مگر اُس سے نیچی تھیں۔ اور خدام کو اشارہ کیا
کہ کھانا لایا جائے۔ نوکر کھانا لانے کے لئے چلے ہی تھے کہ سیڈرک کی نظر گرتھ اور وَمبہ

پر جا پڑی - جو کوئی لمحہ ہی پیشتر اندر داخل ہوئے تھے - پس اُس نے بلند آواز سے کہا کہ "ان احمقوں کو جلد ادھر بھیجو" اور جب وہ چبوترے کے سامنے آئے تو کہنے لگا کہ "بدمعاشو کیا سبب ہے کہ آج تم اس قدر دیر سے آئے ؟ - ابے گرتھ کیا تو ریوڑ کو صحیح سلامت لایا یا اُن کو رہزنوں کے حوالے کر آیا" ؟ +

گرتھ "حضور ناخوش نہ ہوں ریوڑ صحیح سلامت آگئی "+

سیڈرک "مگر میں اس بات سے خوش نہیں ہوں کہ میں دو گھنٹے تک اس کے برعکس خیالات میں مبتلا رہوں اور سمجھوں کہ ریوڑ پر ضرور کوئی آفت آگئی - اور یہاں بیٹھا اپنے پڑوسیوں کی نسبت یہ خیال کرتا رہوں کہ اُنہوں نے میری ریوڑ پر چھاپہ مارا جبکہ وہ اس بات کے مرتکب نہ ہوں اور یہ کہ اُن سے انتقام لینے کی تجویزیں اور ترکیبیں سوچتا رہوں - میں صاف کہتا ہوں کہ اگر آئندہ اسقدر دیر ہوئی تو تمہیں سزا کے طور پر پابزنجیر جیل خانہ کا منہ دیکھنا پڑیگا" +

گرتھ تو اس خیال سے خاموش رہا کہ وہ سیڈرک کے مزاج سے واقف تھا لیکن مسخرہ وَمبہ جواب میں بول ہی اُٹھا - اور باتوں باتوں ہی میں جب کہ سیڈرک نے یہ حکم دیا کہ اگر دیر کُتّے کے سبب سے ہوئی تو اُسے ہلاک کر دو وَمبہ کہنے لگا کہ کُتّے کا بھی کچھ تصور نہیں - بلکہ خطاوار تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اُسکے دو اگلے پنجوں کو کاٹ ڈالا +

سیڈرک (غضبناک ہو کر) "اور یہ جُرأت کس نے کی کہ میرے غلام کے کُتّے کے پنجے کاٹ دئے" ؟ +

وَمبہ "بندہ نواز فلپ ڈی میلوڈے بن کے ملازم نے جو شکار کی حفاظت کرتا ہے - اُس نے کہیں کُتّے کو جنگل میں پھرتے دیکھ لیا تھا - اور کہتا تھا کہ کتا اُسکے آقا کے حق کے خلاف جنگل میں ہرن کا تعاقب کر رہا تھا" +

سیڈرک "میلوڈے بن اور اُسکے ملازم دونوں پر شیطان کی مار - میں اُنکو بتاؤنگا کہ یہ جنگل فرمان جنگلات کی رو سے جنگل نہیں رہا - خیر اس وقت تو معاملہ جانے دو - ابے وَمبہ جا اپنی جگہ پر بیٹھ - اور گرتھ تو دوسرا کُتا لا - اگر وہ بدذات اُسے ہاتھ بھی لگائے تو میں اُسکی تیر اندازی مٹا دونگا - مجھ پر بزدلوں کی مار ہو جو میں اُس کے

سیدھے ہاتھ کی اُنگلیاں نہ اُڑادوں۔ تاکہ وہ پھر کمان کو کھینچ ہی نہ سکے۔ اے معزز مہمانو آپ مجھے ذرا معاف فرمائینگے۔ مجھے یہاں اُن ہمسایوں سے بُرا واسطہ پڑا ہے جو ارض مقدس میں کافروں سے مقابلہ کرتے ہیں۔ لیجئے ماحضر آپ کے سامنے موجود ہے۔ اسے کھائیے۔ کل جو ہوگا وہ دیکھا جائیگا" +

سیڈرک کا کھانے کی نسبت عاجزی آمیز کلمات استعمال کرنا درست نہ تھا۔ کیونکہ کھانا نہایت عمدہ اور بہ افراط تھا۔ ہرن۔ بکری۔ خرگوش کا گوشت۔ پالتو اور صحرائی پرندوں کے کباب۔ کئی قسم کی مٹھائیاں جو شہد اور پھلوں سے بنائی گئی تھیں۔ دسترخوان پر موجود تھیں۔ ہر ذی رتبہ شخص کے سامنے شراب کی صراحیاں تھیں۔ مہمان کھانے پر ہاتھ بڑھانے ہی کو تھے کہ ناظم خانہ نے اپنا عصا اُٹھا کر کہا "خبردار روو ینہ بیگم تشریف لاتی ہیں" فی الفور کمرے کا ایک دروازہ کھلا اور بیگم مع چار کنیزوں کے داخل ہوئی۔ سیڈرک بعجلت تمام اُسکے استقبال کے لئے لپکا۔ اور اُسے نہایت عزت کے ساتھ چبوترہ تک لاکر اپنے دائیں ہاتھ کو اُس کرسی پر بٹھا دیا جو اُسکے لئے مخصوص تھی۔ سارے حاضرین اُس کی تعظیم کے لئے اُٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ روو ینہ نے نہایت اخلاق کے ساتھ اشاروں سے اُن کا سلام لیا اور اپنی جگہ پر رونق افروز ہونے کے لئے بڑھی مگر ابھی وہ بیٹھنے نہ پائی تھی کہ سورما صاحب مہنت صاحب سے دلی زبان سے فرمانے لگے کہ "میں کل تمہارا کالر نہ جیت سکونگا شراب بھی تمہاری تمہیں مبارک" جواب میں مہنت نے کہا کہ "کیوں میں نے کہا نہ تھا کہ روو ینہ سرآمد حسینان ہے۔ لیکن اپنی خوشی کو ضبط کرو۔ سیڈرک تمہاری حرکات کو بغور دیکھ رہا ہے" +

سورما نے مہنت کی فہمائش کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ چونکہ وہ اپنی خواہشوں کی فوری تحریک پر چلنے کا عادی تھا۔ اس لئے بیگم روو ینہ کو ٹکٹکی باندھکر دیکھتا رہا۔ اس واسطے کہ اس حسینہ کا حسن وجمال مشرقی بیگمات کے حسن وجمال سے بڑھ چڑھکر تھا +

روو ینہ عورتوں میں کئی وجوہات سے ممتاز تھی۔ اُس کا جسم سڈول تھا گویا اُسے صانع قدرت نے خود اپنے ہاتھوں سے گڑھا تھا۔ قامت کشیدہ مگر بہت

بلند نہیں جسے لوگ حیرت سے دیکھتے ہوں۔ رنگ نہایت صاف۔ سر گردن اور خط و خال ایسے موزوں جن سے شان معشوقی ٹپکتی اور حسن و جمال میں ایک شیرینی اور دلفریبی پیدا کرتے تھے۔ آنکھیں شفاف اور نیلگوں۔ بھویں خوشنما اور بھوری۔ پیشانی کشادہ۔ جس سے رحمدلی۔ شفقت۔ محبت اور نرم دلی۔ تحمل اور انکساری سب ہی عیاں تھے۔ اور سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ نزاکت اور نرم دلی اُس کے لئے ایک قدرتی خاصہ بن گئی تھی۔ اور چونکہ زووینہ برتری کی عادی اور عام لوگوں کی طرف سے عزت یافتہ تھی۔ سب اُس کا ادب و لحاظ کرتے تھے۔ اس سے اُس کی خصلت میں ایک اور شان پیدا ہو گئی۔ بال گھنے تھے اور سنہری۔ وہ نہایت خوبصورت و خوشنما اور دلفریب طریقہ میں سنوارے گئے۔ اُن میں بل پڑے ہوئے۔ زلفوں میں موتی پروئے تھے۔ زلفیں چُھٹی ہوئی تھیں۔ جن سے عیاں تھا کہ وہ بڑی عالی خاندان اور آزاد طبع ہے۔ گردن میں ایک طلائی زنجیر تھی۔ بازو برہنہ تھے۔ اور کلائیوں کی زینت کے لئے کنگن پہنے گئے تھے۔ جسم پر فیروزی ریشم کا ایک گون تھا۔ اور ایک ارغوانی ڈھیلا ڈھالا لبادہ جو زمین تک لٹک رہا تھا۔ اُس کی آستینیں بڑی فراخ تھیں۔ جو کہنیوں سے نیچی تھیں۔ چہرے پر ایک ریشمی نقاب جس میں زربفت کا کام تھا پڑا ہوا تھا۔ یہ نقاب کچھ اس انداز سے پہنا تھا کہ جی چاہے تو اُسے چہرے پر کر لیا۔ جی چاہے سینے پر ڈال لیا۔ اور جی چاہے تو شانوں پر کھینچ لیا جاتا۔ جب زووینہ نے یہ معلوم کر لیا کہ سورما کی نگاہیں اُس پر نہایت ذوق و شوق کے ساتھ لگی ہوئی ہیں تو اُس نے ایک شان محبوبی اور تمکنت کے ساتھ اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ سورما کی نگاہیں جو آزادی کے ساتھ اُس کی طرف لگی ہوئی تھیں اُسے ناگوار گزرتی تھیں۔ جب سیڈرک نے زووینہ کی یہ حرکت دیکھی اور اُس کی وجہ دریافت کر لی تو سورما سے مخاطب ہوا:۔

سیڈرک: "سورما صاحب ہماری سیکزن قوم کی معزز خواتین کے رخساروں نے آفتاب کو بہت ہی کم دیکھا ہے۔ اس لئے وہ یہ تاب نہیں لا سکتے کہ ایک مجاہد کی کڑی نگاہوں کی برداشت کر سکیں"۔

سورما۔ اگر میرے نظارہ سے کوئی ہرج ہوا تو میں معافی مانگتا ہوں۔ میں معافی بیگم روو ینہ سے بھی مانگتا ہوں۔ کیونکہ میری انکساری مجھے اس سے زیادہ نہیں گھٹا سکتی۔

مہنت "بیگم روو ینہ کا میرے دوست کو تنبیہ کرنا گویا ہم سب کو تنبیہ کرنا ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ بیگم صاحبہ ان سورماؤں سے جو انہیں دنگل میں بکثرت نظر آئینگے ذرا نرمی کا سلوک کرینگی"۔

سیڈرک۔ ہمارا وہاں جانا یقینی نہیں ہے۔ میں ان فضولیات کو پسند نہیں کرتا۔ ہمارے بزرگ تو اُس زمانہ میں جبکہ انگلستان آزاد تھا ان باتوں سے واقف نہ تھے۔

مہنت "مگر ہمیں یہ اُمید رکھنی چاہئیے کہ شائد ہم لوگوں کے باعث آپ وہاں چلنے کا ارادہ کرلیں۔ کیونکہ راستہ پُرامن ہے۔ اور سر برائن کا بدرقہ جس سے نفرت نہیں کرنا چاہئیے ہمراہ ہوگا"۔

سیڈرک "پیرو مرشد۔ اس ملک میں مجھے اب تک جہاں کہیں جانے کا اتفاق ہوا ہے تو میں اپنی تلوار اور اپنے وفادار ساتھیوں کے بل پر گیا ہوں۔ اور دوسروں کی امداد کی کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ اگر آجکل درحقیقت سروست ہمیں ایشبی جانے کی ضرورت ہوتی ہے تو میں اپنے ہمسایہ اور اہل وطن ایتھلسٹن ساکن کوننگسبرگ اور ایسی جماعت کے ہمراہ جاتے ہیں جو بدمعاشوں اور دشمنوں کو پاس بھی نہ پھٹکنے دے۔ مہنت صاحب میں آپ کا یہ جام صحت نوش کرتا ہوں۔ اُمید کہ یہ شراب آپکو خوش ذائقہ معلوم دیگی۔ ساتھ ہی میں آپکی خوش خلقی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگر آپ ایسے ہی محتاط ہیں کہ آپ اپنے فرقہ کے اصول کو نہیں توڑ سکتے اور چھاچھ ہی کو ترجیح دیتے ہیں تو مجھے اُمید ہے کہ آپ رسم و رواج کی پابندی کرینگے"۔

مہنت "نہیں۔ نہیں۔ ہم چھاچھ اور دودھ پر تو صرف خانقاہ کے اندر ہی قناعت کرتے ہیں۔ لیکن دُنیا داروں کی صحبت میں آکر ہم دُنیا کے رسم و رواج پر چلتے ہیں۔ اس لئے میں جواب میں آپ کا جام صحت پیتا ہوں۔ اور ہلکی شراب اپنے بھائی سورما صاحب کے لئے چھوڑے دیتا ہوں"۔

سورما "اور میں اس جام کو لبریز کرکے اور حسینہ روو ینہ سے یہ کہکر

"عمرت دراز باد" چڑھائے جاتا ہوں۔ کیونکہ جب سے رووینہ کی ہمنام نے اس جملہ کو سرزمین انگلستان میں رواج دیا ہے سوائے ہماری موجودہ رووینہ کے کوئی دوسری خاتون اس جملہ کی مستحق نہیں ہوئی۔ ایمان کی قسم میں بدنصیب ورٹیجرن کو مات کر دیتا بشرطیکہ اُس کا مدعا اس سے نصف بھی ہوتا جو کہ ہم اس وقت اُسکی سلطنت اور اُسکی تباہی کا موجب دیکھ رہے ہیں"۔

رووینہ (جام شراب پیتے وقت نہایت شان سے۔ مگر بے نقاب ہوئے بغیر) "میں آپ کے اخلاق سے اُمید رکھتی ہوں۔ یا یوں کہئے کہ آپ کے اخلاق پر یہ بار ڈالتی ہوں کہ آپ ہمیں فلسطین کی تازہ خبریں اور واقعات سُنائیں۔ کیونکہ ہم انگریز ہیں۔ اور ہمارے کانوں کو آپ کی اُن اخلاقی باتوں کی نسبت جو آپ کو آپ کی فرانسیسی پیدائش سکھاتی ہے ایسی خبریں زیادہ خوشگوار ہیں"۔

سورما "خاتون میرے پاس کوئی مزے دار یا اہم خبر تو نہیں ہے۔ سوائے اسکے کہ سلطان صلاح الدین کے ساتھ صلح ہو گئی۔ اور یہ خبر عام لوگوں میں مشہور ہو چکی ہے"۔

ابھی وہ یہ کہنے ہی پایا تھا کہ وَمبہ جو اپنے آقا سے دو قدم نیچے بیٹھا ہوا تھا مخل ہوا۔ سیڈرک اُسے اپنے برتن میں اکثر چیزیں کھانے کی دیتا جاتا تھا۔ یہ ایک عنایت تھی جس میں وہ اُن کتوں (ملازموں) کے ساتھ شریک تھا جو سیڈرک کے ہاں بکثرت موجود تھے۔ اور جن کا ذکر ہو چکا۔ وَمبہ ایک میز اپنے سامنے لگائے اور بینچ کے ڈنڈوں پر پاؤں رکھے بیٹھا تھا۔ اُسکے رخسار اسقدر سکڑے ہوئے تھے

لہ انگلستان میں شاہ ہینجسٹ کی لڑکی رووینہ نے جو اپنے زمانہ کی ایک حسینہ تھی ایک مرتبہ شاہ کی آمد کی خوشی میں دوزانو ہو کر شاہ کو جام شراب دیتے وقت یہ جملہ کہا تھا کہ "عمرت دراز باد" ورٹیجرن اُس زمانہ میں انگلستان کے ایک فرقہ کا نواب تھا۔ اُس کی بابت بہت سے افسانے مشہور ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس نے رووینہ کے ساتھ شادی کی تھی۔ بقول نینیئس وہ آسمان سے نازل ہونے والی آگ سے ہلاک ہوا۔ اور بقول گوڈفرے اپنے قلعہ کے اندر آگ میں جل کر مر گیا۔ وہ رووینہ کا عاشق تھا۔ ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ اُس کا عشق ہی اُس کی جان لینے کا موجب ہوا۔

کہ اُس کے جبڑے شروتے کی مانند معلوم ہوتے تھے۔ اُس کی آنکھیں نیم بند تھیں۔ مگر بڑی پھرتی سے ہر ایسی بات کو تاڑ اور دیکھ رہی تھیں جس پر اُسے تمسخر اور ظرافت دکھانے کا موقع مل سکے ۔

ومبہ (بلا کسی خوف و لحاظ کے) ”ان کفار سے صلح کرتے کرتے میں تو بوڑھا ہو گیا۔“

سیڈرک (ایسے انداز سے جو یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ ایسے تمسخر کے سننے کے لئے تیار تھا) ”ادھر آ شریر۔ ابے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

ومبہ ”اس لئے کہ مجھے یاد ہے کہ میری عمر میں تین بار تو صلح ہو چکی ہے۔ اور ہر صلح کوئی ۵۰ سال قائم رہی ہے۔ اس حساب سے تو میں بہت ہی بوڑھا ہوں گویا میری عمر کم از کم ۱۵۰ سال کی ہو گئی“

سورما (پہچان کر کہ یہی مسخرہ جنگل میں ملا تھا) ”اگر تم راہگیروں یا مسافروں کو اسی طرح راستہ بتاؤ گے جس طرح کہ آج شام کو تم نے مہنت صاحب کو اور مجھے بتایا ہے تو میں تمہیں اس بڑھاپے کی موت سے نجات دلاؤنگا۔ اور یقین دلاتا ہوں کہ سوائے سختی کی موت کے تمہیں اور کوئی موت نہ آئیگی۔ یعنی تم کسی کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے“

سیڈرک ”ابے بیوقوف یہ کیا؟۔ تو مسافروں کو راستہ ٹھیک طور پر نہیں بتاتا۔ تیرے دُرّے لگوانا چاہئیں۔ تو کم از کم اتنا ہی بدمعاش ہے جتنا کہ احمق ہے“

ومبہ (از راہ ظرافت) ”چچا جان میں التجا کرتا ہوں کہ میری حماقت کو ایک دفعہ میری بدمعاشی کی حفاظت کر لینے دو۔ میں نے واقعی غلطی کی۔ کیونکہ میں اپنے دائیں اور بائیں ہاتھ میں تمیز نہ کر سکا۔ اور جس شخص نے کہ ایک احمق کو اپنا مشیر اور رہبر بنایا وہ تو اس سے بھی بڑھکر معافی دے سکتا ہے“

ان مزیدار باتوں میں دربان کے غلام نے خلل ڈال دیا۔ کیونکہ اُس نے آتے ہی یہ اطلاع کی کہ ایک مسافر آیا ہے۔ وہ رات بھر قیام کرنے کی اجازت چاہتا ہے ۔

سیڈرک ”چاہے وہ کوئی ہو اور کیسا ہی ہو۔ اُسے ٹھیراؤ۔ ایسی رات اور ایسا طوفان جیسا کہ اس وقت ہے صحرائی جانوروں کو بھی پالتو جانوروں کے ساتھ بسر

کرنے پراور آندھی پانی سے مرنے کی جگہ انسانوں سے جو اُن کے دشمن جانی ہیں پناہ مانگنے پر مجبور کرتا ہے۔ دیکھو اُس کی ساری ضروریات پوری کی جائیں اوسوالڈ جاؤ۔ اُس کی خاطر مدارات اور راحت و آرام کی فکر کرو"+

یہ سُنتے ہی داروغہ دعوت کے کمرے میں سے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے چلا گیا+

مزہ دار گفتگو

اوسوالڈ نے چند ہی منٹ میں واپس آکر اپنے آقا کے کان میں کہا کہ" وہ تو ایک یہودی ہے۔ وہ اپنا نام اسحاق بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ یورک کا رہنے والا ہے۔ کیا یہ مناسب ہے کہ میں اُسے باعزت اس جگہ لے آؤں"؟+

ومبہ (معمولی گستاخی کے ساتھ)" اوسوالڈ تو اپنا کام گرتھ کے سپرد کردے۔ یہودی کے لئے تو سُور خانہ بہتر جگہ ہوگی"+

مہنت (صلیب کا نشان بنا کر)" مقدس مریم کی قسم۔ ایک بیدین یہودی اور اس کمرے میں لایا جائے"!+

سورما (گرج کر)" ایک یہودی کتا۔ اور مقدس ہیکل کے بچانے والے کے پاس آسکے"!+

ومبہ" ایمان کی قسم یہ صاف ظاہر ہے کہ صلیبی سورما یہودیوں کی صحبت سے انکے مال و اسباب کو زیادہ چاہتے ہیں"+

سیڈرک" اے میرے معزز مہمانو ذرا صبر کرو۔ میری مہمان نوازی پر آپ کی نفرتوں کی قید نہیں لگنی چاہیئے۔ اگر ان بیدین گردن کشوں کی برداشت خدا اُس سے زیادہ سالوں تک کرتا رہا ہے جتنے سالوں کا شمار کہ ایک دُنیادار کرسکتا ہو تو ہم ایک یہودی کی صحبت کو صرف چند گھنٹے تو ضرور برداشت کرسکتے ہیں لیکن میں کسی کو بھی اُس کے ساتھ بات چیت کرنے یا کھانے پینے کے لئے مجبور نہیں کرتا۔ اُس کے لئے علیحدہ ایک دسترخوان پر کھانا دیدینا چاہیئے"۔ اور ہنس کر

"ورنہ یہ عمامہ پوش (مسلمان جو سورما کے ساتھ ملازموں کی حیثیت سے تھے) مسافر
اُسے اپنی صحبت میں قبول کرینگے"

سورما: "جناب نواب صاحب۔ میرے یہ مسلمان غلام پکّے مسلمان ہیں۔ اور ایک
یہودی سے بات چیت کرنے میں وہی نفرت کرتے ہیں جو ایک عیسائی کرتا ہے"

وِمبہ۔ ایمان کی قسم اب میں نہیں دیکھ سکتا تھا کہ محمد صاحب اور رٹما گونٹ (مسلمانوں
کا ایک فرضی بُت جس کا ذکر قدیم ناٹکوں وغیرہ میں ہے) کے معتقد ایسے
لوگوں پر فوق رکھتے ہوں جو کبھی خداوند کی برگزیدہ قوم تھے"

سیڈرک: "ابے احمق وہ یہودی تیرے ساتھ بیٹھ کر کھائے پیئے گا۔ ایک
احمق اور دوسرا بدمعاش۔ دونوں کی خوب گزریگی"

وِمبہ (سوٗر کی بچی کچھی ران اٹھا کر): "احمق یہ احتیاط کریگا کہ اس کے ذریعے
اپنے اور بدمعاش کے درمیان ایک قلعہ بنالے گا"

سیڈرک: "خاموش! دیکھ وہ آ گیا"

چونکہ اس نووارد کے ساتھ زیادہ تپاک نہیں روا رکھا گیا۔ اس لئے وہ
پس و پیش اور خوف کے ساتھ اور کئی بار انکساری کے ساتھ آداب بجالاتا ہوا
آگے بڑھا۔ وہ پُتلا دُبلا اور بوڑھا تھا۔ اور بار بار تعظیم دینے کی عادت کے باعث
اُس کا طویل قامت کسی قدر نیچا ہو گیا یا گھٹ گیا تھا۔ وہ بڑھتے بڑھتے چبوترے
کے کنارے تک آن پہنچا۔

یہودی کے خط و خال موزوں تھے۔ ناک عقابی۔ آنکھیں رسیلی۔ پتلیاں سیاہ
پیشانی اونچی۔ جس پر چین پڑی ہوئی تھیں۔ بال لمبے اور بھورے۔ ڈاڑھی نیچی۔
ان سب باتوں کے اعتبار سے وہ نہایت خوبصورت شخص مانا جاتا بشرطیکہ یہ باتیں
ایک ایسی قوم کی قیافہ شناسی کی علامات نہ سمجھی جاتیں جن سے اُس تاریک زمانہ
میں سریع الاعتقاد اور متعصب دونوں ہی یکساں نفرت کرتے تھے۔ اور جن کو حریص
اور غارت گر اُمرا ستاتے تھے۔ شائد اس نفرت اور ظلم ہی کے باعث یہودیوں نے
ایک ایسی قومی خصلت اختیار کی تھی جس میں بہت کچھ کمینہ پن اور سرد مہری

پائی جاتی تھی +

یہودی کا لباس اور وضع قطع بالکل اُس کی قوم کی سی تھی تاکہ وہ عیسائیوں سے تمیز کیا جاسکے۔ وہ ایک عجیب طرز کی چوگوشہ ٹوپی پہنے ہوئے تھا جسے اُس نے دروازہ میں گھستے ہی تعظیم کے طور پر اُتار لیا تھا۔ سیڈرک کے ہاں اُس کا استقبال کچھ ایسے طریقے میں کیا گیا جس سے بنی اسرائیل کے سخت سے سخت اور متعصب ترین دشمن کو بھی تسکین ہو جاتی۔ خود سیڈرک نے اُس کے اداب کا جواب سر کے اشارے سے اور نہایت رُکھائی سے دیا۔ اور اُسے میز کے نچلے سرے پر بیٹھ جانے کے لئے اشارہ کیا۔ مگر وہاں بھی کسی نے اُسے جگہ نہ دی۔ برعکس اس کے جب وہ لوگوں کی قطار کے پاس سے ڈرتی ہوئی اور پُر عجز نگاہوں سے اُن لوگوں کی طرف دیکھتا ہوا آگے بڑھا جو میز کے نچلے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے تو لوگوں نے جو سیڈرک کے ملازم تھے اپنے شانے اکڑ کر کشادہ کر دئے۔ گویا خوب پھیل پھوٹ کر بیٹھ گئے۔ اور اپنا کھانا بڑے استقلال و اطمینان کے ساتھ کھاتے رہے اور کسی نے اُس نووارد کی حاجت اور ضرورت کا خیال نہیں کیا۔ مہنت کے رفیقوں نے ایک خوف آمیز تقدس کے ساتھ اپنے جسموں پر صلیب کے نشان بنائے۔ اور مسلمانوں نے جو سورما کے ہمراہ تھے یہودی کے نزدیک پہنچتے ہی غصہ سے مونچھوں پر تاؤ پھیرنا شروع کر دیا۔ اور اپنے ہاتھ خنجروں تک لے گئے۔ گویا وہ جبریہ طریقہ سے یہودی کے پاس آنے سے ناپاک ہو جانے کے فرضی خیال کی بنا پر اُس بندۂ خدا کو ہلاک کرنے پر آمادہ تھے +

تو اب سیڈرک نے اس یہودی کو جس اخلاق سے اندر بُلایا تھا وہ اُسی اخلاق کے ذریعے سے اپنے ملازموں کو اُس کے لئے جگہ چھوڑنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ لیکن اُسی وقت مہنت نے شکاری کتوں کی نسل اور اُن کی پیدائش سے متعلق ذکر اذکار چھیڑ دیا۔ اس قسم کی گفتگو کو سیڈرک ایک یہودی کے مقابلے میں زیادہ ضروری سمجھتا تھا۔ اس لئے اس نے یہودی کا کچھ خیال نہ کیا بیچارہ یہودی علیحدہ ایک مردود کی مانند کھڑا رہا۔ غالباً اُسے اُس شب نہ تو کچھ کھانے کو

ملتا اور نہ آرام کرنے کے لئے کوئی جگہ ملتی ۔ لیکن سورما کے اُس ساتھی نے جو آتشدان کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور کھانا کھا چکا تھا اپنی جگہ پر یہودی کو بٹھا دیا۔ اور میز پر سے کچھ کھانا لے کر اُس کے آگے رکھ دیا اور وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ جا بیٹھا اگر اُس زمانہ میں مصوّری کا فن ہوتا تو یہی یہودی جبکہ وہ آگ کے سامنے جُھکا ہوا اور ہاتھ پھیلائے کپکپاتا ہوا بیٹھا تھا موسم سرما کی ایک نہایت پُر اثر مجسّم تصویر مانا جاتا اور اُس کی تصویر اُتاری جاتی۔ جب اُس کے بدن میں گرمی آگئی تو وہ کھانے کی طرف متوجہ ہوا اور جلدی جلدی اور بظاہر بڑے ذائقہ کے ساتھ کھانا کھانے لگا۔ اُس کی تعجیل اس بات کی علامت تھی کہ بیچارے کو بڑی دیر سے کچھ کھانے پینے کو نہیں ملا تھا +

جب تک یہودی کھانا کھاتا رہا تب تک مہنت صاحب اور سیڈرک شکار سے متعلق بات چیت کرتے رہے۔ بیگم رَووینہ اپنی ایک سہیلی سے باتیں کرتی رہی اور سَورما صاحب جن کی نگاہیں کبھی یہودی پر جالگتی تھیں اور کبھی رَووینہ پر اُن خیالات میں محو تھے جن میں اُن کو بظاہر بڑا لطف آرہا تھا +

مہنت (اثنائے گفتگو میں) "نواب سیڈرک مجھے حیرت ہے کہ چونکہ آپ اپنی مروانہ زبان (بولی) کے بڑے ہی طرفدار اور حامی ہیں۔ مگر آپ اُس زبان پر جو نارمن اور فرینچ زبان سے مشترک ہے زیادہ عنایت نہیں کرتے۔ کم ازکم اُس حد تک نہیں جس سے شکار کے اسرار متعلق ہیں۔ فی الواقع کسی زبان میں شکار اور صحرا کے متعلق اس قدر جملے اور الفاظ نہیں پائے جاتے جس قدر کہ ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ شکاری اپنے فن کا اظہار کرسکے" +

سیڈرک "پیر و مرشد۔ واضح ہو کہ میں ان غیر ملکی لطیف باتوں کی جن کے بغیر ہی صحرا اور شکار کا لطف کافی طور پر اُٹھا سکتا ہوں زیادہ پرواہ نہیں کرتا۔ میں نرسنگھا خوب اچھی طرح بجا سکتا یا پھونک سکتا ہوں۔ حالانکہ میں الفاظ کو نرسنگھے کے ذریعے ادا نہیں کرسکتا جن کو آور شکاری کُتّوں کے لئے شکار کا پیچھا کرنے یا شکار کے نشانہ لگ کر گر جانے کے لئے ادا کرتے ہیں۔ میں اپنے کُتّوں کا دل بڑھا کر

شکار پر لہکار سکتا ہوں۔ میں شکار کی کھال اُتار سکتا ہوں۔ میں شکار کئے ہوئے جانور کے جسم کی کاٹ چھانٹ کر سکتا ہوں۔ اور ان کاموں کو میں اُن نو ایجاد شدہ الفاظ کے استعمال کئے بغیر کر سکتا ہوں جن کو اور شکاری استعمال کرتے ہیں۔ میں سر ٹریسٹریم کے سے الفاظ استعمال کئے بغیر اپنا کام نکال لیتا ہوں"۔ یہ شخص انگلستان میں شکار اور شکاری اصطلاحوں کا بڑا ماہر اور موجد خیال کیا جاتا ہے +

سورما (اپنے تحکمانہ اور پُرغرور لہجہ سے جس کا وہ عادی تھا) "نہ صرف شکار ہی کے لئے فرانسیسی ایک قدرتی زبان ہے۔ بلکہ عشق و محبت کی باتوں اور جنگ وجدل کی باتوں کے لئے بھی۔ اسی زبان کے ذریعے سے خواتین کا دل پھُسلایا جاتا اور دشمنوں کو للکارا جاتا ہے"۔

سیڈرک "مہربانی فرماکر ایک جام شراب سے مجھے ممنون کریں اور دوسرا جام بھر کر پیر ومرشد مہنت کی نذر کریں۔ اور مجھے ذرا آج سے کوئی تیس سال گزشتہ کے زمانے پر ایک نگاہ کر لینے دیں۔ پھر میں آپ کو ایک نہایت دلفریب کہانی سُناؤنگا۔ سیڈرک کی صاف انگریزی کہانی کو فرانسیسی باتوں سے جلا حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کیونکہ نارتھیلرٹن کا میدان اور اسٹینڈرڈ کی جنگ بتا سکتی تھی کہ آیا انگریزی نعرۂ جنگ اسکاچ فوج کے اندر نہیں سُنائی دیتا تھا۔ جیساکہ فرانسیسی نعرۂ جنگ نارمن امرا کا سُنائی دیتا تھا۔ اس کے بعد سیڈرک اور مہنت وغیرہ نے جام شراب پی لیا اور پھر سیڈرک بڑی گرمجوشی کے ساتھ اپنی کہانی سُنانے کے ہمہ تن آمادہ ہوگیا۔ اُس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اپنی اُس کہانی کو جسے وہ مہنت صاحب کو سُنانا چاہتا تھا نہایت خوبی سے بیان کریگا۔ اور یہ کہ وہ کہانی معقول اور پُراثر ہوگی۔ اُسے سُن کر مہنت صاحب کو لطف آئیگا +

شاہِ معظّم کے دوست

تواریخ سے ظاہر ہے کہ ہر بادشاہ کے دوست ہوتے ہیں۔ ان دوستوں کا اثر بادشاہ پر بہت کچھ پڑتا ہے۔ اور بادشاہ سے گزر کر اُسکی سلطنت پر بھی۔ اگر یہ دوست قابل۔ سنجیدہ اور نیک دل ہوتے ہیں تو ملک کو نفع ہوتا ہے اور سلطنت کو ناموری حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اگر نالائق۔ بیہودہ اور بدطینت ہوتے ہیں تو بادشاہ کو بدنامی ملتی ہے اور ملک کا نقصان ہوتا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ جن لوگوں سے بادشاہ کی دوستی ہوتی ہے اُن کا درجہ اتحاد اور محبت کے باعث بادشاہ کے درجہ کے برابر ہوتا ہے۔ اس سے اکثر بادشاہ کا ذاتی وقار گھٹ بھی جاتا ہے۔ لیکن بعض بادشاہ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ دوستی کو دوستی کے درجہ تک پہنچا دیتے اور اپنے ذاتی وقار کو بھی کم نہیں ہونے دیتے۔

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارے بادشاہ کے دوست کیسے ہیں۔ اور یہ کہ دوستوں کے انتخاب میں بادشاہ سلامت نے کس قابلیت کا اظہار کیا ہے۔ یہ بات عام طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ ملک معظم نے دوستوں کے انتخاب میں نہ صرف شان و عظمت ہی کا لحاظ رکھا ہے۔ بلکہ دوستی کو ایسے طریقے میں نباہا اور ملحوظ رکھا ہے جسکی مثال تاریخ میں کمتر ملتی ہے۔ وہ دوستوں کے دلی دوست ہیں۔ اور اپنے وقار اور اقتدار کو بھی کم نہیں ہونے دیتے۔ مزید براں دوستوں کی دوستی سے اپنی سلطنت کے لوگوں کو بھی فائدہ پہنچاتے ہیں۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ معظم اپنی دوستیوں کے ذریعے سے ایک فرمانروا کے فرائض کو نہایت عمدہ طریقے میں ادا کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ آپ نے دوستوں کے انتخاب میں نہایت احتیاط اور دانائی کو ملحوظ رکھا ہے۔ چونکہ آپ کے ذاتی خصائل نہایت پسندیدہ ہیں۔ اس لئے آپ کے دوستوں میں نہایت قابل۔ سنجیدہ۔ تجربہ کار۔ صائب رائے اور نیک دل لوگ شامل ہیں۔ شاہ معظم طبعاً ہمدرد ہیں۔ اور بنی انسان کے ساتھ نہایت ہمدردی اور

پیش آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی کروڑوں رعایا میں سے جو لوگ واقف بھی نہیں۔ یا جنھوں نے آپ کو دیکھا بھی نہیں آپ کے خیرخواہ وش ہیں۔ شاہ معظم کو اپنی ہمدردطبیعت کے باعث اپنی رعایا کے ہر طبقہ کے لوگوں کے خیالات اور حالات سے واقفیت حاصل ہے۔ اور ایک کنسٹی ٹیوشنل فرمانروا کے لئے یہ ایک بڑی ضروری خوبی ہے۔ شاہ معظم اپنی خصلت اور زندگی کی وجوہات کے باعث ایک بے نظیر دُنیادار ہیں +

پہلے درجے کے قابل مدبروں میں سے ملک معظم کے دلی دوست دو شخص ہیں۔ ایک کاؤنٹ میسڈرف۔ اور دوسرے مارکوئس ڈی سوویرال۔ کاؤنٹ صاحب ملک آسٹرو ہنگری کی طرف سے دربار انگلستان میں بیس سال سے سفیر ہیں۔ آپ شاہ معظم کے قریبی رشتہ دار بھی ہیں۔ کیونکہ کاؤنٹ کی اور ملک معظم کی دادیاں حقیقی بہنیں تھیں کاؤنٹ بڑے اعلےٰ درجے کے ایکٹر ہیں اور سوشل اعتبار سے نہ صرف ملک معظم کے پرائیویٹ کلب یعنی مارلبرو کلب کے ممبر ہیں۔ بلکہ انگلستان کے دیگر مشہور کلب مثلاً ٹرف اور ٹریولر کے ممبر بھی۔ آپ نے اب تک شادی نہیں کی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو سفیر مجرّد ہوتا ہے اُسکے ہاں شاہ و ملکہ۔ ولیعہد انگلستان اور اُن کی بیگم مہمان نہیں ہو سکتے۔ لیکن یہ بات محض کاؤنٹ ہی کے ساتھ روا رکھی گئی ہے۔ مارکوئس ڈی سوویرال وزیر پرتگال کے ساتھ ملک معظم کی دوستی کاؤنٹ کی دوستی سے بھی زیادہ گہری ہے۔ کاؤنٹ کی مانند مارکوئس بھی بادشاہ کے ہمراہ دعوتوں میں بلائے جاتے ہیں۔ آپ ویدار جوان ہیں اور بڑے ظریف۔ طباع اور ذہین۔ اور خواتین کے بڑے ادب کرنے والے۔ لیکن آج [illegible] سے بھی محبت نہیں کی۔ خود ملک معظم اور ملکہ آپ کو اپنے ہاں دعو کرتے ہیں +

سر ارنیسٹ کیسل۔ آپ بھی شاہ معظم کے دوست ہیں۔ آپ بڑے شکاری ہیں [illegible] معظم آپ کے ساتھ اکثر شکار کھیلتے ہیں اور گھوڑ دوڑ کے دنوں میں آپ کے ہاں دعوت کھا تے ہیں۔ سر ارنیسٹ نے اُن نہروں کی اسکیم میں بہت بڑا حصہ لیا ہے جو ملک مصر میں [illegible] روم کی تجویز سے نکالی گئی ہیں۔ آپ بڑے فنانشیر اور طریق دولت کے ماہر

ہیں۔ شاہ معظم نے جو اسپتال امراض دق کے لئے سینہ۔ جگر۔ پھیپھڑوں کے مریضوں کے واسطے قائم کیا ہے اس میں آپ نے بڑا حصہ لیا +

لارڈ ڈی گرے۔ آپ شاہ معظم کے شکاری دوست اور خانگی صرف کے خزانچی ہیں۔ شاہ معظم۔ ملکہ۔ ولیعہد اور اُن کی بیگم اکثر آپ کے ہاں دعوت کھاتے اور آپ کی جاگیر میں شکار کھیلتے ہیں +

شاہ معظم کے دیگر شکاری احباب لارڈ سفیلڈ۔ لارڈ فارکوہر۔ سرایڈورڈ گرین میجر ہالفرڈ اور لارڈ روزڈیل ہیں۔ لارڈ سفیلڈ بادشاہ سلامت سے عمر میں دس سال بڑے ہیں اور پرانے رفیق ہیں۔ جب شاہ معظم ولیعہد کے منصب پر تھے تو لارڈ سفیلڈ آپ کے ہمراہ سیاحت ہندوستان میں شریک رہے۔ اس کے بعد آپ کے اصطبل کے سپرنٹنڈنٹ رہے۔ اور اب جلو میں رہتے ہیں۔ ولیعہدی کے زمانہ میں آپ آرام گاہ کے داروغہ تھے۔ آپ شکاری کتوں کے بڑے ماہر ہیں +

لارڈ فارکوہر ایک دولتمند نواب اور ساہوکار ہیں۔ شاہ معظم کی تخت نشینی کے وقت آپ نے شاہ کے خانگی انتظام واقع محل بکنگھم اور ونڈسر میں بڑی قابلیت سے کیا اور بڑی کفایت دکھائی۔ آپ کے ساتھ شاہ معظم ہر سال بمقام کیسل رائزنگ شکار کھیلتے ہیں۔ لارڈ فارکوہر کھانے پینے کی چیزوں۔ باورچی خانہ کے انتظام شراب کپڑوں اور موسیقی کے بڑے ماہر اور تجربہ کار ہیں۔ بڑے زندہ دل اور خوش طبع۔ لارڈ صاحب کی بیگم۔ ملکہ انگلستان کی دلی دوست ہیں +

دو اور شکاری دوست لارڈ لنڈسبرو اور لارڈ برنام ہیں۔ اوّل الذکر کے ہاں شاہ معظم دعوت بھی کھاتے ہیں۔ اور دونوں اصحاب کے ساتھ اُنکی قیامگاہ کے نزدیک شکار کھیلتے ہیں۔ اسکاٹ لینڈ میں شاہ معظم اور ولیعہد کو سر آرتھر باسون اور اُن کی بیوی اکثر مدعو کرتی ہیں۔ جہاں وہ جھیل ٹلمان لاج میں شکار بھی کھیلتے ہیں +

میجر ہالفرڈ۔ یہ بڑے دولتمند ہیں۔ عمدہ شکاری اور شکاری کتوں کے بڑے ماہر و شوقین۔ نہایت وجیہ اور خوبصورت اور شاہ معظم کے دلی دوست۔ میجر صاحب خلوت نشینی کے عادی ہیں۔ آپ بادشاہ سلامت کے داروغہ اصطبل بھی ہیں۔

شاہ معظم آپ کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ میجر صاحب بڑے تجربہ کار اور مخزن معلومات ہیں۔ ورزشی جوان ہیں۔ بادشاہ اور ملکہ دونوں کو باغبانی کا شوق ہے۔ میجر صاحب بھی اس کے بڑے شوقین ہیں +

لارڈ ریڈس ڈیل۔ یہ بھی باغبانی کے بڑے شائق ہیں۔ اور بادشاہ اور ملکہ کے شوق میں اتھ بٹاتے ہیں۔ آپ کو شاہ معظم نے تخت نشینی کے دو سال بعد نواب کا منصب عطا کیا۔ آپ دربار جاپان میں انگلستان کی طرف سے سفیر رہ چکے ہیں۔ وہاں سے آکر انگلستان میں آپ نے جاپانی طرز کا ایک عمدہ باغ لگوایا ہے۔ آپ اس سفارت کے ساتھ بھی جاپان گئے جو شاہ جاپان کو شاہ انگلستان کی طرف سے خطاب "آرڈر آف دی گارٹر" کا تمغہ پہنانے گئی تھی +

شاہ معظم کا تعلق راتسھ چائلڈ خاندان کے لوگوں سے جو انگلستان میں آباد ہیں اور نیز انگلستان سے باہر بہت گہرا اور پرانا ہے۔ سب سے اوّل شاہ معظم یہودیوں کے معابد میں مسٹر لیو پولڈ دی راتسھ چائلڈ کی شادی پر گئے تھے۔ شاہ معظم کا تعلق بیرن راتسھ چائلڈ کے ساتھ دیرینہ تھا۔ اور بیرن کے ہاں اکثر مدعو کئے جاتے تھے۔ شاہ معظم مسٹر الفریڈ راتسھ چائلڈ سے اُن کی موسیقی کی اعلےٰ واقفیت کے باعث بہت اُنس کرتے ہیں +

میجر فرز پونسنبائی۔ یہ بھی شاہ معظم کے دوست ہیں۔ اُن کے والد ملکہ وکٹوریہ کے سکرٹری تھے اور والدہ ملکہ کی سہیلی تھیں۔ میجر صاحب شاہ معظم کے صرف خاص کے نائب خزانچی۔ اسسٹنٹ پرائیویٹ سکرٹری اور اصطبل کے معمولی داروغہ ہیں۔ اور شاہی احباب کے حلقہ میں وہ اور اُن کی خوبرو بیوی بہت مقبول ہیں +

دینی پیشواؤں میں بھی شاہ معظم کے کئی دوست ہیں۔ پادری چارلس کنگسلے جن سے شاہ معظم نے تاریخ انگلستان پڑھی تھی شاہ کے دوست تھے۔ شاہ معظم اُن کا بڑا ادب کرتے تھے۔ ڈاکٹر نارمن مکلیوڈ سے بھی شاہ معظم کی دوستی تھی۔ ڈین اسٹینلی سے بھی دوستی تھی۔ ڈین صاحب شاہ معظم کے ساتھ فلسطین کے سفر میں تھے۔

مگر پادریوں میں سب سے زیادہ تعلق شاہ معظم کا کپتن شیپرڈ سے ہے۔ غم و رنج فرحت انبساط عیش و طرب۔ الغرض ہر موقع پر کپتن صاحب شاہی خاندان میں موجود ہوتے ہیں۔ مرحوم ڈیوک آف کیمبرج کے ساتھ کپتن صاحب کا گہرا تعلق تھا۔ اسی سلئے شاہ معظم نے آپ کو مرحوم ڈیوک کی سوانح عمری لکھنے کی خدمت سپرد کی تھی۔

شاہ معظم کے دوستوں کے مختصر حالات سے جو اوپر بیان ہو چکے یہ ظاہر ہے کہ شاہ معظم نے مختلف صفات اور تجربہ کے لوگوں کو جو ملک و قوم کے مختلف طبقوں کے سچے قائم مقام ہو سکتے ہیں اپنا دوست منتخب کیا ہے۔ فی زمانہ کوئی بادشاہ ایسے شخصوں پر بھروسہ نہیں کر سکتا جس میں یہ تین صفات نہ ہوں۔ تحریر و تقریر میں احتیاط کسی خاص فن کا اعلےٰ مذاق اور خوش طبعی۔ شاہ معظم کے سارے دوست ان صفات سے بہرہ ور ہیں۔

مفید کہاوتیں

۱۔ زندگی بڑھانے کے لئے کم کھانا چاہیئے۔
۲۔ زندگی قائم رکھنے کے لئے کھاؤ نہ کہ کھانے کے لئے زندہ رہو۔
۳۔ جتنے زیادہ کھانے اُتنے ہی زیادہ امراض۔
۴۔ پاؤں کا پھسلنا زبان کے پھسلنے یا بہکنے سے بہتر ہے۔
۵۔ جس بات کا آغاز غصہ سے ہو اُس کا انجام شرم ہے۔
۶۔ محنت کے نزدیک سب کام آسان ہیں مگر کاہلی کے نزدیک مشکل۔
۷۔ کفایت شعار کے لئے ساری چیزیں سستی ہیں۔ مگر فضول خرچ کے لئے مہنگی۔
۸۔ جو کوئی تمہاری ساری باتوں کی تعریف کرے اُسے اچھا نہ سمجھو۔
۹۔ مفلس کو چند ہی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ عیش پرست کو بہت سی چیزوں کی اور حریص کو ساری دُنیا کی۔
۱۰۔ بڑوں سے عاجزی کرنا داخل فرض ہے۔ ہمسروں سے داخل اخلاق اور چھوٹوں سے داخل شرافت۔
۱۱۔ اگر تم یہ جانتے ہو کہ آمدنی سے خرچ کیونکر کم کیا جاتا ہے تو تمہارے پاس سنگ پارس ہے۔

فرینکلن صاحب کی نصیحت نوجوانوں کو

ایک دفعہ فرینکلن صاحب سے جو امریکہ میں ایک مشہور شخص گزرے ہیں اور جنہوں نے ادنےٰ درجہ سے ترقی کر کے اعلےٰ درجہ حاصل کر لیا اُن کے کسی دوست نے کامیابی کے طریقے کی نسبت دریافت کیا تو اُنہوں نے ذیل کا مضمون لکھ کر بھیج دیا۔ یہ مضمون نوجوانوں کے لئے جو کسی پیشہ یا ملازمت وغیرہ میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں بیحد مُفید ہے۔ اُمید کہ اسے غور سے مطالعہ کیا جائیگا۔ ایڈیٹر

یاد رکھو کہ **وقت** دولت ہے۔ جو شخص دو روپیہ روز کماتا ہو اگر وہ آدھے دن بیکار رہے اور بیکاری کے وقت صرف دو آنہ فضول خرچ کرے تو اُسے یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ اُس نے صرف دو آنہ ہی خرچ کئے یا گنوائے ہیں۔ بلکہ اُس نے دراصل علاوہ اُسکے ایک روپیہ اَور گنوا دیا ؞

یاد رکھو کہ **اودھار** دولت ہے۔ اگر ایک شخص دوسرے کو کچھ روپیہ قرض دے۔ اور اُسکے ادا ہونے کی تاریخ کے بعد بھی اُس روپیہ کو مقروض کے پاس پڑا رہنے دے تو سمجھو کہ وہ مقروض کو سود ادا کرتا ہے۔ یا اُس کے لئے آمدنی کا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے کیونکہ جب تک وہ روپیہ مقروض کے پاس رہتا ہے تب تک وہ اُس سے مالی نفع اُٹھاتا ہے۔ اگر اس روپیہ کی تعداد زیادہ ہو تو اُس کے ذریعے سے مقروض بہت نفع اُٹھا سکتا ہے ؞

یاد رکھو کہ روپیہ میں بڑھنے کی خاصیت ہے۔ روپیہ سے روپیہ پیدا ہوتا ہے اور روپیہ کے بچے اور بچے پیدا کرتے ہیں۔ اگر پانچ روپیہ کا اُلٹ پھیر کیا جائے تو ۶ ہو جاتے ہیں۔ اور ۶ کا اُلٹ پھیر کرنے سے سوا سات اور علےٰ ہذا۔ یہانتک کہ اُن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے۔ جس قدر زیادہ روپیہ ہوتا ہے اُسی قدر زیادہ وہ ہر پھیرے پر بڑھ جاتا ہے۔ جو شخص کہ ایک اُگنے والے تخم کو برباد کرتا ہے وہ اُس کی ہزاروں نسلوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح جو شخص ایک روپیہ کو برباد کرتا

وہ اس سارے نفع کو جو اس سے ہو سکتا ہے برباد کرتا ہے ٭
یاد رکھو کہ ایک آنہ روز بچانے سے سال بھر میں ۲۲ روپیہ کچھ آنے ہوتے ہیں۔ اس رقم کو ایک معتبر شخص اپنی ذمہ وری پر کام میں لگائے رکھنے سے سیکڑوں کیا ہزاروں روپیہ کا مالک بن سکتا ہے۔ ایک محنتی اور کفایت شعار اور دور اندیش شخص صرف اسی قدر سرمایہ سے بہت کچھ پیدا کر سکتا ہے ٭

یاد رکھو کہ اچھا دیندار دوسرے کی دولت کا مالک ہے۔ جو شخص اپنا قرض عین وقت پر ادا کرتا ہے وہ اس قدر دولت دوسروں سے لے کر کام میں لگا سکتا ہے جس قدر کہ وہ چاہے۔ مزید برآں جو محنتی اور کفایت شعار شخص کاروبار میں انصاف اور قاعدہ اور وقت کا پابند ہے اُسے قرضہ وقت پر ادا کرنا چاہیئے۔ شائد کہ قرضخواہ کو وقت گزرنے کے باعث مایوسی ہو سکتی ہے اور وہ دوبارہ ضرورت کے وقت اپنا روپیہ نہیں دیگا ٭

جن ادنٰے ادنٰے باتوں سے اعتبار یا ساکھ جاتی رہتی ہے اُس کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اگر تمہارا قرضخواہ صبح پانچ یا شام کو ۸ بجے تمہیں کام کرتا ہوا دیکھتا ہے تو وہ اپنے قرضہ کے لئے ۶ ماہ تک آسانی کے ساتھ انتظار کر سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ کام کے وقت تم کو کھیل کود میں دیکھتا ہے۔ یا بیکار۔ یا شراب خانہ میں تو وہ صبر اور انتظار کرنے کی جگہ دوسرے ہی دن روپیہ کا تقاضا کرنے لگتا ہے اور چاہتا ہے کہ وقت مقررہ سے پیشتر ہی اُس کا روپیہ اُسے واپس مل جاے۔ اس لئے تم کو اسقدر احتیاط۔ دیانت اور ہوشیاری برتنا چاہیئے کہ تمہارا اعتبار بڑھتا ہی رہے ٭

یاد رکھو اور احتیاط رکھو کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اُسے تم اپنا ہی نہ سمجھو۔ اور اُسی کے مطابق زندگی بسر نہ کرو۔ بلکہ یہ سمجھو کہ اُس میں سے بہت کچھ دوسروں کا ہے اور تم اُسکے امین ہو۔ اس لئے اپنے آمد و خرچ کا باقاعدہ حساب رکھو۔ اور تفصیلوار حساب ہو۔ اس سے تم کو معلوم ہو جائیگا کہ ذرا ذرا سے خرچوں میں جن کو تم بند کر سکتے ہو کس قدر روپیہ صرف ہو جاتا ہے۔ ان ادنٰے خرچوں کے روکنے سے ایک معقول رقم تھوڑے ہی عرصہ میں جمع ہو سکتی ہے اور بلا کسی بے آرامی کے ٭

حاصل کلام یہ کہ اگر تم دولت اور کامیابی کا راستہ دریافت کرنا چاہتے ہو تو وہ ایسا سیدھا ہے جیسے کہ بازار کا راستہ۔ وہ دو لفظوں پر منحصر ہے۔ **محنت** اور **کفایت شعاری**۔ ان لفظوں سے مراد یہ ہے کہ نہ تو وقت کو رائگاں کرو اور نہ روپیہ کو۔ بلکہ دونوں کو عمدگی سے کام میں لاؤ۔ دونوں کا استعمال جائز ہو محنت اور کفایت شعاری بغیر کوئی کام نہیں چلتا۔ مگر اُن کے ہوتے ہوئے سارے کام چل سکتے ہیں۔ جو شخص اُس قدر کماتا ہے جس قدر کہ وہ ایمانداری سے کما سکتا ہے اور اُس قدر بچا سکتا ہے جسقدر کہ آرام کے ساتھ بچا سکتا ہے وہ درحقیقت دولتمند ہو جاتا ہے۔

روپیہ اودھار دینے کا نیا اور عمدہ طریقہ

ایک دفعہ بنجمن فرینکلن نے ایک شخص کے پاس جس نے اُن سے قرض مانگا کچھ روپیہ روانہ کیا ساتھ ہی ایک خط بھی بھیجا۔ جس کا مضمون یہ ہے :-

پیرس

۲۲ر اپریل ۱۷۸۴ء

میں تمہارے پاس دس پونڈ روانہ کرتا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ روپیہ میں تمہیں ہمیشہ کے لئے دیتا ہوں۔ بلکہ اودھار۔ جب تم اپنے ملک میں پہنچ جاؤ گے تو ضرور کچھ کاروبار کرو گے۔ اس سے تم میرا قرض ادا کر سکو گے۔ اُس حالت میں جب تم کوئی اپنے جیسا دوسرا شخص مصیبت میں پاؤ تو میرا روپیہ اس طریقہ میں ادا کرو کہ وہ روپیہ اُس شخص کو اودھار دیکر ہدایت کردو کہ وہ بھی کسی وقت اپنے جیسے کسی مصیبت زدہ شخص کو وہ رقم اودھار دیدے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس طریقہ میں دس پونڈ کی رقم بہت سے لوگوں تک جا پہنچیگی۔ اور صرف اُسوقت اُسکی ترقی بند ہو جائیگی جبکہ کوئی شریر اُسے کسی کو دینا پسند نہ کرے۔ یہ میرا ایک ادنے کرشمہ ہے جسکے ذریعے سے میں تھوڑے سے روپیہ سے بہت کچھ کام کر سکتا ہوں۔ میں اس قدر امیر نہیں ہوں کہ نیک کاموں میں زیادہ روپیہ دے سکوں۔ اس لئے میں مجبوراً اس عاقلانہ طریقے کو کام میں لاتا اور تھوڑے سے کے ذریعے بہت کچھ کر لیتا ہوں +

خیر طلب

بنجمن فرینکلن۔

کفایت شعاری

زندگی کا بیمہ

زندگی ہمیں اس لئے نہیں عطا کی گئی ہے کہ ہم اُسے اُن اشغال میں صرف کریں جو ہمیں موت کے وقت اس دنیا ہی میں چھوڑنے پڑینگے۔ (جوزف مے)

ہم ناراستی کے خلاف راستی اور ناحق کے خلاف حق کی مدد کرنیوالے اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (ای ہیربرٹ)

ایک اور طریقہ کفایت شعاری کا زندگی کا بیمہ ہے جس کے ذریعے سے ہم اپنی موت کے وقت اپنی بیوہ بیوی اور یتیم بچوں کی پرورش کا ذریعہ اور سامان چھوڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور طریقہ فرینڈلی سوسائٹیاں (وہ انجمنیں جو کہ لوگ باہمی امداد کے لئے قائم کرتے) ہیں ان انجمنوں کے ذریعے سے مزدوری پیشہ لوگ ایام علالت میں مدد پاتے اور اُن کی وفات پر اُن کی بیوی بچوں کے گزارے کے لئے بھی مدد دی جاتی ہے۔ ان میں سے پہلے طریقے سے اعلےٰ اور اوسط درجہ کے لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں اور دوسرے سے مزدوری پیشہ لوگ۔

جن لوگوں کا گزارہ کسی ایک شخص کی آمدنی پر منحصر ہوتا ہے اُن کی آسائش کے لئے سرمایہ جمع کرنا بڑا دشوار ہے۔ اکثر اوقات جمع شدہ سرمایہ کسی دوسرے کام میں صرف کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے کفایت شعاری کا یہ طریقہ تجربہ سے مفید ثابت نہیں ہوا۔ لیکن جو شخص کہ کسی بیمہ کمپنی کا ممبر بن جاتا ہے اُسکی حالت ہی اَور ہو جاتی ہے کیونکہ اُس کی سالانہ یا سہ ماہی آمدنی ایک ساتھ ایک عام سرمایہ کا ایک جزو بن جاتی ہے اور ممبر کے مقصد کی تکمیل کرنے والی ہوتی ہے۔ جوں ہی کہ وہ اپنی پہلی قسط ادا کر دیتا ہے توں ہی اُس کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ پہلی قسط ادا کرنے کے بعد ہی فوت ہو جاسے۔ لیکن اُسکے بیوی بچوں کو وہ رقم ضرور ملتی ہے جس کے لئے کہ وہ اپنی زندگی کا بیمہ کراتا ہے۔

کفایت شعاری کے اس طریقہ میں کئی خوبیاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ بیمہ کمپنی کے ممبر کے بیوی بچوں کو گزر اوقات کا ذریعہ ہاتھ آجاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اُس سے اور لوگوں کو دور اندیشی اور عقلمندی کی تعلیم ملتی ہے۔ ایک اور خوبی یہ ہے کہ جو شخص بھی کسی بیمہ کمپنی کا ممبر ہو اُسے بستر مرگ پر بھی کسی قسم کی فکر اور بے اطمینانی اس بارہ میں نہیں ہوتی ہے کہ اُسکے پس ماندگان کی گزر اُسکے بعد میں کس طرح ہوگی +

زندگی کا بیمہ مشترکہ اغراض میں سے ایک غرض ہے جسکے ذریعے بیوہ بیوی اور یتیم بچوں کو تنگ دستی اور محتاجی کی تکلیف سے نجات مل جاتی ہے۔ بیمہ کے ذریعے سے ایک خاص مقررہ رقم سالانہ بیمہ کمپنی میں داخل ہوتی ہے جو سود کے ذریعہ سے بڑھتی رہتی ہے۔ اس طریقہ سے وہ لوگ جو کسی پیشہ کو کرتے ہیں۔ لیکن مستقل آمدنی رکھتے ہیں۔ یہ آمدنی چاہے کتنی ہی قلیل ہو۔ ایک عرصہ میں اچھا سرمایہ اپنے پس ماندوں کے لئے چھوڑ جاتے ہیں +

اکثر دیکھنے اور سُننے میں آتا ہے کہ بہت لوگ جو بڑے محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں۔ مگر مرتے وقت وہ اپنے بیوی بچوں کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑتے۔ یہ لوگ اچھا کھاتے پہنتے۔ اچھے مکانوں میں رہتے۔ سوشل زندگی کے اعتبار سے عزت دار ہوتے۔ اور بچوں کی تعلیم و تربیت اچھی طرح کرتے ہیں۔ لیکن اُنکی موت اُنکے خاندان کی حالت کو بدل دیتی اور دگرگوں کر دیتی ہے۔ اگر ایسے لوگ ایک مقررہ رقم ہر سال کسی بیمہ کمپنی میں جمع کرتے رہیں تو اُنکی وفات پر اُن کا خاندان اُس فلاکت و ہلاکت سے محفوظ رہ سکتا ہے جو اُنکی تاک میں لگی ہوتی ہے۔ کیا ایسے لوگوں کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے اپنا فرض ادا کیا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ فرض کی ادائیگی کے بارہ میں وہ کچھ بھی نہیں کر سکے۔ اُن کا خاندان آمدنی کی برابر خرچ کرتا رہا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ یکایک اس دُنیا میں جس میں وہ کچھ عرصہ پہلے مالدار اور خوش و خرم سمجھے جاتے تھے مفلس و نادار۔ حاجتمند و محتاج اور دیوالئے ہوگئے۔ ایسے خاندانوں کی حالت قابل رحم ہے۔ اور ایسے خاندان کے سرپرستوں کی زندگی قابل افسوس +

سرچشمہ

یہ مضمون جو میر ولی اللہ صاحب طالب علم بی۔ اے کلاس فورمن کرسچن کالج لاہور نے ترقی کے لئے دیا ہے ایک مشہور انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے۔ مضمون اور نیز ترجمہ فی نفسہ بہت اچھا ہے۔ اور اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ چاہے انسان کتنی ہی اور کیسی ترقی علوم و فنون عقل جسم۔ ایجاد۔ دولت۔ عزت اور منصب میں کر جائے۔ لیکن جب تک کہ وہ خدا کا قائل نہیں ہوتا تب تک اُسکی ترقی ترقی کے معزز لقب سے یاد نہیں کی جاسکتی اور نہ ایسی ترقی مفید ہو سکتی ہے۔ (ایڈیٹر)

باب اوّل

سرزمین کورما میں جسے اجنبی لوگ منسی (فراموش کردہ شدہ) کہتے ہیں میں تمام دن ریت اور خشک گھاس میں چلتا رہا۔ قریب شام میں یکایک ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں پہاڑوں کی دیوار میں ایک درہ نظر آیا۔ اس درّے کے اندر ایک میدان تھا۔ جو ہموار سطح کے سبب سے پہاڑوں کے درمیان ایک خلیج کی مانند معلوم ہوتا تھا۔

یہ خلیج نہ تو پہاڑوں کی طرح سخت اور خشک تھی۔ اور نہ اُس صحرا کی مانند جس میں مَیں تمام دن سفر کرتا رہا تھا۔ ریت کی زرد لہروں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ برعکس اس کے اُس کی سطح نرم اور سبز تھی۔ اور جب شام کے وقت ہوا کے دھیمے دھیمے جھونکے اُس پر سے گزرتے تھے تو سبزے کے جھومنے سے جو لہریں پیدا ہوتی تھیں وہ ایک عجیب منظر بناتی تھیں۔ پتّوں کو جن کی سطح زیریں سیمین تھی۔ ہلتے ہوئے دیکھ کر سطح سمندر کی جھلملاتی ہوئی موجیں یاد آتی تھیں۔ اناج کے کھیت سرسراتے ہوئے خوشوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اور انگورستان میں خوبصورت اور آراستہ پیراستہ درختوں کی لمبی لمبی قطاروں کو دیکھتے دیکھتے آنکھیں سیر نہیں ہوتی تھیں۔ ہر ایک درخت گویا ایک زمردی مینا تھا۔ جو انگور کی بیلوں کے نقش و نگار سے مزین تھی۔ باغ میں خوشرنگ پھولوں کے تختے نقاش ازل کی شوخیٔ تحریر کے فریادی تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے سطح زمین پر نیلے

قرمزی اور سنہری تاگوں سے گل بوٹے کاڑھے ہیں۔ زیتون کے درخت نازک اور خوشبودار شگوفوں سے بھرے ہوئے تھے۔ سبزہ زار کے اس سمندر میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سرخ چھت والی جھونپڑیاں موجود تھیں۔ اور وسط میں ایک سفید جہاز کی طرح جو چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے گھرا ہوا ہو۔ ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر آباد تھا۔

مجھے اس بات پر سخت تعجب ہوا۔ کہ دامن صحرا میں اس خوبصورت منظر کا ظہور کس طرح ہوا۔ کھیتوں۔ گلشنوں اور باغوں میں سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ۔ تازہ پانی کی نہریں چاروں طرف جاری ہیں۔ میں ایک چھوٹی سی نہر کے ساتھ ساتھ چلا گیا جو آگے چل کر ایک ندی میں گرتی تھی۔ اس ندی کے کنارے کنارے اوپر کو جاتے جاتے جب میں وسط شہر میں پہنچا۔ تو دیکھا کہ تازہ پانی کا ایک خوبصورت دریا شہر کے درمیان بہہ رہا ہے جس کے آب رواں کے زیر و بم کی آواز بہت سریلی اور دلکش تھی۔

شہر میں مکان۔ دوکانیں۔ اونچے اونچے محل اور ہر ایک چیز جو کہ شہر میں ہونی چاہیئے موجود تھی۔ مگر ان تمام چیزوں کی روح و راحت وہ دریا تھا۔ جس نے سب سے زیادہ میرے دل پر اثر کیا۔ شہر کے باہر ایک جانب ایک پُرفضا مربع میدان میں بچوں کے نہانے اور کھیلنے کے لئے سنگ مرمر کے حوض بنے ہوئے تھے گلیوں کے سروں پر اور مکانوں کے ساتھ ساتھ پانی بھرنے کے لئے فوارے لگے ہوئے تھے۔ اور ہر ایک چوراہے پر تاکستان کی سیرابی کے لئے ایک نہر نکالی گئی تھی۔ اور ان تمام حوضوں۔ فواروں اور نہروں کا ذخیرہ وہی دریا تھا۔

گلیوں میں آدمی بہت تھوڑے تھے۔ مگر کوئی عمر رسیدہ شخص نہ ملا۔ جس سے میں کوئی بات پوچھوں۔ یا رات بسر کرنے کے لئے جگہ مانگوں۔ اس لئے میں نے ایک دروازے پر کھڑے ہو کر دستک دی۔ ایک بوڑھے نے دروازہ کھولا۔ اور نہایت پُرشفقت طریقہ سے مزاج پرسی کر کے مجھے مہمان کی طرح اندر بلایا۔ جب ہم کھانا کھا چکے۔ تو میزبان کی پُرتکلف مہماں نوازی۔ دوستانہ سلوک اور دلفریب شفقت کو دیکھ کر مجھے جرأت ہوئی اور میں نے اُسے سرزمین کوریا اور دوسرے ممالک سے متعلق اپنی سیر و سیاحت کی داستان سُنائی۔ پھر اُس کے شہر کا نام اور داستان سُننے کی آرزو ظاہر کی۔

بوڑھا "بیٹا! اس شہر کو لوگ منتی کہا کرتے تھے۔ کیونکہ اگلے زمانے میں جو لوگ یہاں رہتے تھے۔ یہ دریا ان کے کھیتوں کو سرسبز کرتا تھا اور اُن کے گھر ضروریات سے معمور اور امن و آرام کا مخزن تھے۔ مگر بہت سی بدکاریوں اور گناہوں کے باعث جن کو اب لوگ بھول چلے ہیں۔ دریا یہاں سے ہٹ گیا۔ یا اس کا منبع جو پہاڑوں میں اونچی جگہ پر واقع ہے بند ہوگیا۔ اس سبب سے دریا خشک ہوگیا۔ نہریں۔ خندقیں۔ سنگ مرمر کے تالاب اور گھروں کے نزدیک پانی کے چھوٹے چھوٹے حوض تو موجود تھے۔ مگر لوگ پانی کی ایک ایک بوند کو ترستے تھے۔ باغ خشک ہوگئے۔ کھیتوں میں زراعت بند ہوگئی اور اُن کنوؤں میں جو لوگوں نے دریا کے پانی کے ذخیرے کے لئے کھودے تھے۔ بالکل تھوڑا پانی رہ گیا۔ اور شہر ویران ہوگیا +

حُسنِ اتفاق سے کسی دوسرے ملک کا ایک آدمی یہاں آپہنچا۔ جو اس بربادی کو دیکھکر بہت دلگیر ہوا۔ اس نے بتایا کہ نئے کنوئیں کھودنا عبث اور نہروں اور خندقوں کو صاف رکھنا بے سود ہے۔ کیونکہ پانی اوپر سے آتا ہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ وہاں جاکر دریا کا منبع تلاش کریں اور اسے پھر کھولیں۔ کیونکہ جب تک لوگ چشمہ کو ڈھونڈنے کے بعد ہر روز اس کی زیارت کے لئے نہ جائیں اور وہاں جاکر دُعائیں نہ مانگینگے تب تک دریا میں کبھی پانی نہیں آئیگا۔ اس تجویز سے یقین ہے کہ پانی کی قلت کی شکایت دُور ہوجائیگی اور دریا بہنے لگ جائیگا۔ جس سے باغ سرسبز۔ شہر آباد اور لوگ خوشحال ہوجائینگے +

" یہ کہکر وہ چشمہ کو کھولنے کے روانہ ہوا۔ مگر اس کے ساتھ صرف چندہی آدمی گئے۔ کیونکہ وہ ایک نادار آدمی اور کم حیثیت شخص تھا اور راہ پر چلنے کا راستہ ناہموار اور چٹانی تھا۔ لیکن اس کے ہمراہیوں نے دیکھا کہ چٹانوں میں سے گزرتے ہوئے جہاں جہاں وہ اپنا قدم رکھتا تھا۔ پانی کی چھوٹی چھوٹی نہریں زمین سے نکل پڑتی تھیں۔ اور اس طرح دریا کے خشک پاٹ میں پانی جمع ہونا شروع ہوگیا۔ وہ اتنا جلدی چلتا تھا کہ اس کے ہمراہی اس کا ساتھ نہیں دے سکے۔ اور آخرکار وہ ان کی نظروں سے غائب ہوگیا۔ تھوڑی دُور چلنے کے بعد وہ دریا کے چشمے پر پہنچے اور دیکھا کہ منبعِ دریا کے نزدیک ان کا پیشرو مردہ پڑا ہے" +

میں۔ (اظہارِ تعجب و تاسف کرکے میں نے اپنے عمر رسیدہ میزبان سے پوچھا) "بتائیے اس کا انجام کیا ہوا اور اس ناسزا حرکت کے ارتکاب کی کیا وجہ تھی"؟

بوڑھا۔ (کچھ تعجب کے بعد) "اسکے آغاز اور انجام کا ماجرا پورے طور پر میں نہیں سنا سکتا۔ کیونکہ یہ بڑی مدت کی بات ہے۔ ہاں اتنا معلوم ہے کہ اس آدمی کے اس شہر میں بہت سے دشمن تھے۔ خصوصاً جاہ کن جو اس کی باتوں سے اس سے سخت ناراض تھے مجھے یقین ہے۔ کہ وہ چھپ کر اس کے پیچھے گئے اور اسے مار ڈالا۔ مگر جب اسکے پیرو شہر میں واپس آرہے تھے تو دریا ان کے پیچھے آہستہ آہستہ بہنا شروع ہوگیا۔ وہ ہر روز چشمے پر جاتے تھے اور آؤر بہت لوگوں کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ کیونکہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رہنما زندہ ہے۔ اگرچہ اس کی ہستی کی ظاہری صورت میں قدرے تغیر واقع ہوگیا ہے مگر وہ اس بلند مقام پر ہے کہ ہم وہاں اس کو یاد کرکے دعائیں مانگتے ہیں اور اس کی **تعریف کے گیت** گاتے ہیں۔ ہر روز ہم کو اپنے دیدار سے محظوظ کرتا ہے۔ زائرین کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی۔ اور راستہ صاف اور آسان ہوگیا۔ چشمہ کی زیارت کو جتنے زیادہ لوگ جانے لگے۔ اتنا ہی چشمہ میں پانی زور سے نکلنے لگا۔ جس سے دریا میں بھی پانی کثرت سے ہوگیا۔ تمام نہریں اور حوض بھر گئے۔ اور لوگوں نے جو نئی نہریں بنائیں وہ بھی لبریز ہوگئیں۔ بعض تند نہریں کھودنے والے اور حوض بنانے والے کہتے تھے کہ ہمارے کام ہی کی برکت سے یہ تبدیلی واقع ہوئی ہے مگر شہر کے دانشمند اور بزرگ جانتے تھے کہ یہ سب پانی چشمہ سے آتا ہے۔ اور وہ لوگوں کو سمجھاتے تھے۔ کہ اگر تم چشمہ کو بھول جاؤ گے اور وہاں جانا چھوڑ دو گے تو دریا خشک ہو جائیگا۔ اور پھر شہر ویران ہو جائیگا۔ اس لئے ہر روز مرد عورتیں اور بچے باغوں کھیتوں اور شہر کی گلیوں سے گیت گاتے ہوئے پہاڑی رستے کو طے کرکے چشمہ کی زیارت کو جاتے ہیں اور اس چشمہ کے کھولنے والے کو یاد کرتے ہیں۔ اب اس دریا کا نام **ذیقدر** ہے۔ اور اس شہر کا نام اب تاسی نہیں رہا۔ بلکہ اب لوگ اُسے **دارالامان** کہتے ہیں۔ اور اس آدمی کا نام جس نے اس **سرچشمہ** کو کھولنے میں ہماری خاطر جان دیدی۔ ہمیں ایسا پیارا معلوم ہوتا ہے کہ صرف دعا مانگنے کے وقت ہی ہم وہ نام

زبان پر لاتے ہیں ۔
مگر ہمارے شہر کی بابت ابھی بہت سی باتیں ایسی ہیں۔ جن کا تمہیں علم نہیں اور ان میں سے بعض میرے خیالات پر ایک تاریک سایہ ڈالتی ہیں۔ اس لئے تمہیں چاہئے کہ میرے مہمان ہو کر رہو۔ کیونکہ میرا گھر اجنبیوں کے لئے ہمیشہ کھلا ہے۔ شہر میں پھر کر تم دیکھو گے کہ ہماری زندگی کس طرح گزرتی ہے۔ اور اگر تم سے ہوسکا تو ہمارے شہر کا راز معلوم کر لو گے "۔

اُس رات میں خوب گہری نیند سویا۔ کیونکہ میں نے ایک دلکش کہانی سُنی تھی تمام رات میں خواب میں بہتے ہوئے پانی کی آواز سُنتا رہا۔ دوسرے دن علی الصباح میں گلیوں میں پھرنے لگا۔ کیونکہ چشمہ پر زائرین کو جاتے ہوئے دیکھنے کا بڑا شوق تھا۔

آدمی گھروں سے نکل رہے تھے۔ اور دریا کے کنارے پہاڑی رستہ کو طے کرتے ہوئے جاتے تھے۔ بعض اکیلے تھے اور چُپ چاپ جلدی جلدی قدم اُٹھائے چلے جا رہے تھے۔ کئی دو دو تین تین مل کر باتیں کرتے ہوئے جاتے تھے۔ کچھ اس سے بھی بڑے گروہوں میں گیت گاتے جا رہے تھے۔ مگر بہت سے آدمی ایسے بھی تھے جو پیچھے اپنے گھروں اور کھیتوں میں کام کرتے رہے۔ یا جنہوں نے گلیوں میں باتیں کرنے میں وقت گزار دیا۔ اس لئے میں ایک ایسے آدمی کے ساتھ ہو لیا۔ جو اکیلا جا رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیوں شہر کے تمام آدمی چشمہ پر نہیں جاتے۔ جب کہ شہر کی زندگی کا اسی پر انحصار ہے۔ کیا منزل دُور اور رستہ دشوار گزار ہے کہ صرف قوی البدن آدمی ہی وہاں جا سکتا ہے"؟

وہ آدمی :۔ "جناب! آپ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ چونکہ چشمہ تھوڑے فاصلے پر واقع ہے۔ اور راستہ بالکل آسان ہے۔ اس لئے بچے سب سے زیادہ خوش ہو کر وہاں جاتے ہیں۔ اور اگر کسی آدمی کو جلدی ہو۔ تو وہ بالکل تھوڑے سے وقت میں آجا سکتا ہے۔ مگر ان لوگوں میں جو پیچھے رہ جاتے ہیں بعض ایسے ہیں کہ اُن کو اس وقت کام سے فرصت نہیں ہوتی اس لئے وہ کسی اَور وقت وہاں جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ زندگی قبول تو کر لیتے ہیں مگر اس بات کی کچھ پرواہ نہیں۔ کہ زندگی آتی کہاں سے

ہے۔ اور بعض ایسے بھی ہیں۔ جن کا سرچشمہ پر ایمان ہی نہیں اور نہ اسکی بابت کچھ سُننا چاہتے ہیں"۔

میں "یہ کیونکر ممکن ہے۔ کیا وہ پانی نہیں پیتے اور کیا ان کے کھیتوں کو یہ دریا سیراب نہیں کرتا"۔

وہ آدمی "یہ تو سچ ہے۔ مگر ان آدمیوں نے دریا کے پاس کُنوئیں کھودلئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں خود بخود پانی آجاتا ہے۔ انہوں نے اپنے باغوں میں نہریں بنائی ہیں اور ان کا دعوےٰ ہے۔ کہ چاہے دریا خشک ہو جائے۔ مگر یہ نہریں ہمیشہ بہتی رہینگی۔ ان میں سے بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی کے کھولے ہوئے چشمہ سے پانی پینا اپنی کم ہمتی کی دلیل ہے۔ اور ہر آدمی کو اپنے لئے علیحدہ چشمہ تلاش کرنا چاہئے۔ اسی خیال میں وہ لوگ یہ وقت اور بہت سا اَور وقت بھی ان پہاڑوں میں پھر پھر کر گزار دیتے ہیں۔ جہاں کوئی رستہ نہیں"۔

راستہ چلتے چلتے یہ باتیں سُن کر میں بہت حیران ہوا۔ خلقت کا ایک بڑا ہجوم اسی جانب جا رہا تھا۔ چشمہ پر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ پانی چٹان کے ایک سوراخ سے نکل رہا ہے۔ یہ سوراخ اس طرح نظر آتا تھا۔ کہ کسی نے پہاڑ میں ایک کوٹھری کھودی ہے۔ جہاں پانی گرتا تھا۔ وہاں وہ چاروں طرف خودرو پھولوں کا ایک چھوٹا سا باغ معلوم ہوتا تھا۔ وہاں میں نے بہت سے آدمیوں کے گانے کی آواز اور اس شخص کا پیارا نام سُنا جس نے اس بھولے ہوئے سرچشمہ کو ڈھونڈھنے میں اپنی جان دیدی تھی +

اس کے بعد ہم دریا کے کنارے کنارے واپس شہر کی طرف چل پڑے۔ بعض لوگ اکیلے اور بعض گروہوں میں تھے۔ دریا پہلے سے زیادہ خوبصورت معلوم ہوتا تھا اور پانی کی مقدار بڑھتی نظر آتی تھی۔ دریا کو دیکھ کر ایک عجیب سرور حاصل ہوتا تھا۔ جب ہم باغوں میں جا رہے تھے تو میں نے دیکھا۔ کہ بعض آدمی ہم سے جدا ہو کر ان کھیتوں میں نہریں کھودنے چلے گئے جو ابھی تک غیر مزروعہ تھے۔ اور جب ہم شہر میں داخل ہوئے۔ تو میں نے دیکھا کہ پن چکیوں کے پہیے پہلے سے زیادہ تیز چل رہے ہیں۔ اور عورتیں گلیوں کے لبریز حوضوں سے پانی بھرنے آرہی ہیں۔ بچے خوش پھرتے ہیں۔ کیونکہ سنگ مرمر کے حوض اتنے بھر گئے ہیں کہ وہ ان میں تیر سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر جگہ پانی کی کثرت تھی +

میں بہت دنوں تک دارالامان میں رہا۔ اور ہر روز صبح کے وقت چشمہ کی زیارت کو جاتا تھا۔ شہر کے آدمیوں میں کئی میرے دوست بن گئے۔ نہ صرف وہی جو اکٹھے ہو کر چشمہ کی زیارت کو جاتے تھے۔ بلکہ کئی ایسے بھی جو وہاں نہیں جاتے تھے۔ کیونکہ اس نزلی میں کئی آدمی مہربان فراخ دل۔ متین اور ایسے باذاق تھے۔ جن سے بات چیت کرنے کو دل چاہتا تھا۔ مگر مجھ میں اور شہر کے آدمیوں میں ایک اختلاف طبیعت تھا۔ اگرچہ انہوں نے میرا خیر مقدم نہایت سرگرمی اور کھلے دل سے کیا۔ اور ان کے اطوار نہایت پسندیدہ تھے۔ تاہم ہمارے درمیان ہمدردی پیدا نہ ہوئی۔ وہ فطرتاً اس قسم کے آدمی تھے۔ جو ہمیشہ ایک ہی جگہ رہتے ہیں نہ صرف یہی بات تھی بلکہ انہوں نے اپنے سمند خیال کو بھی کبھی اپنے محدود میدان سے قدم باہر نہیں رکھنے دیا تھا۔ برعکس اس کے میری عادت ہمیشہ ایک طالب کی سی رہی ہے اور میرے خیال میں دُنیا اس لئے پیدا کی گئی ہے۔ کہ انسان اُس میں پھرے۔ نہ اس لئے کہ ایک زاویہ میں عزلت نشین ہو کر باقی دُنیا و ما فیہا سے بے خبر ہو جائے۔ میرے اس خیال کے ساتھ ان کو بالکل ہمدردی اور دلچسپی نہ تھی۔ اس لئے میں ان کی نظروں میں ہمیشہ اجنبی اور مہمان تھا۔

ان کی زندگی کا محدود دائرہ ایک غیر مرئی دیوار کی طرح تھا۔ اور وہ باوجود نہایت جدوجہد کے مجھ کو اس کے اندر نہیں لا سکتے تھے۔ اِدھر میں اگرچہ ان کی خواہش کو سمجھتا تھا۔ مگر نہیں جانتا تھا۔ کہ اُس کو کس طرح پورا کروں۔ اور نہ اس آرام میں حصہ لے سکتا تھا۔ جو اُن کی نظروں میں کافی اور ابدی تھا۔ میں ان کے باغوں میں ہمیشہ ایک ہی طرح کے پھول دیکھتا تھا۔ جن میں سے ایک بھی مکمل نہیں تھا۔ میں انکی ضیافتوں میں ہمیشہ ایک ہی طرح کی چیزیں کھاتا۔ اور ان میں ایک بھی ایسی نہ تھی۔ جو اشتہا کو کم کرے۔ میں ان کی گفتگو میں ہمیشہ وہی الفاظ سُنتا تھا۔ اور کوئی لفظ بھی خیالات کی تہ تک نہیں پہنچتا تھا۔ ان کی بے حرکت اور محدود زندگی دیکھ کر میں بہت حیران ہوتا تھا۔ جو چیزیں اُن کے خیال میں قائم اور پائدار تھی۔ میں اسے فانی اور بے بقا سمجھتا تھا۔ وہ اہل وطن تھے اور میں ابن السبیل تھا۔

دارالامان میں صرف ایک رو آدمی ہی ایسی تھی جسکے خیالات سے مجھے ہمدردی تھی

یہ اس بوڑھے آدمی کی کمسن پوتی تھی۔ جس کے گھر میں رہتا تھا۔ وہ بشاش اور خوبصورت آنکھوں والی سیزدہ سالہ لڑکی ابھی شہر کی محدود زندگی کو نہیں سمجھتی تھی۔ وہ ایک نئی چیز کو محسوس کرنے کے لئے تیار تھی۔ جب کوئی نیا پرند۔ پہاڑ سے اُڑ کر باغوں میں آتا تھا۔ تو وہی سب سے پہلے اس کو دیکھتی اور حیران ہوتی تھی۔ چشمہ کی زیارت کو اکثر وہی میرے ساتھ جاتی تھی۔ صبح کے وقت ہر روز وہ میرے ساتھ کھیتوں میں جاتی اور مجھ کو نئے نئے جنگلی پھول دکھاتی تھی۔ شام کے وقت وہ مجھے بچّوں اور ان کے کھیلوں میں لے جاتی اور پُرانے کھیلوں میں سوچ سوچ کر کوئی نہ کوئی نئی بات نکالتی رہتی تھی۔ شام کو ہم اکثر کسی تاک کی شجر دار جگہ بیٹھ کر باتیں کرتے تھے +

فی الحقیقت شہر کی اکثر باتیں ایسی تھیں۔ جن کو دیکھ کر میں بہت آشفتہ ہوا میری یہ بے چینی رواداری کی دوستی اور شہر کی پُراطمینان اور پُرتسکین زندگی سے دُور نہیں ہو سکی تھی۔ اب میں نے بوڑھے آدمی کی اس بات کا مطلب سمجھ لیا جو اس نے کہی تھی۔ وہ یہ تھی کہ شہر کی بعض باتیں میرے خیالات پر ایک تاریک سایہ ڈالتی ہیں۔ کیونکہ شہر میں ایسے آدمی بھی تھے۔ جو کہتے تھے کہ چشمہ کی زیارت کا وقت بالکل ضائع جاتا ہے۔ اور بہتر ہوگا کہ اس وقت کو ان تالابوں سے پانی اکٹھا کرنے میں صرف کیا جا۔ جو موسم برسات میں پہاڑوں میں بن جاتے ہیں۔ یا اس وقت جنگل کے کنارے پر نئے کنوئیں کھودنے چاہئیں کہ نئے آدمی شہر میں آ گئے تھے۔ اور وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ سرچشمہ وغیرہ کچھ چیز نہیں۔ اور اسکے دوبارہ کھولنے والے آدمی کی کہانی الف لیلہ کا ایک قصّہ ہے۔ اور زیارت کا وقت محض بیکاری اور سُستی میں گزارا جاتا ہے۔ اکثر آدمی ان کی باتوں کو مانتے تھے۔ اور بہت سے اس خیال کے آدمی بھی آ گئے تھے جو یہ کہتے تھے کہ ان کی باتیں جھوٹی ہوں یا سچی۔ ہمیں اس سے کچھ تعلق نہیں۔ اور لوگوں کا سرچشمہ پر جانا نہ جانا کوئی اہم مسئلہ نہیں۔ بشرطیکہ لوگ اپنے باغوں میں کام کرتے رہیں۔ سنگ مرمر کے تالابوں اور حوضوں کو درست حالت میں رکھیں۔ اور کھیتوں میں نئی نہریں بنائیں کیونکہ پانی کی ہمیشہ کثرت رہی ہے اور رہیگی +

ان باتوں کو سُن کر مجھے شہر کے انجام کی بابت بہت سے شک پیدا ہو گئے۔ لیکن چونکہ میں ایک مسافر تھا اور وہاں بہت مدت نہیں ٹھیر سکتا تھا۔ اس لئے میں اپنے بوڑھے مہمان سے

چکرورتی راجہ اشوک

(از بابو ڈپٹی لعل صاحب نگم بی۔اے۔ دہلوی)

ترقی موجودہ نمبر میں راجہ اشوک کی زندگی سے متعلق وہ مضمون نذر ناظرین کیا جاتا ہے جس کا وعدہ ترقی مئی نمبر میں کیا گیا تھا۔ مضمون اپنے مدعا کے لحاظ سے قابل قدر ہے اور عام طور پر بیحد دلچسپ ہے۔ فی زمانہ ایسے مضامین کی ضرورت لاحق ہو رہی ہے جس میں قدیم ہندوستان کی اہم باتوں اور مشہور لوگوں کے صحیح حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ مضمون اسی قسم کا ہے۔ اس لئے ہم ناظرین سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اس مضمون کو غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ ایڈیٹر

خاندان موریہ کے بانی چندر گپت جیسے یکتائے روزگار اور مشہور عالم راجہ کا پوتا اور اُس خاندان کا تیسرا فرمانروا اشوک ایک قابل فخر انسان تھا۔ نہ صرف اس لحاظ سے کہ وہ چکرورتی راجہ ہوا۔ اور راجہ ادھیراج کہلایا۔ اور مگدھ دیش جیسی وسیع اور طاقتور سلطنت کا فرمانروا تھا۔ بلکہ اس اعتبار سے کہ اُس نے عمر بھر نہ صرف انسانوں بلکہ کل جانداروں کی بہتری اور بہبودی کے لئے سچے دل سے کوشش کی۔ اُسنے اپنی زندگی کے دو خاص مقاصد قرار دئے تھے:۔ (۱) بدھ مذہب کی اشاعت

(۲) جانداروں کی بہتری

مقصد اول ہمارے مضمون کی بحث اور مدعا سے کچھ یوں ہی سا تعلق رکھتا ہے اس لئے ہم اُس کا ذکر مختصر الفاظ میں کرتے ہیں۔ غالباً اس قدر کہنا کافی ہوگا کہ "اشوک نے جس سچائی کو خود محسوس کیا۔ اُس سے دوسروں کو محروم نہیں رکھا۔ چنانچہ بدھ مذہب جسے وہ برحق سمجھتا تھا اُس کی نہ صرف خود ہی پابندی کی۔ بلکہ دوسروں کو بھی اُسکی پابندی کا شوق دلایا اور ہدایت کی۔ سب سے اول اشوک ہی نے بدھ مذہب کے واعظ ہندوستان کے ہر حصے اور نیز دیگر دور دراز ممالک میں روانہ کئے۔ اشوک اپنی وفات کے وقت اس مذہب کو بنی انسان کے ایک تیسرے حصے پر چھوڑ گیا۔ جو اب تک کوہستان ہمالیہ۔ تبت۔ لداخ۔ چین۔ منگولیا

منچوریا - جاپان - سیام - برھما - اور لنکا میں موجود ہے - اور کسی زمانہ میں خود ہندوستان میں موجود تھا - ایک مورخ کا تو یہ قول ہے کہ "وولگا سے لیکر جاپان تک - فنکا سے لیکر منگولیا اور سائبیریا تک بدھ مذہب ایک زمانہ میں عام تھا" اس مذہب کو اشوک ہی کی کوششوں سے اسٹیٹ ریلیجین یعنی ملکی مذہب اور نیز عالمگیر مذہب کا درجہ نصیب ہو سکا - اُس نے اس مذہب کے احکام اور اصول پتھر کے ستونوں اور پہاڑوں پر اپنی قلمرو کے مختلف مقامات میں کندہ اور نصب کرائے - اور دھرم مہاماترا یعنی محتسب کے عہدے قائم کئے - جن کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ مذہبی تعلیم و اشاعت کی نگرانی کریں - اور نہ صرف رعایا ہی میں - بلکہ سرحدی اقوام میں بھی - یہ عہدیدار مقررہ اوقات میں مذہبی مجالس مقرر کرکے اُن میں مذہبی باتوں کی اشاعت کرتے - وہ برہمن - چھتری - ویش اور شودر سب ہی کو دھرم کا اُپدیش سناتے - اُنکے اطوار کی نگرانی کرتے اور بحالت خلاف ورزی اشوک کو اطلاع دیتے تھے - کچھ شک نہیں کہ بدھ مذہب کو اشوک انسان کی بہبودی اور اُسکی اشاعت کو اپنے لئے سچی مسرت کا ذریعہ خیال کرتا تھا۔

مقصد دوم ہمارے مضمون سے متعلق ہے - اس لئے اُس پر ہم ذرا تفصیل کے ساتھ قلم اُٹھاتے ہیں - اس میں شبہ کو مطلق گنجائش نہیں کہ اشوک بنی انسان کا سچا خیرخواہ اور ہمدرد تھا - اور نہ صرف انسانوں ہی - بلکہ حیوان کا بھی - وہ عمر بھر انسانوں اور حیوانوں کے آرام - بہتری اور بہبودی کے لئے کوشش کرتا اور رفاہ عام کے کاموں میں حصہ لیتا رہا - مذہبی اشاعت کے ساتھ ساتھ وہ ان باتوں کو بھی انجام دیتا رہا - مگر اُس نے اشاعت کا جو طریقہ ایجاد کیا وہ نرالا اور دیرپا تھا - اُس وقت کاغذوں پر احکام لکھ کر جاری کرنے کا طریقہ نہ تھا - اس لئے اشوک نے ہر قسم کے احکام پتھروں کے ستونوں - پہاڑی چٹانوں اور غاروں کے دہانوں پر کندہ کرائے جو کتبوں کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں - ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ پرنسپ صاحب کی کوشش سے اشوک کے کچھ کتبے دریافت ہوئے - اُن میں اشوک نے عام لوگوں کو زور سے مذہب کی پابندی - والدین کی اطاعت - رحمدلی - فیاضی اور نیز دیگر باتوں کی تاکید و ہدایت کی ہے - ان ہی سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اُس نے نہ صرف انسانوں ہی کے لئے بلکہ حیوانوں کے لئے بھی شفاخانے وغیرہ قائم کئے - اُسکی ہمدردی انسانوں ہی تک محدود نہ تھی بلکہ بیزبان حیوانوں تک بھی وسیع تھی - اس سے ظاہر ہے کہ کسی قوم اور

ملک کی تاریخ میں ایسی نظیر نہیں ملتی کہ رعایا کی درستیٔ اخلاق اور تہذیب وغیرہ کو ترقی دینے کے لئے کسی بادشاہ نے اتنی کوشش کی ہو جتنی کہ اشوک نے +

اشوک ۲۷۲ء قبل مسیح میں تخت نشین ہوا۔ مگر اُس کی تاجپوشی کی رسم ۲۶۹ء قبل مسیح میں ادا کی گئی۔ اُسکے حکومت کے اوّل ۸ سال کے حالات مطلق نہیں پائے جاتے۔ نویں سال میں اُس نے سلطنت کالنگہ کو جو خلیج فارس کے ساحل پر تھی فتح کیا۔ اس جنگ میں بیحد کشت و خون ہوا۔ اور بہت سے دشمن قید کر لئے گئے۔ خیر اشوک نے ملک تو فتح کر لیا لیکن اُسکی رحمدل طبیعت جنگ کے ہولناک نتائج سے بیحد متاثر ہوئی۔ اور اس سے اُسکے اُس ارادے کی ابتدا ہوئی۔ جسکے ذریعے وہ بیحد ہمدرد انسان مانا جاتا ہے۔ اور جس کی اشاعت و تکمیل میں اُس نے اپنی ساری عمر بڑی سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ صرف کی +

اشوک نے کچھ افسر اس لئے مقرر کئے کہ وہ اُسکے احکام کی خوب اشاعت کریں۔ اُنکو اُس نے یہ حکم دیا کہ رعایا کی خوشحالی اور مسرت کا انتظام کریں۔ مجالس منعقد کر کے مفید باتوں اور اخلاق کی تلقین (پرچار) کریں۔ لوگوں کو انسانی فرائض سے آگاہ کریں۔ غریبوں اور بوڑھوں کے فوائد کا بندوبست کریں۔ سخت جسمانی سزا یا خلاف انصاف سزا کی روک کریں۔ بوڑھے مجرموں، کنبہ دار مجرموں اور ناگہانی مصیبت کے مارے ہوئے مجرموں کی سزا معاف کریں۔ زہد و تقوے۔ خیرات اور اخلاق کے کاموں کی نگرانی رکھیں۔ اور شاہی خاندان کے لوگوں کے انتظام اور اطوار کی نگہداشت کریں۔ اسی طرح عورتوں کے اخلاق درست کرنے کے لئے جدا افسر مقرر کئے گئے تھے +

اشوک نے فتح کالنگہ کے بعد ہی اخلاق کی تعلیم و اشاعت کو اپنی زندگی کا ایک جزو قرار دے لیا تھا۔ اور اپنی حکومت کے سولھویں اور سترھویں سال میں اُس نے ۱۴ کتبے چٹانوں پر کندہ کرائے۔ جن میں اپنی حکومت کے اصول رعایا پر ظاہر کئے۔ ۲۴۲ء قبل مسیح یعنی ۳۰ ویں سال حکومت میں اُس نے اخلاق کا قانون مرتب کیا +

اشوک بڑا ہی رحمدل تھا۔ وہ کسی کی تکلیف نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ ایک کیڑے کی زندگی کو قیمت میں ایک انسان کی قیمت کے برابر سمجھتا تھا۔ اُس نے شکار کھیلنا اور قربانی کرنا بند کر دیا۔ اور رفتہ رفتہ ذبیحہ کی بالکل ممانعت کر دی۔ شکار کی جگہ اُس نے

دل بہلانے کی یہ ترکیب نکالی کہ برہمنوں۔ فاضلوں اور بزرگوں سے ملاقات اور اُن سے مفید باتوں پر بحث کرتا تھا۔ اپنے اخلاقی قانون میں اشوک نے جانوروں کو ہلاک کرنے یا زخم لگانے کی سخت ممانعت کی ہے۔ جانوروں کے ہلاک نہ کرنے کی بابت کئی کتبوں میں ذکر ہے۔ چنانچہ ایک کتبہ میں لکھا ہے کہ "جانوروں کا مارنا ایک قلم بند ہو جائے نہ تو پوجا کے لئے مارے جائیں اور نہ سوسائٹی کے لئے اس میں بڑی خرابی ہے"۔

اشوک نے جانوروں کو نہ صرف ہلاک کئے جانے ہی سے بچایا۔ بلکہ اُن پر اَور بھی عنایت کی۔ چنانچہ اُس نے اپنی سلطنت کے اندر جہاں انسانوں کے لئے شفاخانے اور سرائیں بنوائیں۔ وہاں جانوروں کے لئے بھی۔ اور اُن فرمانرواؤں سے بھی ان باتوں کے کرنے کے لئے التجا کی جو اُسکے ہمسایہ تھے۔ پھر مسافروں۔ اور حیوانوں کے آرام کے لئے سڑکوں کے کنارے سایہ دار اور پھلدار درخت لگوائے۔ کنوئیں کھدوائے مسافرخانے اور تالاب بنوائے۔ اُسکے ایک کتبہ سے ظاہر ہے کہ "میرے تمام ملکوں اور ہمسایہ راجوں کو معلوم ہو کہ مجھے دو باتیں منظور ہیں۔ ایک یہ کہ ہر مقام پر انسان اور حیوان دونوں کے لئے شفاخانہ بنایا جاوے۔ دوسرے سڑکوں پر درخت لگائے اور کنوئیں کھدوائے جائیں"۔ اشوک کا بیزبان حیوانات پر اس قدر مہربانی کرنا ایک ایسی بات ہے جسکی نظیر روے زمین پر نہ صرف گزشتہ ہی ایام میں معدوم ہے۔ بلکہ اس روشنی کے زمانہ میں بھی اکثر مہذب ممالک میں کم نظر آتی ہے۔

جانداروں کی راحت کے لئے اشوک نے ایک اَور بڑا مفید کام یہ کیا کہ اول اپنے ملک میں طبی خواص رکھنے والی اور دوا میں کام آنے والی نباتات کی کاشت کرائی۔ پھر اپنے ہمسایہ دوستوں سے درخواست کی کہ وہ بھی اپنے ہاں اس بات کو رواج دیں۔

اشوک نہ صرف اپنی رعایا بلکہ دیگر انسانوں کے ساتھ ایسی ہی محبت رکھتا تھا جیسی کہ کوئی اپنی اولاد سے رکھتا ہو۔ اور چونکہ انصاف کا دل سے حامی تھا۔ اس لئے اُس نے یہ حکم دیا کہ لوگ اُسکے پاس ہر وقت اور ہر جگہ فریاد لیکر جا سکتے اور داد پا سکتے ہیں چنانچہ ایک کتبہ میں یہ لکھا ہے کہ "اب تک ایسا نہ ہو سکا۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ ہر وقت چاہے میں محلسرا میں ہوں۔ چاہے سواری میں۔ چاہے کھانا کھا رہا ہوں۔ چاہے آرام میں

ہوں۔ مگر رعایا کی عرض معروض خود سُن سکوں"۔

اشوک نے یہ بھی قرار دیا کہ ہر مذہب کے لوگوں سے نیک سلوک کیا اور ہمدردی کی جائے۔ پڑوسیوں کی بُرائی نہ کی جائے اور بدزبانی قطعی بند کی جائے۔ وہ خود فقیروں اور گرہستوں اور ہر قسم اور ہر مذہب کے لوگوں کی عزت کرتا تھا۔ اُسکے ایک کتبہ میں لکھا ہے کہ "میں ہر فرقہ اور مذہب کی یکساں قدر کرتا ہوں اُسکی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مذہب پر کامل اعتقاد رکھیگا۔ اور دوسرے مذہب کی توہین نہ کریگا۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میرا ہی مذہب سب سے اچھا ہے اور دوسرے کا خراب وہ اپنے لئے بُرائی کا بیج بوتا ہے"۔

اشوک خیرات کا حامی تھا۔ خود بھی خوب خیرات کرتا تھا۔ لیکن سب سے بڑی خیرات اور عمدہ فیاضی دھرم اور اخلاق کو سمجھتا تھا۔ وہ ظاہرا رسوم کی پابندی کو اچھا نہیں سمجھتا تھا بلکہ دلی پابندی کو۔ اسی لئے وہ کرم (فعل) پر بڑا زور دیتا تھا۔ اُسکے ایک کتبہ سے واضح ہوتا ہے کہ "دھرم دان سے بڑھکر کوئی دان نہیں۔ والدین کی اطاعت اور رشتہ داروں سے نیک سلوک ہی فرائض انسانی ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے دونوں جہان میں راحت ملتی ہے"۔

اشوک کے کتبوں سے یہ باتیں بھی ظاہر ہوتی ہیں :- والدین۔ بزرگوں۔ افسروں۔ برہمنوں۔ فاضلوں اور فقیروں کی تعظیم و اطاعت کے لئے خاص اصول مقرر کئے تھے۔ بڑوں کو چھوٹوں پر اور آقا کو نوکروں اور غلاموں پر شفقت کرنے اور انسان کو کل جانداروں پر مہربانی کرنا چاہیئے۔ اُستاد کی عزت کرنا اور راستبازی اختیار کرنا چاہیئے اسکے متعلق بھی اصول و قواعد مرتب کئے گئے تھے۔ مزید براں مسافروں کی ضروریات پر خاص طور پر توجہ دی جاتی تھی۔ اُن کا علاج کرایا جاتا۔ اُنہیں زاد راہ دیا جاتا۔ اور اُن کے سامان سفر کا انتظام کیا جاتا تھا۔

اشوک کی زندگی کے حالات بتا رہے ہیں کہ وہ ظلم و ستم۔ دروغ گوئی۔ بے اعتدالی۔ بدتہذیبی اور تعصب کا دشمن تھا۔ تعظیم۔ رحمدلی۔ راستبازی۔ ہمدردی۔ شفقت۔ اتحاد۔ روشن خیالی اور اخلاق کا دل سے حامی اور مددگار تھا۔ اپنی رحمدلی اور مہربانی کے باعث وہ دُنیا میں پریہ درشی راجہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

سفرنامۂ کشمیر

[illegible] اخبارات بالاتفاق تسلیم کر چکے ہیں کہ [illegible] کے علمی تحفوں میں سفرنامۂ کشمیر ایک [illegible] دلچسپ اور دل خوش کن تحفہ ہے۔ سفرنامۂ کشمیر اپنے رنگ کی پہلی کتاب ہے۔ جو کشمیر کے حالات رسم و رواج۔ متعلق چشموں پہاڑوں۔ مرغزاروں اور باشندگان کشمیر کی سوشل اور پولیٹکل زندگی کے متعلق بطور سفرنامہ اُردو زبان میں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے۔ طرز بیان نہایت دلچسپ اور سادہ ہے۔ کشمیر کا کوئی فرحت افزا مقام اور کوئی ایسا نظارہ نہیں چھوڑا گیا جو احاطۂ تحریر میں نہ آچکا ہو۔ لاہور سے کشمیر تک کے حالات راستہ کے نہایت دلچسپ اور کارآمد ہیں۔ جن لوگوں کو دنیا کی اس بہشت کی سیر کرنے کا شوق ہو وہ ۸ مع خرچ ڈاک [illegible] کر کے [illegible] اٹھا سکتے ہیں۔

[illegible] صفحہ کاغذ چھپائی [illegible] عمدہ

المشتہر

منیجر کشمیری میگزین لاہور

۷ر اگست سنہ ۱۹۱۹ء

کا استقرار اس لئے ہے جس سے کہا [illegible] کہ لاہور کا پولیٹکل اور سوشل [illegible]۔ پنجۂ فولاد اپنے قدردانوں کے اصرار سے دوبارہ جاری ہونے والا ہے۔ اس اخبار کے اجراء کے دو بڑے مقصد ہیں پبلک کی شکایات اور ہر کے ساتھ گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچانا اور ہندو مسلمان کے اتحاد و اتفاق کا ساعی ہونا۔ جو لوگ پنجۂ فولاد کی زبردست تحریروں سے واقف ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اخبار کس آزادی اور متانت اور مناسب نکتہ چینی کے ساتھ گورنمنٹ اور پبلک کی خدمات بجا لاتا رہے۔ اس کا خاص طور پر التزام کیا گیا ہے کہ محبان وطن کے پولیٹکل حالات کا مفید سلسلہ اخبار کے ساتھ ہر ہفتہ لازمی طور پر شائع ہوا کریگا۔ آپ اگر محب وطن ہیں اگر آپ کے دل میں اپنے پیارے ملک کا کچھ بھی درد ہے۔ اور اگر آپ کو خواہش ہے کہ ہندوستان کی بیداری کی تحریک جاری رہے تو سب سے پہلی فرصت میں پنجۂ فولاد کی خریداری کی درخواست بھیجئے۔ قیمت سالانہ [illegible] ہے۔

المشتہر

منیجر اخبار پنجۂ فولاد لاہور

زرترین ملک کی تلاش۔ جس میں جنوبی امریکہ کے حالات ایک ناول کے پیرایہ میں نہایت دلچسپ طور سے بیان ہوئے ہیں۔ قیمت ۸ ر

میرے رہنے کا گھر۔ جسم انسانی کا دلچسپ حال باتصویر۔ قیمت ۲ ر

ننھے ننھے لوگ۔ کیڑے مکوڑوں کا دلچسپ حال باتصویر۔ قیمت ۲ ر

سورج چاند ستارے۔ علم ہیئت کے متعلق ایک مبسوط اور جامع کتاب جس میں اس وقت تک کی تمام نئی دریافتوں کا حال درج ہے۔ اجسام فلکی کے حالات نہایت سادگی کے ساتھ اور پُرلطف پیرایہ میں درج ہیں۔ باتصویر۔ قیمت ۸ ر

علم الارض۔ جس میں طبقات زمین کی ساخت وغیرہ کا مفصل حال درج ہے۔ یہ علم جیالوجی کا پہلا ابتدائی رسالہ ہے جو اردو زبان میں شائع ہوا ہے۔ باتصویر۔ قیمت ۸ ر

تاریخ روم۔ جس میں روۃ الکبریٰ کے عروج و زوال و طرز حکومت کا مفصل حال درج ہے۔ قیمت ۱۲ ر

خصلت۔ اسمائلز صاحب کی مشہور کتاب کیریکٹر کا ترجمہ۔ قیمت عہ ر

اصول تجارت۔ جس میں آجکل کی تجارت کے متعلق مفصل اصول و طریق کا حال درج ہے جن کا جاننا ہر ایک سوداگری پیشہ آدمی کو ضرور ہے۔ قیمت ۸ ر

لڑکوں کا رہنما۔ اس کتاب میں اُن خرابیوں کا ذکر ہے جن میں مبتلا ہو کر لڑکے اپنی صحت جسمانی اور قواے عقلی کو خراب کر لیتے ہیں۔ اور اُن سے بچنے کی تدابیر و ہدایات بیان کی گئی ہیں۔ نہایت مفید کتاب ہے۔ قیمت ۸ ر

نوجوانوں کا رہنما۔ اس کتاب میں کم عمری کی شادی اور زناشوئی کے تعلقات اور جوانی کی بیہودگیوں اور غلط کاریوں کا جن سے جوانوں کی صحت جسمانی اور قواے عقلی خراب ہو جاتے ہیں مرقع کھینچ کر اُن سے بچنے کی تدابیر و ہدایات درج کی گئی ہیں۔ نہایت مفید کتاب ہے۔ قیمت عہ ر

شوہر کا رہنما۔ تعلقات زناشوئی کے متعلق ہدایتیں۔ قیمت عہ ر

عرق ماء اللحم انگوری دوآتشہ

جس میں انگور۔ سیب۔ بہی اور ایک سو جڑی بوٹی مولد و مصفی خون اور مبہی دواؤں کا ست اور تیتر۔ بٹیر۔ مرغ کے گوشتوں کا جوہر کشید کر کے شامل کیا گیا ہے۔ دوا اور غذا کا کام دیتا ہے۔ سال میں ایک دفعہ ایک ماہ اس کا استعمال بطور علاج حفظ ما تقدم کیا جائے۔ تو پھر کوئی مرض جسم میں داخل نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی قوت گھٹ سکتی ہے۔ اور جو سمیت تبدلات موسم کے باعث ہو۔ ان سب کا جسم پر بُرا اثر ہوتا ہے جیسے وبائی مرض ملیریا۔ ہیضہ۔ طاعون وغیرہ کے اجرام جان انسان کے دشمن ہیں کیونکہ خون کے سُرخ کیسے جو قدرت نے بیرونی دشمنوں کے حملہ سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک چھلنی یا جال کی صورت میں پیدا کئے ہیں (خون کو باریک بین سے دیکھو یا دودھ کو جوش دیکر دیکھو۔ تو ایک جزو مدوّر نظر آئیگی) یہ بیرونی تمام دشمنوں کو قید کر کے مارنے کی خدائی تدبیر ہے ✽

علم افعال الاعضا سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ ذرات خون جب تک بقدار کثیر خون میں ہوتے ہیں۔ کوئی مرض جسم میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ دانے سُرخ خون میں کم ہوں۔ تو بخار۔ طحال اور وبائی امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور کمی باہ اور اعضاء رئیسہ کے بگاڑ ان کی کمی سے شروع ہوتے ہیں ✽ **اس عرق ماء اللحم کے پینے سے خون کی مقدار جسم انسان میں بڑھ جاتی ہے**۔ جس سے تمام اعضاء رئیسہ خوشحال اور اپنے افعال کو باقاعدہ کرنے میں مجبور رہتے ہیں (عرق شروع کرنے سے پہلے جسم کا وزن کر لو۔ اور ایک ماہ پینے کے بعد دیکھ لو۔ وزن ڈیوڑھا ہو جائیگا) اسی واسطے جو لوگ عرق ماء اللحم کو سال بھر میں ایک دفعہ موسم سرما میں چند بوتلیں پی لیں۔ گیارہ ماہ صحت و سلامتی کے ساتھ گزار سکتے ہیں۔ حکماً یہ دعوے علمی دلیل کے علاوہ صدہا لوگ جن کے نام رجسٹر میں موجود ہیں ثابت کرتے ہیں کہ وہ اسکے ذریعے کامیاب ہوتے۔ ہزارہوں بوتلیں ہر سال باہر جاتا ہے۔ عرق ماء اللحم کے پینے سے چہرے پر نور برستا ہے۔ رنگ روسُرخ آثار پیری مفقود اور آثار جوانی نمودار ہوتے ہیں۔ بدن میں قوت۔ ہمت۔ حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ غذا خوب ہضم ہو کر جزو بدن بنتی چلی جاتی ہے۔ عرق ماء اللحم کے پینے سے درد کمر۔ نزلہ۔ زکام۔ سرفہ کہنہ۔ دمہ۔ سانس پھولنا۔ خون کی خرابی۔ مالیخولیا۔ بدخوابی دُور ہو جاتی ہے۔ کمزور۔ لاغر کو فربہ بناتا ہے ✽

قیمت ایک بوتل (عہ) دو روپے۔ ۳ بوتل چھ روپے (لعہ)۔ آدھی درجن (للعہ)۔ درجن (للعہ)

بیرونجات میں ۳ بوتل سے کم روانہ نہ ہوگا۔ ریلوے سٹیشن کا نام مع لائن پورا لکھیں ✽

تازہ سرٹیفکٹ۔ جناب سردار رضا علی صاحب قزلباش اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر۔ ماء اللحم تیار کردہ کارخانہ جناب استعمال میں لایا واقعی نہایت فائدہ مجھکو حاصل ہوا۔ کچھ عرصے سے بوجہ فساد خون میرے جسم پر پھوڑے نکلتے تھے۔ اسکے استعمال سے مجھے آرام ہوا۔ علاوہ اس فائدہ کے یہ عرق مفرح خوشبودار ہاضم اور سب سے زیادہ مصفی خون

پتہ:۔ شفاخانہ حاج الحرمین الشریفین حکیم ڈاکٹر غلام نبی زبدۃ الحکماء۔ لاہور موچی دروازہ

فیض بخش سٹیم پریس فیروزپور شہر میں سیکرٹری صاحب پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور کے لئے چھاپا گیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۴۵

ترقی

ایڈیٹر و مالک ... مولوی ...
ڈاکٹر ... شیخ ... صاحب ...
دفتر ... لاہور ...

ایک علمی اخلاقی تمدنی ادبی مجلسی تاریخی اور صنعتی مضامین کا ماہوار رسالہ

قیمت سالانہ دو روپیہ آٹھ آنہ مع محصول ڈاک پیشگی یا بذریعہ ویلیو ایبل

جلد ۷ | لاہور۔ جولائی سنہ ۱۹۰۸ء | نمبر ۷

فہرست مضامین

فہرست کتب جدید

مشرق کی نابود شدہ تہذیب - جس میں قدیمی اقوام مثل فینکی - ایرانی - عرب - بابل وغیرہ کے حالات درج ہیں - قیمت ۶ر

قدما کی حکمت - جس میں لارڈ بیکن نے یونانیوں و رومیوں کے علم الاصنام میں سے مسائل حکمت نکالنے کی کوشش کی ہے - قیمت ۶ر

اوٹوپیا - جس میں ایک خیالی قوم کی طرز معاشرت و اصول حکمت وغیرہ کے پیرائے میں ایک فلاسفر نے اپنے خیال ظاہر کئے ہیں - قیمت ۶ر

آویس - رومی قیصروں کے عہد کا دلچسپ فسانہ - قیمت ۸ر

آنے والی قوم - نہایت دلچسپ علمی ناول ہے - قیمت ۸ر

علوم طبعیہ کی تاریخ - اٹھارھویں صدی کے آخر تک جس میں تمام تجربات - دریافتوں اور علمی ایجادوں کا مفصل حال درج ہے - قیمت عہ

علوم طبعیہ کی تاریخ - انیسویں صدی میں - قیمت ۸ر

طلسم - سر والٹر اسکاٹ کے مشہور ناول طلسمان کا ترجمہ جس میں صلیبی لڑائیوں کے نہایت دلچسپ حالات ناول کے طرز پر بیان ہوئے ہیں - قیمت ۱۲ر

مکالمات افلاطون - جس میں افلاطون کے چار مکالمات تمام و کمال یونانی سے ترجمہ کئے گئے ہیں - اور اردو میں پہلی دفعہ شائع ہوئے ہیں - قیمت صہ

تسخیر پنجاب - جس میں پنجاب کے انگریزوں کے قبضے میں آنے کا حال بطور ناول کے بیان کیا گیا ہے - نہایت دلچسپ ہے - قیمت ۸ر

ڈاکٹر جے کل و مسٹر ہائیڈ - یہ ایک آدمی تھا - لیکن دو جسم رکھتا تھا قیمت ۶ر

جان ہیلیفکس جنٹلمین - ایک نہایت دلچسپ انگریزی فسانہ ہے جس میں ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہیں کہ کس طرح وہ ادنےٰ حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی سے ترقی کر کے دولتمند ہو گیا - نوجوانوں کے لئے نہایت مفید اور ابھارنے والا ہے جلد اول ۱۲ر

ترقی

لاہور۔ بابت ماہ جولائی ۱۹۰۸ء

ایڈیٹوریل نوٹس اس ماہ میں کئی خریداران ترقی نے اپنا فرض ادا کرکے ایک ایک خریدار دیا ہے۔ ان اصحاب کا شکریہ [illegible] ادا کرتے ہوئے ہم دیگر خریداروں کی امداد کے منتظر ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ وہ بھی اپنا فرض جلد تر ادا کرکے ہماری حوصلہ افزائی کرینگے۔

ابھی حال میں جو خطوط ترقی کے مضامین کی تعریف میں آئے ہیں ان میں سے صرف تین خط نذر ناظرین کرتے ہیں۔ جن سے واضح ہوگا کہ علم دوست اصحاب کے دلوں میں ترقی کیا وقعت رکھتا ہے اور یہ کہ ترقی لٹریری حلقہ میں دن بدن کس قدر ہر دلعزیزی حاصل کر رہا ہے۔ (۱) انتالہ۔ ۱۵۔ جولائی ۱۹۰۸ء۔ مشفق مکرمی۔ تسلیم۔ آپ کی [illegible] اشاعت ترقی کے لئے انشاء اللہ مزید کوشش کرونگا۔ ترقی کے مضامین اس قابل نہیں کہ دل سے فراموش ہوسکیں۔ یا کسی کے دل میں مستقل خریدار بننے کی خواہش پیدا نہ کرتے ہوں۔ کچھ شک نہیں کہ اردو زبان میں ترقی جیسا دوسرا رسالہ نہیں ہے۔

خاکسار۔ حکیم عبداللطیف

(۲) از شام چوراسی ضلع ہوشیارپور۔ ۲۵ جون ۱۹۰۸ء۔ جناب [illegible]

[illegible] ترقی [illegible] مضامین [illegible]

[illegible]

(۳) "مشہد مقدس (ایران) - ۶-جون ۱۹۰۸ء - مکرم بندہ - تسلیم
میں بڑی خوشی سے آپ کے رسالہ کی خریداری قبول کرتا ہوں - میرے نام قیمت طلب
پارسل روانہ کر دیں - میں آپ کو اس رسالہ کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں اور اُمید
کرتا ہوں کہ تمام علمدوست احباب اُسکی خریداری سے مضائقہ نہ فرمادینگے - یہ سب
سے بہتر رسالہ ہے + احقر (خانصاحب) احمد دین خان - اٹاچی - قونصل خانۂ
برطانیۂ عظمےٰ مشہد - براہ کوئٹہ (بلوچستان)"

موجودہ نمبر ترقی میں دو خاص مضامین نذر ناظرین کر کے التجا کیجاتی ہے کہ ان مضامین
کو ناظرین ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیں - ان میں سے ایک مضمون موسومہ "دربار سنجر کا
ایک اور انمول رتن" حضرت ساغر اکبر آبادی لٹریری اسسٹنٹ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی
لاہور کی وسیع معلومات کا نتیجہ ہے - اور دوسرا (راجہ کنشک کا عہد حکومت)
بابو لالہ ایسرشاد صاحب شاد میرٹھی سابق ایڈیٹر اخبار شاد میرٹھ کی تحقیقات اور زور قلم کا نتیجہ
ہے - دونوں مضمون اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے قابل قدر ہیں +

علمدوست اصحاب غالباً یہ سُنکر بیحد مسرور ہونگے کہ رسالہ ترقی میں جو مسلسل مضامین سالہائے
گذشتہ میں شائع ہوتے رہے اور جنکو بعد میں مناسب ترمیم و اضافہ کے بعد پنجاب کی مشہور سوسائٹی
یعنی "پنجاب ریلجس بک سوسائٹی لاہور" کتابی صورت میں شائع کرتی رہی تھی - ان مضامین
کو ڈائرکٹر صاحب سر رشتہ تعلیم پنجاب اور پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی لاہور نے بیحد پسند فرمایا
اور اُن کے صلہ میں پنجاب ریلجس بک سوسائٹی کو گورنمنٹ پنجاب نے بمبلغ پانسو روپیہ انعام
عطا فرمایا - جسقدر انعامات اس سال علمی تصانیف کے صلہ میں پنجاب گورنمنٹ سے مختلف احباب
یا انجمنوں کو عطا ہوئے ہیں اُن میں یہ انعام سب سے اوّل درجہ کا ہے +

اس انعام سے یہ بات بلا چون و چرا پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اُردو زبان کے رسالوں
میں ترقی سب سے افضل رسالہ ہے - آجتک ہندوستان بھر کے کسی اردو رسالہ کو یہ عزت حاصل نہیں - غالباً
یہی وجہ علمدوست اردو دان اصحاب کو ترقی کی قدردانی پر توجہ دلانے کے لئے کافی ہے +

دلچسپ علمی خبریں اور ایجادیں

عرق مقوی۔ یورپ میں ایک عرق جس کا نام کومِس ہے کمزوری کے دفع کرنے اور کمزوروں کو تقویت اور طاقت بخشنے کے لئے دیا جاتا ہے۔ جو لوگ دماغی یا جسمانی طور پر کمزور ہوں۔ یا کسی مرض کے باعث ضعیف ہوگئے ہوں اُن کو طاقت بخشنے کے لئے یہ ایک نہائت مقوّی اور شرطیہ غذا سمجھا جاتا ہے۔ اور ڈاکٹر صاحبان اُسے تجویز کرتے ہیں۔ اس عرق کے بنانے والے نے ازراہ ہمدردئی انسان اسی نسخہ کو شائع کیا ہے جس میں اس عرق کے بنانے کی ترکیب اور اجزاء شامل ہیں وہ یہ ہیں:۔ شاہین شراب کی ایک خالی بوتل میں گردن تک خالص دودھ بھر دو۔ دو چمچہ سفید شکر کو ذرا سے پانی میں ڈالکر اور آگ پر رکھکر شکر کو گلا لو اور بوتل کے دودھ میں ملا دو۔ پھر تھوڑا سا ایسٹ (خمیر) ملا دو۔ پھر سخت ڈاٹ لگا کر بوتل کو زور سے ہلاؤ۔ اور ایک ایسے کمرے میں رکھ دو جس میں ۵۰ سے لیکر ۵۹ درجہ کے درمیان حرارت (جو مقیاس الحرارت فیرنہیٹ کے مطابق ہو)۔ ۲ گھنٹہ تک بوتل وہاں رکھی رہنے کے بعد بوتل کو ایسے مقام میں رکھو جہاں اُس کی حرارت دور ہو جائے۔ پھر اُسے اُس مقدار میں استعمال کرو جسقدر کہ معدہ برداشت اور ہضم کرسکے لیکن اُس کے بنانے میں یہ احتیاط رہے کہ دودھ خالص ہو۔ بوتل صاف۔ اور خمیر تازہ ہو۔ چونکہ یہ عرق اُبالدار ہوتا ہے۔ اس لئے اُس میں جوش بہت ہوتا ہے بوتل کو احتیاط کے ساتھ کھولنا چاہیئے تا کہ عرق اُبل کر اُس میں سے خارج نہ ہو جائے اگر عرق میں چھاچھ کی سی پھٹکیں ہوں تو اُسے استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ اس امر کی علامت ہے کہ عرق میں جوش بہت زیادہ آگیا ہے اور عرق خراب ہوگیا ہے +

لکنت کا شرطیہ علاج۔ ایک شخص ڈاکٹر اسی۔ ڈبلیو۔ اسکریپچ نے لکنت کا شرطیہ علاج تجویز کیا ہے۔ جو تجربہ سے بھی شرطیہ اور تیر بہدف ثابت ہو چکا ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو لوگ بولتے میں ہکلاتے ہوں اگر وہ کوئی راگ گائیں تو گاتے میں نہیں ہکلاتے

لکنت آواز کے اعضا میں کسی خرابی کے آجانے سے پیدا ہوتی ہے۔لیکن گانے سے دور نہیں کی جاسکتی۔جب تک ہکلا آدمی گاتا رہتا ہے تب تک ہکلاتا نہیں۔ مگر جونہی کہ گانا بند کر دیتا ہے تو بولتے وقت پھر ہکلانے لگ جاتا ہے۔ اسلئے پروفیسر صاحب نے یہ طریقہ ایجاد کیا ہے کہ ہکلے لوگ گانے کے لَے یا انداز میں گفتگو کریں اور حروف علت کو بڑھا کر ادا کریں اور حروف صحیح کو گھٹا کر۔ اس سے وہ نقص دور ہو جاتا ہے جو آواز والے اعضا میں ہوتا ہے۔ اور اس اصلاح ہی سے لکنت دور ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ علاج بہت سیدھا سادا ہوتا ہے اس لئے جو لوگ لکنت میں مبتلا ہوں وہ اُس سے فایدہ اُٹھا سکتے ہیں +

رنگ پیدا کرنے کا طریقہ۔ ناروے میں ایک شخص نے ایک طریقہ ایجاد کیا ہے جس کے ذریعہ سے ہرے درختوں کی پینڈ میں ایک رنگ داخل کیا جاتا ہے اس درخت کی لکڑی رنگدار اور زیادہ دیرپا ہو جاتی ہے +

تانبہ کا کاغذ۔ دیواروں میں جو نمی آجاتی ہے وہ نقصان دہ ہوتی ہے اُس کے اثر سے بچنے کے لئے تانبہ کا کاغذ بنایا گیا ہے جس کی موٹائی ایک انچ کے ۲۳ ... دسے لیکر ۶ ... ہزار ہے۔ اُس میں نہ تو سردی یا نمی اثر کر سکتی ہے اور نہ اجرام۔ یہ کاغذ چھ سات سال تک چلتا ہے۔ اور دیواروں میں معمولی کاغذ کی مانند لگ سکتا ہے +

عجیب قینچی۔ اس قینچی میں جو حال ہی میں ایجاد کی گئی ہے۔ یہ صفت ہے کہ کپڑے کو ساتھ ساتھ کاٹتی اور سیتی جاتی ہے +

۸۷ دن کی نیند۔ ایک عورت مسز ہیولاہوکنس نامی جو ایک اسپتال میں تھی ۸۷ دن کی نیند کے بعد بیدار ہوئی۔ اُسے دورانِ نیند میں اُسکی زندگی سے متعلق بہت سے واقعات یاد آتے رہے۔ مگر نہ تو بھوک لگی اور نہ سردی اور نہ ایک ہی پہلو سوتے رہنے سے اُسے کچھ تکلیف محسوس ہوئی۔ جب وہ جاگی تو باوجود کوشش کرنے کے بات نہیں کر سکتی تھی +

راجہ کنشک کا عہدِ حکومت

(از بابو للتا پرشاد صاحب شاد میرٹھی - سابق اڈیٹر اخبار شاد)

مندرجہ ذیل مضمون میں حضرت شاد نے قدیم ہندوستان کے ایک نامور فرمانروا کی زندگی کے کارنامے نہایت تحقیق کے ساتھ لکھے ہیں اور یہ دکھایا ہے کہ حضرت مسیح کی پیدائش کے قریب ہندوستان کی تہذیب کس قسم کی تھی اور یہ کہ اُس زمانہ میں ہندوستان کا پایہ ملکی معاملات کے اعتبار سے کس درجہ کا تھا۔ مضمون واقعی نہایت اعلےٰ پایہ کا ہے اور بہت سے معاملات پر روشنی ڈالنے والا ہے + (اڈیٹر)

حضرت مسیح کی پیدائش سے کوئی ڈیڑھ صدی پیشتر جن خانہ بدوش اقوام نے منگولیا کے غیر آباد حصّوں کو طے کرکے جنوب کا رُخ کیا اُن کی نقل سکونت سے قدیم ہندوستان کی حالت۔ دولت اور پولیٹکل معاملات میں ایک اہم انقلاب واقع ہوا - یہ انقلاب اس قابل ہے کہ اُس پر ذرا تفصیل سے قلم اُٹھایا جائے۔ لیکن چونکہ اُس کا تعلق ہمارے مضمون سے نہیں ہے۔ اس لئے اُس کے مختصر حالات نذر ناظرین کرکے ہم اصل مضمون پر قلم اُٹھائیں گے۔ اس انقلاب کے حالات سے اہل ہند کو یہ معلوم ہوسکیگا کہ اُس کے باعث ہندوستان میں اُس آئندہ مستقبین حکمران کی خاندان کی بنیاد پڑی جسے کوشان یا کُشن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس خاندان میں ایک نہایت مشہور فرمانروا کنشک گذرا ہے۔ اور اس مضمون میں ہم اُسی کے زمانہ کے حالات جو تہذیب شائستگی وغیرہ سے متعلق ہیں بیان کرینگے اور یہ دکھائینگے کہ غیر ممالک کے لوگوں کے باعث ہندوستان کی تہذیب پر کیا اثر پڑا اور یہ کہ ہندوستان میں قدیم زمانہ میں بھی جس کے حالات بہت کم پائے جاتے ہیں ایک بہتر قسم کی تہذیب موجود تھی +

جیسا کہ زمانہ حال کی تحقیقاتوں سے ثابت ہو چکا کہ ایک ترکی خانہ بدوش قوم نے جسے اہل چین ہیئو آنگ نو کہتے ہیں۔ اپنی ہی قوم کے لوگوں پر ۱۶۵ء قبل مسیح کے

قریب یورش کی۔ اِس مغلوب قوم کا نام آیوہ چی تھا۔ وہ حملہ آوروں کے مقابلہ میں شکست کھا کر صوبہ کان سُو سے جو شمال و مغربی چین کا ایک حصّہ تھا نئی چراگاہوں کی تلاش میں مغرب کی جانب چل پڑی۔ اُس میں ایک یا دو لاکھ تیر انداز تھے اور اُس کے کل لوگوں کی تعداد ۵ سے لیکر ۱۰ لاکھ انفاس خیال کی جاتی ہے۔

یہ قوم نقل سکونت کرکے اور صحرائے گوبی کے شمال سے گذرتی ہوئی جب آگے بڑھی تو اُس نے ووسن قوم کو مغلوب کیا۔ اور نئی اور وسیع چراگاہوں کی تلاش میں اور آگے بڑھی۔ اُس کا ایک حصّہ جنوب کی طرف چل دیا اور تبت کی سرحد پر آباد ہوا۔ وہ ایوہ چی اصغر کے نام سے مشہور ہے۔ مگر بڑا حصّہ جو مغرب ہی کی طرف بڑھتا چلا گیا ایوہ چی اکبر کہلاتا ہے۔

ایوہ چی اکبر نے آگے بڑھ کر ساکا قوم کو جو سیتھین نسل سے تھی اور سیر دریا اور آمو دریا کے درمیانی ملک پر قابض تھی مغلوب کیا۔ اور اُن کی چراگاہوں پر قبضہ کرکے اُن کو وہاں سے نکال دیا۔ یہ ساکا قوم نقل سکونت کرکے سیستان اور ہندوستان میں آباد ہوئی۔ ایوہ چی قوم اس نئے ملک میں کوئی ۱۵ یا ۲۰ سال ہی امن سے رہنے پائی تھی کہ ووسن قوم نے اپنے اُس سردار کے جسے ایوہ چی قوم نے قتل کر دیا تھا۔ بیٹے کے زیر کمان ایوہ چی قوم پر حملہ کیا اور اُسے اُس ملک سے نکال دیا جس کو اُس نے ساکا قوم سے فتح کیا تھا۔ اب تو ایوہ چی قوم کو دریائے جیحون کی وادی میں پہنچ کر اُس قوم کو مغلوب کرنا پڑا جسے اہل چین تاہیا کہتے ہیں۔ اور ایوہ چی کی سلطنت بلخ پر قائم ہو گئی۔ کوئی دو یا تین ہی نسل گذرنے کے بعد ایوہ چی کی عادات جو خانہ بدوشی سے متعلق ہیں معدوم ہوگئیں اور اُن میں ایک تہذیب پیدا ہوگئی۔ اس قوم نے پانچ چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم کیں۔ یہ سنہ ۵ قبل مسیح کے قریب کا واقعہ ہے۔

کوئی ایک سو سال گذرنے کے بعد ایک ایوہ چی فرقہ کوشان نامی کے سردار نے جو کوہ ہندوکش کے شمال میں آباد تھا باقی چاروں فرقوں یا سلطنتوں کو فتح کیا۔ اور کل ایوہ چی قوم کا فرمانروا بن گیا۔ اُس کا نام کدفیسس تبایا جاتا ہے۔ یہ شخص کوئی سنہ ۴۵ء کے قریب تخت نشین ہوا۔

جب ایوہ چی قوم کی آبادی بڑھ گئی تو کدفیسس نے ہندوکش کے جنوب کا ملک فتح کرنا چاہا۔ اور کشمیر و کابل کو فتح کرکے اپنی حکومت بلخ۔ بخارا اور افغانستان میں قائم کرلی۔ یہ سنہ ۶۰ء کے قریب کا واقعہ ہے۔ پھر اُس نے دریائے انڈس کے مغرب میں انڈوگریک اور انڈوپارتھین اقوام کو بھی زیر کرلیا۔ اس کے بعد اُسنے وادئے انڈس اور پنجاب کے انڈو پارتھین حکمران کو بھی مغلوب کیا +

کدفیسس نے ۸۰ سال کی عمر میں وفات کی اور اُس کا بیٹا کدفیسس دوم سنہ ۸۵ء کے قریب اُس کا جانشین ہوا۔ یہ فرمانروا اپنے باپ کی مانند حوصلہ رکھتا تھا اُس نے ایوہ چی قوم کی سلطنت کو اور زیادہ وسعت دینا چاہا۔ اُس نے شہنشاہ چین کا بھی مقابلہ کیا۔ ایوہ چی قوم کے ہاں شہنشاہ چین کا سفیر سنہ ۱۲۵-۱۱۵ء قبل مسیح میں رہا تھا۔ اور ایک صدی تک سیتھین قوم سے بھی شاہ چین کا ربط ضبط رہا۔ سنہ ۶ء میں یہ ربط ضبط ساقط ہوگیا۔ اُس کے ۷۰ سال بعد یعنی سنہ ۷۳ء سے لیکر سنہ ۱۰۲ء تک چینی سپہ سالار پان چاؤ نے پھر وسط ایشیا کے ممالک پر چین کا رعب بٹھایا۔ اور ختن۔ کاشغر وغیرہ کے حکمرانوں کو فتح کرکے اور چین کی سلطنت کو بحیرۂ کاسپین تک وسعت دیکر رومی سلطنت کی حدود سے جاملایا +

کدفیسس کو چینی فتوحات سے یہ خوف ہوگیا کہ وہ کہیں اُسکی سلطنت پر بھی حملہ نہ کرے۔ چونکہ کدفیسس اپنے کو والئے چین کا ہمسر سمجھتا تھا۔ اس لئے وہ اسکا فرمانبردار بن کر نہیں رہنا چاہتا تھا۔ سنہ ۹۰ء کے قریب اُس نے چینی سپہ سالار کے پاس چینی شاہزادی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے پیغام روانہ کیا۔ چینی سپہ سالار نے اس پیغام کو ہتک سمجھا اور قاصد کو قید کرکے شہنشاہ چین کے دربار میں بھیج دیا۔ اس پر کدفیسس دوم نے اپنے سپہ سالار لسی کے زیر کمان ۷۰ ہزار سوار ملک چین کے ایک حصہ کو فتح کرنے کے لئے کوہستان پامیر کے راستہ سے روانہ کئے۔ مگر یہ فوج کوہستانی سفر کی تکالیف سے بہت پست ہمت ہوگئی۔ اور جب وہ کاشغر یا یارقند کے میدانوں میں پہنچی تو چینی سپہ سالار پان چاؤ نے اُسے آسانی سے مغلوب کرلیا۔ کدفیسس نے مجبور ہو کر شہنشاہ چین کو خراج دینا منظور کیا۔ اگرچہ

کدفیسس چین کو تو فتح نہ کرسکا۔ لیکن سنہ ۹۰-۱۰۰ء کے درمیان اُس کی حکومت کل شمال و مغربی ہندوستان پر سوائے سندھ کے قائم ہوگئی۔ اور بنارس تک اُسکے قبضہ میں آگیا۔ ہندوستان کے مفتوحہ صوبوں کا انتظام کدفیسس کے جنگی نائب کیا کرتے تھے ۔

آیوہ چی قوم کی فتوحات سے ہندوستان اور رومی سلطنت کے درمیان تجارت کا راستہ کھل گیا۔ کدفیسس نے شاہ طراجن کے پاس روم میں سنہ ۹۹ء میں اپنی شمال و مغربی ہندوستان کی فتح خبر لیکر ایک سفارت روانہ کی۔ کدفیسس دوئم نے بھی خوب فتوحات کیں۔ اور اُس نے ۳۵ یا ۴۰ سال تک حکومت کی۔ اُس کا عہد حکومت سنہ ۸۵ء سے لیکر سنہ ۱۲۰ء یا سنہ ۱۲۵ء تک رہا۔ اُسکی وفات پر اُس کا جانشین اُس کا بیٹا کنشک ہوا۔ جس کا نام خاندان کوشان کے فرمانرواؤں میں بیحد مشہور ہے کیونکہ اُس کی شہرت نہ صرف سرزمین ہند ہی تک محدود تھی۔ بلکہ اُس کے باہر بھی دور دور تک پھیل گئی ۔

اگرچہ کنشک بڑا نامور فرمانروا گذرا ہے۔ لیکن اُس کے نام سے یورپ کے لوگ سوائے اُن خاص لوگوں کے جن کو مشرقی باتوں سے گہری دلچسپی ہے کم واقف ہیں۔ البتہ تبت۔ چین اور منگولیا اور ہند میں اُس کا نام بہت مشہور ہے۔ اور جن ممالک میں بُدھ مذہب کے لوگ بکثرت آباد ہیں اُن میں اُس کے نام کو وہی شہرت حاصل ہے جو اشوک کے نام کو ۔

اگرچہ کنشک بیحد مشہور فرمانروا تھا لیکن اُس کے تاریخی حالات بہت ہی کم پائے جاتے ہیں اور جس قدر بھی پائے جاتے ہیں وہ شکوک سے مبرا نہیں ہیں۔ اہل چین کی تاریخ میں جو قرون وسطی سے متعلق ہے اُس کے حالات بہت ہی کم پائے جاتے ہیں۔ اور وہ بھی تاریخی پہلو سے ادنےٰ درجہ کے ہیں۔ یہی حال کنشک سے متعلق دیگر ملکوں کے حالات کا ہے ۔

کنشک اور اُس کے جانشینوں کا ذکر بہت سے کتبوں میں پایا جاتا ہے اور یہی کتبہ اُن شکوک کو رفع کرنے کے لئے کافی ہیں جو کنشک کے حالات سے تعلق

رکھتے ہیں۔ لیکن ان کتبوں میں ایک یہ وقت ہے کہ اُن کے معنی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کنشک ۵۷ء قبل مسیح میں تخت نشین ہوا تھا۔ اور بعض لوگوں کی راے میں ۷۸ء قبل مسیح میں +

کچھ شک نہیں کہ کنشک ایوہ چی قوم کے کوشان فرقہ میں سے تھا۔ اور یہ بالکل لغو اور غلط ہے کہ اُس کا تعلق کدفیسس وغیرہ سے نہیں تھا۔ جو سکے کدفیسس اور کنشک کے وقت کے ہیں وہ وزن۔ طرز اور تحریر میں ایک دوسرے سے ہُو بہُو مشابہ ہیں۔ یقینی شہادتوں کی بنا پر یہ کہنا بالکل درست ہے کہ کنشک ۱۲۰ء یا ۱۲۵ء کے قریب تخت نشین ہوا تھا۔ اور یہ کہ اس کی حکومت اُس کے پیشرو کی حکومت کی مانند کل شمال و مغربی ہند پر تھی اور کوہستان ہندوکش تک۔ اُسکی حکومت بالائی سندھ پر بھی تھی۔ اور جو شہرت اُسے بہ حیثیت ایک فاتح کے حاصل ہے وہ بتاتی ہے کہ اُس نے دریائے انڈس کے دہانہ تک کے پارتھیں حکمرانوں کو ضرور فتح کیا۔ کیونکہ اس کے بعد اس قوم کے فرمانروا کا نام سننے میں نہیں آیا +

یہ بالکل یقینی ہے کہ کنشک نے کاشمیر کو فتح کیا اور اُسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اس ملک میں اُس نے اپنی بہت سی یادگاریں قائم کیں۔ اُسکے نام پر بھی ایک بڑا شہر بھی بسایا گیا تھا جو اب ایک گاؤں رہ گیا ہے۔ یہ کانس پورہ ہے۔ اور لفظ کنشک پورہ سے جو اسلی نام تھا بگاڑ کر بنا لیا گیا ہے +

قصص و روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کنشک نے ہندوستان کے اندرونی حصوں کو بھی فتح کیا۔ اور پٹنا کی پتر کے راجا پر تو حملہ کی۔ اور اس شہر کے ایک بڑے مشہور راہب اسواگھوش کو جو بدھ مذہب کا معتقد تھا اپنے ہمراہ لے گیا +

کنشک کی راجدھانی پرشاپور (زمانہ حال کا پشاور) تھی۔ جب کنشک نے بدھ مذہب کو قبول کر لیا تو وہ اُس کا بڑا حامی اور سرگرم معتقد ہو گیا اور اُسنے ایک بڑی مینار بنوائی جو دنیا کی عجائبات میں سے تھی۔ اس مینار کا اوپر کا حصہ لکڑی کا تھا۔ اور ۱۳ منزل کا اور ۴۰۰ فٹ بلند۔ اُس پر لوہے کا کلس چڑھایا گیا تھا۔ جب چھٹی صدی عیسوی کے شروع میں چین کے مشہور سیاح سونگ یُن دورانِ سیاحت میں اس مینار پر پہنچا تو اُسوقت تک اُس

میں تین بار آگ لگ چکی تھی اور فرمانروا اُسکی مرمت کرا چکے تھے۔ اُسکے نزدیک ہی ایک عالیشان خانقاہ تھی اِس قسم کی عمارتوں کے کچھ کچھ آثار اب تک موجود ہیں جن میں سے ایک وہ ٹیلہ ہے جو شہر پشاور کے لاہوری دروازہ کے باہر ہے جس کا نام "شاہ جی کی ڈھیری" ہے اِس خانقاہ میں بدھ مذہب کی اعلےٰ درجہ کی تعلیم دی جاتی تھی - اور دور دور کے لوگ تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ نویں اور دسویں صدی عیسوی تک یہ خانقاہ مذہبی تعلیم کا مرکز تھی۔ کیونکہ اسی زمانہ میں وہاں مگدھ دیش کا ایک شاہزادہ جسکا نام ویردیو تھا تعلیم حاصل کرنے کے لئے گیا تھا۔ اس خانقاہ کو غالباً محمود غزنوی یا اُس کے جانشینوں نے بالکل مسمار کرا دیا۔ مسلمان بُت پرست نہیں ہوتے اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے اُن بتوں کو جو بدھ مذہب کی عبادتگاہ میں پائے جاتے تھے یقیناً توڑا اور ایسی عبادتگاہ کو برباد کر دیا ہوگا اور محمود غزنوی جیسے بت شکن نے ایسا فعل ضرور کیا ہوگا +

کنشک کا حوصلہ فتوحات سے متعلق صرف سرزمین ہندوستان ہی تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ اُسنے قوم پارتھین (ایرانی) کے بادشاہ سے بھی جنگ میں کامیابی حاصل کی۔ جیسا کہ مشہور ہے اِس قوم کے بادشاہ نے کنشک کے ملک پر فوجکشی کی لیکن منہ کی کھائی۔ یہ بادشاہ یا تو خسرو ہی یا اُسکا کوئی جانشین جس نے ایران میں سنہ ۱۰۸ء سے لیکر سنہ ۱۳۰ء تک حکومت کی کنشک کی نہایت شاندار فوجی مہم وہ تھی جس کے ذریعہ سے اُس نے کاشغر۔ یارقند۔ ختن تبت کے شمال کا ملک اور پامیر کے مشرق کا ملک فتح کیا۔ اگرچہ ان ملکوں کے فتح کرنے میں کدفیسس دوئم کو ناکامی ہوئی اور اُسے اُلٹا چین کو خراج دینا پڑا لیکن کنشک کو اسوجہ سے کامیابی حاصل ہوئی کہ اُس کے قبضہ میں ہندوستان اور کشمیر تھا۔ اور بڑی آسانی کے ساتھ کوہ پامیر کے درہ تغمد مباش کے ذریعہ سے اپنی فوجی فتوحات حاصل کرنے کے لئے لے جاسکا۔ اُسوقت پان چاؤ سپہ سالار غالباً فوت ہو چکا تھا۔ کدفیسس دوئم شہنشاہ چین کو خراج دیتا تھا۔ مگر کنشک نے اپنے کو اول تو اس خراج سے چھڑا لیا اور پھر مفتوحہ بادشاہوں سے یرغمال لئے جن میں چین کے شہنشاہوں کا بیٹا بھی شامل تھا کنشک نے میدان جنگ کے قریب صوبہ کپیسہ میں ایک مقام پر بدھ مذہب کا ایک معبد بھی بنوایا +

ان یرغمالوں کے ساتھ کنشک بہت اچھا سلوک کرتا تھا اور اُسنے تین موسم گرمی سردی اور بارش کے اعتبار سے مختلف راہب خانوں میں اُن کے رہنے کا عمدہ انتظام کیا تھا۔ اُنکو موسم گرما میں کوہستان کپیسہ میں کابل سے پرے ایک راہب خانہ میں رکھا جاتا تھا شہزادہ چین نے اپنے ملک کو واپس جانے سے پیشتر اس خانقاہ کے لئے اپنے جواہرات نذر کئے تھے۔ ہیونگ شیانگ چینی سیاح بھی اپنے دوران سیاحت

میں اس خانقاہ میں بھی گیا تھا۔ یرغمالوں کا سرمائی مسکن پنجاب کا ایک مقام تھا جس کا نام شہزادہ چین کے نام پر چینا بھکتی (نہ معلوم یہ اشارہ کس مقام کی طرف ہے) پڑ گیا تھا۔ مگر یہ سرمائی مسکن کے لئے کوئی مقام نہیں تھا۔ ان یرغمالوں کے قیام ہی کے باعث سرزمین ہندوستان میں سیب اور ناشپاتی جیسی میوہ لائی اور بوئی گئی۔ ورنہ اس سے پیشتر یہ دونوں چیزیں ہندوستان میں نہیں تھیں +

چینی شاہزادے نے جو جواہرات خانقاہ کے نذر کئے تھے انکو ایک بادشاہ نے زمین میں سے نکلوانا چاہا لیکن ارواح نے اُسے ڈرا کر باز رکھا پھر راہبوں نے راہب خانہ کی مرمت کے لئے لینا چاہا۔ مگر ارواح نے اُن کو بھی باز رکھا۔ جب ہیونگ شیانگ اس راہب خانہ میں مقیم تھا تو راہبوں نے اُس سے ماجرا بیان کیا۔ اُس نے دھوپ وغیرہ جلائی اور دُعا کی۔ اس کے بعد مزدوروں کو لگا دیا۔ کوئی ۷ یا ۸ فٹ کی گہرائی پر ایک صندوق زر و جواہرات کا نکلا +

خانقاہ چینا بھکتی کے راہب بُدھ مذہب کے صحائف اصغر کے معتقد تھے۔ اور چینی شاہزادہ بھی اسی فرقہ کا معتقد تھا۔ اب یہ بات فیصلہ طلب ہے کہ ملک چین میں بدھ مذہب کو یہی شاہزادہ لیگیا یا اور کوئی شخص۔ جن قصوں کا آغاز ساتویں صدی سے ہوتا ہے اُن سے یہ ظاہر ہے کہ بدھ مذہب کی پرچارک چین میں ۲۱۷ قبل مسیح میں گئے تھے۔ پروفیسر ٹیرین دی لاکوپیری کی بھی رائے ہے۔ مگر عام لوگ اُسے تسلیم نہیں کرتے۔ اشوک نے جو پرچارک روانہ کئے وہ جنوب اور مغرب کی طرف گئے تھے نہ کہ مشرق کیطرف اور ایوہ جی مہم سے پیشتر چین اور ہندوستان کے درمیان ربط ضبط کا پتہ نہیں لگتا۔ یہ رائے کہ شاہ مِنگ ٹی نے سنہ ۶۴ء میں یا اُسکے قریب بُدھ پرچارک بلائے تھے غلط ہے۔ کیونکہ اسل جیو جیسا فاضل محقق اُسے غلط قرار دیتا ہے۔ حالانکہ اور مصنف اُسے تسلیم کرتے ہیں لیکن اُس رائے کے تسلیم کرنے والے بھی یہی کہتے ہیں کہ اُسوقت بدھ پرچارکوں کا اثر چین میں برائے نام تھا۔ البتہ بدھ مذہب نے شاہ ہوان ٹی کے عہد میں یعنی دوسری صدی عیسوی کے وسط میں سرزمین چین میں ضرور اثر پیدا کیا اور اُسوقت سے اُسے وہاں عروج ہونے لگا۔ مگر بدھ مذہب کا چین میں ترقی کرنا صرف چینی شاہزادہ کے واپس جانے کا باعث تھا اور نیز کنشک کے ملک ختن کے فتح کرنیکا باعث +

اشوک کشت و خون کے بُرے اثر سے متاثر ہو کر بدھ مذہب کا معتقد ہوا تھا۔ اسیطرح کنشک بھی جنگ و جدل کے اثر سے متاثر ہو کر اس مذہب کا پیرو ہوا۔ اشوک کے وقت میں بدھ مذہب میں کوئی ملاوٹ نہیں ہوئی تھی۔ مگر کنشک کے وقت میں ہو گئی اور صحائف اکبر کے عقیدہ کی بنیاد ہندوستانیوں

ہیوں عیسائیوں - دہریوں اور یونانیوں کے عقائد کے باہمی اختلاط کے ذریعہ سے پڑی - اور تم بدھ اگرچہ مذہبی اصول کے لحاظ سے نہیں تاہم رواج کے اعتبار سے خدا مانا جانے لگا - اور بدھ متواکی ابتدا ہوئی جو گوتم بدھ اور اُسکی تعلیم کے معتقدوں کے درمیان سفارشی یا ثالث قرار دئے گئے۔ نشک نے اور یُرانے دونوہی قسم کے معبودوں کا معتقد رہا حالانکہ بظاہر وہ بدھ مذہب کا قایل تھا +

کنشک کے عہد میں بدھ مذہب کی ایک کونسل اُسی قسم کی منعقد ہوئی جس قسم کی اشوک کے زمانہ میں ہوئی تھی - اسکا ثبوت تبت چین اور منگولیا کی تواریخ میں پایا جاتا ہے۔ اُس کا ذکر ہیونگ شیانگ کے سفرنامہ میں بھی ہی - اگرچہ اُس کے مقام انعقاد کی نسبت اختلاف رائے ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ اُسکا انعقاد یا تو کشمیر میں ہوا اور اختتام جالندھر میں اور یا انعقاد جالندھر میں اور اختتام کشمیر میں - اُس میں بدھ مذہب کے صحائف پر شرح لکھی گئیں اور بدھ کی اصل تعلیم کو فضولیات سے جو اُس میں شامل ہوگئی تھیں چھانٹ کر علیٰحدہ کیا گیا +

کنشک نے سنہ ۱۵۰ء کے قریب وفات پائی - اُسکی وفات کا قصہ عجیب و غریب ہے اور یوں بیان کیا جاتا ہی کہ کنشک کا وزیر متھار ابڑا عقیل تھا - اُس نے کنشک سے کہا کہ اگر آپ میری رائے مانیں تو ساری دنیا کے حاکم بن جائیں - راجہ نے کہا کہ میں تیری رائے پر عمل کروں گا - وزیر نے قابل سپہ سالاروں کو بلا کر ایک فوج اکٹھی کی تین اطراف کے لوگ کنشک کے زیر سایہ آ گئے - اُسوقت کنشک نے کہا کہ صرف شمال کے لوگ میرے زیر سایہ نہیں آ سکے - اگر میں اُنکو بھی مطیع کر لوں تو پھر میرا کوئی بھی مخالف نہ رہے - لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ مہم کس طرح سر کیجائیگی لوگ اس بات کو سنکر ناخوش ہوگئے اور باہم کہنے لگے کہ راجہ بڑا ظالم اور حریص ہوگیا ہے - اُسکی فتوحات سے لوگ بڑے تنگ آ گئے ہیں - آؤ ہم اُسکی زندگی کا خاتمہ کر دیں - اس کے بعد راجا بیمار پڑ گیا - اور لوگوں نے اُسکی زندگی کا خاتمہ کر دیا +

کنشک کی زندگی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا فاتح - نیکدل تھا - بڑا دلیر اور مدبر تھا - اُسنے بدھ مذہب کے عروج کے لئے بہت کچھ کوشش کی - اُس کے زمانہ میں ملک آباد اور رعایا شاد تھی - اُسکی فوج کثیر و عمدہ تھی - اُس کے وزرا لائق تھے اُس کے دربار میں عالم فاضل رہتے تھے - اُس کے عہد میں علوم و فنون کا چرچا تھا اور ایک اعلیٰ قسم کی تہذیب و شائستگی پائی جاتی تھی - جو روم - یونان چین - وسط ایشیا - ایران اور ہندستان کی تہذیب سے مل کر بنی تھی - اُسکے تعلقات غیر ملکوں کے ساتھ تھے غیر ممالک کے سفیر اُسکے دربار میں رہتے تھے کنشک کے بعد اُسکا بیٹا بادشاہ ہوا اور اُسکے بعد اُسکا بیٹا واسدیو - اس واسدیو کے بعد کوشان

تاریخ یورپ

اٹلی (۲)

جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اُس میں ہندوستان کی تجارت بڑے فائدہ کی تھی۔ اگرچہ مقدار میں تو کم تھی۔ مگر قیمت میں بہت زیادہ۔ اس تجارت کا زیادہ تر حصہ وینس والوں کے ہاتھوں میں تھا۔ جب پرتگالیوں نے ہندوستان کا بحری راستہ کیپ کالونی واقع جنوبی افریقہ کے گرد ہو کر دریافت کر لیا تو وینس کی زیادہ تر تجارت اُن کے قبضہ میں آ گئی۔ اور اسی طرح جنوا کے ہاتھوں میں بھی۔ پرتگالیوں کے ہاتھوں سے نکل کر یہ تجارت اہل ڈنمارک کے ہاتھوں میں اور اُن سے نکل کر فرانسیسیوں اور فرانسیسیوں کے ہاتھوں سے نکل کر آخر کار انگریزوں کے ہاتھوں میں آ گئی اور رفتہ رفتہ ہندوستان کی ساری تجارت صرف انگریزوں کے قبضہ میں رہ گئی۔

وینس ۷۲ جزیروں پر مشتمل ہے۔ اور یہ سارے جزیرے ۲۶۰ پلوں کے ذریعہ سے متحد اور ملحق ہیں۔ جن میں سے اکثر پل ایک ہی محراب کے ہیں۔ سب سے مشہور پل جزیرہ ریالٹو کا ہے اور اس نام سے مشہور ہے۔ وہ بھی ایک ہی محراب کا ہے جو ۹۰ فیٹ چوڑی ہے۔ اور سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے۔ اس جزیرہ میں مشہور گرجہ سان مارکو ہے جس میں پانچ دروازے پیتل کے ہیں۔ یہ دنیا بھر کے گرجوں میں سب سے زیادہ لاگت کا ہے۔ پانچ میں سے چار دروازوں پر پیتل کے چار گھوڑے لگے ہوئے ہیں جو کبھی قسطنطنیہ سے لائے گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ مشہور سنگتراش لیسی پس کے بنائے ہوئے ہیں جو سکندر اعظم کے وقت میں تھا۔ اس گرجے کے مقابل بے نظیر شاہی محل ہے۔ اور اُس کے برابر ہی مگر نہر سے جدا کردہ وہ خوفناک قیدخانہ ہے جس کی سختیاں مشہور عالم ہیں۔ جو لوگ اس قیدخانہ میں ڈالے جاتے تھے وہ شاذ و نادر ہی اُس کے باہر نکلنے پاتے تھے۔ شہر جنوا سے قرون وسطیٰ میں ایک

زرخیز میدان لومبارڈی کو جاتا تھا۔ ہالینڈ۔ فرانس اور انگلستان کے زور پکڑنے اور ترقی کرنے سے پیشتر جنوا اپنی مقام وقوع کے اعتبار سے تجارت کے لیئے بہت موزون اور نہائت زرخیز اور مالدار بھی تھا۔ نارمن قوم کے انگلستان فتح کرنے سے پیشتر وہ ایک خود مختار ریاست تھا اور وہاں کے لوگوں کی تجارت بہت بڑھی چڑھی ہوئی تھی ان کے جہاز تجارت کا مال لاتے تھے۔ اہل جنوا نے کافہ میں جو یورپی روس کی سرزمین میں ہے ایک نوآبادی قائم کی تھی۔ اس شہر اور جنوا کے درمیان قسطنطنیہ واقع تھا۔ کافہ کے ذریعہ سے اہل جنوا جنوبی یورپ اُس کا مال کھینچ لاتے تھے۔ گویا اس ملک اور قسطنطنیہ کی تجارت پر ان کا اجارہ تھا۔ کافہ ہی کے ذریعہ سے اُن کے قبضہ میں بحیرۂ اخضر کی ساری تجارت آگئی تھی۔ اس بحیرہ کے ذریعہ اُن کا قبضہ بحیرہ کاسپین کی تجارت پر ہو گیا۔ اور وہاں سے اُنھوں نے ہندوستان اور اقصائے مشرق کی تجارت پر بھی قابو حاصل کر لیا۔ اور اس طریقہ میں اہل جنوا نے بہت جلد اہل وینس کی تجارت چھین لی +

کافہ ایک بہت بڑی جگہ ہو گیا۔ اُس میں نہریں۔ آبشار اور مینارے بکثرت تھیں۔ وہ بڑھتے بڑھتے قسطنطنیہ کی برابر ہو گیا۔ جنوا ایک زبردست سلطنت اور کل اٹلی کا مرکز ضرور ہو جاتا۔ لیکن اس عرصہ میں ترکوں نے اٹلی کا رُخ کیا اور سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا۔ پھر کافہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور اس طریقہ میں بحیرۂ اسود پر جنوا کو نوآبادی کا خاتمہ ہو کر اُس کی تجارت کو بہت صدمہ پہنچا +

مزید برآں خود اہل جنوا میں دونوں فریق یعنی عوام الناس اور اُمرا میں جھگڑا ہو گیا جس سے اُس کی طاقت کو بہت صدمہ پہنچا۔ یہاں تک کہ کمزوری کی حالت میں وہ اپنے ہمسایہ ممالک اسپین اور فرانس کا شکار ہو گیا۔ اور آخر کار نپولین نے اپنی نئی مملکت اٹلی میں جنوا اور وینس دونوں کو شامل کر لیا۔ لیکن وائنہ کی کانگرس کے فیصلہ کے مطابق وینس تو آسٹریہ کے قبضہ میں چلا گیا اور جنوا شاہ سارڈینیہ کے حوالہ کر دیا گیا +

لومبارڈی۔ اسکی نسبت عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ رُوے زمین پر ایک نہائت

زرخیز ملک ہے۔ اُس کے شمال کو کوہستان واقع ہے جو اُسے نہ صرف شمالی سردی ہی سے بچاتا ہے بلکہ اُس کی آبیاری میں بھی مدد دیتا ہے۔ ملک کا یہ حصہ بہت آباد اور شاد ہے۔ اب بھی اُس کے بعض شہر خوب رونق پر ہیں۔ لیکن قرون اوسطی میں ان شہروں میں بھی اُمرا اور عوام الناس میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے پر بہت کچھ بھگڑا رہا +

لومبارڈی کے بہت سے شہر نہائت خوشنما ہیں۔ مگر سب کا بیان طویل ہو گا۔ اسلئے صرف اُسکے پایہ تخت میلان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ شمالی حملہ آوروں نے اُسے تین مرتبہ آگ سے جلایا اور برباد کیا۔ آخر کار فریڈرک باربروسہ نے اُسے مسمار کرا دیا۔ لیکن وہ پھر زور پکڑ گیا۔ اور مشہور ہو گیا۔ اسکا گرجہ دنیا کے نہائت مشہور گرجوں میں سے ہے اسمیں سنگ مرمر کے ۴۴۰۰ بُت ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہر سبزہ کے سمندر میں سے اوپر کو اُٹھ رہا ہے۔ لومبارڈی میں چار مشہور جھیلیں ہیں اور بہت سے دریا۔ مشہور دریا پو اسی حصہ میں ہے جو اُسے سیراب کرتا ہے۔ اُس میں بیش قیمتی پتھروں کی کانیں بھی ہیں +

لومبارڈی کے جنوب میں ٹسکنی (قدیم زمانہ کا اٹرور ئیا) ہے۔ اور اس کا پایہ تخت فلورنس دریائے آرنو پر واقع ہے۔ یہ بھی ایک بڑا شاندار اور دولتمند شہر تھا۔ فلورنس صناعوں کا مسکن ہے۔ یہاں یورپ کے مصوّر اور بت تراش تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں۔ گذشتہ زمانہ میں اٹلی میں جسقدر مشاہیر گذرے ہیں اُن میں سے بہت سے فلورنس ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ اُس کے پل، محل اور عجائب خانے نہائت شاندار ہیں۔ قدیم زمانہ میں وسطی یورپ کے شہروں کی ٹکسال فلورنس ہی تھی۔ وہ اب بھی اٹلی میں روم کے بعد سب سے بڑا شہر ہے۔ اُمرا اور عوام الناس کے جھگڑوں نے بھی اُس کی دولت۔ رونق اور تجارت کو غارت کر دیا +

اٹلی کا سب سے بڑا شہر روم ہے جو یورپ کی عجائبات میں سے ہی اور جسپر یورپ کو بڑا ہی فخر ہے۔ وہ دُنیا میں سب سے مشہور مقام ہے۔ مگر مقام وقوع کے اعتبار سے زیادہ شاندار نہیں ہے۔ اُسکی ابتدائی شوکت اُسکے جنگجو باشندوں کے باعث تھی جنہوں نے جلد تر ساری اٹلی پر قبضہ کر کے اُس زمانہ کی معلومہ دُنیا پر قابو کر لیا۔ قدیم رومی حکومت کو زوال ہونے پر روم مسیحی مذہب کا مرجع۔ منبع اور مرکز بن گیا۔ قدیم روم نے سارے یورپ کو ایک اور طریقہ میں مطیع رکھا۔ وہ

پوپ کا پایۂ تخت ہوگیا۔ وہاں امیر و غریب تک زیارت کو جانے لگے اور سب ہی حسب حیثیت پوپ کو نذر دینے لگے۔ بادشاہ اور خصوصاً گنہگار بادشاہ تو گناہوں کی معافی کے لئے بہت بڑی بڑی رقمیں دیتے تھے۔ روم کے پوپ نے ایک چندہ "پیٹر و پینس" کے نام سے جاری کیا۔ جسے اُسکے تحت پیشوایان دین مختلف ملکوں میں وصول کرتے رہتے تھے۔ بیراہب عورتیں بہت دولتمند جمع کرتی تھیں اور اس دولت کا مالک اُن کی وفات پر پوپ ہوتا تھا +

سینٹ پیٹرس کا مشہور گرجہ سوا ملین پونڈ (ایک ملین پونڈ برابر ہی دس لاکھ روپیہ کے ہے۔ ہندوستانی سکے کی لاگت سے ۲۷ اسال میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اور پوپ کے رہنے کا وہ محل جو "ویٹیکان پیلیس" کے نام سے مشہور ہے۔ جس میں ۴۵۰۰ کمرے ہیں اور جو پاؤ میل مربع اراضی گھیرے ہوئے ہے۔ یہ دونوں عمارتیں روم ہی میں ہیں +

سارڈینیہ کی قدیم سلطنت کا پایۂ تخت ٹورن صوبہ پیڈمونٹ کا ایک شہر ہے۔ ۱۸۶۴ء میں متحدہ اٹلی کا پایہ تخت ٹورن سے فلورنس میں منتقل ہوگیا۔ اور وہاں سے روم میں۔ مگر اُسوقت جبکہ جنرل ایڈورنہ روم میں داخل ہوا تھا جنوبی حصہ سارڈینیہ کا تنگ ہی اسلئے زرخیز نہیں ہی اس میں علاوہ روم کے ایک مشہور شہر نیپلز ہے جو بڑا اور آباد اور بہت خوشنما ہی۔ اُسکے پاس ہی مشرق کو آتش فشاں پہاڑ وسوویس ہی جزیرہ سسلی اور شہر نیپلز میں چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ اول اُمرائے نورمن گوئسکرڈ کی جو نارمن فاتح تھا حکومت رہی۔ پھر فرانس۔ اسپین اور آسٹریہ کی +

روم کے بشپ کا لقب پوپ کس طرح پڑ گیا؟ اور یہ کہ وہ نہ صرف دینی پیشوا ہی مانے جانے لگے۔ بلکہ خود مختار بادشاہ بھی۔ پوپ کو دُنیوی اقتدار یوں حاصل ہوا کہ پپن بادشاہ فرانس نے روس زمانہ کے نواب لونگو بارڈ سے کچھ ملک پوپ کو دلوا دیا۔ پپن کے جانشین شارلیمین نے بھی یہی عطیہ بحال رکھا۔ پھر ٹسکنی کی بیگم متیلڈا نے اپنی وفات پر اپنا ملک پوپ کے لئے چھوڑا۔ پھر قرون وسطی کے ایک پوپ نے فرانس میں دریائے رون کے دہانہ پر شہر اوگنن حاصل کیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد اُن کے ہاتھوں سے نکل گیا +

انقلاب فرانس کے بعد فرانسیسیوں نے اوگنن کو پوپ سے لے لیا۔ اور نیپولین نے اُسی زمانہ کے پوپ کو قید کر لیا۔ جو قید ہی میں فوت ہوگیا۔ اگرچہ نیپولین نے بعد میں روم وغیرہ پر بھی قبضہ کر لیا مگر وائنا کی کانگریس نے پوپ کو یہ ملک واپس دلا دیا۔ یہ ملک پیپل اسٹیٹس یا یوں کہو کہ "ملکیت

تاریخ بابل

بابل میں ایرانیوں اور سلوکس کی عملداری

سنحرب کے عہد حکومت میں بابل والوں کا بُرا حال ہوا تھا۔ مگر خرس کے عہد سلطنت میں یہ بات نہ تھی کیونکہ وہ ذرا نرم دل تھا۔ اور کسی کے رسم و رواج اور مذہب کو نقصان نہیں پہنچاتا تھا اُس نے مندروں کو از سرِ نو تعمیر کرایا اور رعایا کی حفاظت کی۔ اُن کو امن دیا۔ انکو مندروں میں اپنے مذہبی فرائض ادا کرنے اور پرستش کرنے دی۔ اُس نے اپنے اطوار کر یہ بات کر دکھائی کہ وہ بادشاہ نہیں ہے بلکہ ایک رفارمر ہے۔ اُس نے یہودیوں کے ساتھ بڑی فیاضی کی۔ اُن کی سلامتی اور حفاظت میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھی +

خرس کے عہد حکومت میں دانیال نبی کو بڑا عروج ہوا۔ شاہ خرس نے یہودیو کے ساتھ ہمیشہ مہربانی کا سلوک کیا۔ اور چونکہ یہودیوں کے حالات صحیح طور پر بائبل میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے اُس میں شاہ خرس کی اُن مہربانیوں کا بھی ذکر ہے۔ جو بائبل کے صحیفہ ۲۔ سلاطین باب ۲۲ و ۲۳ میں۔ عزرا کی کتاب باب ۱۔ آیت ۱-۴ میں او دانیال کی کتاب باب ۶۔ آیت ۲۸ میں پایا جاتا ہے۔ ان صحائف کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ شاہ خرس نے یہودیوں اور اہل بابل پر کیا کیا عنایات کی تھیں +

خرس نے یہودیوں کی سب سے بڑی عبادت گاہ واقع یروشلم کی مرمت بھی کرائی اور وہ ظروف بھی یہودیوں کو واپس دیدئے جو شاہ بنوکدنضر یروشلم سے لایا تھا۔ یوسیفس لکھتا ہے کہ خرس کا بیٹا کمبیس یہودیوں کے خلاف تھا۔ اسلئے اُس نے ہیکل یعنی یہودی عبادت گاہ واقع یروشلم کی تعمیر روکدی تھی۔ لیکن شاہ دارا نے خرس کے فرمان پر عمل کر کے ہیکل کی تعمیر کا دوبارہ حکم نافذ فرمایا +

شاہ خرس موحد تھا یعنی وحدانیت کا قایل۔ اور چونکہ یہودی صرف ایک ہی خدا کے قایل تھے جسے وہ یہوواہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اس لئے وہ یہودیوں سے خاص

طور پر رعایات اور اُنس کرتا تھا۔ مزید برآں وہ اُن لوگوں سے بھی مہربانی اور رعایت کا
برتاؤ کرتا تھا جو ایک سے زیادہ معبودوں کی پرستش کرتے تھے +

خُرس کی نسبت یہ تو بات پختہ طور پر معلوم ہو چکی ہے کہ وہ فارس کا بادشاہ تھا۔ مگر
دارا کی نسبت معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں کا فرمانروا تھا۔ کیونکہ کتبوں میں اُس کا کہیں ذکر
نہیں ہے۔ اگر اُس نے بابل میں فی الواقع حکومت کی تو صرف چند ماہ۔ اس دارا کی بابت
مؤرخوں میں اختلاف رائے ہے۔ کوئی تو اُسے اسٹیاگس بتاتا ہے۔ جو خُرس کا دادا تھا
کوئی اُسے زیارزسس یعنی خُرس کا باپ بتاتا ہے۔ کوئی اُسے مادہ کا فرمانروا بتاتا ہے اور
کوئی خُرس کا سپہ سالار اور بعض اُسے دارا الملقب بہ ہسٹاسپس بتاتے ہیں +

خُرس نے سنہ ۵۳۰ قبل مسیح میں انتقال کیا اور اُسکی جگہ اُس کا بیٹا کمبیسس
تخت نشین ہوا۔ اہل بابل اُس کی حکومت سے ناخوش تھے اور چاہتے تھے کہ اُس کی
حکومت سرزمین بابل سے اُٹھ جائے۔ مگر اس ناخوشی کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔
کمبیس نے تخت نشین ہوتے ہی مصر پر سنہ ۵۲۵ قبل مسیح میں فوجکشی کی اور اُسے فتح کر لیا
کمبیس نے ایک مجوسی پیشوا یا امیر اکھیس کو بابل کا منتظم قرار دیا اور خود ایران چلا آیا۔ اس
مجوسی کا بھائی بھی دینی پیشوا تھا۔ اُس کا نام گوماٹس تھا۔ کمبیس نے اپنے بھائی بارڈس کو
قتل کر دیا تھا۔ گوماٹس اس بارڈس کا ہم شکل تھا۔ پس اُس کے بھائی نے اُس سے
کہا کہ میں تجھے تخت دیتا ہوں۔ اور لوگوں میں مشتہر کر دیا کہ بابل کا بادشاہ کمبیس نہیں ہے
بلکہ بارڈس۔ یہ خبر سُنتے ہی کمبیس کو شک ہوا کہ بارڈس کے قتل کے لئے جس شخص کو مامور
کیا اُس نے دھوکا دیا۔ مگر غور و فکر کے بعد اصلی راز کی تہ کو پہنچ گیا۔ اُس نے بابل پر
فوجکشی کا ارادہ کیا۔ اور جونہی روانہ ہونے کے لئے گھوڑے پر سوار ہونے لگا۔ تو اسکی
بانگ میں خود اُس کی تلوار سے زخم کاری لگا اور اسی زخم سے وہ مر گیا۔ گوماٹس نے
بابل والوں کے ساتھ نہائت مہربانی کی۔ اُسے دارا نے قتل کیا +

دارا نے بابل پر قبضہ کر لیا۔ مگر کچھ ہی عرصہ بعد ایک شخص نادِنتوبیل نامی نے
بغاوت کی اور کہا کہ میں نابونیدس کا بیٹا نبوکدنضر ہوں۔ دارا نے یہ خبر سُنتے ہی فوجکشی
کی اور باغیوں کو دو معرکوں میں شکست دیکر نادنتوبیل کو گرفتار کر لیا اور قتل کرا دیا۔

دارا نے ایک کتبہ بہستون میں نصب کرایا جس میں گوماتس کی بغاوت کا حال درج ہے +

۱ دارا نے اُن تمام مندروں کو جن کو باغی مجوسوں نے برباد کرا دیا تھا از سرِ نو تعمیر کرایا۔ اور اخیمینس کے خاندان کی حکومت کو بابل میں قائم کیا۔ اُس نے اپنا نسب نامہ بتایا ہے کہ میرا باپ ہسٹاسپس تھا۔ اُس کا باپ ارساس۔ اُس کا باپ اریارامس۔ اریارامس اور خرس دو نو طسپس کے بیٹے تھے جو اخیمینس کا فرزند تھا +

۲ دارا نے کئی اشخاص کو جو اپنے کو کسی مستحق فرمانروا کے نام سے مشہور کر کے بغاوت کرنے والے ہوئے تھے قتل کیا۔ یہ لوگ آرمینیہ۔ فارس۔ سوسہ۔ بابل۔ مادہ وغیرہ کے رہنے والے تھے۔ دارا نے یہودیوں پر بڑی مہربانی کی اور شاہ خرس کے فرمان کو جو ہیکل کی تعمیر کے لئے تھا بحال کیا۔ اور اُن کو وہ چیزیں بھی عطا کیں جن کے عطا کرنے کا ذکر خرس کے فرمان میں تھا۔ ان چیزوں کا بیان عزرا ۶: ۹ و ۱۰ میں موجود ہے +

دارا کے زمانہ میں ذکریاہ اور حجی نبی گذرے ہیں۔ بابل کے کتبوں میں دارا کے عہد کے ۳۵ ویں سال کے واقعات کا ذکر ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اُس نے کامیابی کے ساتھ بہت عرصہ حکومت کی۔ اگرچہ اُس زمانہ میں بابل ایک مشہور شہر تھا۔ لیکن سلطنت فارس میں شامل تھا۔ دارا کا انتقال ۴۸۵ قبل مسیح میں ہوا۔ اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا زرکسس تخت نشین ہوا۔ یہ بھی یہودیوں پر مہربان تھا۔ اُسنے نحمیاہ نبی کو یروشلم کی چاردیواری کی تعمیر کے لئے اجازت دی +

چونکہ اس زمانہ کے حالات کا کوئی کتبہ نہیں پایا جاتا۔ اس لئے ان حالات سے متعلق قدیم زمانہ کے مورخوں کے بیان پر انحصار کرنا مناسب ہے۔ اس زمانہ کے بعد کے کتبوں سے مقدونیہ کے بادشاہ فیلقوس اور اُس کے بیٹے سکندر اعظم کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ سکندر کی وفات پر بابل کا فرمانروا سلوکس بنایا گیا۔ مگر اُسکے حالات ابھی تک کتبوں پر برآمد نہیں ہوئے۔ اس نے ۲۸۰-۲۸۱ قبل مسیح میں انتقال کیا۔ اس کا جانشین اُس کا بیٹا انطیاخس ہوا +

سلوکس نے ساگل اور زیدہ کے مندروں کی مرمت کرائی۔ اور اُن کے لئے اینٹیں ملک ہاتم سے لایا اور ۲۷۰ قبل مسیح میں اُسے مندر بورسپا کی بنیاد ڈالی۔ جسے اُسنے

نینوہ کے نام تہس نہس کر دیا۔ انطیاخس کی بیوی اسٹراٹونائیس کے بطن سے جو بیٹا پیدا ہوا اُس کا نام بھی انطیاخس ہی رکھا گیا۔ انطیاخس نے نینوہ کی پرستش کی اُس نے ۲۸۱ یا ۲۸۰ قبل مسیح سے لیکر ۲۶۱ یا ۲۶۰ قبل مسیح تک حکومت کی۔ ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ انطیاخس نے تھوڑے ہی عرصہ حکومت کی۔ مگر اُس کی حکومت اہم ترین تھی

یونانیوں اور ایرانیوں نے بابل کی قدیم عظمت کو مٹا دیا۔ بابل کی سرزمین صدیوں تک جدال وقتال کا منظر بنی رہی۔ اُس نے بہت سی قوموں کے عروج وزوال کا نظارہ دیکھا۔ ابراہیم کے خالدی سرزمین سے آنے سے صدیوں پیشتر بابل کا وجود تھا۔ جب یوسیفس اور اُس کی فوج مصر میں تھی تو بابل عروج پر تھا۔ ہومر اور شہر روم کی بنیاد پڑنے سے پیشتر بابل موجود اور حکومت کا مرکز تھا +

بابل ہی کے علم الاصنام سے یونانیوں کے علم الاصنام کی ابتدا ہوئی۔ بابل اور مصر کے علوم نے زمانہ مابعد کی اقوام کو علوم وفنون عطا کئے۔ عروج کے زمانہ میں بابل کے لوگ یشعیاہ اور یرمیاہ نبی کی نصیحتوں کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے۔ اقبالمندی کے زمانہ میں اہل بابل عیش پسندی کے غلام تھے +

بابل کی ساری دُنیا میں شہرت تھی۔ لیکن اُس کے لوگوں کے غرور نے اُسکی عظمت کو مٹا دیا۔ اُس کے بادشاہ بنوکدنضر نے یروشلم کی ہیکل کو تباہ کیا۔ اور وہاں کی ساری چیزیں اور لوگوں کو قید کر کے لے آیا۔ لوگوں سے اُس نے اپنے معبودوں کے مندر اور شہرپناہ تعمیر کرائی۔ ہمیں صدوم اور عمورہ کے حالات تو معلوم ہیں۔ مگر اب اُن کے نشانات نہیں ملتے۔ اور اگر بابل کے کتبے دستیاب نہ ہوتے تو اُس کے حالات بھی کسی کو معلوم نہ ہو سکتے +

یرمیہ نبی نے جو پیشین گوئی بابل اور خالدیہ والوں کے اطوار دیکھ کر کی تھی وہ پوری اُتری۔ اور بابل تباہ ہوا۔ اُس کے لوگ بھی تباہ ہوئے۔ یہ پیشین گوئی تاریخوں میں تو کہیں ملتی نہیں۔ البتہ بائبل میں ضرور پائی جاتی ہے۔ جو اصحاب اُسے دیکھنا چاہیں وہ یرمیاہ ۵۱ باب آیات ۳۷ و ۴۳ و ۴۴ و ۴۹ و ۵۸۔ اور یشعیاہ باب ۱۳ کی آیات ۱۹-۲۲ کا ملاحظہ کریں +

"گُل شگفتہ"

(از بخشی ہری رام ہزاروی۔ تربیلہ تحصیل ہری پور ضلع ہزارہ)

میں کیا ہوں؟ ایک شگفتہ گل پھولوں کا ننھا سا بچہ باغ کی رونق۔ بلبل کا پیارہ باغباں کی آنکھوں کا تارا۔ سبزے کی شادابی میں ابھی پیدا ہوا۔ گہری نیند سے بیدار ہُوا۔ علی الصباح گجر دم جبکہ ابھی تاروں کی چھاؤں تھی کھیتوں میں کسان جاگے۔ جنگل کے رہنے والے بدست جاگے۔ دریا کے کنارے مچھوے جاگے۔ سیر گلشن کے گلگشت کرنے والے جوان جاگے۔ سراؤں میں سفر کرنے والے مسافر جاگے۔ دوکانوں میں دوکاندار جاگے۔ پرند۔ چرند۔ درندے جاگے۔ سب جاگے اور ساتھ ہی میں بھی جاگا۔ الغرض یہ کہ میں نے سبز نقاب سے سر نکالا۔ نیچر نے مجھے ہری ہری پتیوں میں ڈھانپ دیا۔ کانٹے میری حفاظت کے لئے بنا دئے۔ بھینی بھینی۔ سہاؤنی سرسراتی ہوئی ہوا مجھے تھپکنے لگی میں پیدا ہوتے ہی کِھل کِھلا کر ہنسنے لگا۔ میرے پڑوسی میری سرسبز پتیوں۔ سُرخ سُرخ کلیوں اور شوخ رنگ پر فریفتہ ہو گئے اور مجھے لپک لپک کر چُومنے لگے۔ چھاتی سے لگانے لگے۔ پیار کرنے لگے اور خوش طبعی دکھانے لگے۔ کچھ وہ بڑھے اور کچھ میں بڑھا۔ اُنھوں نے بوسہ دینے کے لئے منہ کھولا۔ میں نے شرما کر اپنا سر نیچا کیا اور اُن کی جھولی میں ڈال دیا۔ میں بچپن کے نشے میں مخمور تھا۔ میری گلابی رنگت۔ میری البیلی باتیں میری دلکش ادائیں۔ میرے کرشمے۔ میرے غمزے۔ میری گھاتیں سب کو بھاتی تھیں۔ میرا حسن۔ میری جوانی۔ میرے ناز و انداز پر سب لٹو تھے۔ مجھے پیدا ہوئے ابھی گھنٹہ ہی گذرا ہوگا کہ رات کے جھلملاتے ہوئے ستارے چھپ گئے۔ پو پھٹی اور سورج دیوتا کی آمد آمد کی صدا بلند ہوئی۔ نور کے قدم آئے اور ظلمت کافور ہو گئی اور نسیم سحر چلنے لگی۔ وہ بار بار میری طرف جھکتی تھی۔ مجھے چھاتی سے لگاتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے پرند راگنیاں گانے لگے اور میرا دل بہلانے لگے۔ اتنے میں سورج نکل آیا۔ اس کی پہلی ہی کرن مجھ پر پڑی تھی کہ مجھ میں ایک تبدیلی واقع ہو گئی۔ معلوم نہیں اس میں کیا اثر

تھا۔ میں چمکا۔ ذرا پھیل گیا۔ میں پھڑک گیا اور شگفتہ ہو گیا۔ اُس وقت میں جوانی کے نشے میں چُور اور جوبن کی ترنگ میں مخمور تھا میں معذور تھا۔ اپنی جوانی۔ اپنے جوبن اپنی خوب صورتی اور اپنی اداؤں پر نازاں تھا۔ گویا خود اپنا شیدا اور اپنی ذات پر فریفتہ تھا۔ ادھر گلوں کا یہ حال تھا کہ مجھ سے پل بھر بھی جُدا نہ ہوتے تھے۔ مجھے جبراً آغوش محبت میں گھسیٹتے تھے۔ ایک میں تھا اور سینکڑوں میرے ہوا خواہ۔ ہزاروں میرے فدائی۔ لاکھوں میرے ناز بردار۔ میں نہائت ہی تنگ ہوا۔ لیکن جی میں خوش تھا اپنی اتنی عزت دیکھ کر جامے میں پھُولا نہ سماتا تھا۔ ہر وقت یہی گھمنڈ رہتا تھا کہ مجھ جیسا کوئی نہیں اور واقعی میری گلابی رنگت اور سبز مخملی لباس سے کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں ابھی جوانی کے نشے میں سرشار ہی تھا کہ ایک سخت ہوا کا جھونکا چلا جھونکا تھا کہ آگ کا شعلہ۔ اس نے میرے جوبن کو جھُلسا دیا۔ میری جوانی کو خاک میں ملا دیا۔ میرا حسن کافور ہو گیا۔ میں اب صد سالہ بوڑھا تھا۔ میری کمر جھُک گئی۔ اب یہی جی چاہتا تھا کہ زمین پر لیٹ جاؤں اور آرام پاؤں لیکن ہائے اتنی طاقت کہاں تھی کہ ایک جست بھرتا اور سبز بستر پر جا لیٹتا۔ ایک وہ بھی دن تھا کہ میری طاقت۔ میری ہمت۔ میرے جوبن کی ترنگ کا کوئی اندازہ بھی نہ تھا۔ اور ایک یہ وقت ہے کہ سرک بھی نہیں سکتا۔ اس وقت میری آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں اور میں اپنی گذشتہ عمر کو کلفت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ صبح کی تجلیاں شفق کی جھلکیاں۔ پرندوں کا گانا۔ بلبل کا چہچہانا۔ فاختہ کا لوریاں سنانا۔ بادِ سحری کا تھپکیاں دے دے کر سُلانا۔ یہ تمام نظارہ میرے پیشِ نظر تھا لیکن سوائے رونے اور چلانے کے اور کیا ہو سکتا تھا۔ اب میں جس پر نگاہ ڈالتا تھا وہی بیگانا تھا۔ وہی دلفروش گل۔ جنکی گودیوں میں مَیں پلا تھا۔ اور ہر دم میری مزاج دانی کرتے اب مجھے نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ سورج خوب چمک رہا تھا۔ گرمی سے سارا جہان خاموش تھا۔ ہوا خاموش۔ پرند خاموش۔ چرند خاموش۔ انسان خاموش۔ حیوان خاموش۔ صرف میں بدبخت بسترِ مرگ پر کراہ رہا تھا۔ گرمی لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جاتی تھی۔ غضب کی دھوپ تھی۔ ہر چیز گرم تھی۔ ہوا گرم۔ زمین گرم۔ آسمان گرم غرضیکہ سب کچھ گرم ہی گرم تھا۔ ایک میرا جسم موت کے خوف سے سرد تھا۔ خویش و اقارب

کی جدائی ستاتی تھی۔ یہی خیال تھا کہ اب جان نکلی۔ اب جان نکلی۔ اتنے میں ایک آدمی کا اُدھر گذر ہوا۔ آدمی کیا تھا موت شکل انسانی اختیار کر کے آئی تھی۔ وہ میری طرف جھپٹا۔ کسی نے کہا کہ " اونگھتے کو ٹھیلنے کا بہانہ "۔ مجھ میں باقی ہی کیا تھا۔ ہاتھ پڑتے ہی میں فنا ہو گیا۔ میں ہری ہری ٹہنیوں پر جو کہ میرا آرام دہ مسکن تھا حسرت بھری نگاہیں ڈالتا تھا۔ سبز سبز لہلہاتی ہوئی گھاس اور زمزمہ سنج طیور سے یہی کہتا تھا۔ ؎

اب تو جاتے ہیں میکدہ سے میر   پھر ملینگے اگر خدا لایا

مجھے اس جانکنی حالت میں پُرانی رفیق بلبل یاد آئی۔ اس نے مجھے دیکھا۔ وہ میری طرف جھپٹی۔ میں اُس کی طرف جھپٹا۔ بقول شخصیکہ " کچھ اُس نے ابتدا کی کچھ میں نے ابتدا کی "۔ دونوں کے سینے مل گئے۔ اُس نے مجھے چھاتی سے لگا لیا اور میں اُسکی چھاتی سے لپٹ گیا۔ مجھے روتے اور چلاتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگی۔ اے غمناک گل روتا کیوں ہے۔ جاے غم نیست۔ خوش ہو کہ تیری زندگی رفاہ عام کے کام آئی اور بعد مرگ بھی کام آئیگی۔ اُس نے کہا دیکھ بچپن میں تیری بھینی بھینی خوشبو سے لوگوں کے دماغ معطر ہوئے۔ جوانی میں تیری دلکش رنگت پر سب فریفتہ تھے۔ تیری نئی نئی پنکھڑیاں سب کو بھاتی تھیں۔ پھر تجھ جیسا خوش نصیب کون ہے؟ میں نے خوشی سے سر ہلایا۔ میرے دوست کے ان جادو بھرے الفاظ نے میرے غم کا قلع قمع کر دیا۔ اور میں نے خوشی خوشی جان دیدی۔ میری پنکھڑیاں بکھر گئیں اور میں جھومتا جھامتا فرش پر لیٹ گیا۔ ہوا کی ایک لہر آئی اور میں بالکل سوکھ گیا۔ دوسری لہر آئی اور میں اپنے وطن کی خاک میں مل گیا۔ میں ہنستا ہوا ہی پیدا ہوا اور ہنستا ہوا ہی مرا۔ کیونکہ میں ہر وقت بھلائی ہی کرتا رہا اور یہی باعث میری بشاشت کا تھا۔

آؤ۔ ناظرین۔ ذرا دیکھیں اس گل کی کہانی کے پردے میں کیا کچھ نہاں ہے۔ ہمیں شگفتہ گل کا حال پڑھ کر اپنی زندگی کا خیال آ گیا۔ دراصل ہماری زندگی بھی شگفتہ گل کی زندگی کے عین مشابہ ہے۔ ہم بھی گل کی طرح پیدا ہوتے ہیں۔ اس گل کی طرح بے مہر زمانہ کی گود میں کھیلتے ہیں۔ وقت پر جوان ہوتے

ہیں پھر بوڑھے ہو جاتے ہیں اور آخر کار ایک دن ہمارا جسم نازنین مشت خاک ہو جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ ہماری زندگی شگفتہ گل کی طرح بشاش نہیں ہوتی۔ اور اس میں صرف ہمارا ہی قصور ہے۔ ہم اپنی نادانی اور کج فہمی سے اپنی زندگی کو خوار کر رہے ہیں۔ اگر ہم نیکی کریں۔ نیکیوں کا بیج بوئیں۔ بچپن سے لیکر آخری لمحہ تک کسی کا دل نہ دکھائیں۔ اس چند روزہ زندگی میں بد افعال سے بچیں تو ہم بھی خوشی خوشی سے زندگی بسر کر سکتے ہیں اور مرتے وقت ہماری رُوح شانتی سے ہمارے جسم سے پرواز کر جائے۔ پس پھر ہم میں او شگفتہ گل میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ واقعی وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے جس کی زندگی شگفتہ گل کی زندگی کی طرح بسر ہوتی ہے ﴿

ضمیر کی ہدایت پر چلو۔ جب کبھی ہم کوئی غلط یا ناپاک کام کرنے لگتے ہیں۔ تو ہمارا ضمیر ہمیں خبردار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسا نہ کرو۔ جب ہم بُرا کام کرتے ہیں تو یہ ہمارے ساتھ جھگڑتا ہے ردّ و بدل کرتا ہے اور جب ہم بُرا کام کر چکتے ہیں تو ہمیں لعنت ملامت کرتا ہے۔ اور ہم غمگین اور اُداس ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر ہم ایسے ضدی ہو جائیں کہ اُس کی آواز کی پرواہ کریں ہی نہیں تو پھر یہ بیچارا بہت کمزور ہو جاتا ہے اور اس کی آواز دھیمی ہو جاتی ہے۔ اگر ہم اس کی آواز سُنیں تو ہم میں بُرائی سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت آ جاتی ہے۔ آج اگر ایک بُرائی سے مشکل سے بچے ہیں تو کچھ عرصے کے بعد وہ بُرائی بہت کمزور ہو جاتی ہے یا یوں کہو کہ ہماری طاقت بڑھ جاتی ہے اور جہاں پہلے بُرائی کرنا آسان اور بھلائی کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا اب برائی کرنا مشکل اور نیکی کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ جو شخص اپنے ضمیر کے مطابق کام کرتے ہیں وہ بہت خوش رہتے ہیں ﴿

دربارِ سنجر کا ایک اَور انمول رتن

یعنی

زبانِ فارسی کا ایک نہایت زبردست اور مسلّم الثبوت شاعر اور مصنّف

(از حضرت ساغر اکبر آبادی - ایڈیٹوریل اسسٹنٹ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی انارکلی - لاہور)

ترقّی بابت مئی سنہ ۱۹۰۸ء میں "منشی احمد خان صاحب کیفی - بی - اے - محمڈن کالج علیگڑھ" نے فارسی زبان کے مشہور شاعر انوری کے حالات - قابلیت اور تصانیف پر ایک نہایت عمدہ مضمون لکھکر یہ استدعا کی تھی کہ اردو کے زباندان اور اہل زبان اردو اور فارسی زبان کے باکمال شاعروں مصنّفوں اور اُن کی تصانیف سے متعلق اور اردو رسالوں میں مختصر مگر جامع مضامین کا جن میں واقعات کی صحت کا تاریخی ثبوت بھی دیا جائے سلسلہ شروع کریں - اسی طرح بھاشا کے جاننے والے اصحاب بھاشا کے شاعروں مصنفوں - اور تصانیف پر قابل قدر مضامین کا سلسلہ شروع کریں +

اس میں کچھ شک نہیں کہ منشی صاحب موصوف کی تجویز نہایت مفید اور معقول ہے اور اگر اس پر اہل قلم توجہ فرمائیں تو تھوڑے ہی عرصہ میں اردو - فارسی اور بھاشا کے باکمال لوگوں سے متعلق ایک قابل قدر علمی سرمایہ جمع ہو جائے - جب ہم اہل یورپ کی کوششوں کو دیکھتے ہیں تو بڑی ہی حیرت ہوتی ہے - ایک ایک باکمال شاعر - مصنّف - فلسفی - سائنس - سپہ سالار - محقق - موجد - مصلح - محبّ ملک - بت تراش - مفتی وغیرہ وغیرہ کی زندگی کے حالات پر متعدد سوانح عمریاں اور اُن کے کلام - تصانیف - ایجادوں کارناموں اور صناعی پر متعدد کتابیں پائی جاتی ہیں - اُن کے نام پر کلب - انجمن - کتبخانہ - عجائب خانہ - مدرسہ - کالج وغیرہ کھولے جاتے ہیں - اُن کے بُت بنا کر عجائب خانوں میں رکھے جاتے ہیں - یہ ساری باتیں محض اس لئے کی جاتی ہیں کہ آئندہ نسلیں اُنکی زندگی کے حالات اور کوششوں سے متاثر ہو کر اُن کے نقش قدم پر چل سکیں اور اپنے ملک کو کسی نہ کسی طرح سے نفع پہنچا سکیں - لیکن افسوس کہ مشرقی ممالک میں ان باتوں

کا قحط ہے۔ اول تو مشرق کے باکمالوں کے حالات اور تصانیف وغیرہ پر کچھ لکھا ہی نہیں گیا۔ اور اگر کچھ لکھا بھی گیا ہے تو تاریخی حیثیت سے اُس کا عدم و وجود برابر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی مفید باتیں جو مشرق کے باکمالوں سے ظہور میں آئیں معدوم ہوگئیں اور رہی سہی اب معدوم ہونے کو ہیں +

منشی صاحب موصوف نے انوری سے متعلق مضمون لکھا تھا۔ آج میں انوری کے ایک ہمعصر اور دربار سنجر کے ایک اور انمول رتن حضرت نظامی گنجوی کے حالات اور تصانیف وغیرہ پر ذیل کا مضمون اہل ملک اور خاص کر اردو دان اصحاب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ میں بیس سالہ لٹریری تجربہ کی بنا پر جرأت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اُردو یا فارسی کے شعرا سے متعلق جب کبھی کچھ کسی اخبار یا رسالہ میں لکھا گیا ہے تو اس سے زیادہ نہیں کہ دو شاعروں کے کچھ کچھ کلام کے موازنہ اور مقابلہ کرکے ایک کو بڑھا دیا گیا ہے۔ لیکن اُن کی تصانیف اور کلام کی خوبی پر قلم نہیں اُٹھایا گیا۔ اور نہ اُن کی تاریخی حالات پر کچھ خامہ فرسائی کی گئی +

نظامی گنجوی

شاہ سنجر کے عہد کا ایک نہایت زبردست اور مسلّم الثبوت شاعر نظامی گنجوی تھا اُس کی مثنویاں بڑی اعلےٰ درجہ کی ہیں۔ اور انہی کے باعث وہ ٹرکی اور ایران میں مشہور اور اب تک ہر دلعزیز ہے۔ ڈاکٹر ولیم باخر نے ۱۸۷۱ء میں لپزک کے مقام پر نظامی کے حالات اور کلام جرمن زبان میں شائع کئے تھے۔ نظامی سے متعلق یہ ایک نہایت مستند اور صحیح تصنیف مانی جاتی ہے۔ ڈاکٹر باخر نے دولت شاہ اور دیگر سوانح نویسوں کی مانند فضول باتیں درج نہیں کی ہیں اور نہ غیر معتبر باتیں +

نظامی کی وفات سے متعلق جو تاریخیں فارسی زبان کے مؤرخوں نے بیان کی ہیں اُن میں اختلاف ہے۔ مثلاً دولت شاہ نے تاریخ وفات ۵۷۶ھ قرار دی ہے۔ اور حاجی خلیفہ نے ۵۹۶ھ اور ۵۹۹ھ کے درمیان۔ مگر باخر نے بڑی تحقیقات کے ساتھ تاریخ وفات ۵۹۹ھ قرار دی ہے۔ مزید براں اُس نے نظامی کی زندگی سے متعلق

تاریخیں بھی درج کی ہیں +

نظامی گنجوی سنہ ۵۳۵ھ مطابق سنہ ۱۱۴۰-۱۱۴۱ء گنجہ کے مقام پیدا ہوا۔ اُس کا نام الیاس تھا۔ اور کنیت ابو محمد۔ اور لقب نظام الدین۔ اسی لقب پر اُس نے تخلص نظامی رکھا۔ اس کے باپ کا نام یوسف ابن ذکی موئد تھا۔ جب نظامی بچہ ہی تھا تو اُس کا باپ فوت ہوگیا۔ اُس کی ماں جو کُردی نسل سے تھی وہ بھی خاوند کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد فوت ہوگئی۔ پس نظامی کی پرورش اُس کے ماموں نے کی۔ اُس کا ایک بھائی تھا۔ یہ بھی شاعر تھا۔ اور اُس نے ایک مشہور قصیدہ لکھا تھا۔ جس میں شاعری کے جملہ ارکان اور صنائع بدائع استعمال کئے تھے۔ اس کے اشعار کا مجموعہ جو ۶۲۶۴ ہے وہ آجکل عجائب خانہ لندن میں پایا جاتا ہے۔ وہ ایک اعلےٰ پایہ کا شاعر ہوا ہے +

نظامی کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس نے تین شادیاں کیں۔ اور اُس کے ایک بیٹا محمد نامی تھا۔ جو سنہ ۵۷۰ھ میں پیدا ہوا۔ اور جب سنہ ۵۸۴ھ میں نظامی نے مثنوی لیلےٰ مجنوں ختم کی تو اُس کی عمر ۱۴ سال کی تھی۔ بقول دولت شاہ نظامی شیخ بوفرج ساکن زنجان کا مرید تھا +

بمشکل تمام نظامی کی زندگی کے صرف اتنے ہی حالات دستیاب ہو سکے ہیں۔ جتنے کہ اوپر بیان ہو چکے۔ باقی تاریخوار حالات اُس کی تصانیف سے متعلق ہیں جو یہ ہیں کہ اُس نے اوّل پانچ مثنویوں میں سے جو خمسہ یا پنج گنج کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔ سب سے اوّل سنہ ۵۶۰ھ میں مخزن اسرار لکھی تھی۔ سنہ ۵۷۱ھ میں اُس نے دوسری مثنوی خسرو وشیریں لکھی۔ سنہ ۵۸۴ھ میں تیسری مثنوی لیلےٰ ومجنوں۔ سنہ ۵۸۷ھ میں چوتھی مثنوی سکندر نامہ اور سنہ ۵۹۳ھ میں پانچویں مثنوی ہفت پیکر۔ اس کے بعد اُس نے اپنی وفات تک جو سنہ ۵۹۹ھ میں ۶۳ سال ۸ ماہ کی عمر میں واقع ہوئی اور کوئی تصنیف نہیں کی +

واقعات زندگی سے قطع نظر کر کے نظامی کی نسبت یہ امر مسلّم ہے کہ وہ مقاصد شاعری سے متعلق ایک بڑے اعلےٰ پایہ کا شاعر تھا۔ لیکن وہ مدح گو شاعر نہ تھا۔ اور اسی لئے وہ شاہی دربار کی حاضری سے آنکھ چُراتا تھا اور کسی فرمانروا کی تعریف نہیں کرنا چاہتا تھا۔

البتہ اُس نے اپنی نظموں کو اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق فرمانرواؤں کے نام نہاد ضرور کیا۔ چنانچہ مثنوی مخزن اسرار کو اُس نے الدگز اتابک والئے آذربائجان کے نام پر معنون کیا۔ اور مثنوی خسرو شیریں کو اُس کے بیٹوں اور جانشینوں یعنی محمد اور قزل ارسلان کے نام پر۔ قزل ارسلان نے اس مثنوی کے صلہ میں اُسے موضع حمدونیہ عطا کیا۔ اس نظم کو نظامی نے فارس کے سلجوقی حکمران تغرال بن ارسلان کے نام پر بھی معنون کیا۔ مثنوی لیلیٰ و مجنون اخستان منوچہر شاہ شروان کے نام پر معنون کیا۔ یہ بادشاہ خاقانی شاعر کا بھی مربی تھا۔ سکندر نامہ کو فرمانروائے موصل شاہ عزالدین مسعود اول کے نام پر۔ اور پھر نظر ثانی کر کے اسی مثنوی کو نظامی نے آذربائجان کے فرمانروا نصرت الدین ابو بکر بشکن کے نام پر جو قزل ارسلان کا جانشین تھا معنون کیا۔ یہ ۵۹۹ھ کا واقعہ ہے۔ نصرت الدین کے نام پر اُس نے مثنوی ہفت پیکر کو معنون کیا۔

اگرچہ مورخوں کی یہ رائے ہے کہ علاوہ خمسہ کے نظامی کا اور کلام بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ دولت شاہ لکھتا ہے کہ نظامی کے قصاید اور چھوٹی نظمیں جو بربط پر گائی جاتی ہیں جن کو فارسی زبان کی اصطلاح میں اشعار سرودی کہتے ہیں کوئی ۲۰ ہزار بیت کے قریب ہیں۔ آخر صاحب نے بھی اپنے تذکرہ میں نظامی کا ایک شعر درج کیا ہے اور اُس کی نسبت یہ رائے قائم کی ہے کہ جب نظامی نے اپنی مثنوی لیلیٰ مجنوں لکھی تھی تو اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا۔ آفوی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ میں نے نیشاپور میں نظامی کے چند اشعار ایک فاضل کی زبان سے سُنے تھے۔ آفوی نے نظامی کی تین غزلیں پانچ پانچ اشعار کی اپنے ہاں درج بھی کی ہیں۔ جن میں آخری غزل میں نظامی اپنے بیٹے کی وفات پر اظہار افسوس گویا ماتم کرتا ہے۔ دولت شاہ نے نظامی کی ایک غزل آٹھ اشعار کی درج کی ہے جس کا آخری شعر مقطع ہے اور جس میں نظامی کا تخلص بھی درج ہے۔ لیکن اس امر کا کوئی تاریخی اور معقول ثبوت نہیں ملتا کہ نظامی نے علاوہ پنج گنج کے کچھ اور کلام بھی چھوڑا تھا۔ گو نظامی کے تخلص والے اشعار پائے جاتے ہیں۔ لیکن وہ اُس کے اُن ہمعصر شاعروں کے ہو سکتے ہیں جن کا تخلص نظامی تھا۔ ان بنا پر یہ کہنا درست ہوگا کہ سوائے پنج گنج کے نظامی نے اور اشعار تصنیف

نہیں سکے اور اگر کئے بھی تو معدودے چند۔ اگر یہ درست ہو کہ نظامی نے ایک دیوان بھی چھوڑا۔ تو ساتھ ہی یہ بھی صحیح ہے کہ یہ دیوان اب معدوم ہے +

شاعرانہ قابلیت۔ نظامی کی طبیعت مضمون خیز تھی وہ بلا کا مضمون آفرین تھا۔ نہایت پُرگو تھا۔ ایسے اشعار لکھتا تھا جن کی مثال کمتر ملتی ہے اور بڑا ذہین تھا۔ وہ بڑی فکر رسا رکھتا تھا۔ ان باتوں کا اعتراف فارسی زبان کے سارے مصنفوں نے کیا ہے۔ اُس کے سوانح نویسوں یعنی آفوی۔ قزوینی۔ دولت شاہ اور لطف علی بیگ۔ اور شعرا میں سعدی۔ حافظ۔ جامی۔ اور عصمت اُس کی مذکورۂ بالا اوصاف کے قایل ہیں ∴

خصلت۔ اگر فن شعر میں نظامی کے ایک دو مد مقابل ہو سکتے ہیں تو خصلت میں تو شاذ و نادر ہی ہو سکتے ہیں۔ وہ بالطبع پرہیزگار تھا۔ مذہبی معاملات میں وہ اتنا سرگرم نہ تھا کہ سرگرمی دیوانگی کی حد تک پہنچ جائے۔ نہ وہ متعصب تھا۔ آزاد مزاج۔ خود مختار طبیعت اور خودداری رکھنے والا انسان تھا۔ حلیم الطبع۔ مگر تکلف اور ظاہرداری سے بری۔ بیوی اور بچوں کے ساتھ بڑی محبت رکھتا تھا اگرچہ فارسی زبان کے زیادہ تر شاعر میخوار تھے لیکن نظامی کے لب شراب کی لذت سے بالکل ناآشنا تھے۔ اس کا ذکر اُس نے سکندر نامہ میں قسمیہ کیا ہے۔ نظامی کی خصلت کی مختصر مگر سچی تعریف یہ ہے کہ "جن فارسی شعرا کے چال وچلن کی بڑی تحقیقات کی گئی ہے اُن میں نظامی کی خصلت بالکل بیداغ تھی۔ اور وہ بے نظیر شاعر تھا"∴

اب ہم نظامی کی پانچوں مثنویوں کی نسبت مختصر ریمارک کرتے ہیں۔ ان مثنویوں کے متعدد اڈیشن اس وقت مل سکتے ہیں۔ لیکن سب سے بہتر وہ اڈیشن ہے جو طہران میں ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوا تھا۔ اُس کا حجم کوئی ۶۰۰ صفحے ہے اور ہر صفحہ میں کوئی پچاس بیت ہیں +

مخزن اسرار:۔ یہہ سب سے چھوٹی اور سب سے پہلی مثنوی ہے اور باقی چار مثنویوں سے بالکل نہیں ملتی۔ اُس میں کسی قصّہ کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ وہ سنائی کی مثنوی حدیقہ اور مولانا روم کی مثنوی کی مانند ہے۔ اور جیسا کہ اُسکے نام سے ظاہر ہے اُس

میں رموز یا اسرار ہی بیان کئے گئے ہیں۔ اُس میں ایک تمہید۔ چند مناجات اور ۲۰ مقالے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک میں دینیات یا اخلاق سے متعلق کسی بات پر بحث کی گئی ہے۔ مگر اول مجمل طور پر پھر مفصل طور پر حکایت کے پیرایہ میں۔ ایک حکایت کا حاصل یہ ہے کہ کس طرح ایک دلیر وزیر نے اپنے ساسانی بادشاہ کو اُس کی بے انصافی۔ ظلم اور رعایا کی بہبودی کی طرف سے غفلت اختیار کرنے پر خوب چشم نمائی کی۔ یہ حکایت نوشیروان عادل سے متعلق ہے اور یوں ہے کہ "ایک دن نوشیرواں شکار میں گیا اُسکا سبک رفتار گھوڑا اُسے شکاری جماعت سے دور لے پہنچا۔ صرف وزیر اُس کے ساتھ لگا چلا گیا۔ دونوں ایک ویران گاؤں پر پہنچ گئے۔ دو اُلو آپس میں گفتگو کر رہے تھے اُن کی ناگوار چیخیں سُنکر نوشیروان نے وزیر سے دریافت کیا کہ یہ کیا گفتگو ہے۔ اُس نے کہا کہ ولی نعمت یہ دونوں سمدھی ہیں۔ بیٹی والا بیٹے والے سے کہہ رہا ہے کہ مجھے یہ ویران گاؤں اور کچھ اور ویران گاؤں دے دے۔ بیٹے والا کہتا ہے کہ اچھا۔ اگر ہمارا منصف بادشاہ سلامت ہے تو میں تجھے ایک لاکھ ویران گاؤں دیدونگا۔" روایت ہے کہ نوشیرواں کے دل پر اس واقعہ نے بڑا اثر کیا۔ اور اُس نے ظلم و جبر سے جو کچھ بھی وہ کرتا تھا ہاتھ اُٹھا لیا اور پھر ایسے انصاف اور رعایا پروری کے ساتھ حکومت کی کہ "عادل" کے نام سے یاد کیا جائیگا +

خسرو و شیریں۔ اس مثنوی میں نظامی نے طرز سخن وغیرہ سے متعلق ثنائی کی تقلید نہیں کی۔ بلکہ فردوسی کی۔ خسرو اور شیریں کا قصہ سب لوگوں کو معلوم ہی ہے۔ وہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ساسانی خاندان کے بادشاہ خسرو پرویز سرآمد حسیناں شیریں پر فریفتہ تھا۔ ایک شخص فرہاد بھی شیریں کا دلدادہ تھا۔ فرہاد پر یہ قید لگائی گئی تھی کہ وہ کوہ بہستوں کو کاٹ کر اُس میں سے ایک نہر فلاں دریا سے شیریں پانی کی لائے۔ اگر وہ ایسا کریگا تو شیریں اُسے مل جائیگی کہتے ہیں کہ وہ اِس کام میں مصروف تھا۔ اور وہ پہاڑ کو اس قدر کاٹ چکا تھا کہ چند ہی دن کے بعد نہر لے آتا اور شیریں کو حاصل کر لیتا۔ اس خوف سے اُسے ایک چال کے ساتھ ہلاک کرا دیا گیا کہ اُس کے پاس یہ خبر پہنچائی گئی کہ شیریں فوت ہو گئی۔ چونکہ وہ شیریں کا عاشق زار تھا۔ اُسنے

منحوس خبر کے سُنتے ہی اپنے سر میں تیشہ مارا اور مر گیا +

یہ مثنوی ایک قصّہ ہے۔ نہ کہ رزمیہ نظم۔ اور بحر ہجاج میں لکھی گئی ہے۔ ظہرا ن کی چھپی ہوئی اس مثنوی میں کوئی ۷ ہزار اشعار ہیں۔ نظامی نے اس مثنوی میں درد کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ جسے پڑھنے والا آبدیدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا +

لیلےٰ و مجنوں۔ اگرچہ فارسی زبان کے فسانوں میں شیریں فرہاد بہت مشہور ہے۔ لیکن لیلےٰ و مجنون کا افسانہ جو دراصل سرزمین عرب سے متعلق ہے۔ سب سے زیادہ مشہور اور درد انگیز ہے۔ نظامی نے اپنی خداداد قابلیت سے اُسے قبول عام کا لباس پہنا دیا۔ مشرقی فسانوں میں یہ فسانہ نہ صرف ایران و ٹرکی۔ وسط ایشیا وغیرہ میں زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ بلکہ سرزمین ہند میں بھی۔ یہاں تک کہ ضرب المثل ہو گیا ہے +

اس فسانہ کے ہیرو قیس کی نسبت بعض لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ اس نام اور اس کام کا کوئی آدمی ہوا ہی نہیں۔ بلکہ سارا قصّہ فرضی ہے۔ لیکن نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ قصّہ سچا ہے۔ اس کا ہیرو قبیلہ عامر کا ایک شخص قیس عامری تھا۔ اور اپنی قوم کی ایک عورت سے جو کسی دوسرے قبیلہ میں سے تھی اور جس کا نام لیلےٰ تھا عشق رکھتا تھا۔ اگرچہ دونوں کا وصل نہ ہو سکا۔ اور لیلےٰ کے باپ نے لیلےٰ کو کسی اَور شخص کے ساتھ بیاہ دیا۔ لیکن قیس کی محبّت میں کوئی فرق نہ آیا۔ بلکہ تا دم زیست لیلےٰ کا نام اُس کے ورد زبان رہا ہے۔ وہ لیلےٰ کے عشق میں خود رفتہ ہو گیا۔ اور انسانوں سے علیٰحدہ ہو کر ویرانوں میں رہنے لگا۔ اور آخر کار فوت ہو گیا۔ اس مضمون میں اس قدر گنجائش نہیں ہے کہ لیلےٰ و مجنوں کے حالات درج کئے جائیں اگرچہ وہ بیحد دلچسپ ہیں۔ لیکن بخوف طوالت قلم انداز کئے گئے +

مجنوں کی وفات سنہ ھ کے قریب واقع ہوئی تھی۔ لیلےٰ و مجنوں کے فسانہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اُس میں ہیرو اور ہیروین امیروں کے بیٹا بیٹی نہ تھے۔ بلکہ غریبوں کے۔ ورنہ اور جتنے افسانے مشرق میں پائے جاتے ہیں اُن میں یہ بات نہیں۔ کیونکہ اُن میں کم از کم دونوں میں سے ایک تو ضرور امیر خاندان کا رُکن

بتایا جاتا ہے۔ مثنوی لیلےٰ و مجنوں مطبوعہ طہران میں کوئی ۴ ہزار اشعار ہیں +

ہفت پیکر۔ اس مثنوی کا دوسرا نام بہرام نامہ ہے۔ اس لئے کہ وہ ساسانی خاندان کے بادشاہ بہرام گور سے متعلق ہے۔ اس میں بہت سی داستان در داستان ہیں جو اُس کے راتوں کو گشت لگانے اور شکار سے متعلق رکھتے ہیں۔ اور تاریخی واقعات پر مبنی ہے۔ اور جن کو طبری نے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے +

ہفت پیکر کے معنی ہیں "سات تصاویر"۔ ان کا قصّہ یوں ہے کہ بہرام نے اپنے ایک قلعہ خوارنق کے ایک کمرے میں سات تصاویر دیکھیں۔ یہ سات نہائت خوبصورت شاہزادیوں یعنی والئے ہندوستان۔ خاقان چین۔ شاہ خوارزم۔ شاہ اسلاو۔ شاہ فارس۔ شاہ روم اور شاہ مغرب (نہ معلوم اس سے کونسا ملک مراد ہے) کی بیٹیوں کی تصویریں تھیں۔ بہرام ان ساتوں پر عاشق ہو گیا۔ اور اپنے باپ یزدگرد کی وفات پر تخت نشین ہو کر اُس نے ان ساتوں فرمانرواؤں سے اُن کی بیٹیوں کے ساتھ شادی کرنے کے لئے درخواست کی۔ اور شادی کر کے اُن کو سات محلوں میں رکھا۔ اور ہر رات اُن میں سے ایک کے محل میں بسر کرتا تھا۔ ہر ملکہ اُسے رات کو ایک دلچسپ کہانی سُناتی تھی۔ جو الف لیلےٰ کی کہانیوں سے مشابہ ہوتی تھی۔ الغرض یہ کہ اُس نے ایک دن ایک ایسی کہانی سُنی جو نامنصف وزیر کی کہانی سے ملتی تھی۔ جس کے بُرے افعال کی طرف بہرام کو توجہ دلائی گئی تھی۔ یہ توجہ ایک گڈریہ اور اُسکے بھیڑ چرانے والے کتّے کے واقعہ سے دلائی گئی اور کہانی کا خاتمہ بہرام کی موت سے کیا گیا۔ یہ واقعہ نظام الملک نے اپنے سیاست نامہ میں درج کیا ہے +

ایک اور دلچسپ داستان در داستان ہفت پیکر کی یہ ہے کہ بہرام گور کے ہاں ایک خادمہ تھی جو اُسے بہت عزیز تھی۔ اُس کا نام فتنہ تھا۔ اُسے بہرام شکار میں لیجاتا تھا۔ شکارگاہ میں آرام کے وقت فتنہ بربط بجا کر (کیونکہ وہ بربط بجانے میں بڑی مشاق تھی)۔ بہرام کو خوش کیا کرتی تھی۔ ایک دن بہرام نے شکار میں شکار کی گھاتوں اور فن تیراندازی میں خوب جوہر دکھائے اور یہ اُمید کی کہ فتنہ اُن کی خوب داد دیگی۔ لیکن فتنہ نے اُسے اپنے جواب سے ناخوش کر دیا +

بادشاہ نے غصہ ہو کر فتنہ کو ایک افسر کے حوالہ کر دیا اور حکم دیا کہ اُسے قتل کر دیا جائے۔ لیکن فتنہ نے منت سماجت کے ذریعہ سے بہرام کو یہ اطمینان دلانے کے بعد کہ اُسے ایک دن اپنی تعجیل کاری پر افسوس کرنا پڑیگا بادشاہ سے معافی مانگی۔ بادشاہ نے اُس کی جان بخشی کر دی - ایک مکان میں جو شکار گاہ میں تھا چھپ گئی۔ اس مکان میں ایک زینہ تھا جس میں ۶۰ سیڑھیاں تھیں۔ بادشاہ فتنہ سے محض اس وجہ سے ناخوش ہو گیا تھا کہ اُس نے بادشاہ کی تیر اندازی کی تعریف کرنے کی جگہ صرف یہ جواب دیا کہ "مشق سے انسان کو کمال حاصل ہوتا ہے"۔ فتنہ نے اس مکان میں قیام پذیر ہونے کے بعد ایک نوزائیدہ بچھڑے کو لیا۔ اور ہر روز اُسے اپنے شانوں پر لاد کر زینہ پر چڑھتی اور اُترتی تھی۔ بچھڑا قد و قامت میں ترقی کرتا گیا۔ مگر مشق کے باعث اُس کا وزن فتنہ کو ناگوار نہیں گزرا کیونکہ مشق سے خود اُس کی طاقت بھی دن بدن بڑھتی گئی +

کچھ عرصہ بعد اُس مکان کے مالک نے شکار میں بادشاہ کو مدعو کیا اُسوقت فتنہ نے نقاب مُنہ پر ڈالا اور بچھڑے کو جو بہت وزنی تھا شانوں پر اُٹھایا - اور آسانی کے ساتھ کھٹ کھٹ زینہ پر چڑھ گئی اور پھر وہاں سے اُلٹے ہی پاؤں نیچے اُتر آئی۔ بادشاہ اس ورزشی کرتب کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اور ورزش کرنے والی کا دیدار کرنا چاہا۔ جب اُس نے نقاب اُٹھایا تو دیکھا کہ ورزش کرنے والی تو وہی اُس کی معشوقہ فتنہ ہے۔ اُس وقت وہ فتنہ کی بات کو یاد کر کے شرمندہ ہو گیا اور اُس سے معافی مانگی +

سکندر نامہ۔ یہ نظامی کی پانچویں مثنوی ہے اور بحر متقارب میں لکھی گئی ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ جن میں ایک کا نام اقبال نامہ ہے اور دوسرے کا خرد نامہ۔ لیکن ان ناموں کی بابت لوگوں میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ کیونکہ ایران میں اُن کو شرفنامہ اور اقبال نامہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور ہندوستان میں سکندر نامہ برّی اور سکندر نامہ بحری کے نام سے۔ طہران کے چھپے ہوئے اسکندر نامہ کے دونوں حصّوں میں کوئی دس ہزار اشعار ہیں۔ جن میں اوّل حصّہ میں اُس کے

دو تہائی ہیں دوسرے میں ایک تہائی +

انگریزی زبان میں اقبال نامہ کا ترجمہ کرنیل ولبر فورس کلارک نے کیا ہے اور نیز ڈاکٹر آج۔ واسن بج نے بھی۔ بج صاحب نے اس مضمون پر بھی تفصیل کے ساتھ ایک کتاب لکھی ہے کہ اقبال نامہ کا ترجمہ جہاں تک تحقیق سے معلوم ہوسکا وہ یہ ہے کہ اُس کا ترجمہ فارسی اور فارسی سے ملتی جلتی ساری زبانوں میں ہوچکا ہے۔ اور یورپ کی بھی متعدد زبانوں میں اُس کے ترجمے شائع کئے گئے ہیں +

نظامی بھی فارسی زبان کے دوسرے طبقہ کے شعرا میں سے ہے۔ اور جو باتیں اس طبقہ کے دیگر شعرا سے متعلق ہیں وہی نظامی سے بھی ہیں۔ چونکہ اُن کا بیان حضرت کیفی نے انوری کے حالات میں کردیا ہے۔ اس لئے اُن کے اعادہ کی ضرورت نہیں رہی۔ البتہ اتنا کہنا خلاف محل نہ ہوگا کہ انوری نے تشبیہ اور استعارہ کو ایسی رنگینی اور خوب صورتی کے ساتھ برتا ہے کہ اُس کے پیچ بانکپن معلوم ہوتے ہیں۔ اُس کا کلام ہر طرح کی لطافت اور نزاکت سے لبریز ہے۔ اُس کے کلام سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہو جاتی ہے کہ مضمون آفرینی اُس کا حصہ تھا۔ اُس نے بہت سے نئے مضامین ایجاد کئے +

اکثر لوگ نظامی اور فردوسی کے کلام کا باہم مقابلہ کیا کرتے ہیں۔ دونوں کا کلام کچھ اس قدر ملتا جلتا ہوا ہے کہ امتیاز کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اور جب تک کہ دونوں کے اشعار پہلو بہ پہلو نہ دکھائے جائیں تب تک یہ معلوم کرنا سہل نہیں کہ کون سا کلام کس کا ہے۔ ذیل میں "مشتے نمونے از خروارے" کی مصداق کے مطابق دونوں کا کچھ کلام ناظرین کی دعوت طبع کی خاطر نذر کیا جاتا ہے :-

فردوسی دُنیا کے کون و فساد سے متعلق یوں لکھتا ہے :-

دو در دارد ایں کاخ نیلوفری + کہ از ہر دو در بایدت برتری
یکے در بہ دُنیا کہ در آمدی + دگر در کہ از وے بسر آمدی

اور نظامی اس مضمون کو یوں ادا کرتا ہے :-

دو ور دار داین باغ پیراستہ + درو بند ازو ہر دو بر خاستہ
بیا از در باغ وبنگر تمام + ز دیگر در باغ بیروں خرام

فردوسی خیمہ کی صفت میں لکھتا ہے:-

بسر خیمۂ سوز پیروین فشاں + کہ پیروین فشاندہ جہاں در جہاں

نظامی اسی بارہ میں لکھتا ہے:-

بسر خیمۂ ہیچو زرین چمن + کہ باشد ز انجم گل و یاسمن

نظامی ہر داستان کی تمہید بہاریہ مضمون اور رنگین اشعاروں سے کرتا ہے۔ اور وہ بھی بقول مولانا آزاد ہمیشہ گل و بلبل اور چمن سے اور ستاروں کی انجمن سے اور خانۂ پر ساقی کو ساغر و مینا کے ساتھ لاکر خمار شکنی کرتا ہے کہ تھکن اُتر جائے اور دماغ تر و تازہ ہو جائے۔ چنانچہ سکندر کی داستان کا آغاز یوں کیا گیا ہے۔

علم بر کش اے آفتاب بلند — خراماں شو اے ابر مشکیں پرند
نہال اے دل رعد چون کوس شاہ — بخند اے لب برق چون صبحگاہ

ایک اور مقام پر اسی مضمون کو یوں شروع کرتا ہے۔

بیا باغبان خورمی ساز کن — گل آمد در باغ را باز کن
نظامی بہ باغ آمد از شہر بند — بیارائے بستان بہ چینی پرند
زجعد بنفشہ برانگیز تاب — سر نرگس مست برکش زخواب
لب غنچہ راکا یدش جوئے شیر — بہ کام گل سرخ در دم عبیر
یکے مردہ بر بوے بلبل بہ راز — کہ مہد گل آمد بہ بستان فراز

ایک داستان کے خاتمہ پر ساقی سے یوں مخاطب ہوتا ہے۔

بہر جا کہ من مجلس آراستم — ازان مے ہمہ بیخودی خواستم
وگرنہ بایزد کہ نا بودہ ام — بہ مے دامن لب نہ آلودہ ام
مئے کو چو آب زلال آمد است — بہر چار مذہب حلال آمد است

اب ہم کچھ اقتباس مثنوی خسرو و شیریں اور مثنوی لیلیٰ و مجنوں کا نذر ناظرین کرتے ہیں تاکہ ناظرین خود

ہی فیصلہ کرسکیں کہ نظامی کس پایہ کا شاعر تھا +

از خسرو و شیرین۔ یہ اُس موقع کے اشعار ہیں جب فرہاد کو شیرین کی وفات کی خبر دیگئی تھی اسمیں نظامی نے اُس نوحہ وزاری کا نقشہ کھینچا ہے جو اُس وقت فرہاد نے کی تھی۔

چو افتاد این سخن در گوش فرہاد زطاق کوہ چوں کوہے درافتاد
بزاری گفت کاوخ رنج بردم ندیدہ راحتے در رنج مردم
دریغا ہرزہ رنج روزگارم دریغا آن دل اُمّید دارم
مرا زین کوہ کندن حاصل این بود نشد کارم میسّر مشکل این بود
چو نادانان طمع در لعل بستم ندیدم لعل سنگ آمد بدستم
جہان خالی شدہ از ماہ و خورشید چمن خالی شدہ از شمشاد و زبید
چراغ عالم افروز از جہان شد نہ شیرین کافتاب از من نہان شد
بگرید بر من دل مرغ و ماہی کہ رفت آب حیاتم در سیاہی
جدا از روے آن دلبر جدا ایم چو شیرین رفت من اینجا چرا ایم
اگر بے روئے شیرین زندہ مانم سزد گز تن برآید استخوانم
فرو رفتہ بخاک آن سرو چالاک چرا بر سر نریزم ہر زمان خاک
پریدہ از چمن سُبک بہاری چرا چون ابر نحروشم بزاری
بشیرین در عدم خواہد رسیدن بیک تک تا عدم خواہد دویدن

از لیلےٰ مجنوں۔ یہ اُس موقع کے اشعار ہیں جبکہ مجنوں لیلےٰ کی تربت پر گیا۔ ان میں مجنوں کی گریہ وزاری اور جان دینے کی کیفیت درج ہے۔

نالید زروئے درد ناکی + غلطید چو مار خستہ گردہ + بیتے دو سہ زار زار برخواند آمد سوے آن عروسِ خاکی + پیچید چو مار زخم خوردہ + اشکے دو سہ تلخ تلخ بفشاند برداشت سوئے آسمان دست + کاے خالق ہر چہ آفریدست + کز محنت خویش وا رہانم انگشت کشا و دیدہ بر دست + سوگند بہر چہ برگزید ست + در حضرت یار خود رسانم آزاد کنم ز سخت جانی + این گفت و نہاد بر زمین سر + چون تربت دوست در بر آورد وا باد کنم ز سخت رانی + وان تربتے را کشید در بر + اے دوست بگفت و جان بر آورد او نیز گذشت ازین گذرگاہ + وآن کیست کہ نگذرد ازین راہ

ہوا کی عام گردش

آندھی بھی ایک قسم کی ہوا ہے۔ اور آندھیوں کا مضمون اس قدر دلچسپ ہے کہ اُس پر ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ۱۸۵۵ء تک ہوا اور آندھیوں سے متعلق کوئی باقاعدہ اور علمی تحقیقات اور تجربہ یا مشاہدہ نہیں کیا گیا تھا۔ مگر اسی سال موری صاحب نے تحقیقات کی۔ مگر ناکام رہا۔ سب سے پہلی تحقیقات جو ہوا سے متعلق کی گئی وہ ۱۷۳۵ء میں ہیڈلی صاحب نے کی تھی +

اُس زمانہ میں تجارتی ہوا کی طرف جسے انگریزی زبان میں ٹریڈ ونڈ کہتے ہیں سائنس دانوں کی توجہ مبذول ہو رہی تھی۔ اُس وقت ہیڈلی صاحب نے تجارتی ہوا سے متعلق ایک اصول پیش کیا جسے سب لوگوں نے پسند کیا اور کوئی ایک صدی تک اُس پر کسی نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا +

ہیڈلی صاحب کے اصول کا لب لباب یہ ہے کہ "خط استوائی اور قطبی مقامات کے درمیان عام ٹمپریچر میں ایک فرق ہے۔ اسی فرق کے باعث ہوا کی رفتار میں وہ حرکت پیدا ہو گئی جس کا بیان ہم گذشتہ باب میں کر چکے ہیں۔ یہ حرکت نچلی تہ میں پیدا ہوئی۔ اور اُس کا رُخ اُس منطقہ کی طرف تھا۔ جہاں سب سے زیادہ گرمی ہوتی ہے۔ ہوا جس کا رُخ مشرق کی جانب ہوتا ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ہوا متواتر اُن متوازی عرض البلد کی طرف آتی رہتی ہے جہاں کہ زمین کی سطح مشرق کی طرف اس حصّہ کی نسبت جسے وہ کچھ ہی عرصہ پیشتر چھوڑ کر آتی ہے زیادہ تیزی سے چلتی ہے اس لئے وہ مشرق کی جانب کو پیچھے رہ جاتی ہے۔ اور اُس وقت وہ کسی قدر مشرق کی طرف سے چلتی ہوئی معلوم دیتی ہے۔ اس لئے ہوا شمال کی طرف تو شمال و مشرقی کہلانے لگی اور جنوب کی طرف جنوب و مشرقی"۔ ہیڈلی صاحب کے اصول سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تجارتی ہوائیں قطبین سے خط استوا کی طرف کو چلتی رہتی ہیں۔ اور اُن کی جو لہر واپس آتی ہے وہ ہوا کے

بالائی سے بالکل متعلق ہوتی ہے۔ مزید براں ہوا کا سب سے زیادہ دباؤ جو کہ مقیاس الہوا کے پارہ کے ذریعہ سے معلوم کیا گیا وہ قطبین کے پاس ہوتا ہے۔ نہ کہ خط استوا کے قریب۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی سچی نہ نکلی۔ کیونکہ تجارتی ہوائیں خط استوا سے شمال وجنوب کو صرف ۳۰ درجہ سے آگے بڑھتی ہوئی نہ پائی گئیں۔ قطبین پر ہوا کا دباؤ اور خاص کر قطب جنوبی ہمیشہ خط استوا پر ہوا کے دباؤ سے کم ہی پایا گیا۔ اور سب سے زیادہ دباؤ ہوا کا خط استوا کے شمال وجنوب کو ۳۰ اور ۴۰ درجہ کے درمیان پایا گیا۔ اس لئے بظاہر ہیڈلی صاحب کا اصول غلطی سے مبرا نہ پایا گیا۔ ۱۸۵۶ء میں مسٹر فیرل نے جو بعد میں ممالک متحدہ امریکہ کے موسمی تغیرات کے محکمہ میں پروفیسر ہو گئے تھے ہوا اور آندھیوں سے متعلق تحقیقات کا سلسلہ شروع کیا۔ اور یہ بات دریافت کی کہ ہیڈلی صاحب اس بات کو بالکل نظر انداز کر گئے کہ زمین ایک کرہ کی مانند ہے +

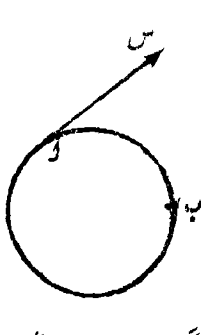
مسٹر فیرل نے یہ نتیجہ نکالا کہ جو نقص ہیڈلی صاحب کی تحقیقات میں رہ گیا تھا وہ دو غلطیوں پر مبنی تھا۔ اُن میں سے ایک یہ تھی کہ صرف ہوا کے شمال اور جنوب کی طرف حرکت کرنے سے ہوا میں زمین کی گردش سے کجروی پیدا ہو جاتی ہے ہیڈلی صاحب کا اصول تو یہ تھا کہ فرض کرو کہ زمین بالکل چپٹی ہے اور مختلف تختوں سے جو خط استوا سے ایک خط مستقیم میں واقع ہیں بنی ہوئی ہے۔ اور یہ تختے مختلف رفتاروں سے حرکت کرتے ہیں۔ ان رفتاروں کا فرق یہ ہے کہ خط استوا کے نزدیک تو وہ ایک ہزار میل کی رفتار رکھتے ہیں اور اُس سے دوری پر ان کی رفتاروں میں فرق پڑ جاتا ہے۔ اور جو تختہ ۳۰ درجہ عرض البلد پر واقع ہے اس کی رفتار صرف ۸۵۰ میل ہوتی ہے۔ اور یہ باتیں کرہ سے متعلق نہیں ہو سکتیں +

مسٹر فیرل کے چند سال اس اصول کو معلوم کرنے سے پیشتر ہی فرانس کے ایک ریاضی دان پوئسوں نامی نے ۱۸۳۲ء میں ایک مضمون پیرس اکیڈمی

میں پڑتا۔ کہ جب وہ اجسام جو آزادی کے ساتھ حرکت کرتے ہیں سطح زمین پر ہو کر کسی طرف کو گزرتی ہیں تو زمین کی گردش کا اثر یہ ہوتا ہے اُن اجسام کی حرکت میں فرق آجاتا ہے اور وہ شمالی نصف کرہ میں سیدھی جانب کو حرکت کرنے لگتے ہیں اور جنوبی نصف میں اُلٹی طرف کو +

اُسی دلیل کو استعمال کر کے جو پوئسون نے استعمال کی تھی فیرل نے کام لیا۔ مگر اُسے منجمد ہوا پر منطبق نہیں کیا۔ بلکہ ہوا کے اجتماع پر۔ اور اس طرح پر ایک زیادہ قابل اطمینان بیان ہوا کی عام گردش سے تعلق پیش کیا۔ اور مناسب ترمیمات کی مدد سے اُسی اصول کو اندھیوں وغیرہ کی اصلی باتوں پر منطبق کیا +

عام طور پر اگر ہوا کا ایک اجتماع کسی گردش کرتے ہوئے کرہ پر ایک خاص مقام کی طرف حرکت کرتا ہو اور وہ اوّل کسی دباؤ کے فرق سے مجبور ہو تو وہ متواتر سیدھی جانب کو حرکت ہوا معلوم دیتا ہے بشرطیکہ اُسے گردش کے ایک ایسے مقام سے جو قطب شمالی کے اوپر دیکھا جائے۔ اور تا وقتیکہ اُسے ایک مزید طاقت کے ساتھ نہ روکا جائے تو وہ دوسری ہی جانب کو چلا جائیگا یہاں تک کہ وہ ایک پورا چکر ختم کریگا +



فرض کرو کہ ذیل کے نقشے کے مطابق ہوا کا ایک ذرہ جو نقطۂ الف پر ہو وہ نقطۂ ب کی طرف کو حرکت کرتا ہے۔ مگر بجائے نقطۂ الف ب کی طرف حرکت کرنے کے وہ نقطۂ الف س کی طرف کو حرکت کریگا۔ اور اگر وہ قطب سے بہت ہی نزدیک ہو تو وہ آخرکار ایک چکر کو پورا کریگا۔ جیسا کہ نقشے سے ظاہر ہے۔ مگر یہ چکر بارہ گھنٹہ میں پورا کریگا۔ لیکن اُس کی جسامت اُس کی رفتار پر منحصر ہوگی۔ اس طرح پر اس کی رفتار میلوں کے حساب سے یہ ہوگی:۔

پاس ہے"۔

سورما "میں اُن کا نام بدنام نہیں کرتا۔ باوجودیکہ ۔"

ومبہ (مخل ہوکر) "دوست سیڈرک میرے خیال سے اگر شاہ رچرڈ شیر دل اس قدر عقلمندی کرتا کہ وہ ایک بیوقوف کی بات مان لیتا تو اپنے ملک ہی میں رہتا اور انگریزوں کے ساتھ جو اُس کے ہم قوم ہیں لطف اُڑاتا۔ اور یروشلم کی فتح کا کام ان مجاہدین ہی کے ذمہ چھوڑ دیتا جن کے باعث یروشلم پر عیسائیوں کا قبضہ ہو ہی نہ سکا"۔

روینہ "تو کیا اس وقت انگلستان کی فوج میں کوئی ایسے لوگ نہ تھے جن کے نام اس قابل نہیں کہ اُن کو ٹیمپلر یا ہوسپیٹلر مجاہدین کے نام کے ساتھ لیا جا سکے"۔

سورما "خاتون آپ مجھے معذور سمجھیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ شاہ انگلستان سرزمین فلسطین میں ایک بڑی جرار اور کثیر فوج لے گیا۔ جو صرف اس جماعت سے دوسرے درجہ پر تھی جس کے لوگوں کے سینے ارض مقدس کے لئے مورچوں کا کام دیتے رہے تھے"۔

ایک زائر (جو پاس ہی کھڑا تھا) "خاتون رچرڈ کی فوج سب سے اعلےٰ درجہ کی تھی۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ انگریزی سالہ اُن رسالوں میں سب سے اول درجہ کا تھا۔ جنہوں نے ارض مقدس میں تلوار چلائی۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ رچرڈ اور اس کے پانچ سورماؤں نے سارے مجاہدین صلیب کے مخالفوں کو جنگ کا پیغام دیا۔ اُس روز ہر سورما نے تین تین مخالفوں کو گرایا۔ اُن میں سے بہت سے سورما فرقہ ٹیمپلرز کے تھے۔ اور ہمارے سورما گلبرٹ صاحب اس واقعہ سے واقف ہیں"۔

اس بات کو سنکر سورما صاحب کا رنگ فق ہو گیا۔ کیونکہ وہ بھی ٹیمپلرز فرقہ سے تھے۔ اور غصہ کے مارے اُن کے ہونٹھ کانپنے لگے۔ اُن کا ہاتھ تلوار کے قبضہ پر چلا گیا۔ اور اگر اُن کو یہ خیال نہ آجاتا کہ اُس موقعہ پر کوئی زیادتی روا نہیں ہو سکتی تھی تو شاید وہ قبضہ پر سے ہاتھ واپس نہ لاتے۔ سیڈرک کو اس سے اپنے ہموطنوں کی شوکت پر بڑی ہی خوشی حاصل ہوئی۔

سیڈرک" اے زایر میں تجھے یہ زریں کنگن دونگا۔ بشرطیکہ تو ان سورماؤں کے نام بتائے جنھوں نے انگلستان کی شہرت کو ایسی شوکت کے ساتھ قائم رکھا"+
زایر" میں بلا کسی انعام کے بخوشی نام بتاؤنگا۔ مگر میرا عہد مجھے کسی زریں چیز کے قبول کرنے سے روکتا ہے"+
وسبہ" اگر تو نہ لیگا تو مجھے دیدینا"+
زایر" سب سے اول اور مشہور تو خود رچرڈ شیر دل تھا"+
سیڈرک" میں اُس کا نام نہیں سننا چاہتا۔ کیونکہ وہ ظالم ڈیوک ولیم کی نسل سے تھا"+
زایر" دوم درجہ پر ڈیوک آف لنکاسٹر تھا۔ اور تیسرے درجہ پر سر ٹامس ملٹن ساکن گلس لینڈ"+
سیڈرک (خوشی سے)" کم از کم یہ تو سیکزن نسل سے تھا"+
زایر" چوتھے درجہ پر سر فوک" ڈوٹلی"+
سیڈرک" یہ ماں کی طرف سے سیکزن تھا۔ اور پانچواں کون تھا؟"+
زایر" سر ایڈون سٹرنیہیم"+
سیڈرک (بآواز بلند)" ہینجسٹ کی روح کی قسم۔ یہ خالص سیکزن تھا۔ اور چھٹا کون تھا۔ اُس کا کیا نام ہے؟"+
زایر (ذرا سوچکر)" یہ سورما کمتر درجہ کا تھا اور بہت مشہور نہ تھا۔ اس کا نام مجھے یاد نہیں رہا"+
سورما گلبرٹ" حضرت زایر یہ ظاہرا فراموشی تمہارے مدعا کو فوت کردے گی۔ وہ وہ سوار تھا جس کی برچھی کے اقبال کے آگے اور اپنے گھوڑے کی خطا سے میں گھوڑے سے گرا تھا۔ لیکن یہ بات میں بآواز دُہل کہونگا کہ اگر وہ اب سرزمین انگلستان میں ہوتا تو میں اُسے بتا دیتا اور جیت میری رہتی"+
زایر" اگر آپ کا مدمقابل اسوقت موجود ہوتا تو وہ آپ کے دعوے کا جواب دیتا۔ اب تو معاملہ ہی اور ہے۔ اس لئے آپ جنگ کے پیغام اور لاف زنی

سے مدد گذر کریں۔ اگر آئیون ہو کبھی سرزمین فلسطین سے واپس آیا تو میں وعدہ سے کہتا ہوں کہ وہ ضرور آپ کا مقابلہ کریگا +

گلبرٹ سورما "مگر تم وعدہ وفائی کی ضمانت میں کیا دیتے ہو؟" +

زایر "ایک ڈبیہ نکال کر جس میں کوہ کرمل پر کی ایک صلیب کا ٹکڑہ تھا" اجی میں تو یہ دونگا" +

مہنت صاحب نے صلیب کا ٹکڑہ دیکھتے ہی صلیب کا نشان جسم پر بنایا۔ اور خداوند کی دعا پڑھنے لگے۔ سوائے یہودی اور مسلمانوں کے سارے حاضرین نے بھی دعا کو دُہرایا۔ مگر سورما صاحب نے تمدسے بے ادبی سے اپنے گلے سے طلائی زنجیر نکال کر میز پر پھینکدی اور کہنے لگے کہ "اسے زنجیر اور اس آوارہ گرد و گمنام زایر کا تحفہ مہنت صاحب کے پاس رہنا چاہیے۔ اس بات کی علامت کے طور پر جب سورما آئیون ہو انگلستان آئے تو میں اُسے مقابلہ کے لیے پیغام دونگا۔ اگر وہ جواب نہ دیگا میں اُسے بزدل قرار دیکر اُس کا نام یورپ بھر میں فرقہ ٹیمپلرز کے مسکنوں کی دیواروں پر لکھوا دونگا" +

روؤینہ (پھر سکوت توڑ کر) "خیر اس کی تو ضرورت ہی نہ پڑیگی۔ اگر حاضرین میں اور کوئی آئیون ہو کی غیر حاضری میں اُس کی طرفداری میں زبان نہ کھولیگا تو میں کھولوں گی۔ میں دعوے سے کہتی ہوں کہ وہ ہر پیغام کو قبول کریگا۔ اگر میرا عاجزانہ اقرار اور وعدہ اس زایر کے بیش قیمت اقرار کا ضامن ہو سکتا ہے تو میں اپنے نام اور اپنی عزت و شہرت کو ضامن دیکر کہتی ہوں کہ آئیون ہو اس مغرور سورما کی خواہش کے مطابق اُس کا ضرور مقابلہ کریگا" +

جب تک بحث جاری رہی تب تک سیڈرک متفکر سا رہا اور خاموش۔ غرور۔ غصہ۔ پریشانی کا اُس کی صورت سے اظہار ہوتا رہا۔ اُس کے نوکروں کے دلوں پر آئیون ہو سورما کے نام نے مقناطیسی اثر کیا۔ لیکن روؤینہ کی گفتگو سنتے ہی وہ چونک پڑا +

سیڈرک "خاتون یہ مناسب بات نہیں ہے۔ اگر مزید ضمانت کی ضرورت ہوتی تو جیسا کہ

میں اسوقت ازروئے انصاف ملول ہوں توکیا تم میری عزت کو آئیون ہو کی عزت کی خاطر داؤں پر لگا دونگی ۔ لیکن جنگ کی یہ شرط نارمن سورماؤں کی دیوانگی آمیز رسوم کے مطابق بھی کافی ہے ۔ کہئے مہنت صاحب کیا میری بات درست نہیں ؟" +

مہنت " بالکل درست ۔ اور جب تک کہ یہ شرطیہ جنگ کا نتیجہ نہ نکلیگا اُس وقت تک کے لئے میں دونوں چیزوں کو اپنے راہب خانہ کے خزانہ میں امانت رکھونگا" +

اس کے بعد مہنت صاحب نے کئی بار صلیب کا نشان بنایا اور مُنہ ہی مُنہ میں کچھ دُعا بڑبڑائی ۔ صلیب تو ایک راہب کو دے دی اور زنجیر اپنے بٹوے میں رکھ لی ۔ اور سیڈرک سے یوں مخاطب ہوئے " جناب نواب ۔ آپ کی شراب بڑی کڑی تھی ۔ اُس کے نشہ سے میری کنپٹیاں نکلی جاتی ہیں ۔ آئیے اب خاتون روونیہ کی عزت میں ایک ایک جام اور لیں ۔ اس کے بعد ہمیں آرام کرنے کے لئے اجازت دیں " +

سیڈرک " بروم ہوم کی صلیب کی قسم مہنت صاحب آپ اپنی شہرت کو بہت کم شہرت دیتے ہیں ۔ آپ کی نسبت مشہور ہے کہ آپ بڑے پلکڑ ہیں ۔ اور مجھ بوڑھے کو میخواری میں آپ کا مقابلہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے ۔ لیکن بخدا میرے ایام شباب میں تو کوئی بارہ سالہ سیکزن لڑکا شراب اسقدر کم نہیں پیتا تھا " +

مہنت صاحب محتاط تھے ۔ اور جھگڑے فساد کو پسند نہیں کرتے تھے ۔ اُن کو سیڈرک کی دو گھنٹے کی صحبت میں معلوم ہو گیا کہ سیڈرک بڑے تندمزاج تھے اور اُن کا دوست سورما جیساکہ بارہا اُن کے تجربہ میں آچکا تھا سیڈرک سے بھی دو ہاتھ بڑھا ہوا تھا ۔ اس لئے مہنت کو خوف تھا کہ کہیں دونوں میں چل نہ جائے ۔ اس لئے اُس نے کہا کہ کوئی اور قوم کا شخص سیکزن اصحاب سے شراب نوشی میں لگّا نہیں کھا سکتا ۔ اور موقعہ کو آرام کی ضرورت ظاہر کر کے ٹال گیا +

الغرض جام پیکر مہمان اُٹھے ۔ اور مجمع برخاست ہوا ۔ سورما نے یہودی سے کہا " ابے کتّے کیا تو بھی کرتبوں کے میدان کو جا رہا ہے " ۔ یہودی نے جواب دیا کہ " جی ہاں ارادہ تو یہی ہے ۔ بشرطیکہ آپ کو ناگوار نہ ہو " ۔ پھر یہودی

سے کچھ اور باتیں ہوئیں - پھر سب مکان دعوت سے نکل گئے۔ اور خواب گاہ میں داخل ہوئے ۔

زاہر رووینہ کی خواب گاہ میں

جب زاہر دروازہ میں سے نکلا تو ساقی نے آگے بڑھ کر یہ استدعا کی کہ اگر آپ کو ایک جام شراب شہد سے اعتراض نہ ہو تو حاضر ہے اور اُسے نوش جان کر کے آپ ہمیں ارضِ مقدس کے کچھ حالات سنائیں۔ کیونکہ بہت سے لوگ اُن کے مشتاق ہیں ۔ اتنے ہی میں تومبہ بھی جا پہونچا۔ اور اُس نے بھی یہی درخواست کی۔ مگر زاہر نے شکریہ کے بعد کہا کہ میں جن باتوں کو اپنے عہد کے مطابق دعوت خانہ میں بیان نہیں کر سکا اُن کو کسی اور جگہ بھی بیان نہیں کر سکتا ۔

زاہر جواب دے کر آگے بڑھا ہی تھا کہ خاتون رووینہ کی ایک خادمہ نے کہا کہ تمہیں ہماری خاتون یاد کر رہی ہیں - چونکہ زاہر کے خیال میں اس درخواست کا رد کرنا نامناسب تھا۔ اس لئے وہ خادمہ کے ہمراہ رووینہ کی خواب گاہ میں جو نہایت آراستہ پیراستہ تھی پہونچا۔ اور جاتے ہی تعظیم کے لئے دوزانو ہو گیا ۔

رووینہ (مہربانی کے لہجہ میں) "اے زاہر اُٹھ - جو کوئی حق کا حامی ہے اُسے ہر جگہ سر آنکھوں پر جگہ ملنا چاہئے" اور خدمتگذاروں سے "سوائے الگیتھا کے باقی سب یہاں سے چلے جاؤ - میں اس زاہر سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں" ۔

خادم عورتیں خواب گاہ سے باہر تو نہ گئیں۔ مگر کمرے کے دور والے گوشے میں جہاں سے اُن کی خاتون اور زاہر کی باتیں سنائی نہیں دیتی تھیں خاموش بتوں کی مانند خاموش بیٹھ گئیں ۔

رووینہ (تھوڑے سے پس و پیش کے بعد) "زاہر صاحب تم نے آج دعوت خانہ میں ایک ایسے شخص کا نام لیا جس کے نام کی عزت سب کو کرنا چاہئے تھی۔ اب میں تم سے یہ دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ تم نے آبیُون ہو کو کہاں اور کس حالت

ہیں چھوڑا۔ میں نے سُنا ہے کہ اُس کی طبیعت ناساز ہے اور انگریزی فوج کے سرزمین فلسطین۔ سے واپس چلے آتے پر فرانس کے لوگ جو ٹیمپلرز فرقہ سے بہت مانوس ہیں آسکے ساتھ بُرا سلوک کر رہے ہیں"+

زایر دتھرتھراتی ہوئی آواز سے "خاتون مجھے اُس سورما کا حال بہت ہی کم معلوم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اُس کے سارے حالات سے واقفیت حاصل کروں۔ میرے یقین سے وہ اُن سختیوں کے مقابلہ میں جو اُس کے دشمن اُس پر فلسطین میں کر رہے ہیں غالب آگیا ہے۔ اور اب وہ انگلستان واپس آنے ہی والا ہے۔ اور اب آپ خود ہی سمجھ سکتی ہیں کہ انگلستان میں واپسی پر اُسے کسقدر مسرت حاصل ہو سکے گی"+

اس پر روینہ نے یہ دریافت کیا کہ وہ کب تک آجائیگا۔ اور آیا اُس کے لئے راستہ میں تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ زایر نے جواب دیا کہ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ وہ کب تک آجائیگا۔ لیکن وہ وینس۔ جنوا اور فرانس ہوتا ہوا آئیگا۔ وہ فرانسیسی زبان سے خوب واقف ہے۔ اور اُسے سفر میں کوئی خطرہ پیش نہ آئیگا+

روینہ "خدا کرے کہ وہ یہاں صحیح سلامت آجائے اور اس دنگل میں جو ہونے والا ہے اپنے جوہر دکھانے۔ اور جس میں اس جزیرہ کے سورما اپنی دلاوری اور فن حرب کے جوہر اور کرتب دکھانے والے ہیں۔ اگر اتھلسٹین ساکن کوننگسبرگ نے انعام حاصل کرلیا تو جب آیوانہو سرزمین انگلستان میں قدم رکھیگا تو اُسے منحوس خبر ملے گی۔ جب تم نے اُسے آخری بار دیکھا تھا تو صورت شکل سے یعنی بظاہر وہ کیسا معلوم دیتا تھا؟۔ کیا مرض اُس پر غالب آگیا ہے"+

زایر "اس وقت اُس کی رنگت ذرا سیاہ تھی۔ اور اُس وقت کی نسبت جبکہ وہ رچرڈ شیر دل کی فوج کے ہمراہ جزیرہ قبرس سے آیا کسی قدر دُبلا تھا۔ اور اس کے چہرے سے رنج و غم کے آثار نمایاں تھے۔ لیکن میں نہ تو اُس کے پاس گیا اور نہ میں نے اُس سے بات چیت کی۔ اس لئے کہ میں اس سے واقف نہیں ہوں"+

رووینہ "مجھے یقین ہے کہ اُسے اپنے وطن میں ایسے اسباب نہ ملینگے جن کے باعث اُس کی فکر دور ہوسکے۔ زاہد صاحب میں آپکا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے میرے بچپن کے رفیق کے کچھ حالات مجھے بتائے"۔ اور خدمتگذاروں سے "ذرا تم ادھر آؤ۔ اور اس نیکدل زاہد کو خواب آور جام دو۔ کیونکہ میں اُسے زیادہ دیر تک آرام کرنے سے نہیں روکنا چاہتی"۔

ایک خادمہ نے ایک جام رووینہ کو دیا۔ اُس نے لے کر زاہد کے حوالہ کیا اور زاہد نے آداب بجالا کر اُس کے چند قطرے پی لیے۔ پھر رووینہ نے ایک اشرفی زاہد کو یہ کہتے ہوئے نذر کی کہ "اسے اپنی تکلیف اور زیارت کی برکت کے صلہ کے طور پر قبول کیجیے"۔ زاہد نے اُس تحفہ یا نذر کو آداب بجا کر لے لیا اور الگتھا کے پیچھے ہولیا۔ اور رووینہ کی خوابگاہ سے چلا گیا۔

باہر والے کمرے میں اُسے مشعل بردار کھڑا ہوا ملا۔ جس نے خادمہ کے ہاتھ سے مشل لے لی اور تیز قدمی کے ساتھ اس جگہ کی طرف چلا جو کہ زاہد کے آرام کے لئے تجویز کی گئی تھی۔ اُس مکان میں کئی چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ جو نواب سیڈرک کے ادنےٰ درجہ کے ملازموں یا اجنبی اور کم حیثیت مہمانوں کے سونے کے لئے مخصوص تھے۔

مکان کے دروازہ پر پہونچکر زاہد نے نوکر سے دریافت کیا کہ ان میں سے کس کمرے میں بیچارہ یہودی سو رہا ہے۔ نوکر نے کہا کہ "وہ بے دین کتا آپ کے برابر والے کمرے میں پڑا ہوا ہے۔ سینٹ ڈنسٹن کی قسم اُسے عیسائی بنانے کے لئے کسقدر کھرچنا اور صاف کرنا پڑیگا"۔

پھر زاہد نے دریافت کیا کہ گرتھ جو تمہارے آقا کے سور چراتا ہے وہ کس کمرے میں ہے۔ اُس کے جواب میں نوکر نے کہا کہ "یہودی تو تمہارے دائیں ہاتھ والے کمرے میں ہے اور گرتھ سیدھے ہاتھ والے میں۔ اگر آپ اسوالڈ کی درخواست کو منظور کرلیتے اور ہمیں ارض مقدس کے حالات سناتے تو آپکو زیادہ اچھے اور زیادہ آرام دہ کمرے میں سلایا جاتا"۔

سرچشمہ

سلسلہ کے دیکھو ترقی ماہ جون ۱۹۱۰ء

از میر ولی اللہ صاحب طالب علم بی۔اے کلاس فورمن کرسچن کالج لاہور

باب دوم

اپنا سفرنامہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔کہ میں اس کے بعد دس سال سفر میں رہا۔اور دس سال کے بعد پھر میں مقر الامان میں آیا۔

میں نے شہر کو بہت مشکل سے تلاش کیا۔کیونکہ جب میں پہاڑوں سے گزر رہا تھا۔میں نے مقر الامان کے سبزہ زار کے لئے چاروں طرف نظر دوڑائی۔مگر وہ کہیں نظر نہ آیا۔صرف ایک سفید شہر دور فاصلے پر پہاڑیوں میں چمکتا ہوا دکھائی دیا۔گویا کہ چٹانوں کے دراز میں ابرق کا ایک ٹکڑا تھا۔یہ دیکھ کر میں بہت ہی متفکر ہوا۔اور وہ رات وہیں پہاڑ پر گزاری۔دوسرے دن میں صبح سویرے ہی شہر کی جانب روانہ ہوا۔ کھیت جھلسے ہوئے اور زرد پڑے تھے۔اور سطح زمین پر ہر جگہ شگاف تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔کہ زمین پیاسی ہے۔خندقیں اور نہریں موجود تھیں۔مگر ان میں پانی نہیں تھا اور ویران انگورستان کے ناہموار حواشی میں بجائے کسانوں کی خوش آئند گیتوں کے ونڈلیس (مشین جس سے بوجھ اٹھایا جاتا ہے) کی جھنکار اور کنوؤں کے اندر پمپوں کی ناگوار آواز سنائی دیتی تھی۔باغوں کی کمر کمائے ہوئے پھولوں کے تار کی طرح ہو گئی تھی۔اور زمین کی تمام خوشرنگ گلکاری تاریک اور خاکستری رنگ کی ہو گئی تھی۔

ایک پرانے بے برگ زیتوں کے درخت کے نیچے بہت سے آدمیوں کو ایک نئے کنوئیں کے گرد دو زانو دیکھ کر میں نے ایک آدمی سے جو پُرگرد سڑک کے

نزدیک کھدائی کا کام کر رہا تھا۔ پوچھا کہ تم کیا کر رہے ہو۔ وہ ایک لمحہ کے لئے سیدھا کھڑا ہوا۔ اور اپنے ابروؤں سے پسینہ پونچھ کر اس نے آشفتہ دلی سے جواب دیا کہ یہ لوگ ونڈلیس کی عبادت کر رہے ہیں۔ ورنہ ان کے کھیتوں کو پانی کس طرح پہنچ سکتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ پھر دیوانہ وار اپنے کام میں لگ گیا۔ اور میں شہر کی طرف روانہ ہوا +

گلیوں میں بہتی ہوئی نہروں کی آواز کہیں بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ اور دریا میں بھی صرف کہیں کہیں پانی کے پایاب پوکھر نظر آتی تھیں۔ جو پانی کی ایک آہستہ رو دھارا سے آپس میں ملے ہوئے تھے۔ ان کے گرد بھی پشتے لگائے گئے تھے۔ اور ان کی حفاظت کی جاتی تھی۔ کہ کوئی نزدیک نہ آنے پائے۔ اور آدمی کندھوں پر پانی کے مشکیزے اٹھائے گلی گلی پکارتے پھرتے تھے "پانی لو۔ پانی! بکاؤ پانی!!"+

باہر میدان میں سنگ مرمر کے تالاب خالی پڑے تھے۔ اور ان میں سے ایک پر بہت سے لوگ ایک آدمی کو تازیانے لگتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ایک آدمی نے جو میرے پاس کھڑا تھا۔ مجھے بتایا کہ شہر کے حاکموں نے اسے یہ سزا اس لئے دی ہے۔ کہ اس نے کہا تھا "کہ تالاب حوض اور نہریں نالیں سنگ مرمر کی نہیں ہیں" اور اسی برے عقیدے کی وجہ سے ہمارے شہر کی برکت اٹھ گئی ہے۔ اور پانی آنا بند ہو گیا ہے +

میں نے جواب دیا۔ کہ یہ تو ایک نہایت افسوسناک انقلاب ہے۔ اور جو لوگ اس کا باعث ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ وہی سزا کے سزاوار ہیں۔ مگر کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں۔ کہ اب لوگ کس وقت اور کس طرح چشمے کی زیارت کو جاتے ہیں +

وہ حیران ہو کر میری طرف دیکھنے لگا اور جواب دیا۔ کہ آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ صرف شہر کے حاکم جن کو ہم امرائے آب کہتے ہیں۔ تالابوں اور کنوؤں کے ملاحظے کو ہر روز جاتے ہیں۔ آپ کس چشمے کا ذکر کرتے

ہیں ؟ -

میں اسی طرح گلیوں میں پھرتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ لوگ جلدی میں ہیں اور ان کے چہروں سے ملال نمایاں تھا۔ چلتے چلتے میں اس گھر پر پہنچا۔ جہاں میں پہلے رہ چکا تھا۔ اس گھر کی دیوار کے سامنے ایک چھوٹا سا حوض تھا۔ اور پانی کی ایک چھوٹی سی نہر اس میں گر رہی تھی۔ اور بہت سے بچے اپنے برتن لئے پانی بھرنے کے انتظار میں کھڑے تھے +

گھر کا دروازہ بند تھا۔ مگر جب میں نے دستک دی۔ دروازہ کھلا اور ایک عورت باہر نکلی۔ وہ زرد رنگ اور مغموم تھی۔ تاہم اس کے چہرے پر رونق تھی اور خوشی کا نور برس رہا تھا۔ اور میں اس کی آنکھوں سے پہچان گیا۔ کہ وہ روامی ہے۔ جو ناکستان میں مدت ہوئی میرے ساتھ چہل قدمی کو نکلا کرتی تھی +

دونو ہاتھوں سے اس نے مجھے سلام کیا۔ اور کہا کہ مجھے آپ کے آنے کی امید لگی ہوئی تھی۔ میں نے جواب دیا کہ کوئی چیز مجھے تمہاری طرف واپس کھینچ لائی ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کہ آپ لوگوں کا کیا حال ہے۔ اور چشمہ کی زیارت کو تمہارے ساتھ چلو نکلا +

یہ سنتے ہی اس کا چہرہ کسی قدر مغموم ہو گیا۔ اس نے کہا۔ چشمے کی طرف! ہاں مجھے یقین تھا۔ کہ آپ اس کو یاد رکھینگے۔ اور زیارت کا وقت بھی ہے۔ آؤ مل کر وہاں چلیں +

پھر ہم دونو شہر کے مصروف کار اور درماندہ آدمیوں میں سے گزرتے ہوئے پہاڑی راستے کی طرف چلے۔ لوگ اس راہ کو ایسے بھول گئے تھے۔ اور وہ پتھروں اور سخت گھاس سے ایسا ڈھکا ہوا تھا۔ کہ اگر روامی کی رہنمائی نہ ہوتی۔ تو میں اسے نہ ڈھونڈھ سکتا۔ مگر ہم جتنے اونچے چڑھتے گئے۔ تو صاف اور پاکیزہ ہوا ملی۔ میں اس سے ان تمام باتوں کی نسبت جو میرے پیچھے واقع ہوئی تھیں۔ دریافت کرتا گیا۔ میں نے اس سے اس بوڑھے مہربان آدمی کی بابت پوچھا۔ جو میرے پہلی دفعہ آنے پر مجھے اپنے گھر لے گیا تھا۔ اس نے آہستہ سے جواب دیا کہ وہ مر چکا ہے +

میں "اور اس کے دوست مرد اور عورتیں کہاں ہیں۔ جو کبھی اس راہ پر گروہ کے گروہ میں جاتے تھے۔ کیا وہ بھی مر گئے؟"

روامی "ہاں وہ بھی مر گئے ہیں"

میں "مگر وہ نوجوان آدمی کہاں ہیں۔ جو یہاں پہاڑ پر چڑھتے ہوئے ایسی خوشی سے گیت گاتے تھے؟ وہ تو زندہ ہونگے؟"

روامی "وہ سرچشمہ کو بھول گئے ہیں"

میں "اور وہ بچے کہاں ہیں۔ جن کو اُن کے والدین یہ راستہ بتاتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کو کبھی نہ بھولنا۔ کیا وہ بھی سرچشمہ کو بھول گئے؟"

روامی "وہ بھی بھول گئے"

میں "مگر پھر تم اکیلی کیوں زیارت کے وقت کی پابندی کرتی رہی ہو۔ تم بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسے کیوں نہ بھول گئیں۔ کیا تم ہر روز یہاں اکیلی ہی آتی تھیں؟" اس نے میری طرف نہایت پاکیزہ نظر سے دیکھا۔ اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ کر جواب دیا۔ کہ "میں اُسے ہمیشہ یاد رکھتی ہوں"

پھر میں نے کئی جنگلی پھولوں کے غنچے راستے کے ارد گرد دیکھے۔

ہم چشمہ کے نزدیک پہنچ گئے۔ اور اس غار میں داخل ہوئے۔ جو پہاڑ کے اندر کھودا گیا تھا۔ وہ دوزانو ہو کر بند چشمے پر جُھک گئی۔ اور اس آدمی کا پیارا نام بار بار زبان پر لاتی تھی جس نے خلقِ خدا کی بہبودی کے لئے اپنی جان قربان کر دی تھی۔ اب روامی اکیلا وہ گیت گا رہی تھی۔ جو پہلے صدہا آدمی مل کر گایا کرتے تھے۔ اس کے آنسو ٹپک کر چشمے میں جا پڑے۔ آنسوؤں کا گرنا ہی تھا۔ کہ پانی چشمے سے جوش کے ساتھ نکلا۔ گویا اس کے جھکے ہوئے چہرہ کے استقبال کو اُٹھا۔ اور جب روامی نے اپنا سر اُٹھایا۔ تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ پھول پر شبنم کے قطرے پڑے ہوئے تھے۔

ہم بہت آہستہ آہستہ دریا کے کنارے کنارے نیچے کی طرف چلے آئے اور راستہ میں کئی جگہ ٹھہرے۔ کیونکہ مجھے خیال تھا۔ کہ چشمے کے اس یکایک

اوبال سے خشک دریا میں پانی قدرے زیادہ ہوگیا ہے۔ اور یہ پانی شہر تک پہونچ جائیگا۔ غروب آفتاب کا وقت تھا۔ جب ہم شہر میں واپس آئے تو لوگ بڑی تیزی سے اِدھر اُدھر جا رہے تھے۔ کیونکہ دوسرے دن امرائے آب کا انتخاب تھا۔ اور ان کی بابت لوگوں میں بہت کچھ اختلاف تھا۔ اور آئندہ سال کی بارش کے پانی کو اکٹھا کرنے کے لئے نئے تالابوں کی تعمیر کا مسئلہ بھی درپیش تھا۔ مگر اجنبیوں کی طرح ہم وہاں سے گزر گئے۔ اور کسی نے ہماری پرواہ بھی نہ کی۔ اس کس مپرسی میں ہم گھر کے دروازے پر پہونچ گئے +

پھر محبت اور افسوس نے میرے دل میں جوش مارا۔ اور میں نے زواہی سے کہا کہ "تم شہر کی زندگی ہو۔ کیونکہ صرف تم نے ہی سرچشمہ کو فراموش نہیں کیا۔ اس کا راز تمہارے سینے میں ہے۔ اور یہ تمہاری بلاناغہ چشمے پر جانے کی برکت ہے۔ کہ دریا میں کچھ نہ کچھ پانی بہتا ہے۔ اور بربادی کی مصیبت پھر نازل نہیں ہوگی۔ اے ان تمام پژمردہ پھولوں کی جانِ شیریں! مجھے اجازت دے کہ ہمیشہ تیرے پاس رہوں۔ ہم ہر روز مل کر چشمے کی زیارت کو جایا کریں۔ اور اپنے اقوال اور زندگی کی مثال سے شہر کے آدمیوں کو وہ چیز یاد دلائیں۔ جسے وہ بھول گئے ہیں" +

میرے ہاتھوں کو چوم کر ایک پر معنی تبسم سے اس نے جواب دیا۔ کہ "اے یار عزیز۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ شہر پر زندگی یا موت آنے والی ہے۔ اور کسے معلوم ہے۔ کہ لوگ اس فراموش کردہ چیز کو آخرکار یاد کرینگے۔ یا ہمیشہ کے لئے اسے بھول چکے ہیں۔ جو کچھ شہر کی قسمت میں ہے وہی میرے نصیب میں ہوگا۔ کیونکہ میں یہاں ہی پیدا ہوئی اور اب یہاں ہی کی ہو رہی ہوں۔ مگر تم ان بے قرار طبیعت کے آدمیوں میں سے ہو۔ کہ جب تک وہ جہانگردی کے سبق کو پورا پورا نہ سیکھ لیں۔ تب تک ان کے پاؤں کو چین نہیں آتا۔ تم جاؤ اور اس مدعا کو حاصل کرو۔ اور یہ یاد رکھنا کہ میں چشمے کو کبھی نہ بھولوں گی" +

زوامی کی آواز میں میں نے خاموشی کی وہ پکار سُنی - جو ہمیں سفر کے لئے بلاتی ہے - اس پر میں وہاں سے چل پڑا جیسے کوئی عالم رویا میں پھر رہا ہو - اس مقام پر جہاں سے ویران ناکستان کی طرف راستہ جاتا ہے - میں نے کھڑے ہوکر پیچھے کو دیکھا - زوامی کے سر کے گرد غروب ہونے والے آفتاب نے سنہری شعاعوں کو ایک دائرہ بنا دیا تھا - اور اس کی روشن نیلگوں آنکھیں چمک رہی تھیں +

اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کہ شہر کا کیا حشر ہوا - آیا اب تک اُس کا نام مصرالامان ہے - یا پھر لوگ اسے منتی کہنے لگ گئے ہیں - لیکن اتنا جانتا ہوں - کہ اگر شہر میں زندگی کی کچھ رمق باقی ہے - تو وہ زوامی کی برکت سے ہے - کیونکہ وہ چشمے کو نہیں بھولی اور اس کے زیارت کے وقت کی پابند ہے - وہ ہر روز اس پہاڑی رستہ کو طے کرتی ہے اور چشمے پر جاکر اس پیارے نام کو لینی ریاد کرتی) ہے +

ایک رحمدل امیر اور بہادر کسان

ایک روز ایک سیلاب سے ایک پل جو ایک دریا پر تھا بہہ گیا صرف اُسکا درمیانی حصہ جس میں پل کے محصول لینے والے کا مکان تھا باقی رہ گیا - محصول گیر اور اُسکا خاندان اُسوقت مدد کیلئے پکار رہے تھے اُنکے مکان کے حصے بھی ایک ایک کرکے پانی کے ریلے سے جلد جلد دریا میں گر رہے تھے ایک امیر نے اُنکی مصیبت پر رحم کھاکر کہا کہ جو کوئی بھی اُنکی جان بچائیگا اُسے میں سَو اشرفیاں دونگا - لیکن کسی کو بھی جرأت نہ ہوئی - کیونکہ گرتے ہوئے مکان سے خود بچانے والے کیلئے خطرہ تھا - مگر ایک راہگیر کسان نے مدد کی - ایک کشتی میں سوار ہوکر مکان کے پاس پہونچا - اور مصیبت زدہ خاندان کو رسیوں کے ذریعہ کشتی میں اُتارا اور کنارے پر پہونچا دیا - امیر نے اشرفیاں اس کی نذر کیں - مگر اُسنے یہ کہکر واپس کردیں کہ "خدا نے مجھے میری اور میرے متعلقین کی گذر کیلئے بہت کچھ دیا ہے یہ اشرفیاں اس مصیبت زدہ خاندان کو دیدو جسکا سب کچھ تلف ہوگیا ہے" آفریں ہے ایسے نیکدل امیر پر اور صد آفریں ایسے کسان پر جس نے جان خطرے میں ڈالکر دوسرونکو بچایا اور کچھ بھی نہ لیا +

"انسانی ہمدردی ہو تو ایسی" (از گولڈن ڈیڈز)

تاریخ پالٹیکس

زراعت اور طائفہ (۲)

زراعتی جماعتیں۔ قرون وسطیٰ کے اختتام پر جبکہ یورپ میں علوم نے نئی زندگی اختیار کی اور "اصلاح" شروع ہوئی تو نہ صرف یورپ بلکہ ہندوستان مصر اور فارس میں گاؤں زراعتی جماعت سمجھا جاتا تھا۔ ابتدا میں گاؤں کسانوں اور مزدوروں کا جو زمین کی کاشت کرتے ہوں ایک مجموعہ معلوم ہوتا ہے۔ اُس کے باشندے محض ہمسائے ہیں۔ لیکن قرونِ وسطیٰ کا گاؤں اس سے بھی زیادہ خیال کیا جاتا تھا۔ یہ بالکل غلط ہے کہ گاؤں ایک سوشل جماعت ہے جس کے لوگوں کی کمائی مشترکہ ہوتی ہے۔ اگرچہ قرون وسطیٰ کے گاؤں کی ابتدا چاہے کچھ ہی ہو۔ لیکن تاریخی زمانوں میں ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی جس کی بنا پر گاؤں کو سوشل یا مشترکہ جماعت کہ سکیں۔ بلکہ تاریخی شہادت سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر کسان کے پاس اُس کی اپنی زمین ہوتی تھی اور وہ اپنی فصل کا آپ مالک ہوتا تھا۔ لفظ گاؤں کی جماعت یا "دیہاتی جماعت" کے جو معنے ہیں اُن کی تشریح ہم اُن چند مثالوں کے ذریعہ سے کرتے ہیں۔ جن کی رو سے یورپ کے اُنیسویں صدی کے گاؤں اور قرون وسطیٰ کے گاؤں میں صاف طور پر تمیز کی جا سکے۔

(۱) **کھلے کھیت**۔ قرون وسطیٰ کے گاؤں میں قابل کاشت اراضی کے گرد گھیرہ نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ سیکڑوں ایکڑ اراضی کے کھیت ہوتے تھے۔ اور ایک دوسرے سے جدا جدا اور چراگاہ اور بنجر زمین سے صرف اُس غیر مزروعہ اراضی سے جدا کیے جاتے تھے جس پر درخت وغیرہ ہوتے تھے۔ لیکن آجکل یورپ میں کھیتوں کے گرد جو گھیرے ہیں ان کی ابتدا اس سے کچھ ہی عرصہ

پیشتر ہوئی تھی۔

(۲) **مساوی اراضی۔** فی زمانہ گاؤں میں کھیت مختلف طول و عرض کے ہوتے ہیں۔ لیکن قرون وسطیٰ کے گاؤں میں کھیت ایک برابر ہوتے تھے۔ اور کسانوں کے پاس اراضی برابر برابر ہوتی تھی۔ مگر ایک یا دو کسانوں کے پاس زیادہ زمین ہوتی تھی۔ اور سب سے زیادہ زمین کا مالک معزز سمجھا جاتا تھا۔

(۳) **جبریہ خدمت۔** قرون وسطیٰ کے گاؤں میں دو غریب طبقوں کے لوگ امیر طبقہ کے لوگوں کی اراضی اور کاشت کے کاموں کو اجرت پر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اُن کی اراضی کو چند شرائط پر جوتتے تھے۔ "مزدور" وہ لوگ کہلاتے تھے جو بالکل آقا ہی کے لئے کام کرتے تھے۔ مگر "جوتا" وہ لوگ ہوتے تھے جو اپنے وقت کا ایک حصہ مالک اراضی کے کام میں صرف کرتے تھے۔ بعض اوقات جوتا اپنی خدمت کے عوض ایک خاص رقم لگان کی ادا کرتے تھے۔ ایسے لوگ ذیلی کاشتکار کہلاتے تھے۔ کاشتکاروں کو کسی وقت میں ضرور دوسرے کا کام چاہے اُسے وہ پسند کرتے یا نہیں کرتے تھے کرنا پڑتا تھا۔ اسی کا نام جبریہ خدمت ہے۔

(۴) **مخلوط اراضی۔** فی زمانہ ہر گاؤں میں کسان کے کھیت ایک مجموعی حالت میں ہوتے ہیں اور پاس پاس۔ لیکن قرون وسطیٰ کے گاؤں میں کھیت ایک دوسرے سے فاصلہ پر ہوتے تھے۔ جبکہ کسان کو ایک ساتھ کئی کئی اراضیوں کی کاشت کرنی پڑتی تھی۔ مگر اس قسم کی کاشت میں بھی زیر کاشت رقبہ میں سے ایک حصہ کی کاشت کرنا پڑتی تھی اور ایک کی نہیں۔ مزید براں اُسے چراگاہ میں مویشی چرانے کے لئے اور دیگر چوپاؤں کے گزارہ کے لئے بنجر اراضی میں بھی حصہ ملتا تھا۔ مزید براں مقررہ اوقات پر کسانوں کو اراضی از سر نو تقسیم کیجاتی تھی اگرچہ اس قسم کی تقسیم ترقی یافتہ ممالک یورپ میں قرون وسطیٰ سے پیشتر ہی معدوم ہو چکی تھی لیکن سویڈن اور ڈنمارک میں اب تک موجود ہے۔ یہ رسم ہندوستان میں بھی تھی۔ اور ایران میں اب بھی ہے

(۵) **معمولی انتظام۔** یہ طریق انتظام جس سے دوسرے طریقوں کی نسبت

قرون وسطیٰ اور زمانۂ حال کے گاؤں میں تمیز کی جاسکتی ہے مثال ہم کا نتیجہ ہے۔ گاؤں کا کل انتظام موروثی طور پر ان اصول کے مطابق جو زمانۂ قدیم سے رائج تھے کیا جاتا تھا۔ اور سارے کسان ان اُصول پر کاربند ہوتے تھے۔ مگر آجکل ہر کسان اپنی اراضی کا انتظام اپنے طور پر کرتا ہے اور اُن شرائط کے مطابق جو اُس کے اور مالک اراضی کے درمیان ہو جاتی تھیں۔ مثلاً ایک کسان اپنی فصل جمعہ کے دن کاٹنا شروع کرتا ہے۔ دوسرا سنیچر کے دن اور تیسرا اتوار کے دن۔ مگر یہ انتظام قرون وسطیٰ میں ناممکن ہوتا۔ جبکہ اراضیاں مخلوط ہوتی تھیں۔ اسوقت تو گاؤں کو مقررہ اصول کی پابندی فرض تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ کاشتکاری میں صدیوں تک کوئی ترقی نہیں ہوسکی تھی +

(۴) حکام۔ فی زمانہ گاؤں میں ایک چوکیدار اور ایک دینی پیشوا ہوتا ہے۔ چوکیدار کا تقرر گاؤں والوں کی طرف سے نہیں ہوتا۔ مگر دینی پیشوا کا ہوتا ہے اسی لئے اُسے زیادہ اختیار نہیں ہوتا۔ مگر قرون وسطیٰ میں ہر گاؤں میں حکام یا کارکنوں کی ایک مقررہ تعداد ہوتی تھی جنکو گاؤں کے لوگ مقرر یا منتخب کرتے تھے اول مکھیا ہوتا تھا جو مالک گاؤں کے نزدیک مزدوروں کی اجرت کا جوابدہ ہوتا تھا اور گاؤں کے کاروبار کو دوسرے گاؤں کے لوگوں کے ساتھ مکمل کرنے میں وہی خاص دخل رکھتا تھا۔ پھر سپاہی ہوتا تھا۔ جو لوگوں کو ایک خاص جگہ گاؤں کی ضروریات کا فیصلہ کرنے کے لئے فراہم کرتا تھا۔ اور مکھیا کے احکام کی تکمیل بھی کرتا تھا۔ پھر مویشی کا نگراں ہوتا تھا جو گمراہ مویشی کو اپنی حوالات میں رکھتا اور جرمانہ لے کر چھوڑتا تھا۔ پھر چوکیدار جو رات کو مویشی اور دیگر چیزوں کی رکھوالی کرتا تھا۔ ہندوستان اور دیگر مشرقی ممالک میں گاؤں کا بڑھئی۔ کمہار۔ لوہار۔ وغیرہ بھی دراصل کارکن ہی ہیں۔ جنکو اور کارکنوں کی مانند اس اراضی کی پیداوار سے اجرت یا تنخواہ ملتی ہے جسے اُن کی طرف سے گاؤں کے لوگ جوتتے ہیں۔ اسکے صلہ میں یہ کارکن گاؤں والوں کے اُن کاموں کو انجام دیتے ہیں جو اُن کے ذمہ ہوتے ہیں +

گاؤں کی ابتدا۔ مذکورہ بالا باتوں سے ظاہر ہے کہ قرون وسطیٰ کا گاؤں

سوشل جماعت نہیں تھی - بلکہ ایک پابند اصول جماعت اور نیز متحدہ - اور وہ زمانۂ حال کے یورپین کاشتکاروں کی جماعت سے جسمیں اتحاد محض اسوجہ سے ہوتا ہے کہ وہ ایک مالک اراضی کے کاشتکار ہیں بالکل نہیں ملتی - گانوں کی نسبت اصول اراضی وغیرہ کے ماہروں میں اختلاف رائے ہے - ایک گروہ کی رائے ہے کہ گانوں رشتہ داروں کے ایک گروہ کا نام ہے جو صرف اپنی ہی ضروریات کے لئے کام کرتے ہیں - دوسرے کی رائے یہ ہے کہ وہ غلاموں کا گروہ ہے جو مالک کیلئے کام کرتے ہیں - مگر یہ دونو رائے غلط ہیں - اگر طوایفی جماعتوں کے اوصاف کو دیکھا جائے تو یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں - (۱) اگرچہ گانوں کے زیادہ تر لوگ رشتہ داری ہوتے تھے لیکن ان میں اجنبی بھی خدمتگذاروں کی حیثیت سے شریک ہوسکتے تھے (۲) مالدار رشتہ دار غریب رشتہ داروں کو سالانہ لگان وغیرہ پر کچھ مواشی اودھار دیدیتے تھے (۳) ہر طایفہ کا ایک سردار ہوتا تھا جو اہل طایفہ سے چند مسلمہ حقوق کے طور پر نذرانہ وغیرہ لیتا تھا گویا طایفہ میں کئی درجہ ہوتے تھے - طایفہ اور گانوں میں کوئی فرق نہیں ہے - کیونکہ گانوں کا مالک طایفہ کے سردار سے مشابہ ہے - دولتمند اہل طایفہ بڑے کاشتکاروں سے - غریب کسانوں سے - اور اجنبی غلاموں سے +

طایفہ اور خیل میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے - طایفہ کا ایک سردار ہوتا ہے - پھر طایفہ کے کئی درجہ ہوتے ہیں - جو کسانوں اور خدمتگذاروں سے مشابہ ہوتے ہیں - گلہ بانی کیحالت میں اراضی کی تقسیم نہیں ہوتی تھی - کیونکہ وہ ملک نہیں سمجھی جاتی تھی - بلکہ مواشی - لیکن طایفہ کی حالت میں ملک اراضی تصور کیجاتی ہے اور اسکی تقسیم ہوجاتی ہے - طائفہ کے کئی درجے کئے جاتے ہیں - اس امر کا ثبوت ویلس - اور اسکاٹ لینڈ کے مالکان اراضی اور کسانوں وغیرہ کے حقوق وغیرہ سے بھی ہوتا ہے - وہاں بھی طایفہ اور خیل کی مشابہت پوری ہوتی ہے +

گانوں بسنے کی وجہ - یہ دو بتائی جاتی ہیں - بعض لوگوں کی رائے ہے کہ اسکی وجہ رشتہ داری ہے - اور بعض کہتے ہیں کہ سرداری ہے - رشتہ کے تعلقات گاؤں بسانے کیلئے کافی ہیں - کسی شخص کو جو سردار ہو حکمرانی بھی گانوں بسانے کیلئے مسلم الثبوت ہے اور کسی گاؤں کے بسائے جانے کیوجہ ان ہی دو وجوہات میں سے ایک ضرور ہوسکتی ہے +

کفایت شعاری

زندگی کا بیمہ (۲)

انسانوں کی جس روش کا ذکر گذشتہ باب میں آچکا ہے اس سے نہ صرف ناعاقبت اندیشی ہی ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ ایک قسم کا ظلم بھی۔ کیونکہ ایک خاندان کو عمدہ کھانوں اور کپڑوں اور آسائش کا عادی بنانا۔ اور پھر ان کو بے سامان چھوڑ دینا اور کارخانوں کا محتاج کر دینا۔ یا رشتہ داروں کی مدد کا طالب۔ یا غریب خانوں کی امداد کا مستحق۔ یہ بات سوسائٹی کے نزدیک تو جرم کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے اور خود ایسے خاندان کے نزدیک ظلم کی حد تک +

یہ امر قابل تسلیم ہے کہ اُن لوگوں کی تعداد جو اپنے خاندانوں کے نفع کے لئے کافی سرمایہ چھوڑ جاتے ہیں فی زمانہ بہت ہی کم ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہی ہو کہ خاندان کی ضروریات لوگوں کی ساری آمدنی کو خرچ کرا دیتی ہیں اور جو کچھ بھی ان کے لئے کسی بنک میں جمع کیا جاتا ہے اس کا ہونا نہ ہونا یکساں ہے کیونکہ وہ بہت ہی قلیل ہوتا ہے۔ اس لئے بھی بعض لوگ خاندان کی آسایش کے لئے سرمایہ جمع کرنے کے خیال کی طرف سے بالکل مایوس ہو جاتے ہیں +

لیکن جو لوگ کسی بیمہ کمپنی میں داخل ہو جاتے ہیں اُن کا خاندان ہلاکت و فلاکت سے بچ رہتا ہے۔ مثال کے طور پر لیجئے۔ ایک شخص جسکے بیوی بچے ہوں کسی کاروبار کو شروع کرے۔ اور یہ خیال کرے کہ اگر اُسکی زندگی کے ایام زیادہ ہوئے تو وہ ایک وقت میں اپنے متعلقین کے لئے اپنی موت کے وقت کافی سرمایہ چھوڑ جائیگا۔ مگر اس خیال سے کہ موت کا وقت معلوم نہیں ہوسکتا وہ ایک بیمہ کمپنی میں تیس سال کی عمر میں شریک ہو جاتا ہے۔ اور پانسو پونڈ کے عوض اپنی زندگی بیمہ کراتا ہے۔ اور ۱۲ سے لیکر ۱۳ پونڈ سالانہ تک اس رقم کے لئے جمع کرتا ہے۔ بیمہ کمپنی کی پہلی ہی قسط ادا کرنے کے بعد چاہے وہ قسط کی ادائگی کے ایک

ہی ہفتہ بعد فوت ہوجائے اُس کا خاندان پانسو پونڈ حاصل کرنیکا حقدار ہوجاتا ہے +

اگر یہ شخص بیمہ کمپنی میں داخل نہ ہوتا۔ بلکہ اپنا سرمایہ کسی بنک میں ۱۲ یا ۱۴ پونڈ سالانہ کے حساب سے داخل کرتے تو پانسو پونڈ کی رقم کو بیس سال کے عرصہ میں جمع ہو سکتی۔ مگر اس عرصہ بھر اُسے بڑی فکر اور تشویش رہتی۔ لیکن بیمہ کمپنی کی شراکت سے یہ فکر بھی دور ہوگئی اور سرمایہ کا حق پہلی ہی قسط ادا کرنے کے بعد پختہ ہوگیا +

اس طریقہ میں زندگی کا بیمہ ایک قسم کا ٹھیکہ یا معاہدہ سمجھنا چاہئے جسکے ذریعہ سے زندگی کی غیر یقینی باتیں ایک درجہ تک یقینی ہو جاتی ہیں اور زندگی سے متعلق نقصانات نفع کی صورت میں بدل جاتے ہیں۔ اور جو لوگ جلد مر جاتے ہیں اُن کے خاندان ان لوگوں کی دولت میں حصہ دار ہو جاتے ہیں جنکو موت دیر میں آتی ہے۔ اگر کوئی شخص میعاد بیمہ سے پیشتر نہ مرے تو بھی وہ تفکرات سے تو بالکل بری الذمہ رہتا ہے +

جو لوگ اپنے مکان اور اس کے اسباب کا بیمہ "آگ کا بیمہ" کرنیوالی کمپنیوں میں کراتے ان کو اپنی زندگی کا بیمہ بھی کسی مرض کے یا اچانک موت خوف سے کرانا چاہئے۔ جو دنیوی دور اندیشی ایک کام میں نفع دیتی ہے وہ دوسرے کاموں میں اور زیادہ نفع دے سکتی ہے۔ جیسے جو کسی بیوی اور کئی بچوں کی آسائش کا ذریعہ ہے وہ فرض ہے اور جو شخص کہ فرض سے غفلت کرتا ہے وہ قابل معافی نہیں ہے۔ جس طرح ایک خاوند اور ایک باپ پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی اور اپنے بچوں کو روزہ روٹی مہیا کرے اسی طرح اُس پر یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنی موت کے بعد بھی اُن کی تکلیف کا چارہ مہیا کرے +

مزدوری پیشہ لوگوں کی سوسائٹیاں جو "فرینڈلی" یا "بینفنٹ" سوسائٹی کے نام سے یاد کی جاتی ہیں وہ دراصل مشترکہ اغراض کی انجمنیں ہیں۔ جو لوگوں میں اپنی ذات پر بھروسہ رکھنے کی عادت دلواتی ہیں۔ اسلئے اُن کے مقاصد کو ترقی دینا چاہتے

یہ حیرت انگیز بات ہے کہ انگلستان میں ان انجمنوں میں کوئی ۴۰ لاکھ مزدوری پیشہ لوگ شریک ہیں جنکے ہاتھوں میں ۱۱ ملین (املین = ۱۰ لاکھ) پونڈ کا سرمایہ ہے! اور جسقدر نفع یا منافع ان کے ممبروں کو دیا جاتا ہے اُس کی تعداد کوئی ۲۰ لاکھ پونڈ سالانہ ہے +

اگرچہ فرانس اور بلجیم کے باشندے ایسی سوسائیٹیوں میں کم شریک ہوتے ہیں۔ لیکن قدرتی طور پر یہ لوگ بڑے کفایت شعار اور دور اندیش ہیں۔ وہ انجمنوں میں نہیں بلکہ وہ اپنا روپیہ اراضی اور پبلک فنڈز میں لگاتے ہیں۔ ان دونو قوموں کو اراضی کی بھوک ہے۔ اور زیادہ اراضی حاصل کرنے کی نسبت سے وہ جسقدر روپیہ کہ پس انداز ہوسکتا ہے بچا لیتے ہیں۔ فرانسیسیوں نے اراضی پر روپیہ لگانے کے ذریعہ سے فرانس کی سرزمین کو اس قومی قرضہ کی گرفت سے آزاد کرالیا جسکے باعث اہل جرمنی اُس پر قابض ہوسکتے تھے +

انگلستان کی باہمی امداد کی سوسائیٹیوں میں باوجود اُن کے بہت سے مفاد کے اب تک بہت سے نقائص ہیں۔ اُن میں انتظام وغیرہ کا نقص ہے۔ اور بہت سی سوسائیٹیوں کی مالی حالت اچھی نہیں ہے۔ بعض سوسائیٹیوں کا چندہ بہت ہی کم ہے اور بعض کی فیاضی زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ ان نقائص کے باعث اکثر سوسائٹیاں قبل از وقت یا جلد ترمٹ جاتی ہیں +

مزدوری پیشہ لوگوں کی سوئیٹیاں جو زیادہ تر عام مفلسی کے باعث قائم کی گئی ہیں وہ زیادہ تر سرمایہ جمع نہیں کرسکیں۔ اور نہ وہ زیادہ ممبروں کی اور نہ عمدہ طریقہ میں امداد کرسکتی ہیں۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ انسان جب عملی زندگی کے میدان میں قدم رکھتا ہے تو اوّل اوّل اُس کی آمدنی اسقدر نہیں ہوتی کہ وہ کچھ پس انداز کرسکے۔ مزید براں غیر معمولی اخراجات جو حوادث کے باعث پیدا ہوتے ہیں وہ بھی اُن کی آمدنی کا ایک حصہ خرچ کرا دیتے ہیں۔ اور اگر ایسے لوگ کام کے قابل نہیں رہتے تو جو کچھ بھی وہ پس انداز کرتے ہیں اُسے بھی خرچ کر ڈالتے ہیں۔ اگر اُن کے سر دوسروں کا خرچ بھی ہوتا ہے تو پھر تو بھوکوں

مرنے کی نوبت آجاتی ہے۔ یا بھیک مانگنے کی۔ ایسی ہی حالتوں کو دیکھ کر مزدوری پیشہ لوگوں نے امدادی سوسائٹیاں قائم کیں۔ اور تھوڑی سی رقم چندہ کی مقرر کرکے بہت سا روپیہ جمع کرلیا تاکہ ممبروں کو بیماری یا دوسری ضرورت کے موقع پر کافی مدد مل سکے۔

جن ذریعوں سے ایسی سوسائٹیاں چلائی جاتی ہیں وہ نہایت سیدھے سادے ہیں۔ ہر ممبر ۴ پنس سے ۷ کر ۶ پنس تک فی ہفتہ کے حساب سے چندہ دیتا ہے۔ اور ان ہی رقوم میں سے مقررہ امداد دی جاتی ہے۔ بہت سی امدادی سوسائٹیوں میں بیواؤں اور یتیموں کی امداد کے لئے بھی فنڈ ہوتا ہے۔ اور جب کوئی ممبر فوت ہوجاتا ہے تو اُس کے پس ماندگاں کو مدد دیجاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی انجمنوں میں چاہے کتنا ہی اور کیسا ہی نقص ہو۔ لیکن وہ لوگوں کو فائدہ ضرور پہنچاتی ہیں۔ اس قسم کی ایک انجمن جو "منچسٹر یونٹی آف اولڈ فیلوز" کے نام سے یاد کیجاتی ہے اُس کے ممبروں کی تعداد ۵ لاکھ سے زیادہ ہے۔ اور اس کا سرمایہ ۳۶۰۷۳۶۶ پونڈ ہے اور وہ بیماری کی حالت میں اور منافع کے طور پر لوگوں کو ہر سال ۳۰۰۰۰ پونڈ دیتی ہے۔ اور اُن لوگوں کو نفع پہنچاتی جو اس کے قائم کرنے والے ہیں یا جن لوگوں کی مدد کے لئے وہ قائم کی گئی تھی۔ اُسی کے ذریعہ سے لوگ کفایت شعاری کرکے ضروریات پوری کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کفایت شعاری ہی باہمی امداد کا ذریعہ ہے۔ اور کفایت شعاری ہی لوگوں کو مشترکہ اغراض و فوائد کے انجام دینے پر مائل کرسکتی ہے۔ اُس کے ذریعہ سے سوسائٹی کے تمام صیغوں میں غیر معمولی اور نہایت عمدہ نتائج کا ظہور ہوا ہے۔ کفایت کو اگر تہذیب کے نام سے یاد کیا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔

معراج کو کیوں نیچا کرتے ہو

آج کل مذہبی دنیا میں ایک قابل افسوس بات یہ ہے کہ جو شخص کسی مذہبی سماج یا فرقہ میں بڑے اعلے معراج کو دیکھ کر آتے ہیں کچھ عرصہ کے بعد اُن کے اخلاقی مجلسی یا روحانی خیالات نیچے کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انسان اپنے ضمیر کی بات کو نہ سنکر اس کی آواز کو دبانا چاہتا ہے۔ اور اعلے معراج۔ ضمیر کا ہم سے خاص خاص اعلے کاموں کو کرانا ہی ہے۔ کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ ہم بعض بعض اعلے خیالات کو اس لئے برطرف کردیتے ہیں۔ چونکہ زندگی کا تجربہ ثابت کرتا ہے۔ کہ وہ ناقابل عمل ہیں؟ مگر وہ کس وجہ سے ناقابل عمل ہیں۔ کیا اس وجہ سے کہ وہ کسی طرح سے بھی عملی صورت اختیار نہیں کرسکتے۔ اور یا اُنکا عمل میں آنا ناممکن ہے؟ تب تو وہ اعلے معراج نہیں کہلا سکتے۔ ایشور تم سے ایسا کام کرنے کو نہیں کہتے۔ جو تم کر نہیں سکتے۔ مگر شائد تمہارا مطلب یہ ہو کہ خاص خاص باتوں کے پورا کرنے میں ہمیں بڑی قربانی کرنی پڑتی ہے۔ اور وہ قربانی تم سے ہو نہیں سکتی۔ پھر تو تمہارا یہ مطلب ہوا کہ جن کاموں میں بہت قربانی کرنی پڑے وہ نہ کرو۔ مگر جو شخص ایسا خیال کرتا ہے۔ وہ (ایشور یہ پُرش) سچے معنوں میں خدا کا بندہ نہیں بلکہ دنیا کا غلام ہے۔ بھلا جب ہمارے دل میں خدا کی آواز پیدا ہوئی اور ہم اس کے مذہب میں داخل ہوئے تو کیا ہم نے یہ کہدیا تھا۔ کہ ہم خاص خاص باتیں کرینگے اور پھر آرام کی نیند پڑ کر سوئینگے یہ شائد اسی حالت میں ممکن تھا جب خدا کی آواز ہمارے لئے بند ہو جاتی۔ لیکن وہ تو دن بدن ہمکو اعلے سے اعلے روحانی اخلاقی اور مجلسی خیالات دکھاتا رہتا ہے۔ جیسا عقلمندوں کا قول ہے۔ اگر اعلے معراج کے مقابلہ میں ادنے معراج پر چلنا ہی گناہ ہے تو سوچو کہ دنیاوی عقل جو ہم کو اعلے معراج کو برطرف کرکے آرام و اطمینان سے پڑے رہنے کی ترغیب دیتی ہے اور جو کچھ کہ تمام گنہگار دنیا کے آدمی کر رہے ہیں وہی کرنے کی صلاح دیتی ہے کیسی گنہگار اور خراب ہے۔ اگر ایسے ہی

اہل دُنیا کا رنگ

(نواب محمد عمر خاں صاحب وقارالملک اعظم حیدرآباد دکن)

ہے زمانے کا کچھ نرالا رنگ دیکھ کر جس کو ہے طبیعت دنگ
تنگدستی سے ہے کوئی دل تنگ اور کوئی ہے صاحب اورنگ
کوئی مفلس ہے اور کوئی غنی
اس کو راحت تو اُس کو خستہ تنی

ہے کوئی فرط عیش سے دلشاد ہے کسی کی زبان پر فریاد
ایک دامِ ملال سے آزاد اِک گرفتار پنجۂ صیاد
خندہ زن کوئی صورتِ گل ہے
کوئی گلزار غم کا بلبل ہے

ہے کسی کو نصیب عیش و طرب ہے کوئی مبتلائے رنج و تعب
ہے کسی کا عروج پر کوکب کوئی آفت میں ہے پھنسا بیڈھب
کوئی سرسبز ہے ۔ کوئی پامال
کوئی بے حال ہے ۔ کوئی خوشحال

بیحیائی کسی کا ہے شیوہ ہے کوئی پائے بند شرم وحیا
بیوفائی پہ ہے کوئی مرتا ہے کوئی سالکِ طریقِ وفا
جھوٹ کہنے کا کوئی خوگر ہے
اور صداقت کسی کا جوہر ہے

ہے کسی کو نصیب وصل صنم آنکھیں فرقت میں ہیں کسی کی نم
کوئی نالاں ہے کوئی خوش وخرم کوئی شاداں کسی کے لب پر دم
کوئی مستِ وصالِ دلبر ہے
نگراں کوئی جانبِ در ہے

الغرض رنگ روزگار وفا ہے بلاشک مثال صبح و مسا
تھا ابھی آفتاب جلوہ نما ابھی وقتِ غروب آپہونچا

ابھی آئی تھی ہائے فصل بہار
کہ خزاں ہوگئی گلے کا ہار

ہے وہی آج صاحبِ حکمت رنگ دنیا سے جسکو ہو عبرت
غم کا ہو غم نہ عیش سے رغبت رہے آزاد سرو کی صورت

نہ بہار و خزاں سے کام رہے
باغبان پر نظر مدام رہے

(از ید بیضا)

لوازم انسانیت

(از حضرت خنجر سکندر آبادی)

پوچھا اک روز کسی شخص نے اک فلسفی سے آپ دانا ہیں مگر پھر نہیں رہتے خوشحال
میری دانست میں اک طرح کی نادانی ہے کھینچ کر رنج کسی نے جو کیا کب کمال
صرف افکار ہو کیوں عمر دو روزہ اپنی چار دن کے لئے کیوں کیجئے اندوہ ملال
فائدہ سطح سمندر کی جو پیمایش کی ہوا معلوم بھی کچھ اس کے عمق کا احوال
کر بھی لی آپ نے گو گردشِ انجم ثابت کرۂ ارض کی یا گن بھی لئے دشت وجبال
اب لی دوری واقطار مہ و مہر تو کیا یا کہ دریافت کیا آپ نے اک امر محال
کیا نتیجہ ہے جو افلاک کے تارے گنے علم ماہیتِ عالم بھی ہوا استحصال
گو نباتات کی خاصتیں معلوم ہوئیں کھل گیا یا کہ کم و بیش جمادات کا حال
کیفیت چار عناصر کی ہوئی بھی ظاہر جان لینے سے مزاجوں کے ہے کیا انفصال
علم جتنا ہو بس اُتنی ہی گرانباری ہے پھر وہ کیوں کام کریں جس سے کہ ہو اضمحلال
جب مسلم ہے کہ "العلم حجاب الاکبر" عقلا رکھتے نہیں کس لئے پھر اسکا خیال
فلسفہ تھا جو قدیم آج کہاں ہے باقی کردیا اُس کا نئے فلسفہ نے استیصال

ترقی

آج ہو گو یہ نیا کل کی خبر ہے کس کو — بدلے آئندہ زمانے میں یہ سب ماضی وحال
کرتے رہتے ہو جو پیچیدہ مسائل ایجاد — جان کو مفت لگا لینا ہے اپنی جنجال
بن سکینگے نہ ہم انسان سے اعلیٰ مخلوق — بات کیا نکلی اگر کھینچ بھی لی بال کی کھال
تھیوری ساری یہ انسان ہی تک ہے موقوف — کہ صعود اپنے لئے اِس سے زیادہ ہے محال
سعی بے فائدہ کرنی ہے ترقی کے لئے — کاہش و کاوش و کلفت ہے فقط اِس کا مآل
مغتنم حالتِ موجودہ کو اپنی سمجھو — میٹ دو صفحۂ خاطر سے ترقی کا خیال
رہنا جب تک ہے یہاں وقت گزاری کیجے — یہی وہ شے ہے جسے کہتے ہیں سب استقلال
فلسفی نے یہ مناسب ہے کہا گرچہ جناب — قیمتی وقت کے کھو جانیکا ہے مجھ کو خیال
مختصر عرض جو کرتا ہوں یہ ہے اُسکا سبب — کہ غلط فہمی پہ مبنی ہے سراسر یہ سوال
ابتداءً بشر اک نام ہی کو انسان تھا — جوہرِ عقل ہی کچھ بیش تھا اے نیک خصال
بود و باش ایک سی تھی ایک تلاش ایک معاش — یعنی انسان اور حیوان کا تھا ایک سا حال
ایک سے دونوں کے تھے سب حرکات و سکنات — ایک تہذیب تھی اور ایک مشن ایک خیال
بن گیا آدمی انسان ترقی کے سبب — آج کل روئے زمین پر جو نہیں اُس کی مثال
چھوڑ دی اُس نے ترقی تو ہے یہ اندیشہ — آدمیت میں نہ آجائے کہیں اُسکی زوال
عود کر جائے نہ پھر اپنی اسی حالت پر — جس سے صدیوں میں نکل کر یہ بنا اہل کمال

(راز ید بیضا)

قطعہ

(نتیجۂ فکر رسا حضرت احسان رامپوری)

عشاق سے محشر میں خدا پوچھیگا اے شوخ — بدلا ستم و جور کا تم چاہتے کیا ہو
وہ عرض کرینگے کہ خداوند دو عالم — وہ چیز ملے جس سے تلافیٔ جفا ہو
فرمائیگا پھر خالقِ کونین یہ اُن سے — سب کچھ ہے یہاں شوق سے لو آج جو چاہو
عشاق کہینگے ہمیں اس کی نہیں خواہش — فردوس کا دروازہ ہمارے لئے وا ہو
جو بانیٔ بیداد ہیں مل جائیں وہ ہم کو — پوری یہ تمنائے دلی بارِ خدا ہو

ارشاد یہ ہوگا یہی مرضی ہے تو بہتر ۔۔۔ لے لے اُسے جس نے جسے آزار دیا ہو
یہ خوشخبری سُنکے ہوں عشاق تو خوشدل ۔۔۔ معشوقوں میں فریاد ہو نالہ ہو بکا ہو
القصہ ملے قیس کو لیلےٰ دل آزار ۔۔۔ فرہاد کو شیریں ملے تو مجھ کو عطا ہو
احسان گلا کرتے ہیں اُس بُت کا خدا سے ۔۔۔ آجائے اگر ایسے میں وہ بھی تو مزا ہو

(از بیضا)

ترانہ حمد

(از منشی بالک رام صاحب شاد بجواڑیہ۔ سررشتہ دار ریاست پٹیالہ)

اونچی ہے شان تیری۔ اونچے مکان والے ۔۔۔ تجھ تک ہو کیا رسائی او آسمان والے
دیر و حرم میں ڈھونڈا ہے کر چراغ برسوں ۔۔۔ تیرا نشاں نہ پایا اُوج آسمان والے
سیڑھی لگا رہا ہے کیا عقل نکتہ رس کی ۔۔۔ گھر دور ہے خدا کا او نردبان والے
او ناطقہ کہاں ہے تابِ کلام تجھ کو ۔۔۔ تو اور حمد باری گونگی زبان والے!
ہے عقل پاشکستہ۔ تیری رہِ طلب میں ۔۔۔ دوڑائیں خاک گھوڑے وہم و گمان والے
اے گرد بادِ صحرا بڑھکر خبر تو لانا ۔۔۔ ہاں کسکی جستجو میں ہیں کارواں والے
ناقوس پھونکتے ہیں اہلِ کنشت تیرا ۔۔۔ پڑھتے ہیں تیرا کلمہ یارب اذاں والے
جائیں ہزار تیری شانِ کرم کے صدقے ۔۔۔ او منعمِ حقیقی نعمت کے خوان والے
ابرِ کرم سے تیرے ہے آبروئے ہستی ۔۔۔ او قوسِ آسماں کی رنگین کمان والے
پرتو سے تیرے روشن یہ تیرہ خاکداں ہے ۔۔۔ اُف رے تیری تجلی او عز و شان والے
کرسی ہے تیرے گھر کی بامِ فلک سے اونچی ۔۔۔ بندے ہیں تیرے در کے اونچے نشان والے
دل میں تجلی تیری آنکھوں میں نور تیرا ۔۔۔ قالب میں روح ہیں تو جانوں کے جان والے
کر ترک وضع دنیا۔ پردہ اُٹھا خودی کا ۔۔۔ او محو خودنمائی۔ او آن بان والے
کرتی ہے موشگافی فکرِ دقیقہ رس کیا ۔۔۔ مشکل کنہ ہے تیری او دوجہان والے

ادراک کا ہے تیرے پایہ یقیں سے اونچا
زینہ ہے تیرے گھر کا عرشِ بریں سے اونچا

(از زمان)

تازہ غزل

نتیجہ فکر جناب حیات بخش صاحب رسا دہلوی

شاگرد رشید حضرت داغ دہلوی مرحوم

وہ مجرم ہونگے اور ساری خدائی مدعی ہوگی　　قیامت کی گھڑی بھی کیا قیامت کی گھڑی ہوگی

نہ پوچھو حال محشر تم وہاں پل چل پڑی ہوگی　　خدا گو ایک ہے، لیکن خدائی دوسری ہوگی

یہی بت ہیں تو کیا کعبہ میں جاکر ہاتھ آئیگا　　یہی دل ہے تو کیا ہم سے خدا کی بندگی ہوگی

ہمارے منہ سے شکوے بھی دعائیں بنکے نکلینگے　　ہم ایسے ہیں ہماری دشمنی بھی دوستی ہوگی

جو تم آئینہ دیکھو گے تو غش آجائیگا تم کو　　خودی سے دو قدم آگے تمہاری بیخودی ہوگی

ہمارا مدعا کس طرح اُن کے کان تک پہونچے　　زبان نامہ بر کیونکر زبانِ مدعی ہوگی

مئے اطہر کا وعدہ اور پھر وعدہ بھی واعظ کا　　وہ کیا پلوائیگا اور وہ جس نے خود نہ پی ہوگی

وہ مرنا بھی اگر چاہیں کسی پر مر نہیں سکتے　　جناب خضر کی بھی زندگی کچھ زندگی ہوگی

جبیں سائی سے حاصل وہ مصیبت مٹ نہیں سکتی　　مری تقدیر میں جو لکھنے والے نے لکھی ہوگی

جو غم ہوگا تو اک مرگ عدو کا اُنکو غم ہوگا　　خوشی ہوگی تو اک مرنے کی میرے بس خوشی ہوگی

لے ہم قبر میں بھی ساتھ لیکر اپنے جائینگے　　جنازہ پیچھے پیچھے آگے آگے بیکسی ہوگی

خدا ہی ہے جو خلوت ہو میسر وصل کی شب ہے　　خودی ہوگی کسی کی اور ہماری بیخودی ہوگی

یہ کیا چھپ چھپ کے پردے میں ملا جاتا ہے دشمن سے　　کسی دن دیکھنا خلقت تماشا دیکھتی ہوگی

شب فرقت کا گر اب کے سویرا کر دیا اُس نے　　تیرے بیمار کی گویا دوبارہ زندگی ہوگی

تیرا جور و ستم روز قیامت رنگ لائے گا　　خدا کے سامنے ساری خدائی مدعی ہوگی

بلا کی کشمکش میں ہے نہ مرتا ہے نہ جیتا ہے　　رسا کمبخت کی بھی زندگی کچھ زندگی ہوگی

(از اخبار نیر اعظم)

استقبال مصیبت

از سید وجاہت حسین صاحب وجاہت جھنجھانوی

ایڈیٹر رسالہ اصلاح سخن لاہور

مصیبت کی کہانی سر بسر تحریر کیسی ہے — بیانِ درد و حسرت ہے مری تقریر کیسی ہے
پھنسا ہو جو مصیبت میں کوئی اس سے ذرا پوچھے — یہ کیسی سخت آفت ہے کڑی زنجیر کیسی ہے
نہیں ہوتا مصیبت میں کوئی ساتھی نہیں ہوتا — یہ کیسا انقلاب اس میں ہے یہ تغیر کیسی ہے
جو اپنے ہیں وہ بنجاتے ہیں بیگانے مصیبت میں — بُرے ایام کی پیچ ہے بُری تاثیر کیسی ہے
مصیبت کے بھی چرکے مختلف تاثیر رکھتے ہیں — کوئی تلوار کیسی ہے کوئی شمشیر کیسی ہے
وہ ہے شخصی مصیبت جو ہو نازل شخص واحد پر — سمجھ لیجئے کہ اُسکو فکر دامنگیر کیسی ہے
مصیبت خاندان کی سارے کنبے کی مصیبت ہے — یہ اس کا فر بلا میں قوت تسخیر کیسی ہے
پھر اس سے آگے بڑھکر درجہ ہے قومی مصیبت کا — جو ہو محبوس غم اُس قوم کی تقدیر کیسی ہے
مگر جو سب سے بڑھ چڑھ کر ہے وہ ملکی مصیبت ہے — بیان ہوتی نہیں پُر درد یہ تقریر کیسی ہے
خصوصاً یہ ہمارا ملک مرجع ہے مصائب کا — یہاں سب آفتوں کی ملک او جاگیر کیسی ہے
کبھی طاعون اور ہیضہ کبھی ہے قحط کا دورہ — بجائے خود مصیبت ان میں سے ہر تصویر کیسی ہے
مبدل کیوں نہیں ہوتی مصیبت اپنی راحت سے — تری گردش بتا اے آسمان پیر کیسی ہے
مصیبت پھر مصیبت ہے وہ کچھ ہلکی ہو یا بھاری — چھُری کیسی ہے برچھی کیسی ہے شمشیر کیسی ہے
اگر چاہیں تو ہم ہر اک بلا کو ٹال سکتے ہیں — بتادیں اب تمہیں وہ کارگر تدبیر کیسی ہے
پڑے جب ملک پر آفت تو ہم سب ایک ہو جائیں — حصارِ امن ہے مضبوط یہ تعمیر کیسی ہے
مسلماں اور ہندو کی خصوصیت نہ ہو کچھ بھی — یہ اہل ملک کے برتاؤ میں تزویر کیسی ہے
نہیں ہوتا نہیں ہوتا اُجالا ہند میں اس سے — ضیا کے آفتاب علم عالمگیر کیسی ہے

ترقی

مسلماں وہ مسلماں ہیں نہ ہندو اب وہ ہندو ہیں
نگاہِ غور سے دیکھو تو یہ تغییر کیسی ہے

کسی کا کوئی بھی پرساں نہیں ہے اس زمانے میں
ہر اک کو اپنی اپنی فکر دامن گیر کیسی ہے

مسلماں اور ہندو متفق ہو جائیں آپس میں
مصائب رفع کر دینے کی یہ تدبیر کیسی ہے

حرم اور دیر کے جھگڑوں سے مطلب کیا غرض اس سے
وہاں پتھر ہے کیسا اور یہاں تصویر کیسی ہے

عبادت کی جگہ دونوں ہیں مسجد ہو کہ مندر ہو
کوئی تعبیر کیسی ہے کوئی تعمیر کیسی ہے

بڑھادی ہے مصیبت اور بھی نااتفاقی نے
یہ ہے خود فالتو جھگڑا اس میں پھر توقیر کیسی ہے

ہمارے ملک اور باشندگان ملک کی حالت
ہمارے واسطے اب باعث تشہیر کیسی ہے

مصیبت گو مصیبت ہے نہیں کچھ اس میں شک لیکن
وفا کے آزمانے کی یہ اک تدبیر کیسی ہے

یہ آزادی کا تمغہ ہے یہ زیور ہے رہائی کا
ذرا سوچو کہ اس لوہے میں یہ تاثیر کیسی ہے

نہ آئیگا یقین لوگوں کو میری بات کا شاید
کہینگے سب کہ یہ الجھی ہوئی تقریر کیسی ہے

میں اس گتھی کو بھی دیکھو ابھی سلجھائے دیتا ہوں
زباں میرے دہن میں ناخن تدبیر کیسی ہے

مصیبت اور کوئی اس سے بڑھکر ہو نہیں سکتی
ضرر ہو جان کا جس میں وہ ٹیڑھی کھیر کیسی ہے

مگر ہے جان جس کا نام جس کو روح کہتے ہیں
فنا ہوتی نہیں ہے اس میں یہ تاثیر کیسی ہے

فقط یہ جسم فانی ہے یہی اک دن فنا ہوگا
نہیں اس کے لئے پھر فکر دامنگیر کیسی ہے

مصیبت سہہ کے اپنی جان کو صدمہ نہ پہنچاؤ
یہ اطمینان حاصل کرنے کی تدبیر کیسی ہے

مسافر منزل ہستی کا ہے تو یاد رکھ انساں
بھلا فکر قیام اس میں تجھے رہگیر کیسی ہے

مصیبت پیش خیمہ ہے جہاں میں عیش و راحت کا
جو سہہ لیتے ہیں اسکو ان کی پھر توقیر کیسی ہے

ضیا بڑھ جاتی ہے جب شمع کٹواتی ہے سر اپنا
بتا تیری جفاکاری یہ اے گلگیر کیسی ہے

قلم ہو کر شجر کی شاخ بھی بڑھ جاتی ہے دیکھو
مصیبت کے اٹھا لینے کی یہ تاثیر کیسی ہے

مصیبت ہے مگر ہے اس کے بعد امید راحت کی
یہ ظلمت ہے مگر ظلمت میں بھی تنویر کیسی ہے

اسی کے دم سے کٹ جاتے ہیں رنج و مصیبت کے
یہ حلم و صبر و استقلال کی شمشیر کیسی ہے

وجاہت اسکا استقبال کرنا چاہئے ہم کو
زمانے میں مصیبت باعث توقیر کیسی ہے

(از ہندوستان)

زرین ملک کی تلاش - جس میں جنوبی امریکہ کے حالات ایک ناول کے پیرایہ میں نہایت دلچسپ طور سے بیان ہوئے ہیں - قیمت ۸ر +

میرے رہنے کا گھر - جسم انسانی کا دلچسپ حال باتصویر - قیمت ۲ر +

ننھے ننھے لوگ - کیڑے مکوڑوں کا دلچسپ حال باتصویر - قیمت ۲ر +

سورج چاند ستارے - علم ہیئت کے متعلق ایک مبسوط اور جامع کتاب جسمیں اس وقت تک کی تمام نئی دریافتوں کا حال درج ہے - اجسام فلکی کے حالات نہایت سادگی کے ساتھ اور پُر لطف پیرایہ میں درج ہیں - باتصویر - قیمت ۸ر +

علم الارض - جس میں طبقات زمین کی ساخت وغیرہ کا مفصل حال درج ہے - یہ علم جیالوجی کا پہلا ابتدائی رسالہ ہے جو اردو زبان میں شائع ہوا ہے - باتصویر - قیمت ۸ر +

تاریخ روم - جسمیں رومۃ الکبرے کے عروج و زوال و طرز حکومت کا مفصل حال درج ہے - قیمت ۱۲ر +

خصلت - اسمائلز صاحب کی مشہور کتاب کیریکٹر کا ترجمہ - قیمت عہ ر +

اصول تجارت - جس میں آجکل کی تجارت کے متعلق مفصل اصول و طریق کا حال درج ہے جن کا جاننا ہر ایک سوداگری پیشہ آدمی کو ضرور ہے - قیمت ۸ر +

لڑکوں کا رہنما - اس کتاب میں اُن خرابیوں کا ذکر ہے جن میں مبتلا ہو کر لڑکے اپنی صحت جسمانی اور قوائے عقلی کو خراب کر لیتے ہیں - اور اُن سے بچنے کی تدابیر و ہدایات بیان کی گئی ہیں - نہایت مفید کتاب ہے - قیمت ۸ر +

نوجوانوں کا رہنما - اس کتاب میں کم عمری کی شادی اور زناشوئی کے تعلقات اور جوانی کی بیہودگیوں اور غلط کاریوں کا جن سے جوانوں کی صحت جسمانی اور قوائے عقلی خراب ہو جاتے ہیں مرقع کھینچ کر اُن سے بچنے کی تدابیر و ہدایات درج کی گئی ہیں - نہایت مفید کتاب ہے - قیمت عہ ر +

شوہر کا رہنما - تعلقات زناشوئی کے متعلق ہدایتیں - قیمت عہ ر +

صفائی کی ضرورت کے متعلق ہدایات - قیمت ۳ پائی +

بچوں کی پرورش کے متعلق ہدایات - قیمت ۳ پائی +

مرقع روس - جس میں روس کی طرز حکومت - دربار شاہی - وزرا - امرا روسیوں کے رسم ورواج - تعلیم وتربیت - طرز معاشرت - بیاہ شادی - موت وغمی - مذاہب - افسانوں - میلوں - تماشوں - تہواروں وغیرہ وغیرہ اور مختلف فرقوں کے جو اس میں آباد ہیں - نہایت مفید و دلچسپ باتصویر حالات معہ اسباب گذشتہ جنگ جاپان وروس کے درج ہیں - قیمت ۸/ +

تاریخ مصر - جس میں قدیم زمانے کے مصریوں کے رسم ورواج - عادات وخصائل - تہواروں - معبودوں - علم الاصنام - نظام سلطنت - معرکہ آرائیوں - فتوحات - عروج وزوال کے اسباب - علوم وفنون وغیرہ وغیرہ کے مفصل حالات درج ہیں - نہایت مفید کتاب - قیمت ۸/ +

شہد کی مکھی کے حالات - جس میں شہد کی مکھیوں کے اقسام - نام ترکیب جسمانی - اُن کے مختلف کام - تاریخی حالات - جسمانی و دماغی قوائے - جذبات وولولے - شہد جمع کرنے اور چھتہ بنانے کے حالات اور جو سبق اُن کی زندگی سے حاصل ہوتا ہے مفصل طور پر باتصویر درج ہیں - قیمت ۸/ +

پھولوں کی کہانی - جس میں پھولوں کے اعضا وافعال وخواص - بناوٹ - اصطلاحی نام - درجہ بندی - تولید - شادی بیاہ کرنے - کھانے پینے - کھیلنے رہنے سہنے - ہنسنے وغیرہ وغیرہ کے مفصل ودلچسپ حالات باتصویر درج ہیں - قیمت ۸/ +

حیات شمع - جس میں شمع کی لو - روشنی - شمع کے جلنے کے لئے ہوا کی ضرورت شمع کے جلنے سے کون کون اشیا پیدا ہوتی ہیں - شمع کے جلنے اور عمل تنفس کی مشابہت - کوئلہ - کوئلہ کی گیس - کاربونک ایسڈ - ہڈروجن - نائٹروجن اوکسیجن وغیرہ کے افعال وخواص - وزن وماہیت وغیرہ کے مفصل وباتصویر حالات درج ہیں - قیمت ۶/ +

شمیم پریس فیروزپور شہر میں سکرٹری صاحب پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور کیلئے چھاپا گیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۴۵

[illegible]

ترقی

[illegible]

ایک علمی اخلاقی تمدنی ادبی مجلسی تاریخی اور صنعتی

مضامین کا ماہوار رسالہ

قیمت سالانہ دو روپیہ آٹھ آنہ مع محصول ڈاک پیشگی یا بذریعہ ویلیو ایبل

جلد ۷ | لاہور - اگست ۱۹۰۸ء | نمبر ۸

فہرست مضامین

فہرست کتب جدید

مشرق کی نابود شدہ تہذیب - جس میں قدیمی اقوام مثل فینکی - ایرانی - عرب - بابل وغیرہ کے حالات درج ہیں - قیمت ۶ر

قدما کی حکمت - جس میں لارڈ بیکن نے یونانیوں و رومیوں کے علم الاصنام میں سے مسائل حکمت نکالنے کی کوشش کی ہے - قیمت ۶ر

اوٹوپیا - جس میں ایک خیالی قوم کی طرز معاشرت و اصول حکمت وغیرہ ایک ناول کے پیرائے میں ایک فلاسفر نے اپنے خیال ظاہر کئے ہیں - قیمت ۶ر

اوبیس - رومی قیصروں کے عہد کا دلچسپ فسانہ - قیمت ۸ر

آنے والی قوم - نہایت دلچسپ علمی ناول ہے - قیمت ۸ر

علوم طبعیہ کی تاریخ - اٹھارھویں صدی کے آخر تک جس میں تمام تجربات - دریافتوں اور علمی ایجادوں کا مفصل حال درج ہے - قیمت عہ ر

علوم طبعیہ کی تاریخ - انیسویں صدی میں - قیمت ۸ر

طلسم سر والٹر اسکاٹ کے مشہور ناول طلسمان کا ترجمہ جسمیں صلیبی لڑائیوں کے نہایت دلچسپ حالات ناول کے طرز پر بیان ہوئے ہیں - قیمت ۱۲ر

مکالمات افلاطون - جس میں افلاطون کے چار مکالمات تمام و کمال یونانی سے ترجمہ کئے گئے ہیں - اور اردو میں پہلی دفعہ شائع ہوئے ہیں - قیمت عہ ر

تسخیر پنجاب - جس میں پنجاب کے انگریزوں کے قبضے میں آنے کا حال بطور ناول کے بیان کیا گیا ہے - نہایت دلچسپ ہے - قیمت ۸ر

ڈاکٹر جیکل و میاں حمید - یہ ایک آدمی تھا - لیکن دو جسم رکھتا تھا - قیمت ۶ر

جان ہلیفکس جنٹلمین - ایک نہایت دلچسپ انگریزی فسانہ ہے جس میں ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہیں کہ کس طرح وہ ادنے حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی سے ترقی کرکے دولتمند ہوگیا - نوجوانوں کیلئے نہایت مفید اور ابھارنیوالا ہے - جلد اول ۱۲ر

شاہراہ ترقی

دل بیمار کا سنبھلنا گیا ✦ دیکھ لو پیار کی نگاہوں سے

اس میں شبہ کو مطلق گنجائش نہیں ہے کہ رسالہ **ترقی** اپنے اعلےٰ درجے کے علمی۔ اخلاقی۔ ملکی تاریخی صنعتی۔ ادبی اور سوشل مضامین کے اعتبار سے اردو زبان کے موجودہ رسالوں میں بہترین رسالہ ہے اور یہ کہنا مبالغہ سے بالکل خالی ہے کہ **ترقی** اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ اُس نے اپنی زندگی کے **سات** سال میں ملک کی جسقدر خدمت کی ہے اُسقدر خدمت کسی دوسرے رسالہ سے نہیں ہو سکی۔ اس امر کا اعتراف کہ ترقی کے مضامین بیش بہا بیحد مفید نہایت دلچسپ اور مستقل فائدہ پہنچانے والے ہیں اردو زبان کے سارے رسالے اور اخبارات اور ذی علم اصحاب بارہا کر چکے ہیں۔ مضامین کی خوبی کے باعث

پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی اور ڈائرکٹر صاحب بہادر سررشتہ تعلیم پنجاب

نے ترقی کو پنجاب کے سرکاری۔ میونسپل و ڈسٹرکٹ بورڈ و اسٹیٹ اسکولز (مدارس ریاستہائے) میں جاری کرانے کے لئے **بڑے زور سے سفارش** کی۔ چنانچہ ترقی نہ صرف پنجاب کے ان تمام قسم کے مدارس میں جاری کرایا گیا بلکہ صوبہ **اودھ و آگرہ** کے نارمل اسکولوں میں بھی۔ اور خوشی کا مقام ہے کہ اب وہ

ریاست بہاولپور کے مڈل اسکولوں میں بھی جاری کرایا گیا ہے

ان تمام باتوں کے اعتبار پر یہ کہنا غیر مناسب ہوگا کہ **ترقی** اول درجہ کا رسالہ ہے۔ ہم سررشتہ تعلیم بہاولپور کے علم دوست روشن خیال اور بیدار مغز ڈائرکٹر صاحب کا شکریہ ادا کر کے دیگر ریاستوں کے جن میں ترقی ابتک جاری نہیں کرایا گیا ڈائرکٹر صاحبان سررشتہ تعلیم کی خدمت میں ملتجی ہیں کہ وہ بھی اپنے ہاں کے اسکولوں میں ترقی کو جلد تر جاری کرا کے نہ صرف اپنی علم دوستی اور روشن خیالی کا ثبوت دینگے بلکہ ہمیں مزید **ملکی اور علمی** خدمت کرنے کا اور حوصلہ دلائینگے۔ یہ اظہار کرنا بھی بے محل نہ ہوگا جو سوسائٹی **ترقی** کو شائع کرتی ہے اُسے ترقی دینے کی مالی نفع نہیں ہے بلکہ اُسکی اشاعت سے اہل ہند میں اور خصوصاً اردو دان اصحاب میں مفید باتوں کا رواج اور اس رواج کے ذریعہ ملکی ترقی مقصود ہے۔ اگر سوسائٹی کو مالی نفع مقصود ہوتا تو اُس نے ترقی کو جسکے مصارف آمدنی سے کم ہونے کے باعث سوسائٹی متواتر نقصان برداشت کرتی رہی ہے کب کا بند کر دیا ہوتا ✦

اردو دان اصحاب کو **ترقی** جیسے رسالہ کی دل سے قدر کرنا اور اُسکی اشاعت میں سعی کرنا لازم ہے۔ کہ اُسکے مضامین کے باعث اردو زبان کے علمی ذخیرہ میں قابل قدر باتوں کا اضافہ ہوتا رہتا ہے

ترقّی

لاہور - بابت ماہ اگست ۱۹۰۸ء

ایڈیٹوریل نوٹس

ترقی اشاعت - اس ماہ میں بھی ترقی کے کئی خریداروں نے ایک ایک خریدار دیکر اپنا فرض کفایہ پورا کیا - ان اصحاب کا شکریہ تہ دل سے ادا کرنے کے بعد ہم دوسرے خریداروں کی امداد کے منتظر ہوتے ہیں - امید کہ وہ بھی اپنے فرض سے جلد تر سبکدوشی حاصل کرینگے - جن اصحاب نے اس ماہ میں نئے خریدار بہم پہنچائے ہیں اُن میں سے جناب بابو گوبند پرشاد صاحب پنشنر ڈپٹی کلکٹر یہ دون خاص شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے ایک چھوڑ کئی خریدار دئے - اگر سارے خریدار ترقی کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کرنے لگیں تو بہت جلد ترقی اشاعت کے اعتبار سے اردو زبان کے رسالوں سے نمبر لے جائے +

جو خطوط ترقی کے مضامین کی تعریف میں اس ہفتہ میں موصول ہوئے اُن میں سے دو خاص طور پر قابل ذکر ہیں - اور وہ ترقی کی ہر دلعزیزی اور اس کے مفید عام ہونے کی بیّن دلیل ہیں -

(۱) از دہلی گذر فیض بازار کوچہ چیلاں - ۳۰ - جولائی ۱۹۰۸ء -

ڈیئر ایڈیٹر صاحب تسلیم - مزاج شریف - ترقی کے دو نمبر جو حال میں شائع ہوئے میری نظر سے بھی گذرے یوں تو سارے مضامین اچھے ہیں - لیکن "فریمیسنوں کا مضمون" بہت ہی اچھا ہے - مگر اس سلسلہ کو مکمل کرنا چاہیے - میں اپنے پندرہ سالہ تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ترقی اردو زبان میں بے نظیر رسالہ ہے - میرے نام بھی جاری

کردیں + سید جالب دہلوی سابق جائنٹ ایڈیٹر روزانہ پیسہ اخبار لاہور +

(۲) علی گڈھ۔ سوسائٹی گارڈن۔ ۲۵- جولائی ۱۹۰۸ء

مخدومی۔ آداب عرض ہے۔ میں ایک مدت سے رسالہ ترقی کے ناظرین میں ہونے کا فخر رکھتا ہوں۔ اسلئے مجھے یہ اعتراف کرنیکا حق حاصل ہے کہ رسالہ ترقی فی الواقع بہترین رسالہ ہے جس قسم کے سنجیدہ۔ اہم دلچسپ اور مفید مضامین اس میں نکلتے رہتے ہیں ویسے کسی دوسرے رسالہ میں نہیں دیکھے گئے۔ اور جنوری ۱۹۰۸ء سے اب تک جسقدر مضامین شائع ہو چکے ہیں وہ سب پولٹیکل مضامین ہیں۔ یہ رسالہ میرے نام جاری کر دیں۔ نیاز مند احمد خاں کیفی (بی۔ اے)

٭

ناظرین ترقی کی نگاہ سے ترقی کے صفحات میں اکثر ایسے مضامین گزرے ہونگے جن میں مسکرات کے مضامین جسمانی۔ دماغی اور اخلاقی پہلو سے دکھائے گئے تھے۔ اور طبیبوں ڈاکٹروں مصلحوں۔ ۔ ۔ سوز۔ ماہرین تعلیم وغیرہ کے تجربہ سے یہ بات ثابت بھی کر دی گئی تھی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ نشہ خواہ وہ کسی قسم کا ہو لیکن مضر ہے۔ جو لوگ منشیات کا رواج سرزمین ہند سے اُٹھتا ہوا دیکھنے کے آرزومند ہیں وہ یہ معلوم کرکے بیحد خوش ہونگے کہ عالیجناب مہاراجہ صاحب ریاست ناہن نے اپنی ریاست میں ۱۸ برس تک کے لڑکوں کو تمباکو۔ شراب وغیرہ استعمال کرنے کی سخت ممانعت کی ہے اور عالیجناب نواب صاحب اجیگڈھ نے یہ حکم جاری کیا ہے کہ کوئی اہلکار شراب وغیرہ نہ پیئے۔ اور جو لوگ پیتے ہیں ان کو ترک شراب کے لئے تین ماہ کی مہلت ہے۔ دونو والیان ملک کی یہ تجویز مفید ہے۔ لیکن اگر مہاراجہ صاحب ناہن اور اجیگڈھ اپنی ریاست میں ہر عمر کے اور ہر درجہ کے لوگوں کے لئے مسکرات کے ترک کرنے کا حکم جاری کرتے تو ملک پر اور زیادہ احسان ہوتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ دیگر والیان ملک بھی اپنے ہاں انسداد مسکرات سے متعلق جلد تر احکام جاری کریں تاکہ ۔ ۔ ۔ بندگان خدا ہلاکت و ہلاکت سے محفوظ رہ سکیں +

دلچسپ علمی خبریں اور ایجادیں

ذیابیطس میں غذا - ڈاکٹر خان نوڈین نے کچھ عرصہ ہوا یہ رائے قائم کی تھی کہ مریضان ذیابیطس کے لئے یہ غذا مفید ہوگی :- ۲۵۰ گرام اوٹ میل - ۲۰ ۵ سے لے کر ۳۰۰ گرام تک مکھن - کسی نباتات کا البیومن ۱۰۰ گرام - نباتاتی البیومن کی جگہ ۴ یا ۸ - انڈوں کی سفیدی بھی کام دے سکتی ہے - اوٹ میل کو دو گھنٹے تک پانی میں خوب پکایا جائے - اور پھر مکھن اور انڈے کی سفیدی خوب پھینٹ کر اس میں اوٹ میل کو ملا کر پکایا جائے - ذائقہ کے لئے قدرے نمک ملا لیا جائے یہ غذا دو ہفتہ برابر دینے کے بعد بند کر دی اور معمولی غذا دی جائے - کئی ڈاکٹروں نے تجربہ سے اس غذا کو مفید پایا - خاصکر ڈاکٹر جیمس - بی - ہیرک نے -

درد بدہ - اس درد کو انگریزی زبان کی ڈاکٹری اصطلاح میں نیورلجیہ کہتے ہیں - ڈاکٹر ایس - آرمند گولڈن نے تجربہ سے معلوم کیا ہے کہ اس مرض کے مریض کے جسم کے اندر کلوروفارم کو پچکاری کے ذریعہ داخل کرنے سے فائدہ ہوتا ہے جس مقام پر یہ درد محسوس ہوتا ہو وہاں دو سے لے کر دس بوند تک کلوروفارم کھال کے اندر داخل کیا جائے - مگر اس کے داخل کرنے سے پیشتر اس جگہ پر کوئی سُن کر دینے والی دوا لگا دی جائے - یہ پچکاری اس مرض میں بیحد مفید ثابت ہوئی ہے اور جلد صحت بخشنے والی بھی ؀

شہد کا صاف کرنا - پروفیسر انڈ نامی سائنس دان نے ایک طریقہ شہد کے صاف کرنے کا ایجاد کیا ہے جو یہ ہے کہ ایک مرتبہ ۲۵ پونڈ شہد لے کر اس میں کوئی بارہ پونڈ پانی ملا دو - اور تین تختے سفید یا ہی چوس کاغذ کے لے کر ان کو توڑ لو اور پانی میں حل کر لو - اس مرکب کو پانی ملے ہوئے شہد میں ڈال کر دھیمی آگ پر ادبال لو - پھر سب کو ٹھنڈا کر کے ایک اونی کپڑے میں چھان لو - اس طریقہ میں شہد بالکل صاف ہو جاتا ہے ؀

خوبصورتی قائم رکھنے کا نسخہ - ہالینڈ کی ملکہ ولہیلمینہ جزایر ڈچ انڈیز سے خوبصورتی قائم رکھنے کا ایک نسخہ سیکھ کر آئی ہیں جو اخباروں میں مشتہر کیا جا رہا ہے اور جو یہ ہے کہ لیموں کے عرق سے غسل کرتی ہیں۔ پانچ لیموں کی قاشیں کرو اور انہیں ایک برتن میں ڈالو جس میں پانی بھرا ہوا ہو اور آدھ گھنٹہ تک پڑا رہنے دو۔ اور پھر اس پانی کو نہانے کے پانی میں خوب ملا لو۔ اس سے انسان کے جسم کی جلد کی صفائی بھی خوب اور ملائم ہو جاتی ہے اور اعصاب کو طاقت بھی نصیب ہوتی ہے اور طبیعت بھی خوب مفرح ہو جاتی ہے ٭

ہزاروں کوس کا منظر - ڈاکٹر شیلفرڈ بڈویل نے جو بڑے زبردست سائنسدان ہیں یہ پیشین گوئی کی ہے کہ ایک سال کے اندر ایک ایسا آلہ ایجاد کر دیا جائیگا جس کے ذریعہ سے یورپ کے لوگ بحر اوقیانوس کے دوسرے کنارہ کی چیزوں کو اسی صفائی کے ساتھ دیکھ سکیں گے جس صفائی کے ساتھ کہ وہ پاس کی چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ یہ آلہ اسی قسم کا ہوگا جس قسم کا کہ تار کا وہ آلہ ہے جس کے ذریعہ سے ہزاروں کوس پر کی چیزوں کی تصاویر تار پر لی جاتی ہیں۔ اگر یہ آلہ ایجاد ہو گیا تو پھر کسی کو سفر کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔

عجیب ایجاد - اخبار سائنس سفٹنگز رقمطراز ہے کہ یورپ میں اس قسم کے کپڑے ایجاد کئے گئے ہیں جو بجلی کی لہروں سے گرم کئے جاتے ہیں کپڑوں کو جسم پر پہن لو اور وہ بجلی کے اثر سے گرم ہو جاتے ہیں۔ ان کپڑوں کی بیرونی تہ ایسی چیزوں سے بنائی گئی ہے جو حرارت کو روکے رہتے ہیں۔ اس تہ اور نیچے کی تہ کے درمیان تار لگے ہوئے ہیں۔ جو اس لیمپ میں ملا دئے گئے جو ایک جیب میں ہوتا ہے اور جس میں بجلی کا ذخیرہ ہوتا ہے دوسری جیب میں وہ بٹن ہوتا ہے جس کے دبانے سے لیمپ میں سے بجلی کی لہر نکل کر کپڑوں کو گرم کر دیتی ہے ٭

قاتل پھول

(از بابو ڈپٹی لعل صاحب نگم بی۔اے دہلوی)

زمانہ حال کے علماء علمِ نباتات کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ بعض پودے نباتاتی دنیا میں ایسے بھی پیدا ہوتے ہیں جو وحشی درندوں کی مانند گوشت خور ہیں۔ ولایت کی دلدل اور زمین اور کائی دار قطعوں پر ایک پودا اُگتا ہے جو نباتاتی اصطلاح میں ڈروسرا کہلاتا ہے لیکن عام طور پر "مہر شبنم" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے گول اور چمچہ نما پتوں پر چپ دار اور ذی حس مادہ پھیلا ہوا ہوتا ہے اس چپ دار اور ذی حس مادہ کا یہ کام ہے کہ وہ چلتے پھرتے اور ہوا میں اُڑتے ہوئے ننھے ننھے پر دار کیڑوں کو اپنی جانب کھینچ بلاتا اور قید کر لیتا ہے۔ اس پودے کے پتوں کا چیپ دار مادہ ان کیڑوں کے جسموں کا رس نکال لیتا ہے اور پھر یہ رس پودے کے انگ لگتا ہے۔

مسٹر اسکاٹ ایلیٹ اپنی حال کی مطبوعہ کتاب "حیاتِ نباتات کی کہانی" میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ "اس تعجب خیز چھوٹے پودے کو دیکھنے سے یہ بات صریح طور پر واضح ہوتی ہے کہ قدرت نے اس کے پتوں میں کچھ ایسی ترکیب رکھی ہے کہ جیسے ہی مکھی یا بھنگا یا مچھر پتے کے کسی حصہ کو چھوتا ہے یہ خبر پتے کے ڈنٹھلوں کے ذریعے سے تمام پتے کو معلوم ہو جاتی ہے اور اسی طرح یہ خبر دوسرے پتوں تک بھی پہنچ جاتی ہے چنانچہ اسی طریقے سے پودے کے سارے پتے غریب جانور پر آ پڑتے ہیں۔"

امریکہ کے بعض علماء علمِ نباتات کی یہ رائے ہے کہ پودے صرف ذی حس ہی نہیں ہیں بلکہ اُن میں غور و خوض کرنے کا مادہ بھی موجود ہے اور وہ قوتِ ارادی کو بھی کام میں لاتے ہیں۔ آجکل یہ علمائے علم نباتات اپنے اس خیال کی تائید میں نباتاتی

دنیا کا مشاہدہ کرکے ثبوت جمع کر رہے ہیں۔ بہرصورت دوسرا (مہرشبنم) پودوں میں شمل اعلےٰ درجے کے چٹورے اور شکم پرست لوگوں کے سمجھ بوجھ اور سوچ بچار کا مادہ بالکل نہیں پایا جاتا۔ مسٹر اسکاٹ ایلیٹ لکھتے ہیں کہ جب یہ پودے ہریاول گھر میں لائے گئے تو ان پر تجربے کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ بڑی بھاری جان جوکھم میں پڑجاتے ہیں۔ وہ اکثر بسیار خوری کی وجہ سے سوء ہضمی کے مرض میں مبتلا ہوکر جان سے جاتے ہیں +

گل تبرورت جس کا اصطلاحی نام "پنگی کولا" ہے ولایت کا نہایت ہی خوبصورت اور گہرے نیلے رنگ کا پھول ہوتا ہے۔ پتیاں اس پھول کی نرم اور شاداب ہوتی ہیں۔ اور دیکھنے میں نہایت ہی بے ضرر معلوم ہوتا ہے مگر تاہم یہ پھول ایسا ہی خون کا پیاسا ہے جیسا کہ گل مہرشبنم۔ صرف فرق ہے تو یہ ہے کہ گل تبرورت تھوڑی سی خوراک پر قناعت کرتا ہے لیکن گل مہرشبنم کی خوراک کی حد ہی نہیں۔ دلدل دار زمین پر جہاں یہ پیدا ہوتا ہے مچھر بہت کثرت سے ہوتے ہیں اور جب ان مچھروں کو کسی سیاح یا شکاری کا خون پیٹ بھرنے کو نہیں ملتا تو وہ نباتات کا رس پی کر گذارہ کرنا چاہتے ہیں۔ گل تبرورت کی پتیوں پر ہشیار دانے دیکھنے سے مچھر اپنے دل میں یہ سمجھتا ہے کہ ان پتیوں میں رس بافراط ہوگا لیکن جیسے ہی یہ ننھا سا جاندار ان چمکدار پتیوں پر بیٹھتا ہے وہیں ہی چپک جاتا ہے اور ہزار کوشش اور جدوجہد کرنے سے بھی چھٹکارا نہیں پاتا۔ پھول کی پتیاں آہستہ آہستہ مچھر کے گرد لپٹ جاتی ہیں اور گلانے والے مادّے سے تربتر ہوجاتا ہے۔ دوسرے دن جب پتیاں کھلتی ہیں تو مچھر صاحب کی کھال اور پروں کے سوائے اور کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ گل مہرشبنم اور گل تبرورت قوت بخش خوراک کھاتے ہیں اور کھلم کھلا سب کے سامنے اپنا طعام تناول کرتے ہیں۔ ہر ایک راہگیر اُن کو کھاتے پیتے دیکھ سکتا ہے +

لیکن اس قسم کے بھی پھول ہیں جو جانداروں کو پکڑ کر اور چھپ کر کھاتے ہیں اس نوع کی پھولوں کی ایک قسم کا نام "بلادرورت" ہے۔ یہ ولایت کی دلدار زمین میں پیدا ہوتا ہے اور پانی کی سطح کے نیچے کیڑوں کو پکڑ کر کھاتا ہے۔ اس کے افعال

کو دیکھنے کے لئے بڑے غور و خوض کے ساتھ مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے گل بلا فردورت کی خوبصورتی سے تراشی ہوئی پنکھڑیوں پر ننھی ننھی تھونیاں ہوتی ہیں جن میں چور دروازے بنے ہوتے ہیں۔ یہ دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں مگر جب ان دروازوں کے راستے سے ننھے ننھے کیڑے تھیلی کے اندر داخل ہوتے ہیں تو یہ دروازے تڑاق سے بند ہو جاتے ہیں اور تھیلی کے اندرونی سطح کے دانہ دار بالوں میں سے رقیق مادہ نکلتا ہے جو قیدی جاندار کے جسم کا رس نکال کر پھول کی پرورش کرتا ہے اور پھول کو نہایت ہی خوبصورت زردی مائل رنگ و روغن بخشتا ہے +

برطانیہ کے مکھی کھانے والے پھولوں کے پودے کیڑوں کا چھپکر شکار کھیلتے ہیں فی الواقع ان کے پتّوں کی بناوٹ نہایت ہی حیرت خیز ہوتی ہے۔ ہر پتّے کے سرے پر ایک تھیلی سی بنی ہوئی ہوتی ہے جو دو حصّوں پر منقسم ہوتی ہے۔ نیچے کے حصے کے کنارے پر دندانے بنے ہوئے ہوتے ہیں اور ان دندانے دار جبڑوں کے بیچ میں تین تین بال ہوتے ہیں جو نہایت ہی ذی حس ہوتے ہیں۔ ان پتّوں کے یہ عجیب جبڑے ہر وقت کھلے رہتے ہیں اور زمین پر بے حس و حرکت ہر وقت پڑے رہتے ہیں۔ کیڑے ان جبڑوں کے ارد گرد چلتے پھرتے ہیں لیکن جیسے ہی کیڑا جبڑوں کے بالوں کو چھوتا ہے جبڑا فوراً بند ہو کر اس کو قید کر لیتا ہے۔ اور دنیا ہمیشہ کے لئے اُس کی آنکھوں میں تاریک ہو جاتی ہے۔ قدرت کا نہایت ہی قابل تعریف عمل یہ ہے کہ اُس نے ان پودوں کی ساخت میں ایسی حکمت پوشیدہ کر رکھی ہے کہ جبڑے بالوں کے احکام کی فوراً تعمیل کرتے ہیں اور جیسے ہی کیڑا بالوں کو چھوتا ہے جبڑے بند ہونے میں ذرا سا بھی توقف نہیں کرتے +

گل کوزہ ایک نرالے طریقے سے کیڑوں کو اپنے دام میں پھنساتا ہے۔ پھول کی لمبی لمبی پنکھڑیوں کے سرے پر ایک پیالہ سا بنا ہوا ہوتا ہے جس میں ہر وقت پانی جمع رہتا ہے۔ پیالے کی تہ میں شہد بکثرت پایا جاتا ہے اور پیالے کے گلے میں بہت سے بال اُگے ہوئے ہوتے ہیں۔ جن کا رُخ نیچے کی طرف ہوتا ہے جب کیڑا شہد چوسنے کے لئے اندر جاتا ہے تو واپس آتے ہوئے بالوں میں

اُلجھ کر رہجاتا ہے۔ بالوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارتا ہے لیکن جب کچھ پار نہیں بس آتی اور جد وجہد کرتے ہوئے تمام طاقت زائل ہوجاتی ہے تو کیڑا نیچے شہد میں گر پڑتا ہے اور ایک گھنٹے سے کم عرصے میں اُس کے جسم کا رس نکلکر پھوک رہجاتا ہے +

مذکورہ بالا گل بلا دورت کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ برطانیہ کا بلا دورت سطح آب کے نیچے اُگتا ہے اور سر سبز ہوتا ہے۔ اس پودے کو کئی اور پودے خوراک بہم پہنچاتے ہیں۔ جب بلا دورت کو کوئی کیڑہ کھانے کو نہیں ملتا تو گل طلا نرسیا اس کا دستگیر اور معاون بنتا ہے۔ گل طلا نرسیا کی پنکھڑیوں کے گچھے کے بیچ میں ایک پیالہ ہوتا ہے جس میں پانی ہر وقت جمع رہتا ہے اور بیشمار کیڑے اس پیالے میں گرتے رہتے ہیں۔ غالب یہ پودہ ان کیڑوں کے جسموں کا عرق نکالکر چوسنے سے نشو و نما پاتا ہے اور جو پانی اس پھول کے پیالے میں جمع ہوتا ہے اس میں سے سخت بدبو آتی ہے لیکن یہ باتیں گل بلا دورت کا پیٹ بھرنے میں مزاحم نہیں ہوتیں وہ گل طلا نرسیا کے پیالے میں سے جانداروں کو لے کر خوب مزے سے کھاتا ہے اور ناخواندہ مہمان کی طرح سے اس پودے کی کمائی پر گذارہ کرتا ہے +

اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے اور اس کے لئے کافی وجوہات بھی موجود ہیں کہ ایک پھولدار پودہ جس کی نسبت یہ گمان بھی نہ تھا کہ وہ قاتل ہے اب سیکڑوں کیڑوں کو کھاتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ یہ پودہ کوہ ہمالیہ پر اگتا ہے اور اس میں نہایت ہی خوبصورت گلاب کے پھول لگتے ہیں۔ ٹہنیوں پر لمبے لمبے بال ہوتے ہیں اور خاص اسی وجہ سے اس پودے کو ریشدار پودہ کہتے ہیں اس پودہ میں موسم گرما میں شگوفے آتے ہیں جن پر بہت گہرا چمکدار روغن پھیلا ہوا ہوتا ہے یہ روغن موسم سرما میں سخت ہوجاتا ہے اور شگوفوں کو بیرونی حادثات سے محفوظ رکھنے کا کام دیتا ہے۔ یہ چمکدار کلیاں کئی قسم اور مختلف قد و قامت کے اُڑنے والے جانوروں کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہیں اور ننھے ننھے کیڑے فوراً ہی چیپ دار مادے میں پھنس کر رہجاتے ہیں۔ اور طاقت دار مکھیاں جو ہاتھ پاؤں مار کر اور بہت

سی کشمکش کے اس چیپ دار مادے سے رہائی پاتی ہیں وہ ٹہنیوں کے لمبے لمبے بالوں میں پھنس کر رہجاتی ہیں الغرض کیا کمزور اور کیا طاقتور دونو قسم کے کیڑے انجام کار موت کا شکار بنتے ہیں۔ جب ماہ مارچ میں شگوفے کھلتے ہیں تو لیس جاتا رہتا ہے اور اُس وقت کیڑے پھول کو نشوونما اور آب و تاب بخشنے میں ساعی ہوتے ہیں۔ قصہ کوتاہ یہ کہ ریشدار گلاب بھی کیڑوں کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو ڈاڑھی والے مرد حیوانات کے ساتھ کرتے ہیں۔ جیسے انسان بعض حیوانات کو کھا لیتا ہے اور بعض کو اپنے خانگی مطلبوں کے پورا کرنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے اسی طرح یہ پودہ ایک موقعہ پر کیڑوں کو سیکڑوں کی تعداد میں مار ڈالتا ہے لیکن جب غنچے کھلکر پھول کی صورت میں متبدل ہوجاتے ہیں تو پھر کیڑوں سے رنگ و روغن حاصل کرنے کے لئے ان کو ہرگز ہلاک نہیں کیا جاتا +

متذکرہ بالا مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ پودے ایک خاص مطلب پورا کرنے کے لئے اپنے فائدے کی غرض سے کیڑوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ لیکن قطع نظر ان کے ایسے پودے بھی روئے زمین پر موجود ہیں جن کی خونریزی کا مطلب بظاہر کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ افریقہ میں ایک پودہ اُگتا ہے جس میں گل سوسن لگتا ہے۔ اس پھول کو عام طور پر "آتشین سلاخ آہن" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ شہد کی مکھیوں کو ہلاک کرنا اس پھول کی خاصیت میں داخل ہے۔ یہ پھول لمبی نلی کی صورت کا ہوتا ہے۔ ایک سرا اس نلی کا ٹہنی میں لگا ہوا ہوتا ہے اور دوسرا سرا کھلا ہوتا ہے۔ جو شہد ان پھولوں میں ہوتا ہے وہ مہال کی مکھیوں کو بیہوش و حواس کرنے کا اثر رکھتا ہے۔ چنانچہ سیکڑوں مکھیاں مرجاتی ہیں اور اُن کی لاشیں پھولوں کی نلیوں میں پڑی رہتی ہیں۔ جو شہد کی مکھیاں بہت موٹی ہوتی ہیں، اور پھولوں کی تنگ نلیوں میں بھچ بھچا کر نہیں جاسکتیں وہ باہر کے رُخ سے پھولوں کی تہ کو کاٹ ڈالتی ہیں اور اس طرح سے نقب زنی کر کے شہد کے کیسوں تک بلا مشقت پہنچ جاتی ہیں لیکن جیسے ہی

وہ شہد کو چوستی ہیں بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑتی ہیں لیکن بعدازاں تھوڑے عرصے کے بعد ہوش میں آکر اڑ جاتی ہیں۔ مگر جو مکھیاں نلی کے اندر چلی جاتی ہیں وہ ہر حالت میں بیہوش کرنے والے بخارات سے مر کر وہیں کی وہیں رہجاتی ہیں۔

اس چھوٹے سے مضمون میں جو باتیں درج کی گئی ہیں وہ سائنس دانوں کی تحقیقات اور معلومات کا نتیجہ ہیں۔ یہ سب سائنس ہی کے کرشمے ہیں کہ آئے دن خدا کی مخلوقات کی نسبت نئی سے نئی باتیں ظہور میں آتی رہتی ہیں۔ اور ان دریافتوں ہی کے ذریعہ سے انسانی واقفیت اور علوم کے زمرے میں آیندہ نسلوں کی رہنمائی کے لئے قابل قدر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

اصل اور نقل

مقدس سینٹ پال فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہم بیرونی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ سب فانی ہے لیکن اصلی وہ ہے جو ہمیں نظر نہیں آتا۔

زندگی کو یا یوں کہو کہ مرد عورت۔ دنیا۔ جہان اور اردگرد کی چیزوں کو دیکھنے کے دو طریقے ہیں۔ جس دل و دماغ میں صرف جسمانی یا مادی چیزوں ہی کا خیال بس گیا ہے وہ بیرونی اور ظاہری دنیا کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ وہ ہمیشہ ان چمڑے کی آنکھوں ہی سے دیکھ کر یا کانوں ہی سے سنکر ہر شے کی ماہیت کا اندازہ کرتا ہے اور اسی وجہ سے عوام کی نظروں میں جانچنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے۔ کہ فلاں شخص کیسے کپڑے پہنتا ہے۔ اس کی عام طور پر سوسائٹی میں کیسی عزت ہے۔ اس کا بنک میں کتنا روپیہ جمع ہے۔ یا یہ کہ اس کے کتنے نوکر ہیں۔ وہ کیسے مکان یا کوٹھی میں رہتا ہے۔ گویا ایسے آدمی کے لئے زندگی کی اچھی سے اچھی چیزیں دنیوی خوشیاں۔ مال و دولت۔ لوگوں کی واہ واہ قیمتی پوشاک یا اعلٰے عہدے ہیں۔ لیکن دھارمک شخص کے لئے یہ باتیں بہت معمولی سی ہیں۔ وہ ان بیرونی چمڑے کی آنکھوں کو چھوڑ کر دوسری آنکھوں

سے بھی دیکھتے ہیں۔ یعنی وہ ہمیشہ روحانی آنکھ سے ہر شے کو جانچتے ہیں۔ چونکہ ان میں کچھ نہ کچھ روحانی حس پیدا ہو جاتی ہے اسی حس سے وہ مذکورہ بالا زمانہ کے بیرونی فروعات بھڑکدار قیمتی پوشاک۔ دولت۔ رتبہ۔ عزت سب کو مناسب حالت میں رکھکر ان سب کے اندر سے اس اصلیت کو دیکھتے ہیں جس سے ہر شے کی اصلی ماہیت معلوم ہو کر اس کی بابت درست اور ٹھیک اندازہ لگ سکے ۔

جو چیزیں بیرونی آنکھوں سے نظر آتی ہیں۔ زندگی میں کچھ نہ کچھ وقعت ضرور رکھتی ہیں۔ لیکن ہم خود جیسا کہ انکو چاہیں ویسا ہی رکھ سکتے ہیں۔ افسوس کہ اکثر اوقات ہم انہیں ہی سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ اور غلطی میں پڑکر اندھے ہو جاتے ہیں۔ اور ہماری عقل اور سمجھ پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ مگر قانون قدرت کے مطابق ایسی تمام چیزیں جن کا جسم کے ساتھ تعلق ہے جسم کے ساتھ ہی ختم ہو جائینگی۔ اس لئے ایسی تمام چیزوں کو خوب سمجھ کر اپنے خیال۔ کلام اور مقاصد میں روحانی یعنی اصلی اور غیر فانی چیزوں سے دوسرے درجہ پر رکھنا چاہئے۔ چونکہ جو شے روحانیت سے تعلق رکھتی ہے اور جو ان بیرونی آنکھوں سے نظر نہیں آتی۔ وہ روحانی قانون کے مطابق ہمیشہ تک رہیگی اور کبھی بھی ختم نہ ہوگی۔ اس لئے آؤ ذرا سوچیں کہ کونسی چیز بڑی اور حاصل کرنیکے لائق ہے۔ اس دنیا کی دولت و عزت۔ یا روحانی زندگی کی خوبیاں؟۔ اول الذکر عارضی اور فانی چیزیں ہیں۔ اور بہت ہی تھوڑے عرصہ تک ہمارا ساتھ دے سکتی ہیں۔ لیکن روحانی زندگی کی دولت لازوال اور اٹل ہے اور دنیوی مال و دولت سے بدرجہا زیادہ قدر کے لائق ہے۔ اس خزانہ کو چور نہیں چرا سکتا ہے۔ اس پوشاک کو کیڑا نہیں لگ سکتا اور اس عالیشان محل کو آگ نہیں جلا سکتی ۔

ذرا سوچو تو سہی کہ دنیوی مال و دولت یا رتبہ و منزلت آخر ایسی کیا چیز ہے۔ کہ جو اس پنج روزہ زندگی میں ہمیں ایسا گرویدہ کر لیتی ہے کہ ہم سب کچھ بھول کر اسی کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ آخری نتیجہ تو یہی ہے کہ جب ہم ایشور کے روبرو جائینگے اور جب اصلیت ظاہر ہو گی تو ہمیں آخری درجہ میں بھی ادنے سے ادنے جگہ ملیگی۔ تو کیا اسوقت

شرم نا آشنگی +

مگر اس مال وزر پر ہم دل و جان سے ایسے فریفتہ کیوں ہو جاتے ہیں؟۔ کیا ہم یہ نہیں سمجھتے کہ یہ سایہ کی طرح سے اڑ جائینگے۔ اور ہم ہاتھ ملتے کے ملتے رہ جائینگے۔ لیکن پاک اور نیک زندگی کی خوشیاں (ایسے دل کی روحانی خوشیاں جو صرف خدا پر ہی بھروسہ رکھتا ہو۔ اور جو ہمیشہ روشنی اور صداقت کا پیرو ہو) ایسی خوشیاں ہیں جنہیں کوئی غیر شخص چرا ہی نہیں سکتا۔ اور وقت اور واقعات اس کو کچھ نہ کچھ بڑھاتے ہی رہتے ہیں۔ مگر خراب نہیں کرسکتے کیونکہ وہ دائمی ہیں +

بھلا ذرا اپنے دل میں خیال تو کرو۔ کہ دنیا میں دولت یا بھائی برادری کی واہ واہ اچھی ہے یا پرماتما کے حضور میں پاک اور روشن ضمیر ہو کر ہر وقت قائم ہونا؟۔

نیک دل خود ضبط اشخاص کو دنیوی لوگوں کی مدد کی ضرورت نہیں۔ وہ ان کی نفرت۔ حقارت یا واہ واہ۔ دوستی یا دشمنی کی پرواہ نہ کرکے اور مضبوط۔ مستقل اور سنجیدہ ہو کر دنیا میں رہتے ہیں۔ کیونکہ اپنی زندگی کو نیک اور کامل بنانے کے تمام اسباب انکے پاس موجود ہوتے ہیں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے کہ ایک پاک اور نیک دل شخص کی طاقت کم سے کم دس آدمیوں کے برابر ہے +

جس دل میں فانی چیزوں کی الفت و پیار ہے۔ وہ ضرور نا امیدی اور رنج کا شکار ہوگا۔ چونکہ وہ سایہ کو اصلیت۔ دھوکے باز کو دوست۔ اور فانی کو دائمی سمجھ لیتا ہے اسی لئے جوں جوں پردے کھلتے جاتے ہیں۔ توں توں بیرونی ڈھکوسلے اڑتے جاتے ہیں۔ اور جسے دوست سمجھ لیا تھا وہ اصلی حالت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور ظاہری جوش و خروش کی بنیاد میں لوگوں کی رائے کا ریتا نکل آتا ہے۔ اور وہ شے جس سے پہلے انسان کا دل تشفی پاتا تھا۔ وہ روح کے لئے غذا کا مطلق کام نہیں دیتی۔ اور جب خوشنما آتشبازی کے پھول آگ کے پتنگے معلوم ہوتے ہیں تو انسان کا دل ڈوب جاتا ہے اور اسکی آنکھوں تلے نا امیدی کا اندھیرا آجاتا ہے +

مگر ایسا دل جسکا بھروسہ صرف ظاہری نظر آنے والی اشیا پر ہی نہیں ہے۔ بلکہ دائمی چیزوں پر ہے کبھی یاس کا شکار نہیں ہوتا۔ اس شخص کیلئے جسے روحانی ۲ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ کیونکہ صرف یہ شئے دائمی اور لافانی ہیں + (از پر بدھ پرچارک)

عوام کی عام گردش سے متعلق دیگر باتیں

ہوا کی گردش ہی سے مقیاس الہوا میں وہ تبدیلی واقع ہوتی ہے جو ہوا کی حرکات کی کمی بیشی کو ظاہر کرتی ہے ۔ قطبین اور خط استوا کے درمیان یا دو نواحی ملکوں کے درمیان حرارت کی رفتار اور حرکت میں جو فرق پیدا ہو جاتا ہے اُس ہوا کی رفتار اور حرکت میں بہت ہی تھوڑا فرق پڑتا ہے ۔ لیکن جب ہوا نچلی تہ کی طرف حرکت کرنے لگتی ہے ۔ اور سیدھی جانب کو چلتی ہے تو ہوا کے بعد ہی سمت میں ایک قسم کا دباؤ پیدا ہوتا ہے ۔ اور اس سے دو مقام کی ہوا میں اور اُس کے دباؤ میں بڑا فرق پڑ جاتا ہے ۔ اور سرد ہوا کم گرم رقبہ کی طرف چلنے لگتی ہے +

ہوا کے دباؤ اور رفتار و حرکت کا مسئلہ نہ صرف تجارتی ہواؤں اور آندھیوں تک ہی محدود ہے ۔ بلکہ اس میں اور بہت سی باتیں اور ہوا کی دیگر شکلوں کا بیان بھی داخل ہے ۔ فیرل صاحب نے ؁ء میں نہ صرف یہی ظاہر کیا کہ ہیڈلے صاحب کا مسئلہ از روئے ریاضی غلط ہے ۔ بلکہ یہ بھی ظاہر کیا کہ مورے صاحب نے بھی ہوا کے مسئلہ میں غلطی کی ہے ۔

فیرل نے اپنے ہوائی نقشے میں یہ دکھایا تھا کہ ہوا خط استوائی طبقہ میں قطب کے نزدیک والی ہوا سے زیادہ گرم ہوتی ہے ۔ کیونکہ خط استوا کے قریب وہ پھیل جاتی ہے ۔ مگر قطب کے نزدیک وہ سکڑ جاتی یا منجمد ہو جاتی ہے اس لئے خط استوا پر اوپر کی ہوا نیچے کی طرف یعنی قطب کی طرف کو جانے لگتی ہے ۔ اور نچلی ہوا اوپر کو یعنی خط استوا کی طرف کو چڑھنے لگتی ہے ۔ اگر زمین اپنے محور پر گردش نہ کرتی ہوتی تو اوپر کی ہوا سیدھی قطب کی طرف جاتی ۔ پھر نیچی پڑ جاتی اور پھر خط استوا پر واپس چلی آتی ۔ لیکن چونکہ زمین محور پر گردش ضرور کرتی ہے ۔ اس لئے اوپر کی ہوا میں فرق پڑ جاتا ہے ۔ اور اس سے اس کے راستہ میں قطب کی طرف تو کمی ہو جاتی ہے اور سیدھی جانب بیشی +

اسی عرصہ میں ہوا جو سطح زمین کے نزدیک ہوتی ہے وہ ۳۰ درجہ اور خط استوا کے درمیان حرکت کرتی ہوئی خط استوا کی طرف بڑھتی ہے اور اُس کے سیدھی جانب دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ اور اُلٹی جانب کم ہو جاتا ہے۔ الغرض ۳۰ درجہ کے قریب ہوا کے دباؤ میں کمی اور بیشی دونوں ہی واقع ہوتی ہیں۔ اور قطبین اور خط استوا کے نزدیک دباؤ اور زور دونوں ہی ہو جاتے ہیں۔ چونکہ ہوا قطبین اور خط استوا دونوں ہی پر ایک مقام سے آگے نہیں بڑھتی اس لئے دونوں مقام پر سطح پر سکون رہتا ہے۔ مزید براں چونکہ ۳۰ درجہ عرض البلد کے دونوں جانب یا یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ۲۵ درجہ کے دونوں جانب ہوا سطح پر دو مختلف سمتوں میں چلتی ہے۔ اس لئے وہاں زوردار ہوا کی کمی ہوتی ہے۔ یعنی اس قسم کی ہوا وہاں مطلق نہیں ہوتی۔ ان دونوں مقام میں ہوا کی کمی یا سکون کو سکون کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ہوا کی دباؤ کی گہرائی اس جگہ جہاں کہ سطح زمین پر دباؤ پڑتا ہے دباؤ کی چوٹی کے نیچے فٹوں کے حساب سے کوئی ۲۶۲ فٹ تو خط استوا پر ہوتی ہے اور ۳۲۰ فٹ قطب شمالی پر اور ۶۴۰ فٹ قطب جنوبی پر۔

ہوا کا یہ دباؤ جو قطب شمالی پر ہوتا ہے وہ سطح سے ۲۸۰۰ فٹ بلند ہوتا ہے۔ اور جو قطب جنوبی پر ہوتا ہے وہ ۳۱۰۰ فٹ ہوتا ہے۔ مگر جو دباؤ کہ خط استوا پر ہوتا ہے وہ ۸۰۰۰ سے لے کر ۱۲۰۰۰ فٹ تک بلند ہوتا ہے۔ اس بلندی کے نیچے کی طرف دونوں جانب یعنی آرکٹک سرکل اور انٹارکٹک سرکل دونوں ہی جانب کو وہ ڈھلوان انداز میں نیچا ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ قطبین تک اسی شکل میں پایا جاتا ہے۔

اگر مجموعی حیثیت سے نگاہ ڈالی جائے تو ہوا کی عام گردش فیرل صاحب کی رائے کے مطابق دو باتوں پر مشتمل ہوگی۔ گویا اُس میں دو لہریں یا طوفان ہونگے۔ یا یوں کہو کہ دونوں قطب اُس کے مرکز ہو سکتے ہیں۔ جن پر کہ ہوا گردش کرتی ہے اور محور کی سمت میں۔ ان دونوں لہروں میں خط استوائی

جانب کو ایک طبقہ ہوتا ہے جس میں ہوا کی رفتار کا رُخ معمولی رُخ کے برعکس ہوتا ہے۔ یہی ہوا تجارتی ہوا کہلاتی ہے۔ کیونکہ دونوں نصف میں اس ہوا میں زیادہ دباؤ ہوتا ہے۔ مگر زیادہ دباؤ شمالی نصف کرہ میں ۳۵ درجہ عرض البلد کے قریب ہوتا ہے اور جنوبی نصف کرہ میں ۳۰ درجہ عرض البلد کے قریب۔

ہوا کے مسئلہ سے تعلق جس بات کی بنیاد فیرل صاحب نے ڈالی تھی اُسے دیگر سائنس دانوں مثلاً ڈاکٹر ورنر سیمنس۔ خان ہمہولز۔ ہرمولر۔ پروفیسر اوبربیک۔ ڈاکٹر اسپرنگ وغیرہ کے خوب جانچا اور اُس میں زیادہ اچھے ذرائع اور آلات کے ذریعہ سے اور زیادہ عمدہ دلائل کے ساتھ خوب خوب اضافہ کیا۔ لیکن ان سبھوں نے نتیجہ وہی نکالا جو فیرل صاحب نے نکالا تھا۔ ان سبھوں کی رائے اور تجربات کے مطابق ہوا کی عام گردش کے مسئلہ کو اب تک مانا اور تسلیم کیا جاتا ہے۔

اسٹیار کے بارہ میں جو خیالی مسئلہ قائم کیا گیا تھا اُس میں جو قابل لحاظ اور مستقل ترمیم کی گئی ہے وہ ہوا کے اُس کمتر درجہ کے دباؤ کی مد سے قائم کی گئی ہے جو جنوبی قطب کے چاروں طرف پایا جاتا ہے اور نیز اُن مضبوط شمال و مغرب ہواؤں کی رو سے جو بحر اوقیانوس۔ بحر ہند اور بحر الکاہل کے جنوب میں پائی جاتی ہیں۔ اور جن کے باعث آسٹریلیا کے جہاز نہایت حیرت انگیز تیزی کے ساتھ سفر طے کرتے ہیں۔ اس کا خاص اور اصلی سبب یہ ہے کہ جنوبی نصف کرہ بالکل پانی ہی سے ڈھکا ہوا ہے جو ہوا پر کم دباؤ ڈالتا ہے۔ اور اُس سے بہت ہی کم دباؤ جو خشکی پر پڑتا ہو۔ اور اس طرح ہوا بڑی آزادی کے ساتھ حرکت کرتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قطب جنوبی میں مقیاس الہوا کے تجربات کی نسبت زیادہ عمدہ طریقہ میں کئے جا سکتے ہیں۔

جن وجوہات کے باعث جنوبی نصف کرہ میں ہوا کا دباؤ کم ہوتا ہے۔

اُن ہی کے باعث اس نصف کرہ میں جبکہ آفتاب شمال و جنوب کی جانب گردش کرتا ہے واقع ہونے والی موسمی تبدیلیاں بہت ہی کم معلوم پڑتی ہیں۔ جولائی میں خطِ استوا پر ہوا کا دباؤ بہت ہی کم ہوتا ہے۔ مگر برعکس اس کے شمالی نصف کرہ میں جو موسمی تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں وہ زیادہ نمایاں طریقہ میں معلوم و محسوس ہوتی رہتی ہیں۔

ہوا کے بڑے دباؤ کا مرکز جو جولائی میں بحرالکاہل اور بحراوقیانوس کے مشرقی اطراف میں ہوتا ہے وہ جنوری میں براعظم امریکہ اور ایشیا میں منتقل ہوجاتا ہے۔ اور کم دباؤ کا مرکز جو جولائی میں شمالی امریکہ کے وسطی حصوں اور ایشیا و افریقہ کے براعظموں کے مرکز پر ہوتا ہے وہ جنوری میں شمالی بحرالکاہل اور شمالی بحراوقیانوس پر منتقل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح ہوا کا کم دباؤ جو خطِ استوا پر ہوتا ہے اور جنوری میں خطِ استوائی حدود ہی تک محدود رہتا ہے وہ جولائی میں شمالی براعظموں میں اور خاصکر افریقہ و ایشیا کے براعظم میں منتقل ہوجاتا ہے وہ سطحِ زمین ہی تک محدود رہتا ہے اور موسمی ہواؤں کے چلانے کا باعث ہوتا ہے۔ ان موسمی تبدیلیوں کے عظیم الشان انتقالات کا اثر آفتاب کی حرارت سے ہوا پر ہوتا ہے اور اسی ہوا پر جو بحر و بر دونوں میں ہوتی ہے۔ یہ اثر نہایت نمایاں طریقہ میں ظاہر ہوتا ہے۔

ہوا اور ہوا کے شمالی و جنوبی سے دباؤ متعلق ان عظیم الشان انتقالات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے مقیاس الہوا کا وہ سالانہ دباؤ روئے زمین پر واقع ہوتا ہے جو کسی جگہ ظاہر ہوتا ہے۔

یہ سالانہ تبدیلیاں انتہا درجہ پر جنوری اور جولائی میں پہنچتی ہیں۔ اور وہ ایشیا جیسے براعظموں کے مرکز پر پائے جاتے ہیں جہاں مقیاس الہوا کا دباؤ بہت زیادہ ہے۔ مگر ساحلِ سمندر پر جو کہ سالانہ دباؤ کے محور سمندروں اور براعظموں کے درمیان ہیں یہ دباؤ کم ہوتا ہے۔

انگلستان میں یہ تبدیلی بہت ہی خفیف سی ہوتی ہے اور جنوری اور جولائی

کے درمیان ۱۲ء۱۰ تک پہونچتی ہے ہندوستان میں و بنگال میں ۲۶ء۱۰ تک اور پنجاب میں ۲۲ء۱۰ تک - اور سائبیریہ اور وسطی ایشیا میں ایک انچہ تک +

اوسط دباؤ کل روئے زمین پر ۲۹٫۸۹ - انچہ ہوتا ہے - شمالی نصف کُرہ میں یہ اوسط جنوری میں ۲۹٫۹۹ - اور جولائی میں ۲۹٫۸۹ - انچہ ہوتا ہے - اور جنوبی نصف کُرے میں ۲۹٫۷۶ - اور ۲۹٫۹۱ - انچہ - اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں نصف کروں میں کی ہوا کی مقدار میں شمالی نصف کرہ کے موسم سرما کے ۱۰ جولائی میں بہت بڑا فرق ہے - اس فرق کے لحاظ سے شمالی نصف کُرہ میں زیادہ سردی اور انجماد کے باعث جاڑوں کے موسم میں کوئی ۳۲۰۰۰۰۰ ٹن ہوا کمی کے پورا کرنے کے لیے چلی جاتی ہے +

جو باتیں ہوا کے سطح زمین کے نزدیک، حرکت کرنے سے متعلق ہیں اُن میں سے ہوا کی اوپری فوج جو خط استوا سے لے کر قطبین تک چلتی ہے اُسے اینٹی ٹریڈونڈ کہتے ہیں - کیونکہ وہ ایک برعکس سمت میں شمال میں تو جنوب و مغرب کو اور جنوب میں شمال و مغرب کو چلتی ہے - خط استوائی طبقہ میں اُس کی کمترین حد ۱۰ ہزار فٹ ہے - اور جبکہ ہم قطب کی طرف کو چلتے ہیں تو یہ حد کم ہوجاتی یہاں تک کہ کوہ ہمالیہ کی حد میں موسم سرما میں اوپری موج گھٹ کر ۲ ہزار سے ۳ ہزار فٹ تک سطح سمندر کے اوپر ہوجاتی ہے +

کوہ ٹینرف کی چوٹی پر پروفیسر پیاری اسمتھ جبکہ وہ ۱۸۶۰ء میں علم ہیئت سے متعلق تجربہ کر رہے تھے تو وہ شمال و مشرقی تجارتی ہوا میں سفر کر سکے اور جنوب و مغربی ہوا کی اوپری تہ کو جو بمقام آلٹا وسٹا چل رہی تھی اُس کی گہرائی انہوں نے ۱۰ ہزار فٹ پہاڑ کے پہلو میں معلوم کی تھی +

اس طریقہ میں بلند آتش فشاں پہاڑ جیسا کہ کوٹوپکسی ہے ۱۸ ہزار فٹ کی بلندی پر دھواں جو ٹریڈونڈ کے طبقہ میں تھا مغرب سے چلتا ہوا اور ہوا کے رُخ کے برعکس چلتا ہوا نظر آیا +

قطبین کے نزدیک ۳۵ - ۴۰ درجہ عرض البلد کے نزدیک ہوا کی

اِس اوپرلی تہ کا نچلا کنارہ زمین سے مل جاتا ہے۔اور اُس کے دو حصّے ہوجاتے۔جن سے وہ طوفان پیدا ہوتے ہیں جو خط استوا کے دو جانب بلند مقامات میں پائے جاتے ہیں۔اور اوپرلا حصّہ اس ہوا کی موج کا سوائے ان مقامات کے جہاں کہ مقامی اسباب سے اُن میں فرق پڑ جاتا ہے عموماً جنوب و مغرب یا شمال و مغرب کی طرف سے چلتا ہے۔اُس کی رفتار اُن بلند بادلوں کے مشاہدہ سے جو اوسط بلندی پر دوڑتے رہتے ہیں جدید ترین آلات کے ذریعے سے ۲۷ ہزار فٹ قرار دی گئی ہے +

ہوا کی عام گردش اور اُس کی موسمی تبدیلیاں دُنیا بھر کی بارش کی عام تقسیم کے مطابق کی جاتی ہیں۔نیز مستقل واقعات اور موسمی تبدیلیوں کے مطابق جو خشکی اور بارش سے متعلق ہوتی ہیں۔مقامی حیثیت سے بارش خاصکر بلند مقامات میں طوفانوں کے باعث ہوتی ہے۔اور موسم برسات کا تعین ان تبدیلیوں ہی کے باعث کیا جاتا ہے +

اس سوال کی تفصیل کی جانچ کرنے کے بغیر کہ بارش کس طرح پر ہوتی ہے۔یہ معلوم کرلینا بالکل آسان ہے کہ خط استوائی طبقہ کے درمیانی حصّہ میں جہاں سکون رہتا ہے کیوں متواتر بادل اور بارش کا ظہور ہوتا رہتا ہے کیونکہ وہاں ہوا اندر کی طرف آنے والی ہواؤں میں کی بھاپ سے بھر جاتی ہے۔اور یہ ہوا اوپر کو اُٹھ کر زیادہ بلند اور زیادہ سرد بلندی تک پہونچ جاتی ہے۔جہاں وہ اسقدر بھاپ کو جذب نہیں رکھ سکتی ہے جس قدر کہ وہ سطح سمندر پر رکھ سکتی ہے۔اِس لئے زیادہ بھاپ اول تو بادلوں کی شکل میں منجمد ہوجاتی ہے اور پھر مینہ کے قطروں کی شکل میں منتقل ہوکر سطح سمندر پر برس پڑتی ہے۔اور جب ہوا شمال یا جنوب کی طرف گھٹتی بڑھتی ہے تو ایک خشک اور ایک برسات کا یا بعض اوقات دونوں ہی قسم کا موسم ظاہر ہوتا ہے +

اگر کوئی مقام اُس خط کے اندر جو بارش کا خط کہلاتا ہے آخری سرے

پر واقع ہو تو بارش چھ ماہ تک تو اُس خط کے اندر ہوگی اور چھ ماہ تک اُس کے باہر۔ اور اسی لیئے اُس مقام پر چھ ماہ تک بارش ہوگی اور چھ ماہ تک خشکی رہیگی یہ حالت پناما کے مقام کی ہے جہاں مئی سے نومبر تک بارش ہوتی رہتی ہے۔ اور باقی چھ ماہ بالکل خشکی رہتی ہے۔ یہی حالت بنگال۔ وادیٔ نیل۔ اور شمالی آسٹریلیا میں بھی واقع ہوتی ہے۔ برعکس اس کے اگر کوئی مقام کسی خط کے بیرونی سرے کے نزدیک واقع ہو تو وہاں بارش کم اور تھوڑے ہی عرصہ تک رہتی ہے۔ اور خشکی کا موسم طویل ہوتا ہے۔ پنجاب۔ بالائی برما۔ شمالی مکسیکو اور شمالی وسطی آسٹریلیا ایسے مبارک ہیں جو بارشی خط کے اندر ہیں۔ مگر اُن میں بارش صرف تین ماہ ہوتی ہے۔ اور اگر کسی سال کوئی خرابی واقع ہو جائے تو بارش کا موسم گھٹ جاتا یعنی بارش کم عرصہ ہوتی ہے جس سے خشک سالی اور قحط کا ظہور ہوتا ہے +

لیکن جو مقامات کہ خط استوائی بارشی خط کے باہر ہوتے اُن میں سوائے اول اوقات کے کچھ بھی بارش نہیں ہوتی جبکہ خط استوا سے بھی پرے تک قطبین کی ہوا چلی جائے یعنی موسم سرما میں ۳۵ درجہ عرض البلد تک +

عرض البلد ۳۵ درجہ اور ۲۰ درجہ شمال و جنوب کے درمیان سوائے ہندوستان کے مانسون ہوا خط استوا کی طرف سے چلتی ہے۔ یا سواحل کے نزدیک اور اُن کے برابر برابر۔ اس سے اُن میں بارش نہیں ہوتی۔ بلکہ خشکی رہتی ہے +

کیلیفورنیہ۔ اریزونہ اور کولوریڈو واقع شمالی امریکہ۔ صحرا۔ ریگستان نیوبیہ واقع شمالی افریقہ اور عرب و ایران کے ریگستانی خطے یہ سب شمالی نصف کرے کے اُس حصہ میں ہیں جہاں کہ بارش مذکورہ بالا وجوہات سے کم ہوتی ہے +

مگر ان ہی عرض البلاد کے اندر جنوبی نصف کرے میں ارجن ٹاین اور مشرقی پٹیگونیہ جیسے خشک ملک واقع ہیں۔ یہ خطے یا ممالک اعلےٰ درجہ کے ہوائی دباؤ سے متعلق ہیں اور اُن کو مستقل موسم کے باعث بہت نقصان اُٹھانا پڑتا ہے +

بعض مقامات پر جو خط استوائی خط کے اندر ہیں بہت ہی کم عرصہ بارش ہوتی ہے۔ اور بہت ہی کم عرصہ خشکی رہتی ہے۔ یہ بارش اور خشکی تھوڑے تھوڑے عرصہ بعد واقع ہوتی رہتی ہے۔ لنکا اور جنوبی اسی قسم کے ملک سرزمین ہندوستان میں ہیں۔ اور کولمبیا جنوبی امریکہ میں اور دریائے نیل کی وادی کا ایک حصہ افریقہ میں۔ اور جزیروں میں سے جزیرہ جاوا +

جو ممالک ۵۲ درجہ عرض البلد اور قطبین کے درمیان واقع ہوتے ہیں اُن میں موسمی بارش کا انحصار ہوا کے قطبی صورت اختیار کرنے پر منحصر ہوتا ہے۔ ان میں بھی اگر کسی ملک میں کوئی فرق پڑ جائے اور وہ فرق ہوا سے متعلق ہو تو اور نیز سورج کی حرارت سے بھی متعلق تو اُن کے درمیانی حصوں میں دو قسم بارش کے ہوتے ہیں اور دو موسم خشکی کے۔ جنوبی یورپ میں تو بارش زیادہ تر موسم سرما میں ہوتی ہے۔ کیونکہ اُس ہی موسم میں ہواؤں کا وہ سلسلہ جو قطب کے گرد حرکت کرتا ہے وہ خط استوا کے انتہائی سرے تک پہونچ جاتا ہے۔ وسطی یورپ میں بارش خاصکر موسم بہار اور موسم خزاں میں ہوتی ہے۔ کیونکہ ہوا شمال کی طرف حرکت کرتی ہے اور پھر واپس آجاتی ہے۔ مگر شمالی یورپ میں بارش عموماً موسم گرما میں ہوتی ہے +

ہوا کی عام گردش سے نہ صرف روئے زمین پر اور نیز عالم بالا پر موجودہ رُخ کو قائم کرتی ہے۔ بلکہ اُس کی اوسط رفتار پر بھی بہت بڑا اثر کرتی ہے۔ اُس ہوائی حرکت کی اوسط رفتار کا جو روئے زمین کے اوپر چلتی ہے علم حاصل کرنے کی عملی ضرورت اس بات سے اور اس وقت خوب عیاں ہوتی ہے جبکہ ہم غبارہ میں بیٹھ کر سیر کرنے یا جبکہ ہم اُڑنے کے لئے کوشش کرتے ہیں +

ہوا سے متعلق بہت سی باتیں اُن سائنس دانوں کی کوشش سے دریافت کیگئی ہیں جو غبارہ میں بیٹھ کر اُڑے تھے یا جنہوں نے پرندوں کی مانند پرواز کرنے کی کل بناکر اور اس میں سوار ہوکر اُڑنے کے نام سے سفر کیا تھا۔ ان دونوں کی کوشش سے جو باتیں دریافت ہوئیں وہ قصداً نہیں ہوئیں۔ بلکہ اتفاقیہ +

زایر نے یہودی کی جان بچائی

زایر اُس کمرے میں داخل ہو ،جو اُس کے سونے کے لئے تجویز کیا گیا تھا۔ اور نوکر کے ہاتھ سے مشعل لیکر اس کا شکریہ ادا کیا اور اُسے رخصت کر کے کمرے میں چاروں طرف کو نگاہیں دوڑائیں۔ اس کمرے میں ایک بھدا سا اسٹول اور ایک بھدی سی چارپائی تھی۔ جس پر بستر کی بکہ کھال بچھی ہوئی تھی۔ اور اُس کے نیچے پھونس کا گدا تھا۔ زایر نے مشعل بجھا دی۔ اور کپڑوں سمیت چارپائی پر دراز ہو گیا۔ اور جب صبح کو کھڑکی میں ہو کر روشنی اندر داخل ہوئی تو وہ بستر سے اُٹھا۔ کپڑے سنبھالے اور فجر کی دُعا ادا کی۔ اور اپنی خواب گاہ سے نکل کر یہودی کی خواب گاہ میں داخل ہوا +

بیچارہ یہودی اُسی قسم کے بستر پر پڑا ہوا تھا جس قسم کا کہ خود زایر کو دیا گیا تھا۔ وہ اپنے کپڑے اس خوف سے پہنے رہا کہ اُنہیں کہیں کوئی اُڑا نہ لیجائے اُس کی صورت سے تشویش نمایاں تھی۔ اور اس کے ہاتھ خوف کے مارے کپکپا رہے تھے۔ وہ اپنی زبان میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ زایر کی سمجھ میں سوائے اس ایک جملہ کے جو نارمن اور انگریزی ملے ہوئے الفاظ میں یہودی کی زبان سے نکلے تھے اور کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اس جملہ کا مطلب یہ تھا کہ :۔ " ابراہیم کے خدا کے صدقے میں مجھ بدنصیب بوڑھے کی جان بخشو۔ میں غریب اور مفلس ہوں۔ اگر تم میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دو تو بھی میں تمہاری خواہش پوری نہیں کر سکتا" +

زایر نے بلا انتظار کے یہودی کو اپنے عصا سے چھو دیا۔ عصا اُسکے بدن سے لگنے کی دیر تھی کہ اُس کے وہ خیالات جن میں وہ محو تھا ظاہر ہوئے وہ چونک پڑا اور اُس کے جسم پر رونگٹے اور سر کے بال کھڑے ہو گئے۔ اُس نے اپنے کپڑوں کو سمیٹ اور زور سے پکڑ لیا اور زایر کی طرف تعجب بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

زایر :۔ اسحٰق تم مجھ سے خوف نہ کھاؤ۔ میں تمہارے پاس بطور دوست کے آیا ہوں"۔

یہودی :۔ اسرائیل کا خدا تمہیں نیک اجر عطا کرے۔ میں خواب دیکھ رہا تھا۔

بزرگ ابراہیم کی حمد ہو کہ دراصل وہ خواب ہی تھا اور آپ اس قدر تڑکے مجھ غریب یہودی کے پاس کیوں تشریف لائے ہیں"؟۔

زایر۔" تم سے یہ کہنے کے لئے کہ اگر تم یہاں سے جلد تر نہ چلے جاؤگے تو سفر میں تمہارے لئے خطرہ ہے" +

یہودی۔" خدا کی پناہ! مجھ سے بدنصیب کو خطرہ میں ڈالنے سے کس شخص کا نفع ہے"؟۔

زایر" نفع اور مدعا تو تم خود اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔ مگر اس بات کو یقین جانو کہ جب سورما نے تمہیں دیکھا تو اپنے ہمراہی مسلمانوں سے اُن کی زبان میں یہ کہا تھا کہ وہ یہودی کی نقل و حرکت کو دیکھیں اور اس مکان سے دور فاصلہ پر پہنچ کر اُسے گرفتار کرلیں اور اُسے یا تو فلپ ڈی میلوسن کے قلعہ میں پہنچا دو اور ایجینالڈ فرنٹ ڈی بف کے قلعہ میں"۔

زایر کی باتیں سُنکر یہودی پر خوف غالب آیا اُس کا بیان ناممکن ہے مگر نظر آتا وہ کانپنے لگا اور بدحواس ہو کر زایر کے قدموں پر گر پڑا۔ لیکن نہ اس لئے کہ رحم بے مدد کے لئے درخواست کر رہا تھا۔ بلکہ فرط خوف اور غم کے رستہ یا کسی ایسی طاقت کے اثر سے بالکل بیجان ہو گیا تھا جس کے مقابلہ کرنے کی طاقت اُس میں مطلق نہیں تھی۔ اُس کی زبان سے پہلا کلمہ یہ نکلا" اے ابراہیم کے مقدس خدا"۔ پھر وہ سر اُٹھانے کے بغیر اپنے ہاتھوں کو کھولنے اور بند کرنے لگا اور کہنے لگا کہ" اے مقدس موسٰے۔ اے مبارک ہارون۔ میرا خواب خواب ہی نہیں بلکہ سچا نکلا۔ ایسا معلوم تھا کہ مثل آرے کے میری پیٹھ پر شکنجہ چل رہا ہے اور میرے اعضا جدا کئے جارہے ہیں +

زایر (نظر ترحم سے)" اسحاق اُٹھو۔ شاید تم اس لئے خوفزدہ ہو کہ تمہارے بھائیوں سے جبرًا دولت وصول کی جاتی ہے۔ اُٹھو میں تمہیں سلامتی کی راہ دکھاتا ہوں۔ اس مقام کے لوگوں سے بیدار ہونے سے پیشتر ہی تم چلتے بنو۔ میں تمہیں جنگل میں ہو کر راستہ بتائے دیتا ہوں۔ اور جب تک تم کسی امیر کو جو جنگل کو جارہا ہو اپنے حال پر مہربان نہ کرلو تب تک میں تمہیں تنہا نہ چھوڑونگا"۔

یہودی زایر کے الفاظ سُن کر اُٹھنے لگا۔ یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور بھروسے کی نگاہوں سے زایر کو دیکھنے لگا۔ مگر جونہی کہ اُس نے آخری کلمہ سُنا پھر اُس پر خوف غالب آیا۔ اور وہ یکایک مُنہ کے بل زمین پر یہ کہتا ہوا گر پڑا کہ "کیا میں کسی کو اپنے حال زار پر مہربان کر لینے کی قدرت رکھتا ہوں"۔ اور پھر یکایک جیسے کہ کوئی کسی شبہ کی حالت میں کہتا ہو کہنے لگا کہ "اے نوجوان خدا کے واسطے مجھے مصیبت میں نہ چھوڑ۔ اُس خدا باپ کی خاطر جس نے ہم سبھوں کو خواہ یہودی ہوں یا مسیحی یا بُت پرست پیدا کیا میرے ساتھ دغا نہ کر۔ مجھ میں تو یہ بھی قدرت نہیں کہ میں کسی مسیحی گداگر کو جو ٹکڑے مانگتا ہو اپنے حال پر مہربان کر سکوں"۔ یہ کہہ کر یہودی اُٹھا اور اُس نے زایر کا دامن پکڑ لیا۔ اور التجا بھری ہوئی نگاہوں سے تاکنے لگا۔ مگر زایر نے جھٹ دامن چھڑا لیا۔ گویا کہ یہودی کے دامن پکڑنے سے زایر نجس ہو گیا۔

زایر۔ "اگر تیرے قبضہ میں سارے یہودیوں کی دولت ہوتی تو بھی مجھے تجھے نقصان پہنچانے میں کیا نفع تھا۔ میں نے عہد کر لیا کہ یہی پوشاک جسے میں پہنے ہوئے ہوں پہنے رہونگا۔ خواہ ایسا کرنے میں مفلس ہی رہوں۔ میں اپنی مفلسی کو سوائے ایک گھوڑے اور زرہ کے اور کسی شے سے نہیں بدل سکتا۔ تاہم یہ خیال نہ کر کہ میں کسی وجہ سے تیرا ہم صحبت ہونا پسند کر سکتا ہوں۔ اگر تیری مرضی ہے تو یہیں رہ جا۔ شاید نواب سیڈرک تجھے بچا سکے"

یہودی۔ "افسوس! وہ مجھے اپنی جماعت کے ہمراہ سفر کرنے کی اجازت نہیں دیگا۔ نارمن ہو یا سیکزن۔ مگر دونوں ہی ایک غریب اسرائیلی سے عار رکھتے ہیں۔ میرا تن تنہا میلوکس یا ڈی لنب کی سرزمین میں ہو کر سفر کرنا۔ اے نیکدل جوان میں تیرے ہمراہ چلوں گا۔ آؤ جلدی چلیں۔ تم دیر کیوں کرتے ہو"؟

زایر۔ "میں دیر تو نہیں کر رہا۔ مگر مجھے اس مکان سے نکلنے کی فکر تو کر لینے دے میرے پیچھے پیچھے چلا آ"۔ یہ کہہ کر زایر اُس کوٹھری میں گیا جہاں گرتھ خرّاٹے لے رہا تھا اور اُسے بیدار کر کے کہنے لگا "اے بھئی ہم تو جاتے ہیں۔ جلد

دروازہ کھول دے۔ اگرچہ گرتھ نہائت ادنےٰ درجہ کا انسان تھا۔ لیکن زاہر کے بے تکلف الفاظ سُن کر لیٹے ہی لیٹے کہنے لگا کہ " یہ یہودی بھی یہاں سے جاتا ہے۔ اور ایک زاہر کے ساتھ سفر کرے گا۔ میں تو ایسے سویرے یہاں سے کسی کو نہیں جانے دیتا"۔

زاہر (تحکمانہ لہجہ میں) " مگر تم میرے ساتھ تو ضرور ہی رعایت کرو گے"۔ اور گرتھ کے کان میں کچھ جُھک کر کہہ دیا۔ جسے سُنتے ہی گرتھ اُٹھ بیٹھا اور تعمیل حکم میں مصروف ہو گیا۔ اور زاہر کا گھوڑا اور یہودی کے لئے ایک خچر لے آیا۔ اور دونوں سوار ہو کر وہاں سے چلتے بنے۔ زاہر آگے آگے تھا اور یہودی پیچھے پیچھے۔ ایک گھنے جنگل میں سے دونوں چلے جا رہے تھے۔ جب سیڈرک کے محل سے بہت دور نکل گئے تو زاہر نے مہر خاموشی توڑی۔ اور یہودی سے کہنے لگا کہ " دیکھو یہ پُرانا بلوط کا درخت میلوئسن کی حدمیں ہے۔ ہم ڈی لف کی حد سے تو نکل آئے ہیں۔ اب ہمیں یہ خوف نہیں رہا کہ کوئی ہمارا تعاقب کرے"۔

یہودی :" خدا کرے کہ تعاقب کرنے والے جلد جلد قدم نہ اُٹھا سکیں۔ مگر اے نیکدل زاہر مجھے تنہا نہ چھوڑنا۔ ذرا سورما اور اُس کے مسلمان رفیقوں کا خیال کرو جو کسی بات کا بھی لحاظ نہیں کرتے"۔

زاہر :" اب اس جگہ سے میرا اور تمہارا راستہ علیحدہ ہوتا ہے۔ کیونکہ مجھ سا آدمی تمہارا ہم سفر نہیں رہ سکتا۔ علاوہ بریں مجھ سا زاہد دو مسلح جوانوں کے مقابلہ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہے؟"

یہودی :" تمہسا نیک مرد تو میری حفاظت کر سکتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ تو ایسا کریگا۔ اگرچہ میں غریب ہوں تاہم اس مہربانی کا عوض دونگا۔ روپیہ سے نہیں کیونکہ مجھ غریب کے پاس روپیہ کہاں سے آیا۔ البتہ ــــ"

زاہر :" عوض اور روپیہ! تم مجھ سے پہلے ہی کہہ چکے ہو کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ میں تیری رہبری کر سکتا ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی طریقہ میں

تیری حفاظت کر سکوں۔ کیونکہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں ایک یہودی کی حمایت کرنا میری شان کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اس خیال سے میں تجھے کسی زبردست بدرقہ کے سپرد کر دونگا۔ شہر شفیلڈ نزدیک ہی ہے۔ اور وہاں تجھے تیرا کوئی ہم قوم مل سکتا ہے تو اُس کے پاس قیام کر کے آگے کو امن کے ساتھ بڑھ سکتا ہے۔

یہودی "اے جوانمرد تجھ پر حضرت یعقوب کا کرم ہو۔ شفیلڈ میں میرا ایک عزیز زریتھ نامی ہے۔ جو میرے سفر کے لئے کوئی پُرامن انتظام کر سکتا ہے"۔

اس کے بعد دونوں راستوں سے آگے بڑھے۔ مگر جب شہر نزدیک آگیا اور نظر آنے لگا تو زاہر نے کہا کہ "میاں یہودی اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں"۔ یہودی نے کہا کہ "میرا شکریہ لیجے۔ کیونکہ میں یہ عرض کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ آپ میرے رشتہ دار کے مکان پر چلیں جو میری طرف سے شاید آپ کی عنایت کا بدلہ دے سکے"۔

زاہر "میں سچ کر کہتا ہوں کہ مجھے روپیہ یا عوض کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر تو کسی مسیحی قرضدار کو قیدخانہ سے بچا سکے تو میں سمجھونگا کہ مجھے کافی عوض مل گیا اور اس کے لئے میں تیرا بیحد احسان مند رہونگا"۔

یہودی "ٹھیرئیے ٹھیرئیے۔ میں اس سے بھی کچھ زیادہ کر سکونگا۔ میں کچھ آپ کے ساتھ بھی کرنا چاہتا ہوں۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ میں غریب ہوں۔ لیکن مجھے معاف رکھیں اگر میں یہ کہوں کہ آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے"۔

زاہر "اگر تو سمجھ سکتا ہے کہ مجھے کس بات کی حاجت ہے تو تُو اُسے رفع نہیں کر سکتا۔ چاہے تو اس قدر دولتمند ہو جس قدر کہ تو اپنے کو غریب بتاتا ہے"۔

یہودی "آپ کو ایک گھوڑے اور سامان حرب کی ضرورت ہے"۔

زاہر (چونک کر) "ارے تجھے کس بات نے میری حاجت سے آگاہ کر دیا"۔

یہودی "اس کا کیا مضائقہ۔ اگر واقعی یہی حاجت ہے تو میں اُسے رفع کر سکتا ہوں"۔

زاہر "مگر ذرا پہلے میرے اطوار میری پوشاک اور میرے عہد کا تو خیال کر"۔

حفاظت کرتا تھا اور کوئی میسحی اُن کو دق نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ اسحٰق بھی معہ اپنی ماہ پارا دختر ربقہ کے اس دنگل میں شریک تھا +

شاہزادہ جان معہ اپنے اُمرا اور دینی پیشواؤں اور بدرقہ کے دنگل میں آیا۔ اُس کے ہمراہ وہ مہنت صاحب بھی تھے۔ جن سے ہم اپنے ناظرین کا تعارف کرا چکے ہیں۔ جونہی شاہزادہ جان دنگل کے اندر داخل ہوا تمام نگاہیں اس کی طرف متوجہ ہوگئیں +

جان بڑا لاپرواہ اور مغرور تھا۔ جونہی وہ اُس مقام پر پہنچا جہاں اسحٰق کھڑا تھا تو اُس کی دختر ربقہ کو دیکھتے ہی حیران رہ گیا۔ یہ حسینہ واقعی سرآمد حسیناں تھی۔ اپنی وضع قطع۔ رنگ و روپ۔ آنکھ ناک۔ نقشہ اور قدوقامت کے باعث پرکالہء آفت بنی ہوئی تھی۔ جان نے مہنت سے کہا۔ دیکھئے حضرت یہ ہے حور کی صورت۔ نور کی مورت۔ آفت جان۔ غارتگر صبر وشکیب۔ مہنت صاحب نے بھی جو حسن کی پرکھ رکھتے تھے بے ساختہ کہا کہ واقعی خدا قدرت کا ایک کامل نمونہ ہے +

شہزادہ جان (اسحاق سے) "ارے یہ عورت کون ہے۔ تیری بیوی یا لڑکی ہے؟"

اسحٰق۔ "حضور میری دسترنیک اختر ہے" +

شاہزادہ (اسحٰق کو مرہون منت بنانے کے لئے) "اس شامیانہ میں کون لوگ بیٹھے ہیں۔ ذرا اس بیچاری اور اس بوڑھے کو بھی جگہ دیں" +

جس شامیانہ کے لوگوں کی طرف جان مخاطب ہوا اس میں نواب سیڈرک اور اُس کے خاندان کے لوگ اور شاہزادہ اتھیلسٹن جو آخری سیکسن فرمانروا کی نسل سے تھا بیٹھے ہوئے تھے۔ جان کے کلمات سُن کر اتھیلسٹن متوحش سا ہوگیا لیکن اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ اس پر جان نے ایک سورما سے کہا کہ "سیکسن سؤر یا تو سوتا ہے یا میری بات کا خیال نہیں کرتا۔ ذرا تو اسے اپنی برچھی سے ہٹا"۔ سورما نے فی الفور اتھیلسٹن کی طرف برچھی بڑھائی۔ اگرچہ اتھیلسٹن نے تو کچھ نہ کہا۔ لیکن سیڈرک کو تاب نہ رہی۔ اس نے غصہ میں آکر تلوار نکال لی اور برچھی پر وار کرنے ہی کو تھا کہ کسی نے روک لیا۔ جان یہ دیکھ کر ہمہ تن آتش ہوگیا لیکن

اُس کے ساتھی اُسے وہاں سے ہٹا لے گئے۔ ورنہ دنگل میں ایک دوسرا دنگل ہو جاتا۔ جب جاآن یہودی کو اوپر چڑھنے کے لئے حکم دے رہا تھا اور سیڈرک اُس کے روکنے کے لئے آمادگی ظاہر کر رہا تھا تو وَمبہ ظریف سیڈرک اور یہودی کے درمیان آکر مسخرہ پن کرنے لگا۔ گھبراہٹ میں یہودی کا پاؤں پھسل گیا اور وہ نیچے آپڑا۔ اس پر سبھوں نے فرمایشی قہقہہ لگایا۔ اور جاآن نے یہودی سے کہا کہ اپنے چند اشرفیاں مجھے دے۔ یہودی نے جیب میں ہاتھ ڈال کر بٹوہ کے اندر سے اشرفیاں نکالنے کی کوشش کی۔ مگر جاآن نے بٹوہ اُس کے ہاتھ سے لے لیا اور دو اشرفیاں وَمبہ کی طرف پھینکدیں۔ باقی اشرفیاں لیکر آگے بڑھا اور یہودی کو سبھوں کا نشانہ ظرافت بنا گیا۔ سارے لوگ ہنسنے لگے۔ یہاں تک کہ سیڈرک وغیرہ سے بھی ہنسی نہ رُکی۔ گویا جاآن نے اُن کی عزت افزائی کی +

محروم الارث سورما کی فتح

آگے بڑھتے بڑھتے شہزادہ جاآن یکایک رُک گیا اور مہنت سے ہمکلام ہوا

شہزادہ جاآن۔ "تقدس مآب مہنت صاحب میں آج کا اصلی کام تو بھول ہی گیا تھا۔ بتاؤ تو آج کس ماہ لقا کے ہاتھوں سے فتحمند سورماؤں کو انعام دلوایا جائے۔ میں تو آزاد خیال ہوں اور ربقہ مہ لقا کو یہ عزت مل جائے تو بھی کچھ مضائقہ نہیں"+

مہنت صاحب" خدا کی پناہ۔ اگر یہ ہوا تو لوگ ہمیں پتھراؤ کر کے اکھاڑے کے باہر کر دینگے۔ میں ابھی اتنا عمر رسیدہ نہیں کہ مجھے شہادت زیب دے سکے۔ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ اُس یہودن سے تو خاتون روِدینہ بدرجہا حسین ہے"+

شہزادہ جاآن" سیکزن اور یہودن اور یا یوں کہو کہ کتیا یا سؤر یا ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ اچھا روِدینہ ہی سہی"+

لیکن شہزادہ کے کئی ہمراہیوں نے اس پر بھی اعتراض کیا۔ اور آخر کار یہ قرار پایا کہ پہلے دنگل کا پروگرام مشتہر کیا جائے۔ اس کے بعد انعام دینے والی تجویز کر لی جائیگی۔ الغرض ایسا ہی ہوا۔ شہزادہ تخت پر متمکن ہوا۔ پروگرام میں مندرج

ذیل باتیں مشتہر کی گئیں. (۱) پانچ سورما سارے نئے سورماؤں کا مقابلہ کریں (۲) جو سورما کسی سورما سے مقابلہ کرنا چاہے وہ اُسکی ڈھال سے اپنی برچھی لگائے اگر صرف جھوٹی لڑائی لڑنا چاہے تو برچھی مُوٹھ کی طرف سے لگائی جائے۔ اور اگر سچی لڑائی چاہے تو برچھی نوک کی طرف سے لگائی جائے اور تیز ہتیاروں سے مقابلہ کیا جائے، (۳) ان باتوں کے انتخاب کے بعد پہلے دن کا انعام مشتہر کیا جائے انعام میں ایک گھوڑا تجویز کیا گیا اور فتحمند کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ جس خاتون کے ہاتھ سے انعام لینا چاہے لے سکتا ہے۔ انعام دوسرے دن ملیگا (۴) دوسرے دن عام دنگل ہوگا جس میں سارے سورما جو کہ شریک ہونا چاہیں وہ شریک ہو سکتے ہیں۔ مگر سارے سورماؤں کی دو ٹولیاں کرکے باہم مقابلہ کریں۔ اور معرکہ اُس وقت تک جاری رہے جب تک کہ شاہزادہ اُسے بند نہ کرائے۔ اور جو سورما کہ سب سے عمدہ لڑاکا سمجھا جائے اُس کے سر پر مقرر شدہ خاتون سُنہری تاج اپنے ہاتھ سے رکھے۔ تیسرے دن جانوروں کی لڑائیاں کرائی جائیں اور تیز دیگر تفریحیں دکھائے جائیں +

جب سورماؤں کی جماعتیں اکھاڑے کے دونوں جانب آراستہ ہو چکیں اور نقیب پردگرام مشتہر کر چکا تو نقیب پر چاروں طرف سے روپے اور اشرفیاں بطور انعام کے برسنے لگیں۔ اول پانچ پانچ سورما دونوں طرف سے گھوڑوں پر سوار ہوکر آگے بڑھے۔ اُن میں سے ایک ایک آگے تھا اور باقی چار چار اُسکے پیچھے تھے سورماؤں کے آگے بڑھتے ہی شامیانوں کے پیچھے سے باجوں کی آواز شروع ہوئی۔ طبل جنگ بجنے لگا اور علم جنگ بلند ہوا۔ باجوں میں جھانجھ اور کھرتال بھی تھیں۔ پانچ سورما جو مقابلہ کے لئے ایک جانب سے نکلے تھے وہ درمیان میں اُس خیمہ تک گئے جہاں مقابلہ چاہنے والے پانچ سورماؤں کی ڈھالیں رکھی ہوئی تھیں اور اُنھوں نے اپنی برچھیوں کی مُوٹھیں ڈھالوں میں لگادیں اور اپنی جگہ واپس جاکر کھڑے ہوگئے۔ خیمہ سے پانچ سورما نکلے۔ ان میں سب سے آگے گلبرٹ تھا۔ اور مقابلہ کے لئے آگے بڑھے۔ گلبرٹ۔ ہیلڈئسن اور ڈی بف کے مدمقابل تو

زمین پر آرہے۔ ایک اور سورما کا مدمقابل برچھی کو نہ سنبھال سکا۔ مگر سینٹ جان طبقہ کے سورما کے مدمقابل نے خوب جوہر دکھائے۔ مگر دونوں میں سے ہار جیت کسی کی بھی نہ ہوئی۔ اس کے بعد ان کی ہار جیت کا اعلان کیا گیا اور اُن سے میدان خالی کرایا گیا۔ پھر پانچ پانچ سورماؤں کی دو ٹولیاں آورجھپٹی گئیں اور ان میں خوب جنگ ہوئی مگر فتح کا سہرہ مقابلہ چاہنے والوں کے سر رہا۔ اسیطرح ایک اور مقابلہ ہوا چوتھے مقابلہ کے بعد تھوڑی دیر کے لئے وقفہ رہا۔ تماشائیوں کو دنگل میں کچھ لطف نہ آیا۔ کیونکہ گلبرٹ اور میلوئسن اپنے اطوار کے باعث لوگوں کے محبوب نہیں تھے اور گرانٹ مینسل اور دیگر سورما غیر ممالک کے لوگ تھے +

سب سے زیادہ ناخوش تماشائی نواب سیڈرک تھا۔ کیونکہ جیت عام طور پر نارمن قوم کے سورماؤں کو نصیب ہوئی تھی۔ سیڈرک اگرچہ بہادر تھا اور اکثر موقعوں پر اپنی بہادری کا ثبوت دے چکا تھا۔ مگر فن حرب سے اتنا واقف نہ تھا کہ دنگل میں مقابلہ کرتا۔ البتہ ایتھیلسٹن خوب ماہر تھا۔ لیکن وہ کاہل وجود تھا +

سیڈرک (ایتھیلسٹن سے) "آج تو انگلستان کی ہیٹی رہی۔ کیا آپ کا دل نہیں چاہتا کہ آپ ہی دنگل میں اُتریں" +

ایتھیلسٹن "میں آج تو مناسب نہیں سمجھتا۔ البتہ کل ضرور مقابلہ کرونگا" +

اس کے بعد نقیبوں نے پھر اعلان کیا اور سورماؤں کا دل بڑھایا۔ اور ساتھ ہی جوش دلانیوالا باجہ بجنے لگا۔ شہزادہ جان نے اپنے ہمراہیوں سے دعوت کے لئے اقرار کیا۔ اور قرار دیا کہ سب سے اول انعام گلبرٹ کو ملنا چاہیئے۔ کیونکہ اُس نے دو سورماؤں کو مغلوب کیا اور تیسرے کا وار بچایا +

جب باجہ ختم ہوا تو ایک طرف سے ایک بگل کی آواز آئی۔ سب لوگ اُس طرف دیکھنے لگے۔ یہ بگل ایک سورما نے بجایا تھا۔ جو گھوڑے پر سوار آرہا تھا۔ اُس کی آن بان شان نرالی تھی۔ یہ سورما رالف ڈی وائپونٹ تھا۔ اُس نے بڑھ کر بیچ والے خیمہ کی ڈھال کو برچھی کی انی سے چھوا۔ یہ ڈھال سورما گلبرٹ کی تھی۔ اس حرکت سے سارے لوگوں کو حیرت ہوئی +

گلبرٹ "اے بہادر کیا تو صبح امام کے آگے اقرار کرچکا اور اس سے برکت لے چکا ہے۔ تو کیوں موت کے مُنہ میں جاتا ہے"۔

محروم الارث سورما (وائیوٹ نے دنگل کی فہرست میں اپنا بھی نام لکھایا تھا) "میں تمہاری نسبت موت کا مقابلہ کرنے کی زیادہ قابلیت رکھتا ہوں" +

گلبرٹ "تو چل مقابل ہو۔ اور دُنیا کو ایک نظر اور دیکھ لے۔ کیونکہ آج رات کو تجھے خواب عدم میں جانا ہوگا" +

محروم الارث سورما "میں آپ کی اس صلاح کا ممنون ہوں اور آپ کو یہ رائے دیتا ہوں کہ نیا گھوڑا اور نئی برچھی لیکر سامنے آئیں۔ کیونکہ میں اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ کو ان دونوں چیزوں کی ضرورت ہوگی" +

یہ کہکر وہ اپنی جگہ پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ گلبرٹ نے نیا گھوڑا۔ نئی برچھی اور ڈھال وغیرہ لی اور سوار ہوا۔ جب دونوں ایکدوسرے کے مقابل اپنی اپنی جگہ پہ کھڑے تھے تو سارے لوگ اُن کی طرف ہمہ تن اشتیاق ہو کر دیکھ رہے تھے +

بگل بجا۔ دونوں نے گھوڑوں میں ایڑ لگائی۔ گھوڑے دوڑے اور دونوں کا مقابلہ ہوا۔ اور برچھوں کے وارسے ڈھالوں سے آگ نمودار ہوئی دونوں کی نگاہیں خیرہ ہوگئیں۔ برچھیاں بیکار ہوگئیں۔ دونوں نے واپس ہوکر نئی برچھیاں لیں۔ تماشائیوں نے دونوں کا دل بلند نعروں سے بڑھانا شروع کیا +

دوبارہ بگل بجا۔ دونوں مقابل ہوئے۔ مگر اس مقابلہ میں محروم الارث گھوڑے سے گرتے گرتے بچ گیا۔ کیونکہ گلبرٹ نے اُس کی ڈھال کے پار برچھی پہنچا دی۔ محروم الارث نے گلبرٹ کا خود تاکا اور برچھی اُس کے پار کر دی۔ گلبرٹ معہ گھوڑے کے زمین پر آرہا۔ مگر شرم مٹانے کے لئے جھٹ سے اُٹھا۔ اور تلوار کھینچ کر مقابل ہوا۔ محروم الارث بھی گھوڑے سے کودا۔ اور تلوار کھینچ لی۔ ابھی مقابلہ نہ ہونے پایا تھا کہ دنگل کے قواعد کے مطابق لوگوں نے بیچ بچاؤ کر دیا +

گلبرٹ "یقیناً ابھی پھر مقابلہ ہوگا جس میں کوئی بھی بیچ بچاؤ نہ کرسکیگا"
محروم الارث "اگر میں مقابلہ نہ کروں تو مجھ پر لعنت ہے - چاہے گھوڑے پر - چاہے پیدل - تلوار سے چاہے برچھی سے - تیر سے چاہے نیزہ سے - جس طرح چاہو میں تمہارا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہوں"

پنچوں نے معاملہ رفع دفع کرادیا - دونو اپنی اپنی جگہ چلے گئے - مگر گلبرٹ سارا دن رنجیدہ اور اوداس رہا - محروم الارث نے گھوڑے پر سے اُترنے کے بغیر ہی ایک جام شراب نوش کیا اور اپنی ٹوپی آتار کر انگریزوں یعنی سیکزن قوم کے لوگوں کو سلام کر کے کہا کہ "سارے سیکزنوں کو خوشی ہو اور دشمنوں کے جگر کباب ہوں" اور نقیب سے کہا کہ نارمن سورماؤں سے کہدے کہ میں اُن میں سے ہر ایک کا اور جس طریقہ میں وہ چاہیں مقابلہ کرنے کو تیار رہوں +

الغرض ڈی ایف مقابل ہوا - مگر اُس نے بھی مُنہ کی کھائی - پھر ملیوئشن مقابل ہوا - مگر اُس نے تو بڑی ہی خفت اُٹھائی - پھر گرانٹ مسنیل مقابل ہوا - اس مقابلہ میں محروم الارث نے اُسی قدر خلق کے اظہار کیا جس قدر کہ وہ اُس سے پیشتر بہادری دکھا چکا تھا - کیونکہ گرانٹ مسنیل کا گھوڑا ڈگمگا گیا - اُس وقت محروم الارث نے اُس پر وار نہیں کیا - بلکہ وار کا ہاتھ دکھا کر اپنی جگہ کی طرف بڑھا اور نقیب سے کہتا گیا کہ اگر مدمقابل دوبارہ مقابلہ کرنا چاہے تو میں موجود ہوں - مگر گرانٹ مسنیل نے آمادگی ظاہر نہیں کی - بلکہ کہا کہ میں ہار گیا - اور نقیب نے سب منصفوں کی رائے سے یہ اعلان کیا کہ آج کے دنگل میں سب سے زیادہ انعام کا مستحق محروم الارث ہے +

سیکزن سورما کی فتح

ولیم ڈی وائول اور اسٹیفن ڈی مارٹیول یہ دونو دنگل کے منتظم اور منصف تھے - دونو نے محروم الارث کو مبارکباد دیکر کہا کہ چہرہ کا نقاب اُٹھا کر دیدار سے مسرت اندوز بنائے - مگر اُس نے جواب دیا کہ میں نے ایک عہد

کیا ہے ۔اور جب تک کہ وہ پورا نہ ہو جائیگا تب تک میں بے نقاب نہیں ہوسکتا ۔اور یہ کہ کر اپنی جگہ پر جا کھڑا ہوا ۔شاہزادہ جان جسے اس بات سے سخت افسوس ہوا تھا کہ ایک ہی دنگل میں پانچ مشہور سورماؤں کو ایک غیر ملک کے سور ما نے مغلوب کیا یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ فاتح سورما کون تھا +

لوگوں نے کہا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہے کون ؟ ۔کسی نے کہا کہ سر ٹامس ڈی ملٹن ہے ۔کسی نے کہا کہ وہ ارل سابسری ہے ۔ ایک نے کہا کہ وہ رچرڈ شیر دل معلوم ہوتا ہے ۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ محروم الارث شاہزادہ جان کے تخت کے نزدیک آگیا ۔اور وہاں سے اُس نے گھوڑے میں ایڑ لگائی اور برچھی کے کرتب دکھلائے اور واپس آکر برچھی تخت کے سامنے گاڑ دی ۔جان نے اُس سے کہا کہ اے سورما تجھے اختیار ہے کہ اب تو جس حسینہ کے ہاتھ سے چاہے انعام لے سکتا ہے ۔مگر ہماری بارگاہ میں کئی سال سے سب سے اول درجہ کی حسین خاتون الیسینہ ہے جو سورما والڈیمر فرزس کی دختر نیک اختر ہے ۔الیسینہ کی طرف جان نے کئی باتوں کو ملحوظ رکھ کر اشارہ کیا تھا ۔ایک تو یہ کہ وہ فرزس سے خوف کھاتا تھا اور اُسے اپنا مددگار بنانا چاہتا تھا ۔دوسرے وہ خود الیسینہ کا مقبول بننا چاہتا تھا ۔تیسرے یہ کہ محروم الارث کے انکار کرنے سے فرزس اُس کا دشمن ہوسکتا تھا ۔ یہ کہہ کر جان نے سورما سے کہا کہ برچھی اُکھاڑے ۔برچھی کا اُکھاڑنا تھا کہ جان نے ایک زریں تاج اُس کی نوک پر رکھ کر اشارہ کیا کہ وہ الیسینہ کا انتخاب کرے ۔محروم الارث بڑھا اور خواتین کے خیمے کے پاس پہونچا +

اس وقت خواتین کی حالت عجب قسم کی تھی ۔بعض نے تو شرم کے مارے چہروں پر نقاب ڈال لئے ۔بعض اُسے شوق سے دیکھنے لگیں ۔بعض کے چہروں پر رونق آگئی ۔بعض سٹ پٹا گئیں ۔بعض غرور سے تنکر بیٹھ گئیں ۔سورما ساری خواتین کو دیکھتا ہوا ربقہ کے قریب پہونچگیا جو اپنے باپ سے گفتگو

کر رہی تھی اور وہاں سے آگے بڑھکر رووینہ کے مقابل کھڑا ہوا۔ اور کوئی ایک منٹ کے تامل کے بعد اُس نے تاج رووینہ کے قدموں پر رکھ دیا۔ نقیبوں نے فی الفور اعلان کیا کہ کل کے دن کے لیئے خاتون رووینہ ڈنگل کی ملکہ اور حسینہ بنائی گئیں +

محروم الارث کے خاتون رووینہ کو منتخب کرنے سے نارمن خواتین کی امیدوں پر پانی سا پھر گیا۔ اُن کو بڑا ہی قلق ہوا۔ کیونکہ اُن کے مقابلہ میں ایک سیکزی خاتون کی عزت افزائی ہونی خلاف توقع تھی۔ ایک تو بے عزتی یہ ہوئی کہ نارمن سورماؤں کو جو ڈنگل کے بانی تھے شکست ملی۔ اور دوسری آبروریزی یہ ہوئی کہ انعام تقسیم کرنے والی خاتون کی جگہ سیکزن قوم کی ایک خاتون منتخب کی گئی۔ اور جب یہ نعرہ بلند ہوا کہ "خاتون رووینہ کی عمر دراز ہو۔ اور غیر فانی شاہ الفریڈ اعظم کی نسل تا ابد قائم رہے" تو نارمن قوم کے مردوں اور عورتوں اور خاصکر شاہزادہ جان کے ملال کی انتہا نہ رہی۔ لیکن جس بات کی وہ اجازت دے چکا تھا اُس سے گریز نہیں کرسکتا تھا۔ پس وہ تخت سے اترا۔ گھوڑے پر سوار ہوا اور خاتون الیسیٔہ کے شامیانہ کے پاس پہونچکر الیسیٔہ سے ہمکلام ہوا +

شاہزادہ جان" اگرچہ اس سورما نے یہ تو ثابت کر دکھایا کہ فن حرب کا بہترین ماہر اور بڑا ہی دلاور ہے۔ لیکن یہ ثابت نہیں کرسکا کہ وہ نظرباز بھی ہے +

جان نے جو کچھ کہا وہ خود اُس کے خلاف پڑا۔ کیونکہ الیسیٔہ کے باپ فرزرس نے اُس کی بات کو اپنے لیے کسرشان سمجھا۔ اس لیے اُس نے الیسیٔہ کی طرف سے یہ جواب دیا کہ "میں سورما کا اُس سے زیادہ حقدار نہیں ہوں۔ جتنا کہ ایک آزاد سورما ہونا چاہیئے۔ میری دختر بھی کسی دوسری خاتون سے زیادہ نام و نمود کی مستحق نہیں ہے۔ لیکن جس امر کی وہ حقدار ہے اُس کے قبول کرنے سے کبھی گریز نہیں کریگی"+

شاہزادہ جان نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ گھوڑے میں ایڑ لگا کر جاتا رہا

روونیہ کے پاس پہونچا۔ اور یوں مخاطب ہوا کہ "اے خاتون اس تاج کو اپنی عزت افزائی کی علامت کے طور پر قبول کرلے۔ میں خود اس عزت افزائی کی قدر کرتا ہوں۔ اور اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو آج شام کو میری اُس دعوت میں جو قلعہ ایشبی میں دی جائیگی شریک ہو کر میری عزت افزائی کیجیے۔ تاکہ ہمیں بھی اُس ملکہ دنگل سے شناسائی حاصل ہو جائے جو کل اس دنگل میں سب سے معزز شمار کی جائیگی"+

خاتون روونیہ تو خاموش رہی۔ مگر اُس کی طرف سے سیڈرک نے یہ جواب دیا کہ چونکہ زبان اور رسوم کے اعتبار سے سیکزنوں اور نارمنوں میں مغائرت ہے اسلئے روونیہ دعوت میں شریک نہیں ہو سکتی۔ البتہ اپنا کل کا فرض ضرور انجام دیگی"+

شاہزادہ جان "بہت خوب! تو کل اس بے زبان ملکہ کو ہم تخت پر ضرور بٹھائیں"+ اور سورما محروم الارث سے "غالباً تم تو دعوت میں ضرور شریک ہو سکوگے؟"+

سورما نے جواب دیا کہ "میں بالکل تھک گیا ہوں۔ اس لئے معذور سمجھا جاؤں۔ مجھے آرام کی ضرورت ہے تاکہ کل پھر مقابلہ کے لئے تیار ہو سکوں"+

شاہزادہ جان "بہت خوب! واہ وا۔ تو ہم اپنی دعوت کے سامان کو خود ہی سمجھ لیں گے۔ چونکہ تم اور تمہاری منتخب کردہ ملکہ دعوت میں قدم رنجہ نہیں فرمانا چاہتے ہو۔ اس لئے ہم ہی دعوت کو ہضم کرینگے"+

یہ کہکر شاہزادہ نے گھوڑے میں ایڑ لگائی اور دنگل برخاست کرنے کیلئے اشارہ کیا۔ مگر اپنے نارمن سورماؤں سے کہا کہ "دیکھو یہ مغرور سورما کل سلامت نہ جانے پائے"۔ محروم الارث نے بھی یہ بات سن لی۔ اور نڈر ہو کر جواب دیا کہ میں پرسوں تک دنگل سے نہیں جاؤنگا۔ مجھے دیکھنا ہے کہ نارمن قوم کے سورما کیسے کیسے نشانہ باز۔ تیر انداز۔ اور فن حرب کے ماہر ہیں"+

شاہزادہ جان نے اُسے تو جواب نہ دیا۔ مگر اپنے سورماؤں سے کہنے لگا کہ "ہمیں دیکھنا ہے کہ یہ سورما کیسے ہاتھ دکھاتا ہے۔ اور جب تک کہ وہ اپنی گستاخی کی معافی نہ مانگیگا تب تک اسکی خیر نہیں ہے"۔ شاہزادہ کے ایک ہمراہی ڈی بریسی نے کہا کہ "ایسے گنواروں کی چشم نمائی اور گوشمالی کیلئے میں موجود ہوں"۔ فرزش نے یہ دیکھکر کہ شاہزادہ ہر دلعزیزی کے خلاف چل رہا ہے خاموشی اختیار کی۔ شاہزادہ نے دنگل کی طرف سے پشت موڑی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور ملازموں نے شامیانوں کو صاف کرنا اور دوسرے دن کیلئے درست کرنا شروع کردیا۔

موت کے بعد کیا ہوتا ہے؟

(پارسیوں کے عقیدے کے مطابق)

(از حضرت ساغر اکبرآبادی - ایڈیٹوریل اسسٹنٹ پنجاب ریلیجس بُک سوسائٹی - انارکلی - لاہور)

یہ رائے قطعی یقین کے ساتھ قائم نہیں کی جاسکتی کہ رُوح انسانی پر اُن افعال کے مطابق جو اُس سے اسی دُنیوی زندگی میں سرزد ہوتے ہیں موت کے بعد کیا گذرتا ہے اُس کی کیا حالت ہوتی ہے اُسے کہاں رہنا پڑتا ہے۔ کیونکہ دُنیا میں ان خیالات کے متعلق دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں ایک وہ جو تناسخ کے قائل ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ روح ایک جسم سے نکلنے کے بعد ہی دوسرے جسم میں داخل ہوجاتی ہے۔ اور جو افعال کہ اس سے ایک زندگی یا یوں کہو کہ ایک جسم میں مقید رہنے کے زمانہ میں سرزد ہوتے ہیں اُنہی کے مطابق اُسے دوسری زندگی یا دوسرا جنم یا دوسرا جسم یا دوسری جون اور اس زندگی یا جسم میں اُسے سزا و جزا کی حالت پوری کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً ایک رُوح جو ایک انسانی جسم میں سنہ ۱۹۰۵ء کے اخیر تک رہی اور بُرے افعال کی مرتکب ہوتی رہی وہ سنہ ۱۹۰۶ء کے شروع میں دوسرے جسم میں داخل ہوگئی۔ مگر یہ جسم انسان کا نہیں ہے۔ بلکہ کسی حیوان کا۔ اسی کا نام سزا ہے۔ اسی طرح ایک رُوح جو سنہ ۱۹۰۵ء کے اخیر تک جسم حیوان میں رہی۔ مگر اس سے نیک افعال سرزد ہوتے رہے وہ سنہ ۱۹۰۶ء کے شروع میں دوسرے جسم میں داخل ہوگئی۔ مگر یہ نیا جسم انسان کا جسم ہے اور اسی کا نام جزا ہے۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ انسانی روح صرف ایک ہی بار اس دنیا میں آئی ہے خواہ انسان کے جسم میں آئے اور خواہ حیوان کے جسم میں اس کے بعد وہ ایک خاص مقام پر قیامت تک رہتی ہے۔ قیامت کے دن اُس کی سزا یا جزا کا فیصلہ کیا جاتا ہے اُس کے بعد وہ بہشت یا دوزخ جزا یا سزا بھگتنے کے لئے بھیج دی جاتی ہے۔ لیکن دونوں قسم کے لوگ اپنی اپنی رائے کا قطعی یقین جو مشاہدہ یا دید نی سے ہو نہیں دلا سکتے۔ البتہ مذہبی

عقاید کی رو سے اس بارہ میں کچھ رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ اور یہ رائے محض تاہم دلچسپی سے خالی نہیں ہوتی۔ موجودہ نمبر ترقی میں ہم اسی قسم کی رائے کے مطابق اس عنوان پر کہ "موت کے بعد انسانی روح پر کیا واقع ہوتا ہے" یا اسی قوم کے عقیدے کی رو سے چند مسلسل باتیں نذر ناظرین کرتے ہیں +

پارسیوں کی قوم جو ہندوستان کی ایک معزز اور دولتمند قوم ہے اُس کے اجداد سرزمین فارس (ایران) کے رہنے والے تھے۔ ہندوستان میں آکر جس طرح اُن کی عادات و خصائل اور دیگر رسم و رواج میں ایک تبدیلی ہوگئی اُسی طرح اُن کے مذہب میں ایک انقلاب واقع ہوگیا۔ دراصل یہ قوم زرتشت کے مذہب کی معتقد تھی۔ جس طرح دُنیا کے اَور بہت سے مذاہب سزا و جزا کی قیامت۔ دوزخ و بہشت اور روح کے غیر فانی ہونے کے قایل ہیں اسی طرح زرتشت کا مذہب بھی ہے۔ آئندہ کی زندگی یا حیات بعد الممات کا عقیدہ ہر زرتشتی اور پارسی کے لئے فرض عین قرار دیا ہے۔ چنانچہ موت کے بعد جو رسوم ادا کی جاتی ہیں اور جو واقعات روح پر گذرتے ہیں اُن کو اس مضمون میں مفصّل طور پر درج کیا جائیگا +

جب اس دُنیا سے کسی شخص کے کُوچ کا وقت نزدیک ہوتا ہے تو اُسے غسل دیکر پاک و صاف کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ اور امام مذہبی کتاب میں سے چند آیات اور دُعائیں پڑھتا ہے۔ اور جب اُس کی رُوح اُس کے جسم سے نکل جاتی ہے تو نعش کو پاک و صاف کپڑوں یا کفن میں لپیٹ کر مکان کے اندر پتھر کی ایک پٹیا پر رکھ دیا جاتا ہے۔ گھر کی عورتیں اور اَور رشتہ دار عورتیں نعش کے پاس بیٹھ جاتی ہیں۔ اور مرد برآمدہ میں بنچوں پر بیٹھتے ہیں +

جب نعش کو گھر سے باہر لے جانے کا وقت آتا ہے تو اُسے ایک آہنی جنازے کے اوپر رکھا جاتا ہے۔ نعش کے دونوں طرف دو امام آمنے سامنے کھڑے ہو کر جنازے کی نماز پڑھتے ہیں۔ اُس وقت ایک سفید کتّا جو پارسیوں کے آتشکدہ میں رہتا ہے لاکر نعش کے پاس کھڑا کیا جاتا ہے۔ اور اُسے نعش کی طرف دیکھنے کے لئے ترغیب دی جاتی ہے۔ اگر وہ پہلی بار نہ دیکھے تو پھر دوسری بار بھی اُسے نعش کے پاس کھڑا

کیا جاتا ہے۔ کیونکہ پارسیوں کا عقیدہ ہے کہ موت کے بعد جسم خاکی میں ایک رُوح جسے دُرَج یا نسو کہتے ہیں اور جو شمال کی جانب سے ایک مکھی کی شکل میں اُڑتی ہوئی آتی ہے داخل ہو جاتی ہے۔ اگر کتا نعش کی طرف دیکھ لے تو اُس کے اندر نہیں گھستی۔ اِسی خیال سے کتے کو مارنا یا ہلاک کرنا سخت گناہ سمجھا جاتا ہے۔ اور جو لوگ اُسے ستاتے یا مارتے ہیں جب مرتے ہیں تو اُن کی رُوحیں عالم ارواح کو زور زور سے چلاتی ہوئی جاتی ہیں۔ کوئی رُوح اُن کی رُوحوں سے ملنے نہیں آتی اور نہ وہ کتے جو چنوت پُل (پُل صراط) پر رہتے ہیں اُنہیں کسی قسم کی مدد دیتے ہیں +

اس رسم کے ادا ہونے کے بعد چار آدمی جنازہ اُٹھاتے ہیں۔ اور پانچواں آدمی آگے آگے راستہ صاف کرتا اور راہگیروں کو ہٹاتا جاتا ہے۔ تاکہ غیر مذہب کے آدمیوں کا سایہ نعش کے اوپر نہ پڑنے پائے۔ امام دو دو کرکے اور ایک رومال کو دونو طرف سے پکڑے ہوئے ساتھ ساتھ چلتے ہیں +

قبرستان یا مدفن میں پہنچ کر نعش کو زمین کے اوپر رکھ دیا جاتا ہے اور اُس کا مُنہ کھول دیا جاتا ہے تاکہ ہر شخص اُس کی صورت کا آخری نظارہ کرلے۔ اِس وقت جو لوگ نعش کے ساتھ ہوتے ہیں اُس کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ پھر وہ نعش کو دخمہ یا "خاموشی کے مینار" میں لے جاتے ہیں۔ جو اُن کا قبرستان ہوتا ہے۔ دخمہ کی شکل کنوئیں کی سی ہوتی ہے۔ اُس کے اوپر لوہے کا ایک جنگلا ہوتا ہے۔ نعش کو اُس کے اوپر رکھ دیا جاتا ہے۔ اُس میں گدھ پلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جونہی کہ لوگ نعش کے پاس سے ہٹ آتے ہیں گدھ اُس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور اُس کا گوشت نوچ کر کھا جاتے ہیں۔ اور ہڈیاں جنگلے میں ہو کر دخمہ کے اندر گر جاتی ہیں۔ پارسیوں کے ہاں نعش کو نہ تو جلاتے ہیں نہ دفن کرتے ہیں۔ بلکہ مذکورۂ بالا طریقے میں ٹھکانے لگا دیتے ہیں +

نعش کو ٹھکانے کے بعد جتنے لوگ کہ نعش کے ساتھ جاتے ہیں وہ مُردے کی رُوح کے لئے دُعائے مغفرت مانگتے ہیں۔ تین دن تک مُردے کے دوست

آشنا اور دور کے رشتہ دار اُس کے گھر صبح و شام دونوں وقت آتے ہیں اور اُس کے خاص رشتہ داروں کو تسلّی دیتے ہیں۔ چوتھے دن ایک دعوت دی جاتی ہے۔ مُردے کی گھر کی عورتیں تین یا دس یا تیس دن تک ماتم کرتی ہیں +

پارسیوں میں رومیوں اور ہندوؤں کی طرح مُردے کا ایک پتر یا رُوح مانی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اُن کے معبود ہرمزد کا پتر بھی مانا جاتا ہے۔ ہر ماہ کا ہر روز کسی دیوتا کے نام پر مقدس و متبرک مانا جاتا ہے۔ اور سال کے آخری دس دن یعنی دس سے بیس مارچ تک مُردوں کی یادگاریں منانے اور اُن کی ارواح کو ثواب پہنچانے کے لئے متبرک و مخصوص سمجھے جاتے ہیں۔ کیونکہ پارسیوں کا عقیدہ ہے کہ اُن ایام میں مُردوں کی روحیں عقبےٰ سے نکل کر اس دُنیا میں اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے ملنے اور اپنے گھروں کو دیکھنے کے لئے آتی ہیں۔ مزید براں مُردے کی سالگرہ کے دن یعنی جس روز کہ وہ دُنیا میں پیدا ہؤا تھا اُس کی رُوح کو ثواب پہنچایا جاتا ہے +

ہر زرتشتی اور پارسی کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن جس میں رُوحیں پھر اُٹھائی جائینگی حساب و کتاب، اور عذاب و ثواب کیا جائیگا۔ پارسی اور زرتشتی دو زبردست معبودوں کو مانتے ہیں۔ ایک ہرمزد اور دوسرا اہرمن۔ ہرمزد نیک اور نیکی کا دیوتا یعنی رحمان ہے۔ اہرمن بد اور بدی کا دیوتا ہے۔ جو شیطان ہے۔ ان دونوں میں باہم جنگ و جدل ہوتی رہتی ہے۔ جس میں آخر کار اہرمن مغلوب ہو کر ہلاک ہو جائیگا۔ اُس وقت روحیں پھر اُٹھائی اور غیر فانی بنائی جائینگی۔ پارسیوں میں ایک روایت یہ ہے کہ "قیامت کے دن یعنی جس دن کہ اہرمن ہلاک کیا جائیگا ہر شخص مع اپنے دوستوں۔ رشتہ داروں اور مُقلدوں کے پھر اُٹھایا جائیگا۔ اُس کی رُوح کو ایسا جامہ پہنایا جائیگا جو نہ کبھی گھٹ سکے اور نہ بڑھ سکے۔ نہ خراب ہو سکے اور نہ بدل سکے۔ بلکہ ہمیشہ قائم اور ہمیشہ مضبوط ہے گویا اُس کو ایک ہستی اور ابدی زندگی عطا کی جائیگی۔ جسے وہ بلا کسی خارجی ذریعہ کے قائم رکھ سکیگا۔ اور وہ عالم جسے عقبےٰ کہتے ہیں ہمیشہ پاکیزگی کی حالت میں قائم

رہیگا" گا تھا جو پارسیوں اور زرتشتیوں کے مذہب کی ایک مستند کتاب ہے اُس میں لکھا ہوا ہے کہ انسان کو ایسے کام کرنے چاہئیں جو اُس کی آئندہ زندگی میں کام آئیں اور اُس کی مدد کریں۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پارسی رُوح کے غیر فانی ہونے کے قائل ہیں +

سزا و جزا کا عقیدہ جو زرتشتیوں اور پارسیوں میں پایا جاتا ہے اُس سے متعلق اُن کی مذہبی کتابوں میں دو جہان یا دو زندگیوں کا ذکر آتا ہے۔ وہاں اُنکو زندگانی اُولے اور زندگانی اُخرے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اُن میں سے ایک کو اکنوخرتو کہتے ہیں اور دوسری کو گوشوخرتو۔ اگرچہ اس سے قیامت اور واقعات مابعد القیامت کے ٹھیک معنے نہیں نکلتے۔ لیکن قیاس اسی طرف جاتا ہے۔ دونوں میں گوشوخرتو زمینی زندگی اور اس دُنیا سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اکنوخرتو یا مینوخرتو عقبے سے۔ گویا دونوں لفظوں سے دُنیا اور عقبےٰ مراد لی گئی ہے +

عقبےٰ یا دوسری زندگی کا ثبوت پارسیوں میں اس شکل میں پایا جاتا ہے کہ زرتشت جو مرسل برحق تھا اُس نے ہرمزد سے سوال کیا کہ جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو موت کے بعد تیسری رات گزر جانے پر طلوع آفتاب کے وقت اُس کی رُوح متھرا[1] کے پاس حاضر ہوتی ہے۔ وہاں سے وزاریشو نامی دیو اس رُوح کو خواہ وہ نیک ہو یا بد دیوؤں کے پوجنے والے ملک میں لے جاتا ہے۔ اور اُسے اُس پل کے اوپر کھڑا کر دیتا ہے جہاں اور روحیں جمع ہوتی ہیں وہاں اُس سے اُن باتوں کا حساب لیا جاتا ہے جو اُس سے بقید حیات سرزد ہوئی ہوں۔ پھر سروش ایک کُتا لے کر آتا ہے۔ اور گنہگاروں کی رُوحوں کو اندھیرے یعنی دوزخ کی طرف ہانک دیتا ہے۔ مگر نیکوکاروں کی ارواح کوہ البرز پر چلی جاتی ہیں۔ جہاں بہمن اپنے تخت پر سے اُٹھ کر اُن کو مبارکباد دیتا اور کہتا ہے کہ جہان فانی سے جہان باقی یا غیر فانی میں تمہارا آنا مبارک ہو۔ وہاں سے روحیں

[1] - اس متھرا دیوتا کے ماننے والے لوگ متھرادی کہلاتے ہیں۔ کسی زمانہ میں ایران اور اُس کے نواح میں اس مذہب کا رواج تھا +

ہمیشہ خوشی کے ساتھ ہرمزد کے پاس جاتی ہیں۔ پھر وہاں سے قدوسیوں کے گروہ میں چلی جاتی ہیں۔ پھر وہاں سے بھی چل کر ایک سُنہری تخت کے اوپر بیٹھتی ہیں۔ اِس کے بعد وہ بہشت میں چلی جاتی ہیں" +

زرتشت کے معتقد بہشت اور دوزخ کے قائل ہیں۔ وہ اِس بات کے بھی قائل ہیں کہ بہشت اور دوزخ کے بیچ میں ایک پُل بنا ہوا جسے چنوت کہتے ہیں۔ اور جس پر ہو کر روحوں کو گزرنا پڑتا ہے۔ نیکوں کی روحیں آسانی سے گزر جاتی ہیں مگر بدکاروں کی روحیں قعرِ جہنم میں گر پڑتی ہیں +

زرتشت کے معتقد بہشت کو گرودیمانا یا گروتومان کہتے ہیں۔ اُس کے معنی "تسبیح خانہ" کے ہیں۔ جہاں مسبحان ملاء اعلےٰ تسبیح و تحلیل اور تحمید میں ہر وقت مصروف رہتے ہیں۔ وہیں ہرمزد اور مقدسین کی ارواح رہتی ہیں۔ ہرمزد ایک طلائی تخت کے اوپر متمکن رہتا ہے۔ بہشت کا دوسرا نام اہووہشت ہے جس سے تحریف و اختصار کے بعد لفظ "بہشت" بن گیا +

جس طرح ہنود اپنی بہشت کو کیلاش کہتے ہیں۔ اور اُس کا مقام جسے وہ شوجی کا مسکن کہتے ہیں کوہ ہمالیہ کے اوپر بتاتے ہیں۔ اُسی طرح زرتشت کے پیرو اپنی بہشت کا مقام کوہ البرز کے اوپر بتاتے ہیں۔ اُن کے خیال کے موافق وہ زمین سے اوپر کو اُٹھتی ہوئی چلی گئی ہے اور ستاروں اور آفتاب کے ملک سے پرے ہے۔ جہاں ہمیشہ ایک روشنی اور ایک نور پھیلا رہتا ہے۔ اور ہمیشہ ایک قسم کا آنند اور مسرت جاودانی رہتی ہے +

بہشت کے تین طبقے قرار دئے گئے ہیں۔ پہلے طبقے کا نام ہُمت ہے۔ اُس میں اُن لوگوں کی روحیں رہتی ہیں جن کے خیالات نیک اور اچھے ہوتے ہیں۔ دوسرے طبقے کا نام ہوخت ہے۔ اُس میں اُن لوگوں کی روحیں رہتی ہیں جن کی باتیں اور اقوال نیک اور اچھے ہوتے ہیں۔ تیسرے طبقے کا نام ہوزشت ہے۔ اُس میں اُن لوگوں کی رُوحیں رہتی ہیں جن سے نیک اور اچھے اعمال و افعال سرزد ہوتے ہیں۔ پہلا طبقہ ستاروں سے لے کر چاند تک ہے۔ دوسرا چاند سے

لیکر آفتاب تک ہے۔ تیسرا آفتاب سے لیکر گرودیاتا یا گرد توماں تک ہے جو ہر مزد کا مسکن یا محل ہے +

زرتشت کے معتقد دوزخ کو دروجودیماتا کہتے ہیں۔ وہ عفریتوں اور بدروحوں کا مسکن ہے۔ اُس میں بدکاروں۔شاعروں۔ دیوتاپرستوں کی ارواح رکھی جاتی ہیں۔ اُس میں تاریکی اور خوف و ہراس کا دور دورہ رہتا ہے۔ وہ شمال میں تین کے نیچے واقع ہے۔ اُس کے تین طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ دُشمت کہلاتا ہے۔ اُس میں اُن لوگوں کی ارواح رکھی جاتی ہیں جن کے خیالات بُرے اور بدی اور بُرائی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ دوسرا طبقہ دُزرخت کہلاتا ہے۔ اُس میں اُن لوگوں کی رُوحیں رکھی جاتی ہیں جو بُرے اقوال اور بُری باتیں کہتے اور بکتے ہیں۔ تیسرا طبقہ دزہورشت کہلاتا ہے۔ اُس میں اُن لوگوں کی رُوحیں رکھی جاتی ہیں جن سے بُرے افعال و اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ انہی طبقوں کے نام کو تحریف و اختصار کے ساتھ "دوزخ" بنا لیا گیا +

قبل اس کے کہ ہم بہشت و دوزخ اور ثواب و عذاب کا ذکر ذرا تفصیل کے ساتھ کریں یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ اُس پُل کا بھی ذکر کر دیا جائے جس پر ہو کر رُوحیں دوزخ اور بہشت میں پہنچتی ہیں +

جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا دوزخ اور بہشت کے درمیان ایک پُل بنا ہوا ہے جسے چنوت پل یا چنودریا چندور پل کہتے ہیں۔ موت کے بعد رُوحیں اس پُل پر سے گزرتی ہیں نیکوکاروں کی روحیں اُس پر سے آسانی کے ساتھ گزر جاتی ہیں۔ مگر گنہگاروں اور بدکاروں کی روحیں یہیں سے دوزخ یا جہنم میں جا پڑتی ہیں۔ جب نیکوکاروں کی روحیں گزرنے لگتی ہیں تو اُس کی چوڑائی ایک میل ہو جاتی ہے۔ مگر جب گنہگاروں اور بدکاروں کی روحیں اُس پر سے گزرتی ہیں تو وہ نہائت تنگ اور بال سے باریک ہو جاتا ہے۔ اس لئے اُن کو اس پر سے گذرنا ناممکن اور دشوار ہو جاتا ہے اور خصوصاً حاسدوں اور کینہ وروں کی ارواح کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ دوزخ میں جا گرتی ہیں۔ بقول عالموں اور مورخوں کے مسلمانوں میں پُل صراط کا خیال زرتشتیوں ہی کے

ہاں سے آیا ہے اُن کا پُل صراط یہی چنوت پُل ہے۔ کیونکہ اُنکے ہاں اُس کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی جاتی ہے کہ "پُل صراط بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے تیز تر ہے۔ اُس پر سے نیکوکاروں کی رُوحیں چشم زدن میں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ گزر جائینگی۔ مگر شریروں اور بدکاروں کی روحیں آگ کے جہنم میں گر پڑینگی"۔

ورااف نامہ میں جسے اردا ویراف زاہد نے لکھا تھا اِس پُل کی نسبت ایک خیال یہ پایا آتا ہے کہ جس شخص کے ہاں بیٹا نہ ہو خواہ وہ بیٹا صلبی ہو یا متبنٰے اُسکی رُوح اِس پُل پر سے گزرنے ہی نہیں پاتی۔ بلکہ ماری ماری پھرتی ہے۔ یہ خیال پارسیوں میں ہنود کے ہاں سے آیا ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ دوزخ جسے پُت کہتے ہیں ہر شخص کی رُوح کو اُس سے بچانے کے لئے ایک پُتر یا بیٹے کا ہونا لازمی ہے۔

جب روحیں پُل چنوت پر جمع ہوتی ہیں تو وہاں ایک ترازو میں جسے میزان عمل یا میزان عدل کہنا چاہیئے (یہ خیال بھی مسلمانوں میں زرتشتیوں ہی کے ہاں سے آیا ہے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن ایک میزان کھڑی کی جائیگی اور اُس میں لوگوں کے اعمال تولے جائینگے) ایک فرشتہ رشن نامی تولتا ہے۔ وہ ایک پلڑے میں نیک اعمال رکھتا ہے اور دوسرے میں بد اعمال۔ وہ نہ تو بال برابر فرق کرتا ہے۔ اور نہ کسی کی رعایت کرتا ہے۔ بلکہ امیر و غریب اور حاکم و محکوم دونوں کے ساتھ ایک ہی سا سلوک کرتا ہے۔ اگر بُرے اعمال زیادہ ہوں تو روح کو دوزخ میں جانا پڑتا ہے۔ اور اگر بھلے اعمال زیادہ ہوں تو اُسے بہشت میں بھیج دیا جاتا ہے۔ جب نیکوکاروں کی رُوحیں پُل پر سے گزر جاتی ہیں تو اُس کے اعمال ایک خوبصورت نازنین کی شکل میں آکر اُس سے دوچار ہوتے ہیں وہ اُس نازنین سے مخاطب ہوتی ہے کہ تو کون سی ماہرو ہے جس کا نظارہ مجھے دُنیا میں نصیب نہیں ہوا۔ اُس وقت وہ نازنین جواب دیتی ہے کہ میں کوئی عورت نہیں ہوں۔ بلکہ تیرے ہی نیک اعمال ہوں۔ تو دوسروں کو ظلم و ستم کرتے ہوئے دیکھ کر ظلمرانی اور ستمرانی سے باز رہا۔ تو نے لالچ نہیں کیا۔ تو نے خدا کی عبادت کی۔ تو نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ تو نے کسی کو دُکھ نہیں دیا۔ میں تیرے ہی نیک اعمال، نیک باتیں اور نیک اعمال ہوں۔ میں معزز ہوں۔ مگر تجھ سے میری عزت اور بڑھ جائیگی۔ میں شان و شوکت والی ہوں۔ مگر تجھ سے میری شان شوکت دوبالا ہو جائیگی

میں مجسّم خوبی ہوں۔ مگر تجھ سے میری خوبی اَور چمک جائیگی۔ اِس کے بعد وہ رُوح آگے بڑھتی ہے اور ایک نسیم عطر بیز سے دوچار ہوتی ہے۔ وہ سروش یا جبرئیل سے پوچھتی ہے۔ کہ یہ خوشبو کیسی ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ یہ بہشت کی خوشبو ہے۔ جو نیکوکاروں کی رُوحوں کو تفریح و تازگی دینے کے لئے ہر وقت چلتی رہتی ہے۔ بہشت میں اُسے طلائی تخت پر بٹھایا جاتا ہے۔ اُس کے سر پر تاج زریں رکھا جاتا ہے جس میں جواہرات ٹکے ہوئے ہوتے ہیں اور لطیف اور خوش ذائقہ کھانے کھلائے جاتے ہیں ✦

بہشت میں نیکوکاروں کی روحیں ہمیشہ کی زندگی پاتی ہیں۔ نہ اُنہیں کسی قسم کا دُکھ یا تکلیف نہیں ہوتی۔ بلکہ مسرت اور آنند ملتا ہے۔ نہ اُنہیں کسی قسم کا خوف و خطر ہوتا ہے وہ ہر دم خوش اور ہشاش بشاش رہتی ہیں۔ ہر وقت ہنستی رہتی ہیں۔ راحت و آرام اُن کا حق ہوتا ہے۔ اُن کی خواہشات پوری ہوتی رہتی ہیں۔ مقدسوں کی صحبت رہتی ہے نسیم عطر بیز دل و دماغ کو معطر رکھتی ہے۔ شان و شوکت کی زندگی بسر کرنی پڑتی ہے ✦

بدکاروں کی روحوں پر موت کی رات ہی کو عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ وہ دخمہ کے گرد پھرتی اور روتی ہیں اور کہتی ہیں کہ کہاں جائیں اور کیسے امان پائیں۔ جو گناہ اُن سے بقید حیات سرزد ہوتے ہیں۔ وہ اُسی رات کو اُنہیں نظر آنے لگتے ہیں۔ چوتھے دن سروش آتا ہے اور بد روح کو ایک زنجیر میں جکڑ کر پُل صراط پر لے جاتا ہے جہاں اُسے خوب مار لگائی جاتی ہے۔ وہ رحم کی التجا کرتی ہے۔ مگر اُس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ وہ مدد کے لئے واویلا کرتی ہے مگر کوئی اُس کی مدد کے لئے نہیں آتا۔ پھر میزان عدل پر اُس کے اعمال تولے جاتے ہیں۔ اور اُسے پُل صراط پر سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ جہنم میں گر جاتی ہے ✦

جب بدکار کی رُوح دوزخ میں پہنچتی ہے تو ایک کریہہ منظر اور بدشکل کنواری عورت آکر اُس کا استقبال کرتی ہے۔ یہ اُس کے اعمال ہوتے ہیں۔ وہ اُس سے دریافت کرتا ہے کہ تُو کون بدشکل ہے۔ دُور ہو۔ وہ جواب دیتی ہے کہ میں عورت نہیں ہوں بلکہ تیرے ہی اعمال ہوں۔ تیرے ہی بُرے خیال۔ بُرے اقوال اور باتیں اور بُرے افعال ہوں۔ بےعزت ہوں مگر تیرے باعث اَور بھی بےعزت ہو جاؤنگی۔ بُری ہوں بد ہوں مگر تیرے باعث میری

بُرائی اور بدی دوبالا ہو جائیگی۔ اِس کے بعد وہ دوزخ کے اندر جاتا ہے۔ جہاں اُسے عذاب کنندوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ وہ اُس کا مضحکہ اُڑاتے اور ٹھٹھے کرتے ہیں اور طعنے دیتے ہیں کہ ہرمزد کی بہشت میں کیا بُرائی اور کیا تکلیف تھی کہ تو نے اُس سے نفرت کی اور اس تیرہ و تاریک ملک میں آئی۔ ہم تجھ پر رحم نہیں کرینگے۔ بلکہ طرح طرح سے ستائینگے اس کے بعد وہ اُس پر طرح طرح کے عذاب کرنے لگتے ہیں۔ اُسے جلتی ہوئی آگ میں ڈالتے ہیں۔ اُسے بدبو میں ڈالتے ہیں۔ اُسے بدبو سُنگھاتے ہیں۔ جانوروں سے اُسکی بوٹیاں نچواتے ہیں۔ سانپ۔ بچھو اور زہر کھلاتے پلاتے ہیں پیپ اور سڑا گلا گوشت بھی کھلاتے ہیں۔ اور اس پر قیامت تک انواع و اقسام کے نابرداشتنی عذاب کرتے رہتے ہیں +

جو لوگ متھرا کے خلاف گناہ کرتے ہیں اُن کو ۳۰۰ سال تک عذاب بھگتنا پڑتا ہے۔ اور جو لوگ عہد شکنی کرتے ہیں اُن کو ۶۰۰ سال تک عذاب میں مبتلا رہنا پڑتا ہے۔ دوزخ میں جب کوئی نئی رُوح داخل ہوتی ہے تو اور رُوحیں جو اُس سے پہلے اُس میں داخل ہو چکی ہیں اُسے طعنے دیتی ہیں۔ اور کہتی ہیں کیا تو اُس ملک سے آئی ہے جہاں چرند۔ پرند۔ اور مچھلیاں رہتی ہیں۔ جہاں ہر شخص عقد کرتا اور بچے بھی پیدا کرتا ہے۔ تو کیوں اس تاریک جہنم میں آگئی۔ تو یہاں سے باہر نکلنے کی اُمید میں کب تک یہاں پڑی رہیگی۔ اُسوقت اہرمن حکم دیتا ہے کہ اُسے سڑی گلی چیزیں کھلاؤ اور گنہگار عورتوں یا مردوں میں لے جاؤ +

اردوراف نامہ نے وراف نامہ میں لکھا ہے کہ "مجھے سروش یا جبرئیل نے دوزخ کی سیر کرائی اور تنبیہ کیا کہ تو واپس آکر گشتوں کی خبرگیری کرنا۔ اور مقدس آگ پر جو آتشکدہ میں روشن رہتی ہے گیلی لکڑیاں نہ جلانا۔ میں نے کھولتے ہوئے پانی کا ایک چشمہ دیکھا۔ جو ۲۷ فیٹ گہرا تھا۔ اُس میں جھلسی ہوئی رُوحیں تیرتی پھرتی تھیں۔ وہ واویلا کرتی تھیں۔ آزار دہ حشرات اُنہیں تکلیف دیتے اور ستاتے تھے۔ پل چنوت پر مجھے ایک عفریت ملا جس کے دانت ہاتھی کے سے تھے اور ناخن گدھ کے سے۔ آنکھیں سُرخ تھیں اور مُنہ موت کا دہانہ تھا۔ وہ ایک گنہگار کی رُوح کو ہانکتا ہوا جا رہا تھا۔ اور اس سے کہتا جاتا تھا کہ میں تیرے ہی اعمال ہوں۔ کبھی میرا مکھڑا چاند کا سا تھا۔ مگر تیرے گناہوں نے میری صورت بگاڑ دی۔ وہ اُس رُوح کی گردن پکڑ کر آگے کو دھکا دیتا تھا۔ رُوح اُس باریک پل پر دو چار قدم چل کر نیچے والے جہنم میں گر پڑی +

اس کے بعد میں نے ایک تنگ وتاریک اور سرد گلی دیکھی جس میں ردمیں گوشوں میں تنہا بیٹھی ہوئی تھیں۔ اور بچھو اُن کے ڈنک مار رہے تھے۔ ایک عورت شیاطین کا پکایا ہوا دلیا پیالے بھر بھر کر چڑھا رہی تھی۔ ایک درخت میں ایک شخص لٹکا ہوا تھا اور شیاطین اُس کی کھال کھینچ رہے تھے۔ ایک شخص نے دینداروں کو قتل کیا تھا۔ ایک اور شخص جس نے کبیرہ گناہ کیا تھا وہ بھوک کے مارے اپنے بازو کاٹ کاٹ کر کھا رہا تھا۔ ایک عورت چھاتیوں کے بل لٹکی ہوئی تھی بعض لوگ پتھر کھود رہے تھے۔ ان کے ناخن میں سے خون بہہ رہا تھا۔ ایک عورت خاوند کی حکم عدولی کرنے کے باعث گردن کے بل لٹکی ہوئی تھی۔ بعض لوگ گردن تک برف میں دبے ہوئے تھے۔ ایک عورت پر اس لئے عذاب ہو رہا تھا کہ اُس نے بال جھاڑ کر مقدس آگ میں جلائے تھے۔ ایک عورت کو بدچلنی کے عوض کھولتے ہوئے پانی سے غسل دیا جاتا تھا۔ ایک شخص جس نے مرتے وقت اپنا نام اپنی اولاد کو نہیں بتایا تھا اُسے اسی خطا کے عوض عذاب ہو رہا تھا۔ اگرچہ خطاکاروں کو تکلیف درد دکھ اور عذاب بھگتنا پڑتا ہے۔ لیکن ایک عرصہ کے بعد جبکہ قیامت ہوگی اور جبکہ اہرمن ہلاک ہو جائیگا خطاکاروں کی خطائیں معاف کردی جائینگی۔ اُنہیں کوئی دن تک آگ میں ڈالکر پاک صاف کیا جائیگا اور بہشت میں داخل کر لیا جائیگا۔ ہرمزد جو روحوں کو بچانا چاہتا ہے ہر سال کے پانچ آخری دنوں میں گنہگار روحوں کے پاس جاتا ہے۔ اور جو روحیں گناہ کا اقرار کرلیتی ہیں اُن کی خطائیں معاف کردی جاتی ہیں۔ گویا جس طرح مسلمانوں میں توبہ کرنے سے نجات مل جاتی ہے اُسی طرح پارسیوں اور زرتشتیوں کے ہاں بھی ✦

علم کوئی چارپائی نہیں ہے جس پر کہ کوئی بیقرار متلاشی طبیعت آرام کرسکے اور نہ کوئی زینہ ہے۔ جس پر کوئی متغیر طبیعت اُترتی چڑھتی رہے۔ اور نہ کوئی ہتھیار ہے جس پر کوئی مغرور حکمراں طبیعت جلوہ گر ہوسکے۔ اور نہ وہ کوئی تخت ہے جس پر بیٹھ کر کوئی حکومت کرسکے۔ اور نہ کوئی جہاز ہے جو مال تجارت لے جاسکے۔ بلکہ وہ ایک ایسا مخزن ہے جس سے انسان کی حالت سدھرتی اور خالق کا جلال ظاہر کرتی ہے ✦

✦ ✦ ✦

جھوٹی اور سچّی سخاوت

اگرچہ لوگ اپنے اپنے خیالات کے مطابق اُس سخاوت کو جو اُن سے سرزد ہوتی ہے۔ سچّی مانتے ہیں۔ لیکن دوسری قسم کے لوگ اُسی سخاوت کو جھوٹی اور ایک اَور ہی قسم کی سخاوت کو سچّی بتاتے ہیں لیکن ایسی سخاوت بمشکل بتائی جاتی ہے جسے سب ہی سچّی سمجھتے ہوں۔ اس لئے ہم ایک عقلمند فلسفی کے خیالات نقل کئے دیتے ہیں۔ تاکہ لوگ جھوٹی اور سچّی سخاوت میں تمیز کر سکیں +

جھوٹی سخاوت۔ اس میں یہ باتیں مدنظر ہوتی ہیں (۱) لوگوں کی تعریف حاصل کرنا۔ (۲) سخاوت ایسے لوگوں کے ساتھ کی جائے جو اُس کے مستحق ہوں (۳) جس سخاوت سے کاہلی کو ترقی ہو اور محنت کو کمی۔ یہ سخاوت وہ ہے جو مقررہ ایام میں کی جاتی ہے۔ جو ان اس سخاوت کے لئے مقرر ہوتا ہے اُس روز ہٹے کٹّے لوگ آکر سخاوت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ جس سخاوت سے بُرائی بدی بدکاری کو ترقی ہو۔ اگر سخاوت سے غیر مستحق لوگ فائدہ اُٹھائیں جیساکہ عموماً ہوتا ہے تو وہ بُرائیوں کی طرف ضرور مائل ہو جاتے ہیں +

سچّی سخاوت۔ اس میں یہ فوائد مدنظر ہوتے ہیں:۔ (۱) اس قسم کی سخاوت سچّی محبت اور پریم کے ساتھ کی جاتی ہے۔ (۲) اُس سے وہ باتیں انجام پاتی ہیں جو انجام پانے کے لائق ہوتی ہیں۔ مثلاً اندھوں۔ بوڑھوں۔ بیواؤں۔ یتیموں۔ کوڑھیوں اور بیماروں کو نفع ہوتا ہے (۳) اس سے کاہلی اور بُرائی کا قلع قمع ہوتا اور محنت کے اشغال کو ترقی ہوتی ہے یہ سخاوت اُن لوگوں کے ساتھ کی جاتی ہے جو کاروبار کے لئے امداد کے مستحق ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک نادار شخص کسی قسم کی صنعت سیکھ سکتا ہے۔ ایک یتیم بچہ تعلیم پا سکتا یا کوئی کام سیکھ سکتا ہے جس سے آیندہ زندگی میں اُسے اور اُسکے تعلقداروں کو نفع پہنچ سکے۔ اس قسم کی سخاوت کے لئے ایک شخص کی امداد زیادہ مفید نہیں ہوتی۔ بلکہ امدادی سوسائٹیوں کی مدد۔ اس لئے "خیراتی سوسائٹیاں سچّی سخاوت کے لئے قائم کرنا چاہیئے" +

تاریخ بابل

اہل بابل کی طرز تحریر اور علم ادب

قدیم اہل بابل میں "تصویر کی تحریر" کا رواج تھا۔ یعنی جس شے کا حال لکھنا مقصود ہوتا تھا اُس کی شبیہ اُتار دی جاتی تھی۔ اہل بابل پتھروں۔ دھاتوں چکنی مٹی وغیرہ پر کتبے کھدوا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ اُن میں اُس تکونیہ حروف کا رواج ہوا جس کے ذریعہ سے اہل بابل کے بہت سے کتبے لکھے گئے۔ اُس زمانہ میں جبکہ اس قسم کی تحریر کا رواج ہوا اہل بابل کسی نباتات پر لکھا کرتے تھے۔ جسے انگریزی زبان میں پیپیرس یعنی پتیلا کہتے ہیں اور جسے بابل زبان میں لکھدسی کہتے تھے۔ وہ غالباً اس قسم کا کاغذ ہوگا جیسا کہ بھوج پتر ہوتا ہے۔ تصویر کی تحریر ہی سے تکونیہ حروف کی ایجاد ہوئی +

بابل کے کتبوں میں سے زیادہ تر نجوم اور علم ہیئت سے متعلق ہیں علم ہیئت سے متعلق سب سے بڑی کتاب یا کتب خانہ وہ ستر کتبے ہیں جو سارگون ساکن اکاد کے حکم سے مسیح سے ۲۰ سو سال قبل تیار کئے گئے تھے۔ اُن میں جو باتیں درج ہیں اُن کا تجربہ میناروں یا یوں کہو کہ رصدگاہوں میں کیا گیا تھا +

اہل بابل نے دن کو دو مساوی حصّوں میں تقسیم کیا تھا اور پھر ہر حصّے کے چھ حصّے کئے تھے۔ جن کو کسبُو کہتے تھے۔ اور ایک کسبُو برابر تھا دو گھنٹوں کے۔
اور اہل بابل کا سال تیس تیس دن کے بارہ مہینوں میں منقسم تھا۔ اور ہر چھ سال
بعد علاوہ بارہ مہینوں کے ایک مہینہ اور بھی بڑھا دیا جاتا تھا۔ جو بوند کا مہینہ
کہلاتا تھا۔ ہر ساتواں دن آرام کا دن سمجھا جاتا تھا۔ اور اُس روز خاص
خاص کاموں کے نہ کرنے کا حکم تھا۔ ہر روز یا تو نحس سمجھا جاتا تھا اور یا سعید اور ۲
کسی دیوتا کے تحت میں خیال کیا جاتا تھا۔ عجائب خانہ لندن میں ایک کتبہ موجود

ہے جس میں سال بھر کے نحس اور سعید ایام کا بیان درج ہے +
بارہ مہینوں میں سے ہر مہینہ منطقۃ البروج کی ایک علامت سے شروع ہوتا ہے اور ہر مہینہ کسی دیوتا کے نام نہاد ہوتا ہے۔ اہل اکاد نے ایک جنتری بھی ایجاد کی تھی اور اپنے زمانہ میں وہ سب سے بہتر ہیئت دان تھے۔ اُنہوں نے تمام بڑے بڑے شہروں میں رصد گاہیں بھی قائم کی تھیں۔ جہاں سے بادشاہ وقت کی خدمت میں برابر رپورٹیں روانہ کی جاتی تھیں۔ اُنہوں نے یہ بھی دریافت کر لیا تھا کہ آفتاب کے چہرے پر داغ ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ دُمدار تارے بھی پائے جاتے ہیں وہ گرہنوں کا وقت بھی اندازہ سے بتا سکتے تھے۔ اور خیال کرتے تھے کہ گرہن آیندہ زمانہ کی باتوں کو بتا سکتے ہیں۔ گرہن کو آسمان کا جوا کہتے تھے اور کہکشان کو لمبی سڑک +

اہل بابل علم الارض اور جغرافیہ سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ علم الارض سے متعلق وہ پتھروں۔ مٹی وغیرہ کے حالات جانتے اور اُن کا مشاہدہ کرتے تھے جغرافیہ سے متعلق ملکوں اور زمینوں سے واقف۔ مگر اُنہوں نے جو سمتیں قائم کی تھیں وہ موجودہ اور مروّجہ سمتوں سے بالکل مختلف تھیں۔ علم نیچرل ہسٹری میں بھی اُنکو دخل حاصل تھا۔ چنانچہ حیوانات۔ حشرات۔ پرندوں وغیرہ کے حالات سے واقفیت رکھتے تھے۔ الغرض یہ کہ جو علوم فی زمانہ رائج ہیں اُن میں سے بہتوں سے اہل بابل پوری طرح واقفیت رکھتے تھے +

اہل بابل جادو کی لوحیں بھی بناتے تھے۔ یہ لوحیں اُن کے علم ادب کے ایک معقول حصّہ ہوتی تھیں۔ ان میں بد ارواح مثلاً عفریت۔ دیو۔ بھوت۔ جن۔ پری وغیرہ سے متعلق باتیں درج کی جاتی تھیں۔ اُن میں دُعائیں لکھی جاتی تھیں جنکے پڑھنے سے بد ارواح دور رہتی اور کوئی نقصان نہیں پہنچاتی تھیں +

اہل بابل کے علم ادب کا ایک اور بڑا حصّہ "معاہدے کی لوحیں" تھیں۔ اُن میں بادشاہوں کی جنگ و جدل۔ علمی اصول۔ قول و قرار درج کئے جاتے تھے انہی میں تجارتی کاروبار سے متعلق ساری باتیں درج کی جاتی تھیں۔ انہی لوحوں

میں قرض کی رقموں۔ مکانات کی بیع۔ غلاموں کی فروخت۔ شادی کے معاہدے۔ جہیز کی رقموں وغیرہ کو بھی درج کیا جاتا تھا۔ یہ کتبے جن کا ایک مجموعہ عجائب خانہ لندن میں ہے ۲۵۰۰ قبل مسیح کی ہیں۔ اُن میں ایک طرف تو معاہدہ کرنے والے فریقین کا نام اور دوسری طرف گواہوں کا نام اور اُس کے نیچے تاریخ اور بادشاہ کا نام +

شاہ بنوکد نضر کے عہد میں بابل میں ایک شخص آسی گی بی نامی تھا جسنے ایک ساہوکارہ یا بنک کی بنیاد ڈالی تھی۔ یہی بنک شہر کے خاص خاص اور ضروری کام جو تجارت سے متعلق ہوتے تھے انجام دیتا تھا۔ اس بنک کی بہت سی دستاویزات جو عصر حدوں کے زمانہ سے شروع ہوتی اور شاہ دارا کے زمانہ تک چلی جاتی ہیں اس وقت عجائب خانہ لندن میں موجود ہیں۔ ان دستاویزات سے جن میں صحیح تاریخیں اور سنین درج ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تکونیہ حروف کا رواج سن مسیحی کے جاری ہونے کے بعد میں بھی رہا تھا۔ ان لوحوں کو مٹی کے گھڑوں اور برتنوں کے اندر حفاظت کے خیال سے رکھا جاتا تھا اور جو شرح سود کی روپیہ پر لی جاتی تھی وہ تین۔ چار اور پانچ فیصدی ہوتی تھی +

بعض اوقات بابل کے قانونی دستاویزات بڑے بڑے پتھروں پر کندہ کرائے جاتے تھے۔ اُن میں ایک طرف تو معاہدہ کا مضمون۔ گواہوں کے نام اور اس شخص کے لئے جو کہ اس معاہدہ سے پھر جائے درج کئے جاتے تھے اور دوسری طرف بہت سی علامات اور دیوتاؤں کی شکلیں یا تصویریں درج کی جاتی تھیں +

یوں تو قدیم بابل والوں کے بہت سے کتبے ہر قسم کے ہم تک پہنچے ہیں اور سب اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے دلچسپ ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ دلچسپ تاریخی کتبے ہیں۔ ان میں اسوریہ اور بابل کے بادشاہوں کی جنگ و جدل اور فتوحات کے حالات بڑی تفصیل کے ساتھ درج کئے گئے ہیں۔ شاہان اسوریہ اور بابل کو اس بات کا بڑا شوق تھا کہ وہ اکثر باتوں سے متعلق اشتہار

کو مختصر عبارتوں میں پتھروں پر کتبہ کرا کر اپنے محل میں لگایا کرتے تھے۔ مگر عام تاریخی کتبے جو شاہی امور سے متعلق ہوتے تھے وہ بیلن کی شکل کے ہوتے تھے جب کبھی کوئی بادشاہ کوئی محل بنواتا تھا تو ایک ایک کتبہ محل کے چاروں گوشوں میں دفن کرا دیتا تھا۔ یہ بیلن نما کتبے فی زمانہ بڑے قیمتی ہیں۔ کیونکہ بابل کی قدیم تاریخ سے متعلق اُن سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں +

اہل بابل کے علم ادب کا ایک چھوٹا سا حصہ روایات کا بھی جو کتبوں کی شکل میں پایا جاتا ہے۔ اُن میں سے ایک کا نام کتبۂ طوفان ہے جس میں حضرت نوح کے وقت کے طوفان کے حالات درج ہیں۔ یہ کتبہ بیحد دلچسپ ہے بابل کا عروج مصر اور یونان کے عروج سے بھی قدیم تر ہے۔ بابل ہی سے بہت سی قوموں نے بہت باتیں سیکھیں۔ مثلاً علم الاصنام۔ علم ہیئت۔ علم جغرافیہ۔ حروف۔ اس میں کوئی شک نہیں ہوسکتا [illegible] زمانہ میں بابل معلومہ دُنیا پر دھاک بٹھائے ہوئے تھا۔ اور اُس کے [illegible] نامے زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ موجودہ تہذیب و شائستگی۔ علوم و فنون کی ترقی اور ایجادیں اہل بابل کی ایجاد کردہ باتوں کے بہت کچھ ممنون ہیں +

ستاروں کی اقسام۔ اگرچہ ستارے ہیں صرف چھوٹے بڑے اور نورانی معلوم دیتے ہیں لیکن سائنس کی تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ بعض ستارے بڑے ہیں اور بعض چھوٹے بعض کی رفتار تیز ہے اور بعض کی سست بعض کا رنگ زرد ہے بعض کا سفید بعض کا سُرخ بعض کا سبز بعض کا نیلگوں اور بعض کا ارغوانی بعض ستارے طاق ہیں بعض جُفت بعض تگڈا (تین تین کا مجموعہ) بعض چوگڈا (چار چار کا مجموعہ) اور بعض کئی کئی کا مجموعہ ہیں۔ اور بعض ایک عرصہ تک چمکتے رہتے ہیں جن کے بعد پھر غائب ہو جاتے ہیں بعض میں متواتر تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اور اُن کی روشنی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ ایسے ستاروں کو متغیر ستارے کہتے ہیں۔ جسقدر اور جتنی قسم کے ستارے اب تک دریافت ہوئے ہیں اُن میں سے صرف متغیر ستارے ہی سب سے زیادہ دلچسپ ہیں۔ جو ستارے ایک سے زیادہ ستاروں کا مجموعہ ہیں اُن سب کا رنگ بھی ایک ہی سا نہیں ہوتا +

تاریخ یورپ

اٹلی (۳)

متحدہ اٹلی کا مرکز ایک چھوٹا سا ضلع تھا جو اب پولیٹکل طور پر اٹلی میں شامل نہیں ہے۔ اور جغرافیہ کے اعتبار سے تو وہ کبھی بھی اٹلی میں شامل نہیں تھا۔ کوہ ایلپس کی سب سے زیادہ بلند چوٹی کے مغرب کو ایک کوہستانی ضلع تھا جو "ہولی رومن امپائر" کی طرف سے ایک شخص ہمبرٹ نامی کو عطا کیا گیا تھا۔ اور اس لئے یہ ہمبرٹ نواب ہو گیا۔ ہمبرٹ کے ایک جانشین نے ایک مشرقی ضلع جو میدان لمبارڈی کی طرف تھا حاصل کر لیا اول الذکر ضلع کو سیوآے کہتے ہیں۔ اور آخرالذکر کو پیڈمونٹ۔ اور دونوں کو ملکر "سیوا ے کی نوابی"۔ اس کے ایک مدت بعد سیوا ے کے ایک نواب وکٹر ایماڈیئس نے عہدنامۂ آسپین کی رو سے سسلی کا جزیرہ حاصل کر لیا مگر "ہولی رومن امپائر" کو وہ ضلع دیکر اُس کے بدلے نزدیک والا جزیرہ سارڈینیا لے لیا۔ اس کے بعد وہ سیوآے اور پیڈمونٹ اور جزیرہ سارڈینیا کا حکمران شاہ سارڈینیا کے نام سے ہو گیا۔

ایماڈیئس کا بیٹا وکٹر عمانوئیل باپ کی وفات پر متحدہ اٹلی کا فرمانروا بنایا گیا۔ اور موجودہ بادشاہ شاہ ہمبرٹ اسی عمانوئیل کا بیٹا ہے۔ یہ حکمران خاندان اٹلی میں "خاندان سیوا ے" کے نام سے مشہور ہے اور اٹلی کے باشندے اُسے بڑی محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور اٹلی کا موجودہ نعرہ جنگ یہ ہے کہ "سیوا ے پہلی صف میں"۔

اٹلی میں ایک ہی بادشاہ کی اور متحدہ سلطنت قائم ہونے سے پیشتر خاندان سیوا ے کو بہت سے انقلاب دیکھنے کا موقع ملا۔ اور اُسی طرح اٹلی کے دوسرے صوبوں کو بھی۔ نپولین کے زوال کے بعد "وائنہ کی کانگریس" کی رو سے متحدہ اٹلی کی ابتدا

ہوئی۔ نپولین نے پیڈ مونٹ سے اہل آسٹریہ کو نکال کر ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اپنے سوتیلے بیٹے کو اُس کا فرمانروا بنا دیا۔ وائنہ کی کانگریس کے فیصلہ کے مطابق جزیرہ نما اٹلی مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا گیا +

(۱) سلطنت سارڈینیہ (۲) صوبہ لومبارڈو وینشیہ جس پر آسٹریہ کی حکومت تھی (۳) ٹسکنی۔ پارمہ اور میڈونہ کی خود مختار نوابیاں جن پر آسٹریہ کے نوابوں کی حکومت تھی۔ (۴) پوپ کی حکومت۔ (۵) نیپلز یعنی دونوں سسلی کی حکومت +

نپولین کے عہد میں اٹلی کو آزادی کا چسکہ پڑ گیا تھا۔ مگر اہل اٹلی یہ دیکھ کر کہ ملک کئی صوبوں میں غیر ملک والوں کی حکومت کا اور فوج کا ہونا آزادی میں مخل تھا۔ اہل اٹلی پوپ کی حکومت کے بھی خلاف تھے۔ مزید برآں نیپلز کا بادشاہ جو اسپینی نسل سے تھا ظالم تھا اور اُس کے جانشین اور زیادہ ستمران تھے۔ اس لئے کل اٹلی کے لوگوں کی نگاہیں شاہ سارڈینیہ پر پڑنے لگیں جو کل اٹلی میں اطالین نسل کا فرمانروا تھا +

جب اہل اٹلی میں آزادی کی خواہش اور جذبہ زور پکڑ گیا تو لوگوں نے ایک خفیہ سوسائٹی کی بنیاد ڈالی جس کا نام کاربوناری تھا۔ اور جس میں کوئلہ جلانے والے لوگ ابتداء میں شریک ہوئے۔ اور بعد میں اور بہت سے لوگ اُس میں شریک ہو گئے۔ اُسوقت ملک میں تین آدمیوں نے زور باندھا۔ اور جس طرح جرمنی کے اتحاد کے لئے بسمارک۔ مولٹک۔ اور رون نے کوشش کی تھی اسی طرح اٹلی کے تینوں آدمیوں نے اٹلی کے اتحاد کے لئے جان و دل سے کوشش کی۔ اُن کے نام یہ ہیں میزینی۔ گیریبالڈی اور کیکرو۔ ان میں سے میزینی کو تو اتحاد اٹلی کا پیغمبر کہا جاتا ہے۔ گیریبالڈی کو اُس کا جنگجو سورما اور کیکرو کو اُس کا لوہار جس نے مختلف حصّوں کو تدبیروں کے ذریعہ سے جوڑ دیا۔ میزینی بڑے پختہ ارادے کا آدمی تھا۔ اُس نے اٹلی کے لئے جسے وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اپنی زندگی نذر کر دی۔ وہ ۱۸۰۵ء میں پیدا ہوا۔ ابھی سولہ سال کا نہیں ہوا تھا کہ اُسے ایک واقعہ سے اٹلی کو آزاد کرانے کا خیال ہو گیا اور اس خیال کو پورا کرنے کے لئے اُس نے انجمن کاربوناری میں شرکت اختیار کی جو اُسے قید خانہ کی ہوا کھلانے کا موجب ہوئی۔ اور جہاں اُس نے اپنے ملک کی آزادی کے لئے تدابیر سوچیں +

رہائی پاکر میزینی نے انجمن "موسومہ نوجوان اٹلی" کی بنیاد ڈالی۔ اور سارڈینیہ کے بادشاہ چارلس البرٹ کو لکھا کہ اُسے کل اٹلی کی آزادی کے لئے پیشوا بننا چاہیئے۔ اس خط کے مضمون کو خفیہ طور پر شائع کر کے ساری اٹلی میں تقسیم کیا گیا۔ اُس نے اٹلی میں ایک سنسنی اور آزادی کا ایک زبردست جذبہ پیدا کر دیا۔ گو اٹلی آزادی حاصل کرنے کے لئے تیار تھا۔ لیکن آزادی کے راستہ میں ابھی بہت مشکلات واقع تھیں ✦

میزینی کے ساتھ شاہ چارلس البرٹ نے بدسلوکی کی۔ کیونکہ اُسکی تجویز پر جو ملک کے لئے مفید بھی عمل کرنے کی جگہ اُس نے اُسے جلاوطن کر دیا۔ میزینی کو جلاوطنی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگنا پڑا۔ مفلس رہا۔ بیمار رہا۔ خطروں میں رہا۔ اُس کے قتل کے فتوے صادر کئے گئے۔ مگر وہ اپنے مدعا میں ثابت قدم رہا ✦

میزینی کو جلاوطنی کے ایام میں کوئی ملک پناہ نہیں دینا چاہتا تھا مگر انگلستان نے جو حب الوطنی اور محبان وطن کا قدردان ہے اُسے اپنے ہاں پناہ دی۔ میزینی کے سامنے کل اٹلی متحد ملک اور آزاد نمونہ ہو سکا۔ مگر چارلس البرٹ کا بڑا حشر اُسکی آنکھوں نے ضرور دیکھا کیونکہ آسٹریہ والوں نے اُسکی فوج کو نووارا کے مقام پر شکست دیکر اُسے پرتگال میں جلاوطن کر دیا ✦

گیریبالڈی اَور قسم کا آدمی تھا وہ پیدائشی سپاہی تھا بڑا ہی سادہ دل مگر اپنے مدعا میں ثابت قدم اُس نے میزینی کی مانند بہت سی مشکلات کا سامنا کیا۔ اگرچہ پیدائش سے وفات تک غریبی میں اُسکی زندگی گذری لیکن اُس نے اپنی زندگی میں یہ دیکھ لیا کہ اُس کے ملک میں اتحاد ہو گیا ✦

کیوَر کچھ اَور ہی قسم کا انسان تھا وہ نوابوں کے خاندان میں ۱۸۱۰ء میں پیدا ہوا تھا۔ وہ بڑا ہی دانشمند تھا وہ شاہ وکٹر عمانوئیل کا وزیر تھا اُس نے فرانس اور انگلستان کی مدد سے اٹلی میں اتحاد کرانا چاہا۔ اور پیرس کی کانگریس میں اٹلی کی سلامتی کا سوال پیش کر کے اُسکی آزادی کی بنیاد ڈالی۔ اُسنے شاہ فرانس کو اِس بات پر آمادہ کر لیا کہ فرانس کی مدد سے آسٹریہ والوں کو اٹلی سے نکال دیا جائے ✦

چنانچہ ۱۸۵۹ء میں ایک بہانہ سے فرانس نے فوجکشی کر کے آسٹریہ کا عمل دخل پیڈمونٹ سے اُٹھا دیا۔ اور پیڈمونٹ کو سلطنت سارڈینیہ میں ملحق کرا دیا۔

اس کے بعد ٹسکنی۔ پارمہ اور موڈینہ بھی سارڈینیہ میں ملا دئے گئے۔ مگر نیپلز اور سسلی

دونوں پر فرانس نے قبضہ کرلیا۔ اُسوقت گیریبالڈی میدان میں اُترا۔ اُس نے تین ماہ کے عرصہ میں شاہ نیپلز کو مغلوب کر کے اُس کا ملک فتح کرلیا۔ اور شاہ سارڈینیہ کو "متحدہ اٹلی" کا بادشاہ مشتہر کردیا اب صرف وینیشیہ اور روم اٹلی میں شامل ہونے کے لئے رہ گئے تھے۔ مگر روم پر دست درازی کرنے سے فرانس جو کیتھلک سلطنت کا فرمانروا تھا وہ پوپ کی مدد کرتا اور وینیشیہ پر آسٹریہ کا قبضہ تھا۔ گیریبالڈی نے دو مرتبہ روم پر فوجکشی کی۔ مگر شکست کھائی اور ساتھ ہی زخم بھی کھائے۔

جسوقت گیریبالڈی وغیرہ روم اور وینیشیہ پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھا تو بسمارک جرمنی کی ریاستوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے اُٹھا۔ اس سے آسٹریہ پر دو طرف سے مار پڑتی تھی یعنی ایک طرف پروشیہ کی جانب سے اور دوسری اٹلی کی جانب سے۔ بسمارک نے وعدہ کیا کہ اگر اٹلی جرمنی کے اتحاد میں مدد دے تو صوبہ وینیشیہ اُسکے حوالہ کردیا جائیگا۔ اٹلی نے اس رائے کو فی الفور قبول کرلیا۔ الغرض یہ کہ سنہ ۱۸۶۶ء میں اٹلی کو یہ صوبہ مل گیا +

اس کے بعد بسمارک نے ایک تجویز کے ذریعہ سے جرمنی۔ اٹلی اور آسٹریہ کو فایدہ پہنچایا سب کے آخیر میں متحدہ اٹلی میں روم بھی شامل کرلیا گیا جب سنہ ۱۸۷۰ء میں فرانس اور پروشیہ میں جنگ چھڑی تو بسمارک نے پھر ہاتھ دکھایا۔ اُس وقت فرانس نے اپنی فوج روم سے واپس منگالی۔ شاہ عمانوئیل نے پوپ کے روبرو مناسب شرائط پیش کر کے روم کو ملحق کرنا چاہا مگر پوپ نے نہ مانا اس پر اٹلی کی سپاہ نے حملہ کر کے ستمبر سنہ ۱۸۷۰ء میں روم پر قبضہ کرلیا۔ اور کوئی چند ماہ بعد روم کو متحدہ اٹلی کا پایہ تخت بنا لیا۔ اب اٹلی میں قدیم شہروں کے نام پر ۶۹ صوبے اور ۱۶ حلقے ہیں +

اتحاد کے بعد اٹلی نے کیا کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اُس نے ایک زبردست بیڑہ جنگی جہازوں کا بنالیا۔ اور افریقہ میں ایک نوآبادی قائم کرلی۔ مگر اب اٹلی میں جرمنی کا بڑا رسوخ ہے اور جرمنی کی سی زیادہ فوج بھی ہے۔ یہ سبکچھ بسمارک کی رائے کا اثر ہے +

جب بسمارک کے ڈالے ہوئے اتحاد میں سے روس علیحدہ ہوگیا تو بسمارک نے اُسکی جگہ اٹلی کو دیدی۔ بسمارک نے اٹلی سے اس لئے اتحاد کیا کہ اُسکے ذریعہ انگلستان سے بھی جرمنی کا اتحاد ہوسکتا ہے کیونکہ اٹلی ایک بڑی بحری قوت ہے۔ ان باتوں سے بسمارک کی اصل غرض یہ تھی کہ وہ دنیا پر اٹلی اور انگلستان کے جہازوں اور آسٹریہ اور جرمنی کی بری فوجوں سے حکومت کرے۔ الغرض بسمارک کی تجویز سے اٹلی کو زیادہ فائدہ ہونیوالا تھا مگر کرسپی وزیر اعظم نے اپنی تجاویز سے اُسے فائدہ پہنچانے

تاریخ پالٹکس

صنعت اور صنعتی فرقے

فلزاتی کام۔ اگر لفظ صنعت کا اطلاق اشغال پر ہو سکتا ہے تو یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ اُس زمانہ کے اشغال پر بھی جبکہ انسان محض وحشی تھے عاید آسکتا ہے۔ شکار کرنا۔ شکاری جانوروں کی کھال اُتارنا اور اُسے تیار کرنا۔ اُن کو صاف کرنا۔ اُسے کاتنا۔ دودھ دُوہنا مویشی چرانا۔ پنیر بنانا اور مکھن نکالنا۔ سارے کام صنعت کہلانے کے مستحق ہیں۔ لیکن صنعت کو فروغ تو کاشتکاروں یا زراعت کی ترقی کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کے ساتھ ساتھ ہل کے لئے پھالے کھیتی کاٹنے کے لئے درانتی۔ زمین کھودنے کے لئے پھاوڑے۔ اور نیز دیگر آہنی یا فلزاتی اوزار کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ ان چیزوں کے بنانے میں ایک فن یا دستکاری کی ضرورت پڑتی ہے جسے فلزاتی یا دھاتی کام کہتے ہیں اگرچہ زراعت کے ابتدائی دور میں لکڑی اور پتھر کے اوزار سے بھی کام لیا جاسکتا ہے لیکن جب تک کہ آہنی اوزار سے کام نہ لیا جائے تب تک زراعت کی ترقی خاطر خواہ نہیں ہو سکتی۔

آہنی چیزیں۔ یہ بات شبہ سے بالکل مبرا ہے کہ گلہ بان اقوام بھی فلزاتی چیزیں بنانے کے کام سے کس قدر واقف ہیں۔ ہومر کے عہد میں یونان کے سورما بھی خود اور زرہ پہنتے تھے۔ وہ فلزاتی تلواریں اور برچھیاں استعمال کرتے تھے۔ اُن کے ہاں بے ٹھپے کے سکّے رائج تھے۔ یہودیوں میں ایسے سکّے کا رواج تھا جس پر ٹھپہ نہیں ہوتا تھا افریقہ کے وحشی لوگ سونے اور چاندی کا زیور پہنتے تھے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی چیزیں وحشی اقوام فلزات سے بناتی تھیں۔ یہ ساری چیزیں زمین کے اندر سے برآمد ہوتی ہیں۔ اور اس بات کی علامت ہیں کہ فلزات کا رواج نہایت قدیم زمانہ میں بھی ہوتا تھا مگر جن فلزات سے یہ چیزیں بنائی جاتی تھیں وہ بہت قدیم ہوتی تھیں اور صرف پتھر کے ہتھوڑے کے ذریعہ سے بنائی جاسکتی تھیں۔ اور بغیر تپانے کے پیٹ کر بن جاتی تھیں

دھاتی چیزوں کی صنعت میں انقلاب اُسی وقت واقع ہوا جبکہ انسان نے آہنی چیزوں کا بنانا سیکھا۔ کیونکہ لوہے کی چیزیں صرف آگ میں تپاکر بنائی جاسکتی ہیں۔ کیونکہ لوہا بہت سخت ہوتا ہے۔ اور ایسے کام دے سکتا ہے جو ملائم دھاتوں کی چیزوں سے نہیں ہو سکتے۔ لوہے کی چیزوں کا رواج اوّل اوّل یورپ میں نہیں ہوا بلکہ مصر میں۔ کیونکہ وہاں آہنی چیزیں نہایت قدیم زمانہ ہی میں استعمال رائج ہو چکی تھیں۔ اور مصر سے اُن کا رواج یورپ میں گیا۔ جرمنی کا ایک محقق عالم جو آریہ نسل اقوام کی زبانوں کا ماہر ہے۔ لکھتا ہے کہ ان سب اقوام کی زبان میں لوہے کا لفظ پایا جاتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آریہ نسل نے یورپ میں نقل سکونت کرنے سے پیشتر ہی لوہے اور اُس کی چیزوں کے بنانے کا فن حاصل کر لیا تھا۔ مگر فی زمانہ تو یورپ کی اقوام لوہے کی صنائع میں ساری دُنیا پر سبقت لے گیا ہے ٭

لوہار۔ اب یہ ظاہر ہو گیا کہ صنعت کی ابتدا لوہار کے کام یا یوں کہو کہ آہنگری یا آہنی صنعت سے ہوئی۔ اور اسی صنعت سے قریب قریب ساری صنائع جاری ہوئیں مدافعت اور حفاظت کے آلات بناتے بناتے لوہار اور اور چیزیں بھی بنانے لگے۔ مثلاً کلہاڑی۔ ہتھوڑے چھینی۔ کیل پیچ۔ قبضے۔ اور اس طریقہ میں اور بہت سی صنائع کا آغاز ہوا ٭

صنعت کا مخصوص کیا جانا۔ آہنی صنائع سے نجار یا بڑھئی کی صنعت کی ابتدا ہوئی جو لکڑی کی چیزوں کو لکڑی اور لوہے سے بنانے لگے۔ پھر بساطی کی ابتدا ہوئی جو چاقو چھری وغیرہ بیچنے لگے۔ پھر درزی کی ابتدا ہوئی جو سوئی اور قینچی سے کام لینے لگے۔ اور علیٰ ہذا۔ اور اس طرح پیشے خاص خاندانوں یا فرقوں کے لئے مخصوص ہو گئے ٭

تجارت۔ صنعت ہی سے تجارت کا آغاز ہوا۔ کیونکہ ایک قسم کے لوگ جن چیزوں کو بناتے تھے اُنہی کو دوسری قسم کے لوگ فروخت کرتے تھے۔ بعض اقوام جو کسی صنعتی چیز کو بنا نہیں سکتے تھے وہ دوسری اقوام سے بعض قدرتی چیزوں کا مبادلہ کر کے اُن کو فروخت کرتے تھے۔ جو لوگ کسی دوسری قوم کے لوگوں کے پاس چیزیں فروخت کرنے یا خریدنے جاتے تھے وہ اُن کے ہاں مہمان تصور کئے جاتے تھے۔ اوّل وہ اس قسم کے سردار

کوندیں دیتے تھے۔ اور اس طرح تجارت کی ابتدا ہو کر اُسے فروتا فروغ ہونے لگا۔

مبادلہ اور فروخت۔ تجارت کا انحصار مدتوں تک مبادلہ پر رہا۔ لیکن اس میں بڑی دقت ہوتی تھی۔ مثلاً ایک قوم کے پاس عقاب کے پر بکثرت ہوتے تھے لیکن دوسری اُسے نہیں لیتی تھی اور تیسری چاہتی تھی وہ اُسے چیز دیتی تھی جسکی پہلی قوم کو ضرورت ہوتی تھی۔ اسلئے مبادلہ میں اول کوڑیوں کی کسی قسم کا دستور ہوا۔ پھر حیوانات اور خصوصاً بیلوں کا جسے ہر قوم زراعت میں استعمال کرتی تھی۔ پھر بغیر کتبہ یا ٹھپّہ کے سکّہ کا اور اس طرح مبادلہ کی جگہ خرید و فروخت کا سلسلہ قائم ہوا۔

صنعت و تجارت کا تعلق گاؤں سے۔ صنعت کا تجارت سے تعلق رہا مگر اول اول کاریگر مثلاً لوہار وغیرہ کسی گاؤں کا جزو نہیں سمجھے گئے۔ کیونکہ گاؤں سے باہر رہتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ وہ اُس کا جزو سمجھے جانے لگے۔ اور اسی طرح تاجر اول پھیری والے بساطی کی شکل میں کام کرتا رہا۔

بازار۔ صنعت کی تجارت وحشی ایام میں اس طرح ہوتی تھی کہ خریدار اور فروخت کرنیوالے ایک دوسرے کے سامنے نہیں آتے تھے۔ فروخت کنندہ کسی گاؤں کے پاس جاکر اپنی چیزیں پھیلا دیتا تھا اور دوسری جگہ چھپ جاتا تھا۔ فروخت کنندہ جس چیز کو پسند کرتا اُس کے برابر مبادلہ کی چیز رکھ کر دوسری جگہ چھپ جاتا تھا۔ فروخت کنندہ آتا۔ اگر مبادلہ کی چیز منظور کرتا تو پھر دونوں چیزیں چھوڑ کر چھپ جاتا تھا۔ اگر نہیں کرتا تو صرف اپنی وہ چیز لے کر چلا جاتا۔ الغرض جب تک معاملہ طے نہ ہو جاتا چھپنے کا سلسلہ جاری رہتا۔ اس دقت کو دور کرنے کے لئے دوبدو معاملہ ہونے لگا۔ مگر اس میں جھگڑنے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے ایک جگہ تجارت کے لئے مقرر کی جاتی تھی جسے بازار کہنا چاہیئے۔ یہ جگہ دو تین اقوام کے گاؤں کی سرحد پر ہوتی تھی۔ اور اُس کی حفاظت ایک دیوتا کے سپرد کی جاتی تھی۔ مگر اس کے بعد تجارت کی جگہ پر مضبوط قصبے بسائے گئے تاکہ امن و امان سے تجارت ہوتی رہے۔ اور اس طرح بازاروں اور شہروں کی بنیاد پڑی۔

صنعتی فرقے۔ جس طریقہ میں گلہ بانوں اور رطائفوں وغیرہ کی بنیاد پڑی اُسی طریقہ میں صنعتی فرقوں کی بنیاد بھی پڑی۔ ابتدا ہی سے انسان کا خیال یہ رہا کہ وہ منفرد

شخص کی حیثیت میں نہ رہے۔ بلکہ مشترک خاندان کی شکل میں۔ اسی خیال کی بنیاد پر ایک دستکار نے جبکہ وہ کسی دوسری جگہ جا بسا اور اپنے خاندان کے لوگوں سے بالکل جدا ہوگیا تو اپنے ہم پیشہ لوگوں کے ساتھ ایک انجمن قائم کرلی۔ ابتدا میں تو یہ انجمن محض صلح کی خاطر قائم کی گئی اور اس کی بنیاد محض عقیدہ پر رکھی گئی۔ اور رفتہ رفتہ اُس کی عبادت بزرگوں کی پرستش کے طریقہ پر ڈال گئی۔ اگرچہ اس انجمن کے ممبر اپنے کو ایک ہی بزرگ کی اولاد نہیں سمجھتے تھے۔ تاہم بتاتے ضرور تھے۔ یہاں تک کہ جو لوگ اس خیال کی تائید نہیں کرتے تھے وہ کسی صنعتی فرقہ میں شامل نہیں ہوسکتے تھے۔ رفتہ رفتہ صنعتی فرقہ نے طائفہ کی شکل اختیار کرلی۔

اس کے بعد ہر فرقہ نے اپنے کاروبار میں اور ترقی اور حفاظت کے لئے نئے قواعد منضبط کئے۔ اول تو ممبروں کے بیٹے فرقہ میں شامل ہوتے رہے۔ پھر متبنّٰی ہونے لگے اور آخرکار اَور اَور لوگ بھی۔ ابتدا میں تو کام سیکھنے والے لوگ استاد ہی کے گھر رہتے اور کھاتے پیتے اور اُسی کے معبودوں کی عبادت کرتے تھے۔ اُستاد کے ساتھ بیٹے کا سا سلوک کرتے تھے۔ اور فرقہ کے سب ممبر کسی خاص لفظ کو اپنے ساتھ امتیاز کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ صنعتی فرقوں نے اپنے فرقوں کے لوگوں کی تعلیم و امداد کے لئے مدرسے اور یتیم خانہ کھولے۔ سارے ممبر آپس میں بھائی بھائی سمجھے جاتے تھے اور اُن کا ایک سردار یا چودھری ہوتا تھا۔ چودھری کے باہمی نزاعات کا فیصلہ کرتا تھا۔ ہر فرقہ کے ممبروں میں سوشل اتحاد برادرانہ اتحاد کے مانند ہوتا تھا۔

اس طریقہ میں قبائل وغیرہ نے مذکورۂ بالا باتوں کے اعتبار سے تہذیب کی ترقی میں بڑا حصہ لیا۔ موجودہ تہذیب اور علوم و فنون کی ترقی میں قبائل نے اُسی طرح حصہ لیا۔ جس طرح کہ قبائل کی تہذیب وغیرہ کی ترقی میں وحشیوں نے لیا تھا۔

کفایت شعاری

زندگی کا بیمہ

(۳)

بہت لوگ فرینڈلی سوسائٹیوں پر اس لئے اعتراض کرتے ہیں کہ وہ سرائیوں میں بیٹھ کر چلائی جاتی ہیں۔ اُن میں سے بہت سی کے بانی سرائیوں کے مالک و منتظم ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ لوگ جو ایسی سوسائٹیوں کی پندرہ روزہ میٹنگ میں اپنا چندہ ادا کرنے جاتے ہیں اُن میں شراب خوری کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے لوگ جسقدر کہ جمع کرتے ہیں اسی قدر ضائع بھی کر دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ فرینڈلی سوسائٹیاں سوشل عنصر پر زیادہ بھروسہ کرتی ہیں۔ سرائے ہر شخص کا گھر ہے۔ لوگ وہاں جمع ہو کر بات چیت کر سکتے۔ اور شراب بھی پی سکتے ہیں جس طرح کہ وہ کام بھی کر سکتے ہیں اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اگر لوگ اپنے فرض کے خیال پر عمل کرتے۔ اور لوگوں میں سے صرف ایک خاص شخص کو چندہ جمع کرنے کے لئے مقرر کیا جاتا تو بہت ہی کم فرینڈلی سوسائٹیوں کا وجود ہوتا۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دُنیا کے کاروبار عمدہ اصول پر نہیں چلائے جا سکتے بہت لوگ اور خاصکر وہ لوگ جنکا کہ ہم ذکر کر رہے ہیں اُن کے لئے یہ دُنیا ایک خراب دُنیا ہے۔ اور ایسے اصول پر چل رہی ہے جو فنا ہو جانے والے ہیں بعض لوگوں کو یہ بات بُری معلوم دیگی کہ بیمہ کے کام کا جو انسان کی علالت کے خلاف ایک حفاظت سمجھا جاتا ہے تعلق بیر۔ تمبا کو یا دعوت کے ساتھ ہو۔ لیکن شاید انہیں یہ خیال نہیں ہوتا کہ دُنیا بُری کمینہ ہے۔ اور ہم کو جس شکل میں کہ وہ ملے اُسی میں اُسے قبول کرنا چاہیئے۔ اور یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ اُسے بہتر بنائیں۔ یہ امر بھی قابل تسلیم ہے کہ انسان میں خالص نیکی کا رجحان بہت ہی کمزور ہوتا ہے۔

اور اُسے زیادہ امداد کی ضرورت ہوتی ہے - لیکن مزوست رچاہے وہ کیسی ہی ادنے درجہ کی اور کینہ کیوں نہ ہو) جو انسان کو کھانے پینے کے توسّل سے اپنی اور اپنے ہمسایوں کی مدد اور فیض رسانی کے لئے آمادہ کرتی ہے وہ مزدوری پیشہ لوگوں ہی کی سوسائٹیوں تک محدود نہیں ہے - بلکہ اور قسم کے لوگوں کی سوسائٹیوں سے بھی اُس کا تعلق ہے - لنڈن میں شاید ہی کوئی ایسی خیراتی انجمن ہو گی جس کا سالانہ جلسہ اور دعوت محض اُس کے ممبروں کی تعداد بڑھانے کی غرض سے نہ کیا جاتا ہو - کیا ہم غریبوں کے اُس سالانہ جلسہ اور دعوت کی تحقیر کریں جو فی کس ۱۸ اپنس جمع کرنے کے سرمایہ سے کی جاتی ہے اور امیروں کے اُس جلسہ اور دعوت سے چشم پوشی کریں جو ایک گنی فی کس کے سرمایہ سے انجام پاتی ہے +

سنہ ۱۸۵۱ء میں مسٹر اکرویڈ ساکن ہیلیفکس نے بیماروں کی امداد کے لئے ایک سوسائٹی اور ایک آنہ کی رقم کے جمع کرنے کے لئے ایک بنک کے قائم کرنے کے واسطے بلیغ کوشش کی تھی - یہ دونوں کام اُنہوں نے پارک شا یر کے مغربی محلہ کے مزدوروں کی بہتری کے لئے کرنا چاہے تھے - اس غرض کے پورا کرنے کے لئے ایک انجمن بھی قائم ہو گئی تھی - اور اگرچہ بنک کے اجرا میں خاصی کامیابی ہوئی - لیکن بیماروں کی امدادی انجمن میں ناکامی رہی +

فرینڈلی سوسائٹیوں کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ اُن کے چندہ کی رقم بہت ہی کمتر تھی - یہ بات قدرتی تھی کہ اُس کے ممبر محدود ذرائع آمدنی کے لوگ تھے اس لئے ان کو اپنی مشترکہ غرض کے حاصل کرنے کے لئے کم خرچ کرنا چاہئے تھا - اس لئے اُنہوں نے چندہ کی مقدار بہت ہی کم رکھی - جب تک کہ تندرست ممبروں کی جو چندہ دیتے تھے تعداد زیادہ رہی تب تک سوسائٹی کا کام خوب چلتا رہا - لیکن جب بیمار ممبروں کی تعداد زیادہ ہوئی تو خرچ زیادہ بڑھنے لگا - اور نئے ممبروں نے نقصان کے خیال سے نئی سوسائٹیاں قائم کر دیں - اس لئے چندہ کم ہو گیا اور پرانی سوسائٹیوں کا دیوالہ نکل گیا - اور سوسائٹیوں کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا +

سب سے عمدہ سوسائٹی کو بھی مناسب رقم چندہ کی مقرر کرنے میں محض تجربہ سے مدد ملی ہے۔ تاکہ اُن کی اغراض بھی پوری ہوتی رہیں اور اُن کا وجود بھی قائم رہے۔ سوسائٹیوں میں اکثر یہ بھی نقص ہوتا ہے کہ اُن کو تھوڑے سے سرمایہ سے بہت زیادہ کام کرنا پڑتا ہے اور سوسائٹی کی طرف سے جو امداد کہ ممبروں کو دینا پڑتی ہے وہ چندوں کی رقم سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ جو لوگ کہ ابتدا میں ممبر ہو جاتے ہیں اُن کو تو امداد مل جاتی ہے۔ لیکن جو لوگ بعد میں ہوتے ہیں وہ امداد سے محروم رہتے ہیں۔ سوسائٹیوں میں نہ صرف یہی نقص ہوتا ہے کہ چندہ کی تعداد یا رقم تھوڑی ہوتی ہے۔ بلکہ یہ نقص بھی کہ ممبر اچھے لوگ نہیں بنائے جاتے۔ جن شرائط پر کہ تندرست اور جوان لوگ ممبر بنائے جاتے ہیں اُن ہی پر کمزور۔ بوڑھے اور خراب صحت کے لوگ بھی۔ البتہ دونوں قسم کے ممبروں کی فیس داخلہ میں ضرور فرق ہوتا ہے۔ نوجوان ممبر بھی کچھ عرصہ بعد بوڑھے اور کمزور ہو جاتے ہیں اور اس طرح امداد پانے والے ممبروں کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور سوسائٹی کا سرمایہ گھٹ جاتا ہے۔ فرینڈلی سوسائٹیوں کی تاریخ بعینہٖ وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی اور ہزاروں ایسی سوسائٹیاں قائم اور تباہ ہو چکی ہیں۔ اگرچہ اُنھوں نے ایک زمانہ میں بہت لوگوں کو نفع پہونچایا۔ لیکن بہتوں کو نقصان بھی +

ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا کہ اُس سوسائٹی کے ممبروں نے جس کا نام مینچسٹر یونٹی آف اولڈ فیلوز ہے اپنی سوسائٹی کی مالی حالت کو ترقی دینے اور سنوارنے کے لئے کوشش کی تھی۔ اور بیماروں اور امداد کے مستحق لوگوں اور آمدنی وغیرہ کے متعلق نیا اور عمدہ انتظام کیا +

یہ عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ وقت اور تجربہ کی مدد سے فرینڈلی سوسائٹیوں کے لیڈر اپنی سوسائٹیوں کی حالت عام طور پر سدھارنے اور اُن میں نئی نئی اور مفید باتیں جاری کرنے کے قابل ہو سکینگے۔ سب سے اچھی انجمنیں وہ ہیں جو آہستہ آہستہ ترقی کر کے عمدہ صورت اور حالت میں آتی ہیں۔ اور ان کی حالت محض تجربہ

سے جو کامیابی اور ناکامی دونوں پر مبنی ہوتا ہے۔ ترقی پکڑتی اور سدھرتی ہے مزید براں ایک مدت دراز ان کی بنیاد کو پختہ بنانے کیلئے ضروری ہوتی ہے سب سے خراب اور سب سے بھدی قسم کی سوسائٹی جسے مزدوری پیشہ لوگ اپنی علالت کے زمانہ میں مدد حاصل کرنے کیلئے قائم کرتے ہیں "تاکہ ان کو اور لوگوں کی امداد اور خیرات کا محتاج نہ ہونا پڑے" وہ بہتر طریقہ اور بہتر بنیاد پر قائم کی جاتی ہے اور اس قابل ہوتی ہے کہ اُسے ترقی دیجائے۔ ایسی سوسائٹی ایک بنیاد کے لئے مصالح عطا کر سکتی ہے جس پر کوئی زیادہ اچھی عمارت تعمیر کرائی جاسکے۔ وہ اپنی آپ مدد کرنے اور اپنی ذات پر بھروسہ رکھنے اور کفایت شعاری سکھلانے والی ہوتی ہیں +

جب تک کہ ایسے نقشوں۔ گوشواروں اور اعداد و شمار کی رپورٹوں کا اجرا بھی نہیں ہوا تھا جو لوگوں کی رہبر بن سکیں اس سے پیشتر ہی فرینڈلی سوسائٹیوں کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ اگر ان سے کوئی غلطی بھی ہوئی تو بھی ان کو رہبری کا ذریعہ ہاتھ آ ہی گیا۔ ان کو جن اسباب اور واقعات سے سابقہ پڑا اُن کے اعتبار سے اُن سوسائٹیوں کو خیرات اور عفو کی نگاہوں اور خیالات سے دیکھنا اور اور جانچنا چاہیئے۔ اگر ایسی سوسائٹیوں کو نیک مشورہ دیا جائے اور وہ بھی مہربانی کے پیرایہ میں تو اُس سے اُن کو ضرور بالضرور نفع ہوگا۔ اُن میں جو نقائص پائے جاتے ہیں اُن کو محض عارضی سمجھنا چاہیئے اور وہ یقیناً معدوم ہو جائینگے۔ جیسے کہ پھل کے نمودار ہونے سے پیشتر پھول مرجھا کر سوکھ جاتے ہیں +

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ کفایت شعاری کے جو ذرایع اس مضمون کے سلسلہ میں بتلائے گئے ہیں اگر ان پر کسی ملک کے لوگ عمل کرنے لگیں تو ضرور نفع ہو اور اُن کی بہت سی ضرورتیں آسانی اور خوبصورتی کے ساتھ پوری ہوتی رہیں۔ کفایت شعاری ایک ایسا زیور ہے جو انسان کی زندگی کو آسانی اور راحت کے ساتھ گذار سکتی ہے +

ایک بلبل اسیر کی فریاد

نتیجۂ فکر رسا جناب حافظ محمد یعقوب صاحب اوج گیاوی

کہوں ہمصفیرو میں کیا حال اپنا
بہت پر اثر ہے یہ غم کا فسانا

مری داستان الم دکھ بھری ہے
کہانی ہے میری عجب وعبرت افزا

جفائے فلک کا ستایا ہوا ہوں
قفس میں پڑا ہوں مصیبت کا مارا

نہ چھیڑو مجھے میں غریب الوطن ہوں
ہے بیچارگی میری خود آشکارا

کیا ایک صیاد نے قید مجھ کو
مجھے آہ دام بلا میں پھنسایا

مرے ننھے بچوں پہ بھی رحم اسکو
نہ آیا نہ آیا نہ آیا نہ آیا

اجاڑا مرا آشیان فصل گل میں
مرے دل پہ کوہِ مصیبت گرایا

مٹایا مجھے اس کے جور و ستم نے
اسی غم سے آتا ہے منہ کو کلیجا

مری حسرتوں کا کیا خون ناحق
مری آرزوں پہ خنجر چلایا

ستاتا ہے کیوں مجھکو پامال کرکے
اسے بھی نہ آرام دم بھر ملیگا

تڑپتا ہوں دن رات کنج قفس میں
نہیں اس ستمگر کو پر رحم آتا

چکور اور شہباز سب اوج پر ہیں
مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں

سناؤں میں کیا اپنے غم کا فسانہ
بہت درد انگیز ہے یہ ترانہ

چمن سے نکالا گیا فصل گل میں
لٹا میرے عیش و طرب کا خزانہ

نہ وہ بوستاں ہے نہ وہ شاخ گل ہے
نہ وہ میرا راحت فزا آشیانہ

نہ وہ میری آزادیاں اب ہیں باقی
نہ اب ہے وہ دلکش خوشی کا ترانہ

مرے عیش رفتہ کو کیا پوچھتے ہو
بہت پر فضا تھا گذشتہ زمانہ

ہمیشہ عنایت رہی باغباں کی
کرم مجھ پہ گلچیں کا تھا دوستانہ

مگر آہ صیاد ظالم نے مجھ کو
بنایا خدنگ جفا کا نشانہ
مرے ننھے بچوں کا کیا حال ہوگا
ملا ہوگا کیونکر انہیں آب و دانہ
غضب ہے کہ مدت سے چھوٹے ہوئے ہیں
مرے پیارے بچے۔ مرا آشیانہ
چمن سے الگ دوستوں سے جدا ہوں
مجھے مار ڈالے گا جور زمانہ
رہائی دے یا رب مجھے قید غم سے
کہ لب پر مرے ہے یہ دلکش ترانہ
قفس میں جو تڑپا چمن یاد آیا
مصیبت زدوں کو وطن یاد آیا

(از شمس)

ترانۂ معرفت

نتیجۂ طبع شاعر نازک خیال جناب مولانا مولوی محمد علی صاحب آشہری

عالم پہ چھا رہا ہے ہر سمت نور تیرا
پھولوں میں دیکھتا ہوں رنگ ظہور تیرا
ہر تخم میں نہاں ہے شان نزول تیری
ہر پھول سے عیاں ہے رنگ ظہور تیرا
تیرے کرشمے ہیں پر کیونکر نہ خود نما ہوں
سرمہ لگا کے دیکھے جلوہ جو طور تیرا
آنکھوں میں نور تجھ سے دل ہیں سرور تجھ سے
تو پاس میرے دل کے بکھرے سے دور تیرا
حق حق ہے شیشہ کہتا قلقل سے رجی کرتی
میخانہ میں ہے چرچا رب غفور تیرا
صد شکر آشہری کو بندہ کیا ہے تونے
ہے بندگی سے حاصل قرب حضور تیرا

(از شمس)

مناظرہ چشم و زبان

نتیجۂ طبع جناب بخشش محمد صاحب المتخلص بہ واسطی مشہو از کھیرا گڑھ اسٹیٹ

(زبان کا سوال)

زبان نے آنکھوں سے خوش ہو کے ایک روز کہا | میں ایک بات کہوں اسے بہن جو ہو نہ خفا
ثیانہ تم سے ہے آرائشِ رُخِ محبوب | تمہاری نوک پلک پر ہزار دل ہیں فدا
تمہارے خنجرِ ابرو کی ہے غضب بُرّش | تمہارے ناوکِ مژگاں ہیں گویا تیرِ قضا
حسین خدا نے کیا تم کو سارے اعضا میں | لُبھاتی ہے دلِ عشاق کو تمہاری ادا
مقام مجھ سے ہے برتر تمہارا چہرے پر | تمہیں سے اہلِ نظر کو ملا ہے نور و ضیا
نہیں جو تم تو نہیں لطف زندگانی کا | خدا کرے نہ ہو نورِ نظر کسی سے جدا
مگر جو دیدۂ حق بین سے تم نگاہ کرو | کہیں ہے تم سے مری قدر و منزلت اعلیٰ
مرے لئے مرے اوصافِ باطنی نہیں کم | جو میں غرور کروں حسنِ چند روزہ کا
جہاں میں ذات مری ہے کلیدِ گنجِ علوم | فلک پہ طائرِ سدرہ ہے ہمصفیر مرا
مرے کلام سے دنیا میں جی اُٹھے مُردے | مرے سخن سے بہا چشمہ آبِ حیواں کا
مرے سبب سے کُھلا رازِ ہستیِ عالم | مرے سبب سے ہوا انکشاف وحیِ خدا
مرے وجود سے بزمِ جہاں میں رونق ہے | مزہ ملا مجھے ہونے سے نعمتِ رب کا
بیان وصف کی زیادہ نہیں مجھے حاجت | ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

(آنکھوں کا جواب)

سُنی جب آنکھوں نے تقریر یہ تعلّی کی | غضب سے بول اُٹھیں لے زبان سنبھال ذرا
ترا یہ منہ کہ کہے بڑھ کے ہم سے تو باتیں | خدا کی شان فضیلت کا ہم سے ہے دعویٰ
کہاں ہے چشمِ فضیلت جو تو نگاہ کرے | کہاں ہے آنکھ کہ آئے نظر کھرا کھوٹا
نہ اپنی جامہ سے باہر ہوا اسیرِ شکم | مزہ چکھاتے ہیں تجھکو زبان درازی کا
ترے عیوب ہیں حدِ شمار سے باہر | ترے سبب سے زمانہ میں شور و شر پھیلا

جو زخم تیرے سخن کے دل و جگر میں پڑے ہرے رہے وہ ہمیشہ نہ اندمال ہوا
ذرا بھی صبر و تحمل کی خو نہیں تجھ میں خموش درد محبت سے کوئی رہ نہ سکا
تری سرشت میں کذب و دروغ و بہتان ہے ترے خمیر میں گویا ہے جور ظلم و جفا
تباہ حال ہیں تیرے سبب سے عیش پسند اڑا کے دولت انسان کو لوٹتی ہے مزا
کسی سے بات کریں تو جواب دے بیٹھے پڑا ہے وہ تجھے لپکا کلام بیجا کا
بشر چھپا نہ سکا راز دل ترے باعث برا بھلا سبھی ظالم نے کر دیا افشا
جو با ہنر ہیں وہ اپنی صفت نہیں کرتے جو ذی کمال ہیں خاموش رہتے ہیں وہ سدا
جو خوش نظر ہیں وہ جاتے ہیں حسن معنی پر غرور ہمکو نہیں اپنی حسن صورت کا
ہمارے تیر نظر سے جو ہو گئے گھائل قصور اُن کا ہے اسمیں نہیں ہماری خطا
شہید خنجر ابرو سے پوچھ لے جا کر کہ اس نے آپ سے جان دی ہے یا کچھ ہمنے کہا
حسین ہوے تو ادا کس طرح نہ لازم ہو گلوں سے بو کہیں اے ناسمجھ ہوئی ہے جدا
دکھاتے ہمنے ہیں آثار قدرت باری بشر کے عالم ظلمت میں ہم ہیں راہ نما
ہمارے فضل کا شاہد ہے موسی عمراں خبر ہے وادی ایمن میں اسنے کیا دیکھا
ہماری صورت ہستی غرض ہے اعجوبہ ہماری ذات ہے دنیا میں نعمت کبریٰ

(زبان کا جواب)

زبان کو سن کے رہی پھر نہ تاب صبر و سکون کہا خموش کہ باطل ہے ادعا سارا
تمہاری ہستی نے انساں کو کر دیا گمراہ غلط خیال ہے تم کب ہو انکے راہنما
عدم سے لایا تھا ہر ذی عقول قلب سلیم تمہارے پر تو عصیاں کا پڑ گیا سایا
دکھائیں صورتیں معنی سے چشم پوشی کی بنایا شیفتہ انسان کو حسن فانی کا
رہا نہ عز قناعت تمہارے ہونے سے بھری نہ آنکھ زمانے میں جسقدر پایا
کہاں ہے درد محبت میں تمکو صبر کی تاب دکھا جو دل کہیں آنکھوں میں اشک بھر آیا
عبث ہے وادی ایمن کی دید پر تمہیں ناز خطاب کیا تمہیں آیا تھا لن ترانی کا
بتاؤ کیا ہوئی یونان کی حکمت نظری دکھاؤ چھانی ہے تمنے جو آسمان کی فضا
ہوئے جو گرم سخن اس طرح سے چشم و زباں کسی نے حضرت دل سے یہ حال جا کے کہا

کہ بارگاہ معلی کے ۔ رازداروں میں
پڑا ہے تفرقہ ایسا کہا نہیں جاتا
ہوا یہ خسرو اقلیم جسم کا فرماں
دبیر عقل کرے جا کے فیصلہ اسکا
سنا جب عقل نے یہ ماجرائے چشم وزباں
بلطف و مرحمت ہر اک سے یوں خطاب کیا
نزاع ٹھیک نہیں تمسے ذیشعوروں میں
جو بات میں کہوں ہو گوش دل سے تم شنوا
خدا کے فضل و کرم کی نشانیاں ہو تم
نہیں شک اسمیں کہ ہو انتخاب صنع خدا
تمہارے حق میں یہ کرتی ہوں فیصلہ سن لو
نہیں ہے اس میں ذرا بھی مقام چون و چرا
جو راہ نیک دکھلائے وہ چشم بینا ہے
کہے جو کلمہ حق وہ زبان ہے گویا

(از اودھ اخبار)

کلام اکبر

(از جناب خانبہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر پنشنر ڈسٹرکٹ جج)

نہ روح مذہب نہ قلب عارف نہ شاعرانہ زبان باقی
زمین ہماری بدل گئی ہے اگرچہ ہے آسمان باقی
شب گذشتہ کے ساز و سامان کے اب کہاں ہیں نشان باقی
زبان شمع سحر پہ حسرت کی رہ گئی داستان باقی
جو ذکر آتا ہے آخرت کا تو آپ ہوتے ہیں صاف منکر
خدا کی نسبت بھی دیکھتا ہوں یقین رخصت گمان باقی
فضول ہے انکی بددماغی کہاں ہے فریاد اب لبوں پر
یہ وار پر وار اب عبث ہیں کہاں بدن میں ہے جان باقی
میں اپنے مٹنے کے غم میں نالاں ادھر زمانہ ہے شاد و خنداں
اشارہ کرتی ہے چشم دوراں جوان باقی جہان باقی
اسی لئے رکھی ہیں آنکھیں کہ میرے مٹنے کا رنگ دیکھیں
سنوں وہ باتیں جو ہوش اڑائیں اسی لئے ہیں یہ کان باقی

تعجب آتا ہے طفلِ دل پر کہ ہوگیا مستِ نظمِ اکبر
ابھی تو ڈال پاس تک نہیں ہے جھٹ میں امتحان باقی

ہنگامہ کیوں ہے برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے
ڈاکا تو نہیں مارا چوری تو نہیں کی ہے
ناتجربہ کاری سے واعظ کی یہ ہیں باتیں
اس رنگ کو کیا جانے پوچھو تو کبھی پی ہے
اس مے سے نہیں مطلب دل جس سے ہے بیگانہ
مقصود ہے اس مے سے دل ہی میں جو کھنچتی ہے
اے شوق وہی مے پی اے ہوش ذرا سو جا
مہمانِ نظر اس دم اک برقِ تجلی ہے
واں دل میں کہ بس صدمے دو یاں جی میں کہ سب سہہ لو
ان کا بھی عجب دل ہے میرا بھی عجب جی ہے
ہر روز چمکتا ہے انوار الٰہی سے
ہر سانس یہ کہتی ہے ہم ہیں تو خدا بھی ہے
سورج میں لگے دھبا فطرت کے کرشمے ہیں
بت ہم کو کہیں کافر اللہ کی مرضی ہے
ہم جان سے یوں جائیں تم یوں ہو منہ پھیرے
یہ بات تمہیں سمجھو یہ جانے کہ اچھی ہے
تعلیم کا شور ایسا تہذیب کا غل اتنا
برکت جو نہیں ہوتی نیت کی خرابی ہے
سچ کہتے ہیں شیخ اکبر ہے طاعتِ حق لازم
ہاں ترکِ مے و شاہد یہ ان کی بزرگی ہے

(از مخزن)

انعام الٰہی

(نتیجہ طبع منشی سورج نرائن صاحب مہر دہلوی)

جس کا ہوا دعا کو بلند ایک بار ہاتھ — نیچا ہوا نہ ہو کے کبھی شرمسار ہاتھ
تیرے کرم نے بڑھ کے ہیں تھامے ہزار ہاتھ — سائل کو دور ہی سے صدا دی پسار ہاتھ
پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

شرم برہنگی تھی شجر کو بہار سے — دست دعا بلند ہوئے شاخسار سے
یارب ہمیں بچائیو اس ننگ و عار سے — اور تو نے ان کو لاد دیا برگ و بار سے
پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

تو نے صدف کو دُر دیا اور دُر کو آب دی — گلشن کو پھول پھول کو بو کا جواب دی
معدن کو لعل لعل کو وہ آب و تاب دی — جو چیز دی کسی کو غرض انتخاب دی
پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

کھولا تھا منہ صدف نے دعا کیلئے وہاں — ابر کرم کو حکم اسی دم ملا کہ ہاں
خالی نہ بارگاہ سے جائے یہ بے زبان — بھر دو دُرِ خوش آب سے اسکا ابھی دہان
پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

طوفان و باد و موج میں ہے کون کارساز — غوطے پہ غوطہ کھاتا ہے جب بحر میں جہاز
ہوتے ہیں ہاتھ سب تیری درگاہ میں دراز — اور تو پناہ دیتا ہے ان سب کو بے نیاز
پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

تیرے کرم پہ دیکھ کے بھروسا جہان نے پانے تجھے [illegible] جان نے
رحمت کی وہ لگائی جھڑی آسمان نے اک اک کے لاکھ لاکھ اگائے کسان نے

پھیلائے کیا کوئی میرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

پھولوں کو تو نے رنگ رخ نازنین دیا اور بو کو عطر عنبر سارا عطا کیا
ہر ایک پھل کو ذائقہ بخشا جدا جدا حق یہ کوئی کریم نہیں تجھ سا دوسرا

پھیلائے کیا کوئی میرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

نعمت سے تو نے بھر دیا عالم کے خوان کو اور سیم و زر سے کر دیا لبریز کان کو
تاروں کے تھال بھر کے دئے آسمان کو رحمت ہے یا خدا تیری دینے کی شان کو

پھیلائے کیا کوئی میرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

جوہر نمو کا تو نے نباتات کو دیا اور خاصہ کچھ اور جمادات میں رکھا
انساں کو تو نے گوہر دانش عطا کیا حق یہ کوئی کریم نہیں تجھ سا دوسرا

پھیلائے کیا کوئی میرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

کہسار سے ہیں خزانے اجاڑ کے بھرپور سیم و زر سے ہیں دامن پہاڑ کے
بیٹے پہ تو جو آئے بنا دے بگاڑ کے دے جس پہ تیرا فضل ہو چھپر کو پھاڑ کے

پھیلائے کیا کوئی میرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

یا رب [illegible] عام ہے مخلوق پر تیرا کیا جبر بارگاہ سے محروم جائیگا
یا رب [illegible] میرے دل کا مدعا روشن ہے تجھ پہ پھر میں پھیلاؤں ہاتھ کیا

پھیلائے کیا کوئی میرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

([illegible])

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۲۵

Morad 6.11.08

ترقی

ایک علمی اخلاقی تمدنی ادبی مجلسی تاریخی اور صنعتی مضامین کا ماہوار رسالہ

قیمت سالانہ دو روپیہ آٹھ آنہ مع محصولڈاک پیشگی یا بذریعہ ویلیو ایبل

جلد ۷	لاہور ستمبر ۱۹۰۸ء	نمبر ۹

فہرست مضامین

فہرستِ کتبِ جدید

مشرق کی نابود شدہ تہذیب - جس میں قدیمی اقوام مثل فینکی - ایرانی - عرب - بابل وغیرہ کے حالات درج ہیں - قیمت ۶ر

قدما کی حکمت - جس میں لارڈ بیکن نے یونانیوں و رومیوں کے علم الاصنام میں سے مسائل حکمت نکالنے کی کوشش کی ہے - قیمت ۶ر

اوٹوپیا - جس میں ایک خیالی قوم کی طرز معاشرت و اصول حکمت وغیرہ ایک ناول کے پیرائے میں ایک فلاسفر نے اپنے خیال ظاہر کئے ہیں - قیمت ۶ر

آویس - رومی قیصروں کے عہد کا دلچسپ فسانہ - قیمت ۸ر

آنے والی قوم - نہایت دلچسپ علمی ناول ہے - قیمت ۸ر

علوم طبعیہ کی تاریخ - اٹھارھویں صدی کے آخر تک جس میں تمام تجربات سود یافتنی اور علمی ایجادوں کا مفصل حال درج ہے - قیمت عہ

علوم طبعیہ کی تاریخ - اُنیسویں صدی میں - قیمت ۸ر

طلسم - سر والٹر اسکاٹ کے مشہور ناول طلسمان کا ترجمہ جس میں صلیبی لڑائیوں کے نہایت دلچسپ حالات ناول کے طرز پر بیان ہوئے ہیں - قیمت ۱۲ر

مکالمات افلاطون - جس میں افلاطون کے چار مکالمات تمام و کمال یونانی سے ترجمہ کئے گئے ہیں - اور اُردو میں پہلی دفعہ شائع ہوئے ہیں - قیمت عمر

تسخیر پنجاب - جس میں پنجاب کے انگریزوں کے قبضے میں آنے کا حال بطور ناول کے بیان کیا گیا ہے - نہایت دلچسپ ہے - قیمت ۸ر

ڈاکٹر جےکش و میاں حمید - یہ ایک آدمی تھا - لیکن دو جسم رکھتا تھا - قیمت ۶ر

جان ہلیفکس جنٹلمین - ایک نہایت دلچسپ انگریزی فسانہ ہے جس میں ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہیں کہ کس طرح وہ ادنےٰ حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی سے ترقی کر کے دولتمند ہو گیا - نوجوانوں کے لئے نہایت مفید اور ابھارنے والا ہے - جلد اوّل ۱۲ر

ترقی

لاہور - بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۸ء

ایڈیٹوریل نوٹس } پنجاب یونیورسٹی کے بعض فیلوز کی رائے ہے کہ یونیورسٹی کا مشرقی صیغہ جو عربی و سنسکرت وغیرہ کی تعلیم دینے کے لیے قائم کیا گیا تھا وہ اُس مقصد کو اچھی طرح پورا نہیں کر سکا جسکے لیے کہ وہ قائم کیا گیا تھا۔ اس بنا پر ان فیلوز نے یہ تحریک کی ہے کہ مشرقی صیغہ توڑ دیا جائے۔

جیسا کہ ظاہر ہے اس صیغہ کے ذریعے سے ہندوستانیوں کو ذیل کے فائدے پہنچتے رہے ہیں :- (۱) جو پنڈت یا مولوی انگریزی تعلیم کے خرچ کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ اسی صیغہ کی بدولت روزی کمانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اور عربی یا سنسکرت کی تعلیم حاصل کر کے سرکاری مدرسوں اور کالجوں یا امدادی مدارس میں معلم کی اسامی پر مامور کئے جاتے ہیں۔ (۲) اسی صیغہ کے ذریعہ سے بہت سے لوگ جو انگریزی زبان میں وکالت کا امتحان تیار نہیں کر سکتے تھے وکالت کے کئی درجوں میں شریک ہو کر اور روزی کما کر اپنی اور اپنے خاندانوں کی ضروریات کو آبرو کے ساتھ پورا کر لیتے تھے (۳) اسی صیغہ کے ذریعے سے عربی اور سنسکرت جیسی قدیم زبانوں اور اُن کے علوم و فنون کو زندہ رکھنے کا موقع مل سکتا تھا۔ ہمارے خیال سے یونیورسٹی کو اس صیغہ سے متعلق کوئی نئی بات کامل غور و توجہ کے بغیر نہ کرنا چاہیئے۔

ابتدائی تعلیم کا ذکر ترقی کے کالموں میں کئی بار ہو چکا ہے۔ گورنمنٹ ہند نے اس تعلیم کی بابت تمام صوبوں کی گورنمنٹوں سے رپورٹ اور رائے طلب کی تھی۔ صوبوں کی رپورٹیں اب مکمل ہو کر گورنمنٹ ہند کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ اور ایسا کہا جاتا

کہ ان رپورٹوں کا کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور نکلیگا - اگرچہ صوبوں کی رپورٹوں میں یہ تائید نہیں کی گئی کہ ابتدائی تعلیم مفت دی جاے - لیکن یہ راے ضرور دی ہے کہ منضبط اصول پر مدرسوں کی تعداد میں معقول اضافہ کیا جاے - تاکہ ہندوستان کے ہر فرقے اور ہر طبقے کے لوگوں کو فائدہ اُٹھانے کا موقع مل سکے - ابتدائی تعلیم کا سوال اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ اُس پر گورنمنٹ ہند کو بڑا غور و خوض کرنا پڑیگا - ہمیں گورنمنٹ کی ذات سے اُمید ہے کہ وہ اس سوال کے حل کرنے میں دور اندیشی سے کام لیگی اور اہل ہند کو نفع پہنچانے میں فیاضی کو روا رکھیگی - اب بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیم کے ذریعے سے عام ہندوستانیوں میں حقیقی روشنی پھیلانے کے لئے کوشش کی جائے +

نوجوان ہندوستانی جو انگلستان میں تعلیم حاصل کرنے جاتے تھے وہ علاوہ تعلیم کے پولیٹکل معاملات میں زیادہ مصروف رہتے تھے - اور اکثر مضر پولیٹکل خیالات کے اثر میں آجاتے تھے - اور واپسی پر ہندوستان میں آکر قومی نفرت اور انقلاب کی باتوں کو پھیلاتے تھے - صاحب وزیر ہند نے یہ تجویز کیا کہ ایک کمیشن کے ذریعے سے ایسی تدبیریں سوچی جائیں جن کے ذریعے سے ہندوستانی قیام انگلستان کے زمانہ میں نقصان دہ پولیٹکل خیالات کے بُرے اثر سے محفوظ رہ سکیں - چنانچہ تجویز کیا گیا ہے کہ ایک ایسا افسر جو ہندوستانیوں کے رسم و رواج سے واقف ہو اُن کی مشکلات کے دُور کرنے اور اُنھیں دوستانہ مشوروں سے بُرے پولیٹکل اثر سے محفوظ رکھ سکے مقرر کیا جاے - اور ایک کمیٹی اُن تین کمیٹیوں میں سے جو پیشتر سے ہندوستانی طلبا کی مدد کے لئے انگلستان میں موجود ہیں بنائی جاے تو ہندوستانیوں کی راحت کا سامان کرے - اُن کو عمدہ انگریزی سوسائٹی کے اثر میں لائے اور اُن کی مشکلات کو دُور کرے - صاحب وزیر ہند کی یہ تجویز نہایت مفید ہے اور اُس سے ہندوستانیوں کو بیحد نفع پہنچنے کی اُمید کی جاتی ہے - اس تجویز کی ایک راے یہ ہے کہ نگرانی سرکاری طور پر نہیں ہوگی - بلکہ غیر سرکاری طور پر اور دوستانہ طریقہ میں +

دلچسپ علمی خبریں اور ایجادیں

لندن ڈبلیو۔سی۔ ۱۴۷۔ اسٹرینڈ میں ہندوستانیوں اور انگریزوں نے مل کر ایک تجارتی کمپنی قائم کی ہے۔ جسکے منیجر ایک بنگالی صاحب ہیں۔ منیجر صاحب ایک کتاب لکھ رہے ہیں جس میں مختلف قسم کی ایسی کلوں اور اوزاروں کے حالات درج ہونگے۔ جن سے تجارت۔ زراعت اور صنعت و حرفت کا کام لیا جاتا ہے +

پیرس میں کُتّوں کی ایک پولس بنائی گئی ہے۔ کُتّوں کو مسٹر نواس سدھاتے ہیں اور اُنہیں ذیل کی باتیں سکھاتے ہیں۔ پانی میں کود کر مال یا آدمی کا نکال لانا۔ مجرموں کو شناخت کرنا۔ وارداتوں اور مال کا سراغ لگانا +

ڈاکٹر ریقارڈ نے بڑی مدت کے تجربہ کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ چھاچھ صحت بخش ہے۔ اُس میں پرورش کرنے والے اجزا اور غذائیت زیادہ ہوتی ہے وہ دودھ کی نسبت زیادہ زود ہضم ہوتا ہے۔ بعض جسمانی شکایات کو دور کرتا ہے +

تحقیقات کے ذریعے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مرض سل و دق کے بھی اجرام ہوتے ہیں جو سانس کے ذریعے سے مریض کے مُنہ سے خارج ہوتے رہتے ہیں۔ مریض سل و دق کے مُنہ کا بوسہ لینے والا ان ہی اجرام کے ذریعے سے ان امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اگر عورت ان امراض میں مبتلا ہو تو اُس کا دودھ پینے والا بچہ بھی ان امراض کا شکار ہو جاتا ہے +

دماغ بہت نازک حصہ جسم کا ہے۔ اور اُس کی صحت پر انسان کی صحت کا بہت کچھ دارومدار ہے۔ حال کی سائنٹفک اور طبی تحقیقاتوں اور تجربوں سے معلوم ہوا کہ انسان کے جسم میں زندگی کا مسکن دل۔ جگر یا پھیپھڑہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مسکن دماغ کا ایک حصہ ہے۔ اس حصہ میں جو دماغ کا پچھلا حصہ ہے گلٹیاں ہوتی ہیں جن میں سے ایک قسم کا چپکیلا مادہ نکلتا ہے۔ یہی مادہ دراصل زندگی کا باعث ہے۔ اور جہاں وہ رہتا ہے وہی جگہ مسکن حیات کہلاتی ہے +

جنوبی فرانس کے ایک مقام پر ایک دولت مند سوداگر رہتا ہے - جس کا نام ٹاراوِل ہے - اُس کی لڑکی ویلنٹائن کوئی ۴ سال ہی کی عمر میں ناچنے کے شوق میں پڑ گئی - اُس کا یہ شوق دن بدن بڑھتا ہی گیا - یہاں تک کہ وہ زیادہ تر وقت ناچنے میں لگاتی تھی - اور انسان کے سارے جذبات کا اظہار ناچتے وقت حرکات کے ذریعے کرتی تھی - وہ ناچتے ہی میں فوت بھی ہوئی - ایک دن وہ ناچتے ناچتے تھک کر فرش پر گر پڑی اور اُس کا مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا +

صحرائی حیوانات دُور بین ہوتے ہیں - اُن کو بہت دُور کی چیزیں نظر آجاتی ہیں - لیکن پالتو حیوان نزدیک بین ہوتے ہیں اور اسی لئے اُن کو تھوڑے ہی فاصلے کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں +

بنگال کے دو ڈاکٹر جو مدت سے تجربے کر رہے تھے اُنہوں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اگرچہ گوشت خوروں اور نباتات خوروں کی طاقت میں بظاہر کوئی فرق نہیں پایا جاتا - لیکن نباتات خوروں میں گوشت خوروں کی نسبت طاقت برداشت زیادہ ہوتی ہے - اس بات کا اندازہ اُن آلات کے ذریعے سے کیا گیا جو ملک بلجیم کے لوگوں نے طاقت کا اندازہ لگانے کے لئے جاری کئے ہیں +

پروفیسر لورنیہ نے جو برلن میں رہتے ہیں ایک عرصہ کے غور و فکر اور تجربات کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ انسان جس قدر زیادہ تعلیم یافتہ ہوتا ہے وہ اُسی قدر خوش رہتا ہے - اور دیہات کے لوگ اور مزدور وغیرہ جو ان پڑھ یا تھوڑے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں زیادہ قانع اور مسرور رہتے ہیں +

پروفیسر میک ڈوگل نے سائنس کے طریقوں سے جو تجربہ کیا اُس سے معلوم ہوا کہ عورتوں میں مردوں کی نسبت دقت کا اندازہ لگانے کی طاقت کم ہوتی ہے چنانچہ ایک عام مجمع میں اس نتیجہ کا اطمینان دلایا گیا - اور ۱۲۵ مرد جن کی عمر ۱۷-۲۳ سال تک تھی - اور ۲۷۴ عورتیں جن کی عمر ۱۷-۲۰ سال تک تھی اُن سے یہ اندازہ کرایا ہے - اطمینان کا انجام مردوں کے حق میں رہا +

فارسی شاعری کی انوکھی خصوصیت

(از حضرت ساغر اکبر آبادی)

ہر قوم اور ہر ملک میں یہاں تک کہ کسی قوم یا ملک کے کسی خاص علم یا فن میں بھی ایک ایسی خصوصیت پائی جاتی ہے جو اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ اگرچہ اس کی ابتدا کا پتہ لگانا اور وہ بھی تاریخی اور سائنٹفک نکتۂ خیال اور ثبوت سے جیسا کہ ہمارے اس زمانہ کا مسلمہ دستور قرار پا چکا ہے دشوار ہو۔ لیکن اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ ہر ایسی خصوصیت قدرتی خصوصیت مانی جاتی ہے۔

ہر شے کی ایک ابتدا ہوتی ہے۔ اور یہ عام کلیہ ہے کہ بغیر سبب کے کبھی نتیجے کا ظہور نہیں ہوتا۔ خواہ یہ ابتدا بُری ہو یا بھلی۔ خواہ وہ ایک خاص زمانہ کے لئے ملحوظ رکھی گئی ہو یا ہمیشہ کے لئے۔ لیکن جب اس کا رواج افراط کے ساتھ ہو جاتا ہے تو اس سے متعلق ساری باتیں مفقود ہو جاتی ہیں۔ اور وہ ایک مسلمہ اصول کی شکل میں قدم جا لیتی ہے۔ جسکا ماننا عام و خاص سب پر بمنزلۂ فرض کے ہو جاتا ہے۔

قدیم یونانی جو اپنے زمانہ میں بڑے علوم و فنون والے تھے اُن میں یہ خصوصیت تھی کہ وہ قبائل کے اوصاف کے دلدادہ تھے۔ قبائل کے اوصاف میں سب سے بڑا اور ضروری وصف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی نسل کو بالکل خالص رکھتے ہیں۔ وہ کبھی اور کسی حالت میں بھی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے کہ اُن کی نسل دوغلی ہو جائے۔ اور اگرچہ خالص النسل اقوام ہمیشہ کمزور رہتی ہیں۔ اور یہی کمزوری اُن کے زوال کا باعث ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے وجود کو شان و عظمت کے ساتھ برقرار نہیں رکھ سکتیں۔ لیکن جو بات کہ خصوصیت کے اعتبار سے مسلمہ ہو چکی ہو اُس سے گریز کرنا ناممکن سا ہو جاتا ہے۔ چونکہ یونانی اپنی اس خصوصیت کو بڑی مضبوطی سے پکڑے رہے۔ اس لئے وہ کسی دوسری قوم کے لوگوں کو اپنی قوم میں داخل نہ کر سکے۔ وہ نہ تو کسی دوسری قوم سے ناطہ قائم کر سکے اور نہ کسی دوسری قوم کے لوگوں کو تبنیت کے ذریعے سے

اپنے میں شامل کر سکے۔ برعکس یونانیوں کے رومیوں میں یہ خصوصیت تھی کہ وہ دوسری اقوام کے لوگوں کو اپنے میں ہر طریقہ سے شامل کر لیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جسمانی اور دماغی قویٰ کے اعتبار سے بڑے شہزور تھے۔ اور اپنے زمانے کی معلومہ دُنیا پر حاوی تھے۔ اُس دُنیا کا ایک بہت بڑا حصہ فتوحات کے ذریعے سے اپنے قبضے میں لے آئے تھے۔ اور جس قدر حصہ کہ فتح نہیں کر سکے تھے اُس پر بھی اُن کا اثر و اقتدار اور رعب دواب اُسی قسم کا تھا جس قسم کا فاتحوں کا ہوتا ہے +

اگر مناکحت یعنی شادی بیاہ کے اصول کی طرف نگاہ ڈالو تو اُس میں چند خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ بعض قومیں تو اس فطری اصول کی پابند ہیں کہ ایک مرد کے لئے ایک وقت میں ایک ہی عورت کافی اور ضروری ہے۔ اور اسی طرح ایک عورت کے لئے ایک وقت میں ایک مرد۔ مگر بعض اقوام اس بات کی قائل اور پابند ہیں کہ ایک مرد کے لئے ایک سے زیادہ عورتیں ایک ہی وقت میں روا ہیں۔ مگر ایک ہی عورت کے لئے ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ مرد روا نہیں ہوسکتے۔ لیکن بعض اقوام کا یہ خیال ہے کہ ایک ہی عورت ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ خاوندوں کی بیوی ہوسکتی ہے۔ اور اسی طرح ایک ہی مرد ایک سے زیادہ عورتوں کا خاوند ہوسکتا ہے۔ اب یہ تینوں اصول یا خصوصیات ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ لیکن اُن کے نقصانات و فوائد سے قطع نظر کرکے وہ ایک خاص قوم کی خصوصیت مانی جاتی رہی ہیں اور اب تک مانی جاتی ہیں۔ اگر اُن کا تاریخی یا سائنٹفک ثبوت درکار ہو تو تاریخ عالم کی اوراق گردانی سے بکثرت مل سکتا ہے +

مذکورۂ بالا علمی دلائل کے اعتبار سے فارسی زبان کی شاعری میں بھی ایک خاص اور انوکھی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ فارسی زبان کی تغزل یعنی غزل نویسی یا عاشقانہ اشعار کی بُنیاد امردوں اور سادہ رخوں کے حسن و عشق پر رکھی گئی ہے۔ یہ خصوصیت بظاہر نہایت مذموم اور قبیح اور قوانین قدرت کے اصول کے بالکل خلاف معلوم ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ اُس کا رواج فارسی زبان رکھنے والی اقوام میں ہوگیا۔ اس لئے وہ اب تک روا رکھی جاتی ہے۔ اور نہ صرف

روا رکھی جاتی ہے - بلکہ نہایت عمدہ - باصواب - بے نقص اور خوشتر و خوبتر سمجھی جاتی ہے - اور فارسی زبان اور اُس سے پیدا ہونے والی زبانوں کے شعرا اُس سے کسی حالت میں بھی دست بردار نہیں ہو سکتے - اور باوجود اُسکے بظاہر قابل اعتراض ہونے کے بھی اُسکے دامن کو زیادہ زیادہ مضبوطی کے ساتھ پکڑتے جاتے ہیں +

فارسی زبان کے شعرا کا اور اُن کی پیروی میں ہماری اردو زبان کے شعرا کا یہ دستور رہا ہے کہ شاعر خواہ مرد ہو یا عورت - خواہ رند ہو یا صوفی - خواہ خدا کا عاشق ہو یا مخلوق کا - خواہ مرد کا عاشق ہو یا عورت کا ہمیشہ غزل ایسے عنوان اور ایسے اسلوب سے لکھتا ہے جس سے صاف طور پر یہ ظاہر و آشکارا ہوتا ہے کہ شاعر کسی کا عاشق اور دلدادہ ہے - اور یہ کہ شاعر اور اُس کا معشوق دونوں ہی مرد ہیں - صاف لفظوں میں اس کے یہ معنی ہوئے کہ مرد مرد کا عاشق ہے - اور یہ بات جیسا کہ ہم اشارۃً بیان کر چکے ہیں بہت ہی بُری اور قوانین قدرت کے بالکل خلاف معلوم ہوتی ہے - اور جو لوگ کہ قوانین قدرت کے ماننے اور اُن کی پابندی کرنے والے وہ فارسی زبان کے شعرا پر نہ صرف ایک بُرا الزام ہی جو ناقابل معافی ہے لگاتے ہیں - بلکہ ان کو نشانۂ ملامت اور گنہگار سمجھکر گردن زدنی قرار دیتے ہیں +

فارسی زبان کی یہ خصوصیت چاہے کیسی ہی بُری سہی - لیکن چونکہ اُس کا ایک بار فارسی زبان میں رواج ہو گیا - اس لئے اب تک وہ اپنے سابقہ اقتدار کے ساتھ فارسی لٹریچر اور لٹریچر بنانے والوں اور مطالعہ کرنے والوں پر من مانی حکمرانی کر رہی ہے - فارسی زبان کی اس خصوصیت کے مقابلہ میں اگر اور زبانوں کی اسی قسم اور اسی نوع کی خصوصیت کو دیکھا جائے تو وہاں معاملہ ہی کچھ اور نظر آتا ہے - اس میں تو کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ عاشق مرد - عورت دونوں ہی ہو سکتے ہیں - اور اسی طرح معشوق بھی دونوں ہی ہو سکتے ہیں - اگر مرد عاشق ہے تو اظہار الفت عورت کے ساتھ کرتا ہے - اور اگر عورت عاشق ہے تو اظہار تعشق مرد کے ساتھ کرتی ہے - لیکن فارسی زبان میں تو عاشق خواہ مرد ہو یا عورت لیکن اظہار تعشق کا پیرایہ یہ ہے کہ مرد مرد کے ساتھ اظہار کرتا ہے +

عربی زبان کی شاعری میں یہ خصوصیت ہے کہ شاعر اپنے کو مرد اور معشوق کو عورت تصور کر لیتا ہے۔اور پھر تغزل یا عاشقانہ اشعار میں اظہار عشق اس طریقہ میں کرتا ہے کہ ایک عاشق مرد ایک معشوق عورت سے خطاب کر رہا ہے یا اُس کی نسبت کچھ کہہ رہا ہے۔عربی زبان کی ایک خصوصیت بالکل قوانین فطرت کے مطابق ہے۔ اور اسی لئے اُس پر آج تک کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا گیا +

سنسکرت اور اُس کی بیٹی ہندی بھاشا کی شاعری کی یہ خصوصیت ہے کہ شاعر خواہ مرد ہو یا عورت -خواہ دُنیادار ہو یا تارک الدنیا -خواہ عشق حقیقی رکھتا ہو یا عشق مجازی مرد کا عاشق ہو یا عورت کا -مگر عاشقانہ نظم یا اشعار ایسے پیرایہ یا الفاظ میں لکھتا ہے جس سے یہ صاف طور پر مترشح ہوتا ہے کہ شاعر یا عاشق عورت ہے اور اُسکا معشوق مرد ہے -گویا شاعری میں عاشق تو ہمیشہ عورت ہوتی ہے اور مرد معشوق - یہ خصوصیت بھی قوانین قدرت کے عین مطابق ہے - اسی لئے وہ اچھی سمجھی جاتی ہے -لوگ اُسے سراہتے ہیں-اور آج تک اُس پر کبھی بھی اور کسی قسم کا بھی اعتراض وارد نہیں کیا گیا +

بر سبیل تذکرہ یہ کہنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص تین زبانوں یعنی عربی -فارسی -ہندی میں شعر کہنے کی قدرت رکھتا ہو تو اُسے تین جداگانہ موقعوں پر تین خصوصیات ملحوظ رکھنا پڑینگی -وہ ہر زبان کے دستور کے مطابق کہیں اپنے کو مرد اور معشوق کو عورت ظاہر کریگا -یعنی اظہار عشق ایک مرد کو ایک عورت کے ساتھ کرنا پڑیگا -کہیں وہ اپنے کو عورت اور معشوق کو مرد ظاہر کریگا -یعنی اظہار الفت ایک عورت کو ایک مرد سے کرنا ہوگا - اور کہیں وہ اپنے کو مرد اور معشوق کو بھی اپنی مانند مرد ظاہر کریگا -یعنی اظہار تعشق ایک مرد کو ایک دوسرے مرد ہی کے ساتھ کرنا پڑیگا +

اس قسم کا ایک شاعر تو دہلی میں گزرا ہے -جس کا نام حضرت امیر خسرو تھا اُنکی فارسی غزلوں سے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ کسی سادہ رخ اور بے خط و خال والے لڑکے پر مفتون ہیں -اُن کے ہندی دوہروں سے یہ آشکارا ہوتا ہے کہ ایک عورت اپنے

دلفریب اور پیارے خاوند یا عاشق کے عشق میں ہمہ تن بیقرار اور ماہئی بے آب کی طرح بیتاب ہے۔ اور اُنکے عربی قصائد کی تشبیہوں سے یہ بات بالکل عیاں ہوتی ہے کہ ایک مرد اپنی پیاری اور چہیتی بیوی یا معشوقہ کی یاد میں مضطر و بیقرار ہے۔

عربی۔ فارسی یا اُردو اور ہندی زبان کی تین خصوصیات سے یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ خصوصیات اصلی یا حقیقی نہیں ہیں۔ بلکہ فرضی اور اصطلاحی عنوان ہیں جن کا حقیقت واقعی سے کوئی واسطہ اور کوئی علاقہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک خاص بات کے اظہار کے لئے مقرر اور وضع کی گئی تھیں اور اُس وقت سے لیکر آج تک اُسی شکل میں چلی آئی ہیں۔ جس طرح ہزاروں پارسا اور پرہیزگار شاعر گزرے ہیں۔ جنہوں نے نہ کبھی شراب کا مزا چکھا اور نہ کبھی اُسکی صورت دیکھی۔ نہ اُسکی بُو سونگھی مگر صدہا اشعار شراب کباب اور حسن و عشق کی تعریف میں لکھ ڈالے اور اب بھی لکھتے رہتے ہیں۔ اُسی طرح فارسی یا اُردو زبان کے ہزاروں پاکباز اور صاحب عفت شعرا اشعار لکھتے وقت تھوڑی دیر کے لئے امرد پرست اور شاہد باز اور غلمان طلب بن جاتے ہیں۔ اگرچہ اس سے مشرقی شاعری اور خصوصاً فارسی اور اُردو شاعری کی حد سے زیادہ بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے جس کے اصول وضوابط اور فروع سب تصنع اور بناوٹ پر مبنی ہیں۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ فارسی یا اُردو زبان کی یہ انوکھی خصوصیت صرف اِدّعائے محض کا ذریعہ اور پیرایہ ہے۔ اگرچہ لوگ اس خصوصیت پر طرح طرح کے اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ اعتراض اُن ہی لوگوں کی طرف سے کئے جاتے ہیں جو کوچۂ شاعری اور اُسکے رموز سے نابلد ہیں۔ سچی اور پُر لطف بات تو یہ ہے کہ کنایہ جو شاعری کی جان اور زینت ہے ہمیشہ صراحت سے زیادہ فصیح اور بلیغ ہوتا ہے۔ اور چونکہ دوست کا ذکر ہمیشہ اغیار سے چھپایا جاتا ہے اس لئے اُس کے واسطے کنایہ یا اِدّعائے محض سے کام لیا جاتا ہے۔ جس کا بہترین ثبوت حضرت مولانائے روم کے اس شعر سے ملتا ہے کہ ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں — گفتہ آید در حدیث دیگراں

قدرت کا یہ منشا رہا ہے کہ ہر بات کو رازداری کے ساتھ رکھا جائے اور ہر بات

کے لئے ایک راز مخصوص رہے۔ یہی وجہ ہے کہ سارے انسان قدرت کی تمام
باتوں کے ماہر نہیں ہو سکتے ہیں۔ اور اسی لئے اُن پر معترض بھی ہوتے ہیں۔ لیکن
خاص خاص دماغ ان باتوں کو معلوم و منکشف کر لیتے ہیں اور جب اُن کا اظہار
عوام النّاس پر کیا جاتا ہے تو اُن کو بڑی ہی حیرت ہوتی ہے۔ مگر جب وہ اُن کو
سمجھ جاتے ہیں تو اپنے اعتراض سے دست بردار ہو کر پشیمان ہوتے ہیں اور
اقرار کرتے ہیں کہ اُن باتوں سے بڑھکر اور اچھی باتیں ہو ہی نہیں سکتی ہیں۔ قدرت
کے اس اصول سے بھی فارسی زبان کی اُس خصوصیت کا جو زیر بحث ہے بے نقص
ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ خصوصیت اپنی نوعیت
اور مدّعا کے اعتبار سے محض کنایہ ہی کنایہ ہے۔ جو ایک خاص بات یا خاص رمز
کے بہتر اور خوشتر طریقہ میں ظاہر کرنے کے لئے وضع کی گئی تھی۔ اور اسی لحاظ سے
اب تک فارسی اور اردو شعرا میں نہایت مقبول ہے۔

اکثر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ فارسی زبان کے شعرا نے تغزل کی بنیاد امرد پرستی
پر کیوں رکھی؟ اس سوال کا نکتۂ شاعری کے اعتبار سے بہترین جواب تو مذکورہ بالا
بحث ہے۔ لیکن اب ہم اُس کا ایک اور بدیہی طریقہ میں بھی دیتے ہیں تاکہ کسی کو
اعتراض کے لئے کوئی گنجائش ہی نہ رہے۔

عربی زبان کی شاعری میں شاعر اپنے کو مرد اور معشوق کو عورت قرار دیتا ہے
اور ہندی زبان کی شاعری میں اپنے کو عورت اور معشوق کو مرد۔ اور یہ دونوں طریقے
نیچر کے مطابق ہیں۔ مگر فارسی زبان میں مرد کا مرد پر فریفتہ ہونا اور اُس سے
وصل کا طالب ہونا نیچر کے خلاف ہے۔ اور اگرچہ وہ محض کنایہ یا ادّعا محض یا
محض زبانی جمع خرچ کیوں نہ ہو۔ لیکن ایک ایسا طریقہ ہے جس سے فطرت انسانی
کو دور ہی رہنا چاہئے۔ مگر اس کے دو سبب ہیں:۔

(۱) فارسی زبان میں عربی اور ہندی زبان کی طرح تذکیر و تانیث کا تفرقہ نہیں
ہے اور اُس میں ضمیریں۔ افعال اور صفات مرد اور عورت دونوں کے لئے
یکساں لائی جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ قدیم فارسی میں بھی شعرا ہندی کی طرح اپنے کو

عورت اور معشوق کو مرد باندھتے ہوں یا عربی کی طرح اپنے کو مرد اور معشوق کو عورت باندھتے ہوں۔ لیکن اُس زمانہ کی شاعری شاعری نہیں کہی جاتی ہے۔ اس لئے ہم اُس پر کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن چونکہ قدیم فارسی میں شاعر عموماً مرد ہوتے تھے اور ضمائر۔ افعال اور صفات وغیرہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا تھا کہ شاعر نے اپنے کو مرد فرض کیا ہے یا عورت۔ اس لئے رفتہ رفتہ یہ خیال پیدا ہوگیا کہ فارسی شاعری میں مرد اور عورت دونوں مرد ہی فرض کئے جاتے ہیں۔ اگر غائر نظر سے دیکھا جاے تو یہ ایک ایسی توجیہ ہے جسکے صحیح ہونے میں کچھ تھوڑا ہی سا شبہ باقی رہ جاتا ہے۔ جسے شبہ نہیں کہہ سکتے +

(۲) عرب میں ظہور اسلام سے پیشتر عورتوں کے لئے پردہ نہیں تھا۔ مگر اسلام نے اُن کے لئے پردہ روا کردیا۔ اور عورتوں کا مردوں سے چھپنا مذہبی فرائض میں داخل ہوگیا۔ جب مسلمانوں نے فارس کو فتح کیا تو وہاں بھی عورتوں کے لئے پردہ ضروری قرار دیا گیا۔ مسلمان مردوں اور خصوصاً بادشاہوں میں تو عورت کا مردوں کی نگاہوں سے اوجھل رہنا نہایت ضروری ہوگیا۔ اور اسی سبب سے مسلمانوں میں یہ غیرت پیدا ہوگئی کہ وہ عشق و عاشقی کی باتوں اور شاعری میں عورتوں کا ذکر نہ کریں اور اگر کریں تو ایسے پیرایہ میں کہ وہ ذکر عورتوں کا نہ سمجھا جاے +

فرانسیسی سیاح ڈاکٹر برنیر جو ہندوستان میں شاہ عالمگیر کے ساتھ ۱۲ سال رہا اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "ہندوستان میں جب بادشاہ سفر کرتا ہے تو بیگمات کی سواری کے نزدیک کوئی شخص بھی چاہے وہ کیسا ہی ذی رتبہ اور صاحب اعتبار ہو نہیں جانے پاتا۔ اور اگر کوئی شخص نزدیک جاے تو خواجہ سرا اور خواصیں اُسکی بڑی دُرگت کرتی ہیں۔ اور سُنا گیا ہے کہ فارس میں اگر کوئی شخص بیگمات کی سواری سے آدھے فرسنگ کے فاصلے پر نظر پڑے تو اُسکے لئے سزاے موت ہے اور جس شہر یا گاؤں میں بیگمات کی سواری نکلتی ہے وہاں کے تمام مرد اور عورت اپنے اپنے مقام اور مسکن کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں" +

اگرچہ اس بیان میں مبالغہ ہو۔ لیکن اس سے یہ ضرور ثابت اور ظاہر ہوتا ہے

کہ مسلمانوں اور خصوصاً مسلمان بادشاہوں میں غیرت حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ اور چونکہ شعرا اکثر بادشاہوں ہی کے مدّاح اور مصاحب ہوتے تھے۔ اس لئے وہ کوئی بات سلاطین کے مقتضائے مزاج کے خلاف اشعار میں درج نہیں کرتے تھے۔ پس گمان غالب ہے کہ شعرا نے غزل اور تشبیب میں عورتوں کے حسن جمال کا ذکر اور جو معاملات عشق کے زمانہ میں عاشق و معشوق کے درمیان ہوتے تھے انکو صاف صاف بیان کرنا سلاطین کی حمیت اور غیرت کے خلاف سمجھا ہو۔ اس لئے ایسے سارے مضامین امردوں اور سادہ رخوں پر ڈھالے گئے ہوں +

* عشق بازی کے مضامین کو ایک نہایت پُر لطف پیرایہ میں ظاہر کیا جاتا ہے *

سلاطین مغلیہ میں سے شاہ جہانگیر کے عہد میں ایک واقعہ گزرا ہے جو اس خیال کی تائید کرتا ہے۔ ایک موقع پر جہانگیر کے روبرو قوّال امیر خسرو کی غزل گا رہا تھا اور بادشاہ غزل کو سن کر بہت محظوظ و مسرور ہو رہا تھا۔ جب قوال اس شعر پر پہنچا کہ ؎

توشبانہ می نمائی بہ برِ کہ بودی امشب   کہ ہنوز چشم مستت اثرِ خمار دارد

تو بادشاہ یکایک بگڑ گیا اور قوّال کو پٹوا کر نکلوا دیا۔ اور نہایت برہم ہو گیا۔ اسوقت مُلّا نقشی مہرکن کو جسکا بادشاہ بہت لحاظ کرتا تھا بلوایا گیا۔ اُس نے بادشاہ سے دریافت کیا کہ اسقدر غیظ و غضب کیوں ہے تو بادشاہ نے جواب دیا کہ امیر خسرو نے شعر میں کیسی بے غیرتی کا مضمون باندھا ہے۔ بھلا کوئی غیرت مند شخص اپنی بیوی یا معشوقہ سے ایسی بے غیرتی کی بات کہہ سکتا ہے مُلّا نقشی نے شعر کی یہ توجیہ کرکے بادشاہ کا غصہ فرو کر دیا کہ "چونکہ امیر خسرو نے ہندوستان میں نشو و نما پایا تھا اس لئے وہ اکثر ہندوستان کی شاعری کے اصول کے موافق شعر کہتے تھے۔ اور یہ شعر بھی اسی قسم کا ہے۔ جس میں عورت اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ تو رات کو کسی غیر عورت کے ہاں رہا ہے۔ کیونکہ اب تک تیری آنکھوں میں نشہ کا یا نیند کا خمار پایا جاتا ہے"۔

مذکورہ بالا دونوں سبب کا لب لباب یہ ہے کہ ایک تو فارسی زبان میں ضمیریں افعال اور صفات مرد اور عورت دونوں کے لئے یکساں ہیں۔ دوسرے مسلمان ہونے کے باعث فارسی شعرا میں عورتوں کی عزت کا خیال زیادہ ہو گیا۔ اسلئے سارے عاشقانہ مضامین جو مرد اور عورت کے باہمی تعلقات اور حسن و عشق کی باتوں سے متعلق ہیں وہ ایک ایسے پیرایہ میں لکھے جاتے ہیں کہ جو عورتوں کی عصمت و عفت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ اور اس قسم کی ساری باتیں امردوں پر ڈھالی جاتی ہیں۔ اس ساری بحث سے جو اس مضمون میں کی گئی فارسی زبان کی ایک اور بھی خصوصیت محض کنایہ ہے

تحریر اور سامانِ تحریر

از بابو اموک رام صاحب سب ڈویژنل کلرک دفتر سپرنٹنڈ سب ڈویژن
گورنمنٹ ٹیلیگراف ڈپارٹمنٹ شملہ

فن تحریر بھی کیا ہی عجیب اور کیا ہی مفید شے ہے۔ جس قدر نفع بنی انسان کو اس فن کی طفیل حاصل ہوا اُس قدر کسی دوسرے فن سے نہیں ہو سکا۔ اگر یہ فن معرض دریافت میں نہ آیا ہوتا تو یقیناً علوم و فنون اور تہذیب و شائستگی کی وہ باتیں جو سرمایۂ ناز سمجھی جاتی رہی ہیں۔ اور جن کے ہوتے ہوئے کوئی قوم صاحب عزت و اقبال اور مہذب کہلاتی ہے وہ ہم تک نہ پہنچ سکتیں۔ اور نہ قدما کی محنتوں۔ کوششوں۔ دریافتو ایجادوں اور کارناموں سے لوگ آشنا ہو سکتے +

اس میں شبہ کو گنجائش نہیں کہ جب انسان نے وحشی زندگی کو خیرباد کہا تو اُس نے ضروریات رفع کرنے کے لئے نئی نئی باتیں ایجاد کرنا شروع کیں۔ ان ہی باتو میں سے ایک فن تحریر ہے جس کا رواج روے زمین پر بہت قدیم زمانہ میں ہو چکا تھا۔ حالانکہ وہ رواج موجودہ شکل میں بہت مدت بعد آیا +

سب سے پہلی قسم کی تحریر وہ تھی جسے انگریزی زبان میں ہیروگلیفکس یعنی "تصاویر کی تحریر" کہتے ہیں۔ اس کا رواج اب تک وحشی اقوام میں پایا جاتا ہے اس تحریر میں یہ بات تھی کہ جس بات کا اظہار کرنا مقصود ہوتا تھا اُسکی ایک تصویر بنادی جاتی تھی۔ اور یوں لفظوں اور جملوں کی جگہ انسانوں۔ حیوانوں اور دیگر اشیا کی بہت سی تصاویر بنانی پڑتی تھیں۔ اگرچہ اس قسم کی تحریر کی زمین کو مختلف قسم کی تصاویر کے گل و بوٹے سے مزین کیا جاتا تھا۔ لیکن ذرا سے مدعا کے لئے بہت بڑا باغ لگانا پڑتا تھا +

اوّل اوّل "تصاویر کی تحریر" ہڈیوں کے ٹکڑوں پر کندہ کی جاتی تھیں۔ پھر پتھر کے ٹکڑوں پر کندہ ہونے لگیں اور پھر چمڑے یا کاغذ کے ٹکڑوں پر۔ اہل مصر

میں بھی اس قسم کی تحریر کا رواج تھا۔ تصاویر کی تحریر ہی سے رفتہ رفتہ "علامات کی تحریر" کا ظہور ہوا۔ اور یہ علامات لفظوں۔ جملوں اور باتوں کے قائم مقام قرار دئے گئے۔ نہایت پرانی قسم کی "علامات کی تحریر" وہ سمجھی جاتی ہیں جن کا رواج اب تک چین میں ہے یا قدیم زمانہ میں بابل میں تھا۔

جن چیزوں پر تحریر ثبت کی جاتی تھی یا اب کی جاتی ہے وہ مختلف قسم کی تھیں۔ اُن میں سے چند ایک کا ذکر ذیل میں نذر ناظرین کیا جاتا ہے :۔

۱۔ لوگ کاغذ بنانے کی دریافت سے بہت زمانہ پہلے ہی نوشت و خواند (لکھنے پڑھنے کے ہنر) سے واقف ہو چکے تھے۔ اور اُنھوں نے کئی تجاویز ایسی نکالی تھیں کہ جن سے وہ اپنی تحریرات کو محفوظ رکھ سکیں۔ پتھروں پر حروف کاٹنا شاید سب سے پہلے طرز کی تحریر تھی۔ بہت پُرانی تحریر جو اب ہندوستان میں پائی جاتی ہے وہ مہاراجہ اشوک اعظم کے کتبے ہیں جو پتھروں پر کندہ ہیں۔ مہاراجہ اشوک بودھ دھرم کا حامی و سرپرست تھا۔ وہ تقریباً ۲۴۰ سال قبل پیدائش مسیح میں گزرا ہے۔

۲۔ اہل اسیریا (ملک اسوریہ کے لوگ) تین ہزار برس ہوئے۔ اینٹوں پر ایسے حروف چھاپتے تھے۔ جو پتھر کی شکل یعنی تکونیہ ہوتے تھے اور اُن اینٹوں کو بعد میں آگ میں پکا لیتے تھے۔ ابھی چند ہی سال گزرے ہونگے کہ شہر نینوہ کے کھنڈرات کو کھودا گیا۔ اور بہت سی اینٹیں ایسی چھاپ یا نقش والی برآمد ہوئی ہیں۔

۳۔ قدیم زمانہ میں اہم وضروری کاموں کے لئے دھات کی تختیاں استعمال ہوتی تھیں۔ اہل روم میں یہ دستور تھا کہ اپنے ضوابط قوانین و دستاویزات و کاغذات سرکاری کو پیتل کی تختیوں پر کندہ کرا کر محفوظ رکھتے تھے۔ ہندوستان میں بعض مندروں کی اراضیات معافی و وقف سے متعلق پٹے و فرمان جو تانبے کے پتروں یا تختی پر کندہ کئے گئے تھے اب تک پائے جاتے ہیں۔

۴۔ بسا اوقات لکڑی استعمال کی جاتی تھی۔ بعض اوقات لکڑی کی پٹریوں یا تختیوں پر نقش و حروف کندہ کئے جاتے تھے۔ یا اُن پر کاٹ دئے جاتے تھے۔

یا موم کا ہلکا پرت لکڑی کے اوپر لگایا جاتا تھا۔ اور پھر موم کے اوپر حروف کھینچ دئے جاتے تھے۔ قدیم زمانہ میں وہ حروف جو لوگ ایک دوسرے کے پاس بھیجتے تھے۔ اکثر لکڑیوں کی تختیوں پر لکھے جاتے تھے۔ مختلف حروف یا لکڑی کے ٹکڑوں کو دھاگہ یا ڈورے سے باہم باندھ دیتے تھے۔ اور گانٹھ پر ایک مہر لگا دیتے تھے تاکہ جو اس میں لکھا ہوا ہے اُسے کوئی شخص مہر توڑے بغیر نہ پڑھ سکے۔ ایسی چوبی تختیاں علی العموم مدارس میں استعمال ہوتی تھیں *

۵ - ابتدائی زمانہ میں درختوں کے پتّر (پتّے) تحریر کے لئے کام میں آتے تھے۔ ہندی میں لفظ پترہ پتر سے نکلا۔ ہے جسکے معنے اس تحریر کے ہیں جو برگ درخت پر لکھی گئی ہو۔ فارسی میں اس کا مترادف یعنی "برگ" پتّے کے معنوں میں آتا ہے۔ سنسکرت میں (वर्ग) ورگ یا برگ ایک باب یا ادھیائے کے معنوں میں آتا ہے۔ برگ سے ورق بنا ہے۔ ورق دو طرفہ تحریر کو کہتے ہیں۔ قدیم زمانہ کے بہت سے مصنفوں نے ان کا ذکر اپنی تصانیف میں کیا ہے۔ یہ درختوں کے پتّے اب بھی بعض ممالک میں بہت استعمال ہوتے ہیں۔ ہند میں بھوج پتر اور تال پتر پر بہت سے لکھے ہوئے شاستر و گرنتھ ابتک موجود ہیں *

۶ - قدیم زمانہ میں بعض اوقات کپڑا بھی تحریر کے لئے برتا جاتا تھا۔ اہل مصر علے الخصوص کتان اس مطلب کے لئے کام میں لاتے تھے۔ اُن کی بہت سی کتابیں کتان کی آج تک موجود ہیں۔ یہ کتب ممیز (Mummies مصالح لگی ہوئی نعشوں) کے کفن میں ملتی ہیں۔ قدیم زمانہ میں اہل مصر میں یہ رواج تھا کہ جب کوئی شخص مرجاتا تھا۔ تو مصری اپنے عقیدہ کے مطابق مُردہ کے ساتھ ایسی کپڑے کی کتب مقدسہ مخروطی میناروں میں رکھ دیتے تھے۔ وہ اپنے مُردوں کے پیٹ میں ایک قسم کا مصالح بھر دیتے تھے۔ تاکہ اُن کا جسم سڑنے نہ پائے۔ بلکہ ہمیشہ تک قائم رہے۔ بوسیدہ و گندہ نہ ہوجاوے۔ ایسے مصالح بھرے ہوئے مُردے کو انگریزی میں ممیز کہتے ہیں۔ یا یوں کہئے۔ مردہ لاشیں۔ یا نعشیں مصالح میں محفوظ رکھی ہوئیں *

۷ - جانوروں کی کھالیں بھی تحریر کے لئے کام آتی تھیں - یہ چمڑی کتابیں لمبے لمبے رول (Roll) یعنی بیلن یا مکتوب کی شکل میں ہوتی تھیں - بہت سے ایسے مکتوب ابتک موجود ہیں - اُن میں سے بعض لمبائی میں سو فیٹ سے زیادہ ہیں - یہ رول تقریباً ایک فٹ چوڑے ہوتے ہیں - اُن کے اوپر کی تحریر صفحہ دار ہوتی تھی یہ کتابیں دیکھنے میں ایسی معلوم ہوتی تھیں کہ چھوٹے چھوٹے نقشے رولر پر چڑھے ہوئے ہیں - اہل روم اس قسم کی کتاب کو (Volumen) ولیومن یعنی رول (مکتوب) کہتے تھے - اسی لفظ سے انگریزی لفظ ولیوم (Volume) نکلا ہے اسکے کچھ زمانہ بعد بکریوں - بھیڑوں کی کھال سے پارچمنٹ (Parchment) چمڑے کی دستاویز بنائے گئے - یہ بڑی اہم تحریریات کے لئے استعمال ہوتے تھے - وجہ یہ تھی کہ یہ آسانی سے پھٹ نہیں سکتے تھے +

۸ - درختوں کی چھال جملہ ممالک میں تحریر کے کام کے لئے مستعمل ہوتی رہی ہے لاطینی لفظ (Liber) لائبر یعنی کتاب ابتدا میں درختوں کے اندر کی چھال کے لئے استعمال ہوتا تھا - اس لفظ سے مجموعہ کتب کا نام انگریزی میں لائبریری (Library) یعنی کتب خانہ کہلانے لگا +

کئی سو برس گزرے کہ انگلستان میں جو لوگ رہتے تھے وہ (Beeches) درخت بیٹ کی چھال پر تحریر کیا کرتے تھے - قدیم ایام میں بائیبل کے دستی نسخے بہت گراں قیمت پر بکتے تھے - ہندوستان میں بھوج پتر پر لکھے ہوئے صحیفہ قدسیہ کے دستی نسخے بہت گراں داموں کو آتے تھے اور اب بھی گراں دستیاب ہوتے ہیں اُس چھال کو لوگ (Boc) بوک کہکر پکارتے تھے - اُسی سے ہی انگریزی لفظ (Book) بُک بنا ہے +

قدیم زمانہ میں ایک اَور شئے کو تحریر کے کام میں لاتے تھے وہ ایک قسم کا کاغذ تھا جسے انگریزی میں (Paper) پیپر کہتے ہیں - وہ ملک مصر میں ہوتا ہے جس کو (Papyrus) پپے پیرس یا (Biblos) بِب لوس کہتے ہیں - اہل مصر و یونان و روم اس قسم کا غذ کو بہت استعمال کرتے تھے - انگریزی

لفظ پیپر اُس کے یونانی نام سے نکلا ہے۔ یونانی لفظ (Biblion) ببلی اون جسکے معنی کتاب کے ہیں اور جو مصری نام سے نکلا ہے وہ انگریزی لفظ بائبل کا مخرج ہے۔ جس کے معنی کتاب کے ہیں ۔

۹ - سن عیسوی کے آغاز سے پہلے اہلِ چین کاغذ بنانے کے فن سے واقف تھے۔ وہ سبزیات کے ریشوں کو کام میں لاتے تھے جن کو وہ پیٹ کر ایک قسم کا گودہ بنا لیتے تھے۔ اور اُس گودہ یا لیس کو پھیلا کر پتلی پتلی چادر بناتے تھے ساتویں صدی میں اہلِ عرب نے چینیوں سے کاغذ سازی کا ہنر سیکھا۔ اور انہوں نے سمرقند میں اوّل اوّل اس کا کارخانہ قائم کیا تھا۔ وہاں سے وہ ملک ہسپانیہ میں جو اُس وقت غرناطہ کہلاتا تھا اور جبکہ اُسے موروں (مسلمانوں) نے فتح کر لیا تھا اپنی فتوحات کے بعد کاغذ سازی کا کارخانہ لے گئے۔ اور رفتہ رفتہ فرنگستان میں اس کا رواج ہو گیا۔ اور وہاں کے لوگ کاغذ بنانا جان گئے۔ کاغذ بنانے میں پہلے کتان۔ سوت اور چیتھڑے کام میں لائے جاتے تھے۔ تنکے اور گھاس جسے اسپارٹو بولتے ہیں اب بہت برتا جاتا ہے۔ چین والے بانس کے نرم نرم حصص کو استعمال کرتے ہیں۔ کاغذ درختوں کی چھال۔ لکڑی۔ نیشکر۔ چمڑے اور بہت سی دیگر اشیا سے بنایا جاتا ہے ۔

۱۰ - پہلے پہلے نرسلیں قلموں کے طور پر کام میں آتی تھیں۔ پر کے قلم جن کو انگریزی میں (quill) کوئل کہتے ہیں، اغلباً کاغذ کے رواج کے بعد استعمال میں آیا ہے۔ اُنیسویں صدی کے شروع میں لوہے کے قلم بننے لگے۔ اول اوّل گھٹیا قسم کے ہوتے تھے مگر اب تو وہ سستے اور عمدہ قسم کے ہوتے ہیں ۔

ہالینڈ میں ایک نئی چیز ایجاد ہوئی ہے جس کا نام لگونایٹ ہے اور جو ربڑ کی مانند لچکدار ہے۔ اُس میں پانی۔ اور تیز ادویہ کا اثر نہیں ہوتا۔ نہ وہ معمولی ٹمپریچر میں پھٹنے اور چٹخنے لگتی ہے۔ اُس میں ربڑ یا گٹا پرچہ کا کوئی جزو نہیں ہے۔ بلکہ وہ بوٹین اور کئی طرح کے روغنوں سے بنتی ہے ۔

شطرنج

غیر ملکوں کی طرح سے ہندوستان میں بھی بچوں۔ بڑوں کے دل بہلانے کے لئے یوں تو بہت سے کھیل ہیں۔ لیکن سنجیدہ لوگوں کا ایک کھیل شطرنج ہے۔ ہند میں یہ ایک ایسا عام کھیل ہے۔ کہ بہت کچھ اس کا پتا بتلانے کی ضرورت نہیں۔ کوئی شہر اور قصبہ کیا بلکہ شاید گاؤں بھی ایسا نہ ہوگا جہاں اس کا رواج نہ ہو۔ سولہ سولہ مہروں کی فوج لیکر دو آدمی ایک دوسرے کے مقابلہ میں ایک خاص چوکھونٹے نقشہ پر کھیلنے بیٹھتے ہیں مگر بعض دفعہ دیکھا گیا ہے کہ کھلاڑی کھیل میں ایسے مشغول ہوتے ہیں کہ صبح کے بیٹھے بیٹھے شام کر دیتے ہیں۔ مینہ ہو یا بوندی۔ طوفان آئے یا آندھی۔ انہیں اپنے کھیل سے کام ہے۔ مگر کھلاڑی ایک ایک پیادہ پہ جان دیتے ہیں۔ ایسے دلدادہ ہو کر اس کو بجاتے ہیں۔ ایسی ایسی حکمت عملی سے کام لیکر ایک دوسرے کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ ایسے داؤ پیچ چل کر دوسرے کو شکست دینا چاہتے ہیں کہ گویا بازی کے ہار جیت پر لاکھوں کی جائداد کی ہار جیت ہے۔ کھانے پینے تک کا خیال اڑ جاتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ آدمی گھر سے کسی ضروری کام کے لئے چلتا ہے۔ لیکن راستہ میں شطرنج ہوتی دیکھ کر وہیں بیٹھ جاتا ہے اور پھر اس کی چالوں کے سوچ بچار میں ایسا گرفتار ہو جاتا ہے کہ یہ خیال بھی نہیں رہتا۔ کہ میں کس لئے گھر سے چلا تھا۔ اور کیا میرا کام تھا۔ گویا وہ شطرنج کے مہرے اس کے لئے ایسے عزیز ہو جاتے ہیں کہ ایک ایک کے مرنے پر اسے از حد رنج ہوتا ہے۔ اور اپنے مخالف کا مہرہ مارنے اور اس سے بدلہ لینے کا خیال ہر وقت دامنگیر رہتا ہے۔ اسکو شکست دیکر بازی جیتنے اور تماشبینوں کی واہ واہ کے خیال میں وہ ایسا گرویدہ ہو جاتا ہے کہ اس وقت کے لئے اس کی ساری زندگی کا مقصد وہ شطرنج کی بازی نظر آتی ہے۔ جب دو چار گھنٹے کے بعد یا بعض اوقات سات آٹھ گھنٹے کے بعد وہ بازی اختتام کو پہنچتی ہے تو جیتنے والا شخص پھولا نہیں سماتا۔ ایسی بڑھ بڑھ کر باتیں بناتا ہے کہ گویا ہفت اقلیم کا بادشاہ بن گیا ہے۔ ادھر ہارنے والا

آدمی کچھ ایسا شرمندہ ہو جاتا ہے کہ گردن نہیں اُٹھاتا۔ غصہ کے مارے دانت پیستا ہے۔ آٹھ گھنٹے کی مغز خوری اس کے لئے کچھ بات نہیں ہوتی اور ایک بازی اَور بھی کھیلنا چاہتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اوقات بازی ناتمام ہی رہتی ہے کیونکہ رات پڑ جاتی ہے۔ اس وقت کھلاڑیوں کی حالت اَور بھی بدتر ہوتی ہے۔ رات کو سوتے سوتے طرح طرح کے خیالات ستاتے ہیں اور وہی شطرنج۔ اُسکے مُہرے اور اُنکی مار پیٹ کے خیالات دماغ کو منتشر کرتے ہیں۔ لیکن ایک اَور سمجھدار شخص کے لئے جو تماشائیوں کی قطار میں کھڑا تماشا دیکھتا ہو۔ اُن کی حیرانی کیسی لامعنی ہوتی ہے۔ اصل میں نہ تو گھوڑا مرتا ہے۔ نہ فیل۔ نہ وزیر پِٹتا ہے۔ نہ شاہ کو شکست ہوتی ہے۔ دونوں کھلاڑیوں کی پریشانی صرف اصلیت کو بھول کر کھیل میں حد سے زیادہ گرویدگی ہوتی ہے۔ جب کھیل سے فارغ ہوتے ہیں۔ جب مُہروں کو اُٹھا اور باندھکر بساط میں لپیٹ دیتے ہیں۔ جب شام کا سایہ سر پر دکھائی دیتا ہے تو بے گمان افسوس ہوتا ہے کہ اوہ میں کس کام کے لئے آیا تھا کس خیال میں مستغرق ہو گیا۔ کیسا اس فضول کھیل میں غافل ہو کر سارا دن کھو بیٹھا۔ میرے گھر میرا انتظار ہو رہا ہوگا۔ وہ لوگ حیران ہونگے کہ نہ جانے کہاں چلا گیا۔ پھر اُسے اپنی حالت پر از حد افسوس آتا ہے۔ اپنے کئے پر آپ ہی پشیمان ہوتا ہے۔ مگر دن تو ضائع ہو گیا۔ کام کرنے کا وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ اب پچھتانا فضول ہے۔ بالکل اسی طرح سے انسان اس دُنیا میں آکر غافل ہو جاتے ہیں انہیں مطلق خیال نہیں رہتا۔ کہ وہ کس کام کے لئے آئے تھے۔ کیا مقصد اُنکی زندگی کا تھا۔ آپس کی لڑائی جھگڑے۔ تُو تُو مَیں مَیں کا خیال عزت مرتبہ روپیہ اور دولت کا دھیان۔ لڑکا لڑکی۔ بیوی۔ ماں۔ بہن رشتہ داروں کے خیال میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے اور ان کو پرورش کرنے۔ بچانے۔ روپیہ کمانے کے خیال میں ایسا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ کہ نیکی۔ بدی۔ بُرائی۔ بھلائی۔ سب کچھ بھول کر طرح طرح کی حکمت عملی کرتا ہے۔ داؤ پیچ چلتا ہے۔ سوسائٹی اور دُنیا میں نام پانے کی غرض سے کچھ تھوڑی بہت قربانی بھی کرتا ہے۔ رفاہ عام کے کاموں میں عام طور سے حصہ بھی لیتا ہے۔ لیکن سب کچھ تماشائیوں کی واہ واہ کی خاطر۔ اگر وہ واہ واہ

نہ ملے تو اسکے رنج والم کا ٹھکانا نہیں ہوتا۔ اس کی آس یاس میں بدل جاتی ہے۔
اس کی اُمید کا چراغ گل ہوکر اسکی آنکھوں کے سامنے اندھیرا ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک
وقت آتا ہے جبکہ اُسے کسی نہ کسی گھٹنا کے ذریعہ سے اصلی مقصد کا پتہ لگ جاتا ہے
اور اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ میری ساری زندگی فضول اور رائگاں گئی۔ جب شام
سر پر ہوتی ہے۔ جب موت آج کل میں تڑپ کرنے کو تیار رہتی ہے۔ جب ہاتھ پیر
اور سب سے تیز عضو یعنی زبان اپنا کام چھوڑ دیتی ہے۔ جب سارے حس اور تمام اعضا
کمزور ہو جاتے ہیں۔ مگر دل اسی طرح سے چنچل انہیں خیالوں میں مستغرق برابر دکھ اور
تکلیف دیئے جاتا ہے۔ ایسے وقت میں جب ہر وقت یاس ہی یاس دکھائی دیتی
ہے کسی نہ کسی وجہ سے اس کے سیاہ دل میں بجلی کی طرح سے ایشور کی روشنی
کوند جاتی ہے کسی وقت کے آنے سے وہ معلوم کر لیتا ہے۔ کہ میں نام اور عزت
کا بھوکا۔ میں اس دُنیا کا مستغرق اور گرویدہ اپنی زندگی کے دن بالکل فضول کھوتا
رہا ہوں اور سچ مچ شطرنج کے کھلاڑی کی طرح سے میں نے اپنے ایشور پرماتما اور
اپنے مقصد کو بالکل بھلا دیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ عارضی فانی اشیا یا تو مجھے
بالکل چھوڑ دینگی یا ایسا وقت آنے والا ہے۔ کہ موت مجھ سے سب کچھ چھین کر
لے جائیگی۔ اب اس کے دل میں اپنی نیچ زندگی کے لئے رنج۔ خود کردہ گناہوں کے
لئے پچھتاوا۔ اور پرماتما کو بھولے رہنے کے سبب دل میں بے چینی پیدا ہو جاتی ہے
چونکہ اسے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ آج تک جو کام اس نے کیا تھا صرف دُنیا میں بھول کر
ہی کیا تھا۔ کبھی کسی کام کو عزت حاصل کرنے کے لئے کیا یا کبھی کوئی روپیہ بزرگی اور
نام کی خاطر دیا ہو تو دیا ہو ورنہ بے غرض ہوکر کوئی کام نہیں کیا۔ شیخ سعدی کی وہ
حکایت اس پر بالکل صادق آتی ہے۔ کہ ایک واعظ کو بادشاہ کے ہاں دعوت
میں بلایا گیا۔ واعظ نے لوگوں کے دکھلانے اور اپنی عزت بڑھانے کی خاطر تھوڑا سا
کھا کر ہاتھ بڑھا لیا۔ مگر جب نماز کا وقت آیا تو رکعت وسجود کو اس قدر لمبا کیا کہ نماز
کے اختتام کے بعد دیر تک سجدے سے نہ اُٹھا۔ مگر وہ کھانا کھانا نہ تھا۔ اور وہ سجدہ
سجدہ نہ تھا وہ دونوں باتیں دکھاوے اور عزت کی خاطر تھیں۔ چونکہ گھر جاتے ہی

واعظ صاحب نے کھانا مانگا اُن کے لڑکے نے دریافت کیا۔ کہ آج آپ بادشاہ کے اں دعوت میں گئے تھے۔ وہاں سے بھوکے کس طرح سے آئے۔ واعظ نے جواب دیا۔ کہ میں نے وہاں کم کھایا تھا کہ لوگوں کی نظر میں میری پرہیزگاری کا خیال زیادہ ہو۔ لڑکا نہایت سادہ دل تھا۔ جھٹ بول اُٹھا کہ اے باپ تو نماز بھی پھر پڑھئے چونکہ وہ بھی صرف دکھاوا ہی دکھاوا تھی۔ ٹھیک ٹھیک اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ کہ غور کرنے پر معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی نیک کام نیکی کی غرض سے نہیں کیا۔ بلکہ" دی خذف۔ گریشتہر ہیسا کیا"۔ آؤ۔ ہم سوچیں کہ ہمارے کام کاج میں۔ ہماری بات چیت میں۔ ہمارے کاروبار میں کیا مقصد چھپا ہوا ہے۔ کیا چار دن کی عزت۔ دولت یا لوگوں کی واہ واہ کے لئے تو ہم وقت نہیں ضائع کر رہے ہیں۔ ہمارے دل میں دھرم کی بنا پر ایشور کو مقصد بنا کر کام کرنے کی خواہش ہوتی ہے یا نہیں۔ سب خیال مثل دولت۔ عزت۔ مرتبہ۔ ماں بہن۔ بیوی۔ بیٹے بیٹی۔ اس وقت چھن جائیں۔ سوسائٹی کی نظروں میں از حد ذلیل و خوار ہو جائیں۔ دُنیا میری توقیر کی بجائے تحقیر کرے تب بھی ہمارے دل میں کام کا جوش اسی طرح سے رہیگا۔ یا یہ سب دہکتی آگ بجھ جائیگی۔ یقین جانو کہ اگر سچ مچ ایشور ہمارا مددگار نہیں ہے۔ اگر ہمارا اصلی بھروسہ پرماتما پر نہیں ہے تو ہم کبھی بھی اس آزمائش کے سامنے کھڑے نہیں رہ سکتے بلکہ گر جائینگے ۔

ایشور برکت دے کہ ہم اپنے اصل مقصد سے غافل نہ ہوں۔ اور دُنیا اور اس کے پھندوں میں نہ پڑیں۔ بلکہ کنول کے پھول کی طرح کیچڑ سے اوپر اُٹھکر نہایت استقلال اور ہمت سے اپنے مقصد کو پورا کریں۔ ایشور ہماری مدد کرے۔

(راز برھم پرچارک)

تھکن اور دھوپ کی شدت سے جو سرسام انسان کو ہو جاتا ہے اُس کا علاج فرانس کے ڈاکٹروں نے کلوروفارم تجویز کیا ہے۔ اُس سے دماغ اور جسم کی تھکن دُور ہو جاتی اور قلب کی تیز حرکت اصلی حرکت کی صورت اختیار کر لیتی ہے ۔

تاریخ پالیٹکس

(۲)

صنعت اور صنعتی فرقے

ذیل میں وہ باتیں یا اوصاف درج کئے جاتے ہیں جن کے باعث ایک قبیلہ اور زمانہ حال کی ایک پولیٹکل یعنی ملکی جماعت میں فرق کیا جا سکے ۔

۱۔ **ذاتی رشتہ** ۔ فی زمانہ ہم ملک یا مقام کو سوسائٹی کی بڑی بنیاد سمجھتے ہیں ۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے خانہ بدوشی کا عملی طور پر زراعت کا پیشہ اختیار کرتے ہی خاتمہ ہو جاتا ہے ۔ اور قبائل اپنے ظہور کو نسل کا نتیجہ سمجھتے ہیں نہ کہ ملک کا ۔ اور صنعتی پیشے اپنے کو برادری سمجھتے ہیں نہ کہ ہمسائے ۔ اگرچہ ایک ہی پیشے کے لوگ ایک دوسرے کے ہمسایہ میں رہتے تھے ۔ مگر اس خیال سے کہ وہ اس پیشے کے ممبر تھے ۔ اور نہ اس خیال سے کہ وہ ہمسایہ تھے ۔ رہے قبیلے اور طائفے سو وہ بھی ذاتی رشتہ پر مبنی ہیں نہ کہ ملکی رشتہ میں منسلک ۔

۲۔ **علیحدگی** ۔ قبائل کا یہ وصف پہلے وصف کا ایک قدرتی نتیجہ ہے ۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی قوم کی ممبری اسی قوم میں پیدا ہونے سے حاصل ہوتی تھی ۔ مگر قبائل نے اس میں یہ اضافہ کر دیا کہ وہ تبنیت کو ماننے لگے ۔ یعنی دوسری قوم کے لوگوں کو بھی اپنے میں داخل کر لیتے تھے ۔ یہ تبنیت خاص خاص قواعد پر مبنی تھی ۔ لیکن قبائل اس بات سے جیسے زمانہ حال کی سلطنتیں یا قومیں یا ممالک مانتی ہیں اور جس کے ذریعے سے دوسری قوم کے لوگوں کو بلا تکلف اپنی قوم میں ملا لیتے ہیں ، بے حد خوف کھاتے تھے ۔ بعض لوگوں کا خیال تو یہ ہے کہ اس بارہ میں قبائل کا طرز عمل درست تھا ۔ اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ بہتر ہے کہ نسل کو آمیزش سے پاک و صاف رکھا جائے لہذا ایک خالص قوم کی حیثیت میں فنا ہو جایا جائے ۔ یا یہ بہتر ہے کہ غیر نسل و غیر قوم کے لوگوں کو اپنی قوم میں شامل و داخل کر کے قوم کے وجود کو باقی اور برقرار رکھا جائے ۔ لیکن تجربہ اس امر کی کافی سے زیادہ شہادت بہم پہنچا سکا

ہے کہ خالص اقوام ہمیشہ کمزور رہتی ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ یونانی اور رومی قوم قریب فنا ہونے کے ہے۔ مگر مخلوط یا دوغلی قومیں ہمیشہ تندرست اور شہزور ہوتی ہیں اور عمدہ رواج پکڑتی جاتی ہیں ٭

۴۔ رسم ورواج کی استواری۔ زمانۂ حال کے لوگوں کی زندگی پر بھی رسم ورواج یا دستور کا بڑا اثر ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ زمانۂ حال کے رسم و رواج میں ترمیم اور تنسیخ ہو رہی ہے۔ قبائل کی رسوم بڑی سخت اور اٹل ہوتی تھیں اس میں بھی شک نہیں کہ قبائل کی رسوم میں بھی تبدیلی ہو سکتی تھی۔ لیکن ایک سوسائٹی جس کا خاص اخلاقی فرض یہ تھا کہ وہ اپنے بزرگوں کے قصص وروایات کو جاری اور زندہ رکھے۔ اُس سے یہ اُمید نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ کسی نئی بات کو آسانی کے ساتھ اور جلد تر قبول کر لے۔ سر ہنری مین ہندوستان کے ایک گاؤں کے باشندوں کی ایک رسم کا ذکر یوں کرتے ہیں کہ اُس گاؤں میں سرکار انگلشیہ نے پانی کا ذخیرہ جاری کرنا چاہا۔ لندن میں اگر سرکار کی طرف سے عمدہ پانی کے بہم پہنچانے کا انتظام کیا جاتا تو لوگ بخوشی قبول کر لیتے۔ لیکن ہندوستان کے ایک قبیلے نے اس بات کو پسند نہ کیا۔ محض اس خیال سے کہ سرکار کی طرف سے پانی کا انتظام ہونا انکے رسم ورواج کے خلاف تھا۔ جب تک کہ اس گاؤں کے لوگوں کے پاس ایک نہایت سنجیدہ مزاج اور قابل افسر گاؤں کے مکھیاؤں یا بزرگوں کو یہ سمجھانے کے لئے نہ مامور کیا گیا کہ سرکار کی تجویز گاؤں کے لوگوں کے حق میں بیحد مفید ہوگی تب تک اُنہوں نے اپنی ضد سے ہاتھ نہ اُٹھایا۔ صنعتی پیشوں کے لوگ بھی قدیم اور کہنہ قوانین کے بڑے دلدادہ ہوتے ہیں حالانکہ ان پیشوں کی ابتدا قبائل کی ابتدا کے بعد میں ہوئی تھی۔ ہندوستان میں ذات پات کا رواج بھی قبائل کے رسم ورواج کا نتیجہ ہے۔ جب کبھی ملکی معاملات میں الفاظ "غیر مہذّب مشرق" استعمال کیا جاتا ہے تو اُس سے مشرقی ممالک مراد لئے جاتے ہیں جن میں سے رسم ورواج کے قدم اُکھڑ ہی نہیں سکتے ٭

قبائل کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ اُنکے اوصاف میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

اور اس وصف ہی کے باعث قبائل میں ایک بڑی حد تک مقابلہ کا وصف نہیں ہوتا۔ مقابلہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ بار بار تبدیلی اختیار کی جاوے۔ اور نئی بات سے کام لیا جاوے۔ قبائل میں بھی ایک حد تک تو مقابلہ کرنے کا وصف پایا جاتا ہے۔ لیکن کسی کام کو اعلیٰ اور بہتر طریقہ میں کرنے کا وصف نہیں۔ مقابلہ کرنے کا ایک وصف قبائل میں یہ ہے کہ وہ اپنے ہمسائیوں کی نسبت ذرا پہلے چیزیں مول لے لیتے ہیں۔ دوسرا وصف یہ ہے کہ ایک سے زیادہ چیزوں کی تجارت کرنا۔ یہ اس غرض سے کیا جاتا ہے کہ نفع اُٹھایا جاوے۔

۴۔ تعلقات۔ قبائل شخصی حقوق سے انکار نہیں کرتی۔ اور نہ وہ کل فرقہ کی پیداوار کو مساوی حصّوں میں تقسیم کرتی ہے۔ البتہ اُسکی ترکیب و ترتیب سارے فرقہ سے متعلق ہوتی ہے۔ اُس کا سب سے ادنےٰ حصّہ ایک خاندان ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ اُس کا تعلق بالواسطہ ہوتا ہے۔ لیکن قبائل کا خاندان ہمارے موجودہ زمانہ کے خاندان کی مانند نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس سے بہت بڑا۔ کیونکہ اُس میں کئی نسل کے لوگ ہوتے ہیں۔ مثلاً باپ دادا۔ پرداداتک مع اُسکے بیوی بچّوں اور غلاموں کے۔ جو تعلق طائفہ یا پیشے کے ساتھ خاندان کا ہوتا ہے۔ وہی طائفہ کا قبیلہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہمارے موجودہ خاندانوں میں سے سب سے زیادہ ذی اختیار شخص براہ راست ہر فرد خاندان کے افعال پر حکمرانی کر سکتا ہے۔ اس کی خاص وجہ آگے چل کر معرض بیان میں آئیگی۔ لیکن قبائل میں جو شخص کہ سردار قبیلہ ہوتا ہے اُس وقت جبکہ قبیلہ کے کئی حصّے ہو کر طائفے بن جاتے ہیں سردار قبیلہ طائفہ کے لوگوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ سردار طائفہ سے۔ لیکن اگر سردار قبیلہ کسی طائفہ کا سردار بھی ہوتا ہے تو وہ اُس طائفہ کے لوگوں کے ساتھ ضرور براہ راست واسطہ رکھتا ہے۔ اسی طریقہ میں طائفہ کا سردار اپنے طائفہ کے خاندانوں کے سرپرستوں یا مکھیاؤں کے ساتھ واسطہ یا تعلق رکھتا ہے اور جو احکام اُسے کل طائفہ کے لئے نافذ کرنا پڑتے ہیں اُنکو وہ صرف خاندانوں کے سرپرستوں تک پہنچا دیتا ہے۔ اور یہ سرپرست اُن احکام کو اپنے اپنے لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں کیونکہ ان لوگوں کو اُن لوگوں پر جو ایک ہی چاردیواری کے اندر افراد خاندان کی حیثیت سے رہتے ہیں پورا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ تاہم کسی قبیلہ کے سردار کی طاقت و اختیار کا کسی

موجودہ سلطنت کے حاکم اعلےٰ کی طاقت و اختیار کے ساتھ مقابلہ کرنا درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ دونوں کی طاقت و اختیار میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مگر یہ بالکل درست ہے کہ کسی سلطنت کا حاکم اعلےٰ خواہ وہ ایک شخص ہو یا بہت سے شخصوں کی مجلس جسے انگریزی زبان میں پارلیمنٹ کہتے ہیں جابرانہ اختیارات برت سکتا ہے اور برتتا ہے۔ لیکن سردار قبیلہ ایسا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ تو رسم و رواج کا پابند ہوتا ہے اور اپنے لوگوں پر انہی کی پابندی قرار دیتا ہے۔ وہ رسم و رواج کی پابندی سے متعلق انتظام و انصرام کرتا ہے۔

مسٹر وارد فاولر نے قبائل کے معاملات وغیرہ پر ایک بڑی مستند کتاب لکھی ہے۔ اُسکے مطالعہ سے صاف طور پر ظاہر ہوجاتا ہے کہ قبائل کے تمدنی اور سوشل تعلقات اور اصول کیا ہیں۔ اس میں واضح طور پر دکھایا گیا ہے کہ یونانی اور رومی جو قبائل کے اوصاف و خواص کا مرقع تھے اُنکے اصول اور اصول کے نقصانات اور فوائد کیا کیا ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ قبائل میں ایک بڑی کمزوری رہتی ہے جسکے باعث اُن کا قبل از وقت زوال ہوجاتا ہے۔ ایسی کمزوری کے باعث یونانی کا زوال ہوگیا۔ لیکن رومی جو قبائل کے اوصاف اور زندگی سے دست بردار ہوگئے وہ دن بدن ترقی کرتے رہے۔ یہانتک اپنے زمانہ کی معلومہ دُنیا کے ایک بہت بڑے حصے پر حکمران بن گئے اور باقی حصے پر اُن کا بڑا اثر و اقتدار قائم رہا۔

تاریخ پالیٹکس سے متعلق اس وقت تک دو قسم کی ملکی جماعتوں یا سوسائٹیوں کا ذکر ہوچکا۔ لیکن چونکہ اس ذکر میں وہ اوصاف نہیں ہیں جو موجودہ ملکی سوسائٹیوں میں ہیں۔ اس لئے زیادہ تر ناظرین کو اس سلسلۂ مضمون کے ساتھ دلچسپی پیدا نہ ہوئی ہوگی۔ لیکن واضح رہے کہ ان ہی دونوں قسم کی جماعتوں سے موجودہ ملکی جماعتوں اور اُن کے اصول کی ابتدا ہوئی۔ اور جب تک ان دونوں سوسائٹیوں کے اصول سے واقفیت نہ ہو تب تک موجودہ ملکی سوسائٹیوں کے اصول کا کوئی شخص ماہر نہیں کہلا سکتا۔ آئندہ نمبر سے موجودہ زمانہ کی ملکی جماعتوں یا سلطنتوں کے اصول پر مفصل اور معقول بحث کی جائیگی۔

تاریخ بابل

اہلِ بابل کا مذہب

بابل کے اصلی باشندے اخادئین قوم کے لوگ تھے۔ اور در اصل تورانی نسل سے تھے۔ لیکن بعد میں اس ملک میں اخادئین۔ عرب اور ایرانی بھی آبسے تھے۔

بابل کے قدیم باشندے جو تورانی نسل سے تھے بڑے ہی وہم پرست تھے۔ وہ بدروحوں پر اعتقاد رکھتے تھے۔ اور تمام عالم کو بدروحوں سے پُر سمجھتے تھے۔ و ... مراض کا باعث ان ہی روحوں کو خیال کرتے تھے۔ شروع میں تو بابل نے موجودات ایزدی کی روحوں کی پرستش شروع کی تھی۔ لیکن بعد میں خود موجودات ایزدی کی عبادت کرنے لگے تھے +

اہل بابل نے امتداد زمانہ سے اور رفتہ رفتہ ان بدروحوں کو دیوتاؤں کا اعزاز عطا کیا۔ ان دیوتاؤں میں سے خاص تین دیوتا آنو آسمان کا دیوتا۔ ملج زمین کا دیوتا۔ اور ای آ سمندر کا دیوتا مانے جاتے تھے۔ اور اُن کے ساتھ ساتھ اجسام فلکی کی روحوں کی بھی عبادت ہونے لگی تھی۔ یعنی ماہتاب کا دیوتا۔ آفتاب کا دیوتا۔ شام کے ستارے کا دیوتا۔ اور دیگر سیاروں کے دیوتا۔ جو لوگ علم ہیئت کے دلدادہ تھے وہ آفتاب کے دیوتا پر ماہتاب کے دیوتا کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ بابل میں ایک قوم سیمیٹک رہا کرتی تھی اُس نے ان دیوتاؤں کی ترتیب میں کچھ تبدیلی کردی۔ اور آفتاب کا دیوتا سب دیوتاؤں کا حکمران قرار دیا گیا۔ وہ بیل یا بعل کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ اور مختلف شکلوں میں اس کی عبادت ہونے لگی۔ اخادئین قوم نے دیوتاؤں کی جنس نہیں مقرر کی تھی۔ لیکن سیمیٹک قوم نے اُنکی تقسیم نر اور مادہ میں کی +

اہل بابل کے خاص خاص دیوتا یہ تھے۔ آنو۔ ای آ۔ بعل ان تینوں کی

بیویوں کے نام یہ تھے۔ آنت۔ دکینا۔ بیلتس۔ ان سے تین بچے پیدا ہوئے جن کے نام یہ تھے۔ رم مون۔ سامس۔ سین ؞

آفتاب کا دیوتا جسے بعل کہتے ہیں اسکی پرستش عام طور پر کی جاتی تھی۔ وہ بزرگ ترین سورتی میں سب سے زبردست دیوتا تھا۔ اسکا ذکر یرمیاہ اور یشعیاہ نبی نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے۔ وہ رومیوں کے دیوتا مشتری اور یونانیوں کے دیوتا زیوس کا ہم رتبہ خیال کیا جاتا تھا ؞

آنو۔ یہ آسمان کا نام تھا۔ اُسے دیوتاؤں کا مسکن بھی بتایا جاتا تھا۔ آنو سب دیوتاؤں سے پرانا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ وہ خالق عالم تھا۔ وہ دیوتاؤں کا باپ مانا جاتا تھا۔ اس کے پہلو سے آنت کھڑی رہتی تھی۔ اغلاطین تمام دیوتاؤں کو آنو دیوتا کا مظہر مانتے تھے۔ مگر اس خیال کے معتقد زیادہ لوگ نہ تھے۔ اس لئے وہ جلد نیست و نابود ہو گیا۔ اس دیوتا کا ذکر یرمیاہ اور یشعیاہ نبی نے بھی بائیبل میں کیا ہے وہ بھی رومیوں کے دیوتا مشتری اور یونانیوں کے دیوتا زیوس کا ہم پلہ تھا ؞

ای آ۔ دریا اور سمندر کا دیوتا تھا۔ جو زمین کو اس طرح گھیرے ہوئے تھا جیسے کہ سانپ کسی چیز کو گھیر لیتا ہے۔ اس میں سے تمام دریا اور چشمے نکلے تھے۔ وہ بنی انسان کا خالق اور مہربان اور شفا دینے والا مانا جاتا تھا۔ اس نے انسان کو دستکاریوں اور علم ادویہ کی تعلیم دی۔ سمندر کے دیوتا کی حیثیت سے اس کا بت انسان کا سا بنایا جاتا تھا۔ مگر اس میں ایک دُم لگا دی جاتی تھی۔ اُس سے مرودک پیدا ہوا تھا۔ وہ تمام علوم اور عقل کا مظہر تھا۔ اس کے باپ نہ تھا۔ بلکہ وہ پانی کے اجزا سے ہمیشہ اور بار بار زندگی اختیار کرتا رہتا تھا۔ وہ عفریتوں اور روحوں کی طاقت کو کم کر سکتا تھا۔ وہ ان کے رازوں کا ماہر تھا۔ اور سوائے اسکے کسی اور دیوتا کی وساطت سے عفریتوں اور روحوں کے حملوں کو نہیں روکا جا سکتا تھا۔ اگر کوئی بادشاہ اپنے ملکی قانون کے موافق انصاف نہیں کرتا تھا۔ تو ای آ اُسے معزول کر دیا کرتا تھا۔ اگر وہ انصاف کی حکمرانی کرتا تو اُسے استحکام عطا کیا جاتا تھا۔ اور اُسے سورما کا خطاب دیا جاتا تھا۔ شہر ارسدو کے قریب ایک مقدس باغ تھا۔ جو ساری دُنیا کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اور

جہاں زندگی اور علم کا درخت موجود تھا۔ اس دیوتا کی عبادت اس شہر میں خاص طور پر کی جاتی تھی۔ کہتے ہیں کہ اسکے اسلاح بیش قیمت جواہرات سے بنائے گئے تھے۔ اس کے ایک اسلاح میں پچاس دھاریں اور سات شعاعیں تھیں۔ جسکے ذریعے وہ چاروں طرف بربادی پھیلا سکتا تھا۔ اس کے سات سر بنائے جاتے تھے۔ اور سانپ اُس کی علامت یا نشانی سمجھی جاتی تھی ۔

بعل۔ یہ ملیج یعنی زمین کے دیوتا کا دوسرا نام ہے۔ ترموزی تو بدستور قائم رہی۔ لیکن ملیج کا نام بدل کر بعل کر دیا گیا۔ پھر آگے چل کر مردوک دیوتا کو بعل کا لقب دے دیا گیا اور ملیج گمنامی میں پڑ گیا۔ مردوک کی ہم جلیس و ہمدم بیلتش تھی۔ جو "سردار خواتین" کہلاتی تھی۔ یہ بعد میں اُس کی بیوی مانی گئی تھی۔ بابل میں بعل کے نام کا ایک بڑا مندر تھا۔ کیونکہ وہ بابل کا خاص دیوتا تھا۔ اُس میں اُسکی خاص طور پر پرستش کی جاتی تھی۔ اس مندر میں بھی دیگر مندروں کی طرح ایک عید منائی جاتی تھی اور اُس موقع پر مجرموں کی قربانی گزرانی جاتی تھی؎ رقص و سرود کے جلوس نکالے جاتے تھے پوجاری بڑی زرق برق پوشاکیں پہنتے تھے۔ دعوت دی جاتی تھی۔ اور سارا شہر جشن مناتا تھا۔ بادشاہ اپنے محل میں امرا کی دعوت کرتا۔ لوگ کثرت سے شراب پیتے اور نفسانی حظوظ سے دل خوش کرتے تھے۔ ترموزی کے دیوتا سار اور کسار یعنی زمین اور آسمان کی اولاد ملنے جلنے تھے ۔

مردوک۔ یہ ای آ کا بیٹا تھا۔ وہ روشنی اور زندگی کا مالک تھا۔ اُسکی علامت آفتاب کی شعاعیں قرار دی گئی تھیں۔ گویا وہ آفتاب کا سورما تھا۔ اسکی عبادت بابل میں قدیم زمانے سے شروع ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ ای آ کے آگے آگے جلو میں چلتا تھا۔ وہ انسان کو شفا دینے والا تھا۔ اُس نے جو علوم اسکے باپ ای آ کو یاد تھے۔ اُن کی تعلیم بنی انسان کو دی تھی۔ وہ انسان کو بُرائی سے بچانے والا تھا۔ جن لوگوں کو امراض یا بد روحیں ستاتی تھیں وہ اُنکو تسلی اور صحت عطا کرتا تھا۔ وہ انسان پر رحم اور شفقت کیا کرتا تھا۔ جب تک بابل کی سلطنت قائم رہی اسکی عبادت بھی ہوتی رہی۔ اس کا ای آ کی اولاد میں سب سے زیادہ رتبہ تھا۔ مشتری سیارہ اُسکا مظہر سمجھا جاتا تھا۔ اسکی بیوی زارپنت تھی۔

؎ اور انسانوں کی بھی قربانی گزرانی جاتی تھی

اُس نے تیات عفریت کو مغلوب کیا تھا۔ اور اُسکے خاوند کنگو کو بھی ہلاک کر دیا تھا۔ وہ زمین و آسمان کے درمیان ہر وقت آتا جاتا رہتا تھا۔ تاکہ اِیَا اَنُو سے انسانوں کی تکالیف رفع کرنے کے لئے ہدایات حاصل کرے ؂

عشارات - یہ زہرہ ستارہ کی دیوی تھی - جو صبح و شام آسمان پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ وہ چاند کے دیوتا کی بیٹی بتائی جاتی تھی۔ اور بعض اُسے آنو کی بیٹی بتلاتے تھے۔ وہ خادمین قوم کی سب سے بڑی دیوی تھی۔ وہ عشق و محبت۔ جنگ و جدل اور شکار کی منتظم تھی۔ وہ آسمان کی ملکہ سمجھی جاتی تھی۔ وہ یونانیوں کی ارٹمیس دیوی کی ہم رتبہ تھی۔ اسکی عبادت تمام مغربی ایشیا میں ہوتی تھی۔ فلسطین میں عورتیں اُسے نذریں دیا کرتی اور عشارات کے نام سے یاد کیا کرتی تھیں۔ اُسکے مندر میں بڑے ہی بُرے افعال کئے جاتے تھے۔ اور اس بات نے اہل سوریہ اور اہل بابل کے مذہب کو سخت بدنام کیا۔ شہر نینواہ اور اربیلا کو اُسکی ذات پر فخر حاصل تھا۔ عشارات کے نام سے یہودی بھی اُسکی عبادت کیا کرتے تھے۔ اسکے خاوند کا نام تموز تھا۔ جو سورج کا دیوتا تھا۔ اُسے ایک سور نے ہلاک کر دیا تھا اور عشارات اُسے پاتال میں ڈھونڈنے گئی تھی۔ تموز کی وفات پر عورتیں ہر سال یروشلم کی ہیکل میں ماتم کیا کرتی تھیں۔ اس کا ذکر حزقی ایل نبی نے اپنی کتاب میں کیا ہے ؂

نبو۔ اس لفظ کے معنی نبی کے ہیں۔ اسکی بیوی کا نام تاسمت تھا۔ جسکے معنی سامع کے ہیں۔ یہ دونوں مردوک اور زارپنت کی اولاد تھے۔ نبو علم کا دیوتا تھا۔ اُس نے لوگوں کی آنکھوں کو وہ نور بخشا جس سے وہ حروف کو پڑھ سکیں۔ اور اُسکی بیوی نے انکے کانوں کو کھول دیا کہ جو کچھ انہیں پڑھکر سنایا جائے اُسے سمجھ سکیں۔ نبو نے لکھنے کا فن ایجاد کیا۔ بابل کے قریب ایک بڑا مندر اُسکے نام بنا دیا گیا تھا۔ جسکے کھنڈرات تک باقی ہیں۔ اُسکا دوسرا نام نسکو تھا۔ وہ عطارد سیارے کا دیوتا تھا۔ پچھلے زمانہ میں اہل بابل خاص طور پر اس دیوتا کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اس دیوتا کا نام اس قدر عزیز تھا۔ کہ بابل کے تین بادشاہوں نے اُسے اپنے نام کے ساتھ استعمال کیا تھا۔ وہ شہر بورسپا کا خاص دیوتا تھا۔ اہل بابل سات روحوں کو بڑا شریر سمجھا کرتے تھے اور ان سے ڈرا کرتے تھے۔ وہ گرہن اور طوفان کی شکل میں انکو چاند کو چھپا لیتی تھیں۔ ایک مرتبہ جب چاند کو گرہن لگا اور سورج کا دیوتا بھاگ گیا اور عشارات

عالم بالا پر گیا۔ بعل دیوتا نے اپنے بیٹے کی اس مصیبت کو دیکھکر نبو کو ای آ کے پاس صلاح اور مدد لینے کے لئے بھیجا۔ جس نے اپنے بیٹے مردوک کو اُسکے ساتھ کر دیا۔ اور اس دلاور سورما نے اُن بدروحوں کو شکست دی جو گرہن بنکر چاند پر چھا گئی تھیں۔ موآب میں اُس کے نام سے ایک پہاڑ مشہور تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلسطین میں بھی اُسکی عبادت کی جاتی تھی +

نیرگل۔ یہ مریخ کا دیوتا تھا۔ اہل بابل اس دیوتا کی بڑی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ شہر کوتھا میں اسکی عبادت خاص طور پر کی جاتی تھی۔ کیونکہ وہ اُس کا محافظ سمجھا جاتا تھا۔ اور عام طور پر بھی اُسکی قدر و منزلت ہوتی تھی۔ لوگ اپنے نام کے ساتھ اُسکا نام استعمال کیا کرتے تھے۔ نیرگل آنو دیوتا کے ساتھ پاتال کی فرمانروائی کیا کرتا تھا۔ وہ جنگ اور شکار کا بھی دیوتا مانا جاتا تھا۔ اُس کا بُت ایک بجار کا سا بنایا جاتا تھا۔ اور اس میں دو بازو لگائے جاتے تھے۔ اُسکی ڈاڑھی اہل سوریہ کی مانند گھونگروالی بنائی جاتی تھی۔ وہ جنگی مہموں میں بادشاہوں کی فوج کے آگے آگے چلتا تھا اور اُنکو اُنکے دشمنوں کے ہلاک کرنے میں مدد دیتا تھا۔ شکاریوں کو بھی مدد دیا کرتا تھا۔ آسور بنی پال جو سوریہ کے بادشاہوں میں نہایت نامور تھا۔ اُسے شکار کا بڑا شوق تھا۔ اُسے نیرگل ہی کی طفیل ہر جگہ کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ نیرگل کی علامت ایک شیر مانا جاتا تھا۔ جسکے دو بازو اور انسان کا سر لگائے جاتے تھے۔ اور وہ شاہی محل کے دروازوں پر رکھا جاتا تھا +

رمون۔ یہ دیوتا آنو کا بیٹا تھا۔ وہ زمین و آسمان کا حاکم و فرمانروا تھا۔ ہوائی کرہ طوفان۔ آندھی پانی اُسکے مظاہر مانے جاتے تھے۔ اسکے نام "گرجنے والا" اور "سیلاب برپا کرنے والا" تھے۔ وہ مردوک دیوتا کا ساتھی اور رفیق صادق تھا۔ وہ فصلوں کا تباہ کرنے والا تھا۔ لیکن بارآوری کے دیوتا کی حیثیت سے اُس سے دُعائیں مانگی جاتی تھیں۔ دمشق میں اُسکی سب دیوتاؤں سے زیادہ پرستش کی جاتی تھی۔ جہاں وہ حداد کے نام سے مشہور تھا +

نسروک۔ اس لفظ کے معنی "بڑے عقاب" کے ہیں۔ قدیم ایرانی اس پرند کی بڑی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ اس کا بت انسان کا سا بنایا جاتا تھا۔ اور بُت کا سر عقاب کا سا۔ اسکے چار بازو بھی بنائے جاتے تھے۔ شاہ سینحرب کو جب وہ اپنے گھر میں اس دیوتا کی عبادت کر رہا تھا اُسکے بیٹوں نے قتل کیا تھا +

آسور - اہل سوریہ اس دیوتا کی تمام دیوتاؤں سے زیادہ تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے - کیونکہ وہ سوریہ کا محافظ تھا - اور اہل سوریہ اُسکے خادم اور رعایا سمجھے جاتے تھے - اُسی نے ترغیب دیکر اہل سوریہ کو اُنکے دشمنوں پر فتح دلائی اور مفتوحہ جماعت پر جو مظالم کئے گئے - وہ گویا اس بات کی سزا تھی کہ وہ آسور پر ایمان نہیں رکھتے تھے - اس دیوتا کا ذکر بائیبل میں کئی جگہ آیا ہے - وہ بادشاہوں کو تخت پر بٹھاتا - اُن کی مدت حکمرانی میں اضافہ کرتا - اُنکے مکانوں اور فوجوں کی حفاظت کرتا - اُنکو جنگ میں فتحیاب کرتا - اُنکے نام کو شہرت دیتا اور اُنکی نسل کو بڑھاتا تھا - اہل بابل اپنے کو اسکا خدمتگزار سمجھتے تھے - اُسکی پرستش کو پھیلانے کے لئے وہ جنگ و جدل کرتے تھے - اُسکے نام سے وہ جنگ کرتے - بربادی پھیلاتے اور کسی ملک کو فتح کرنے کے بعد وہاں آسور کی مورتیں قائم کرتے اور لوگوں کو اس کے قوانین پر عمل کرنے کے لئے مجبور کرتے تھے +

اس کا بت انسان کا سا بنایا جاتا تھا - بت کے سر پر ایک ٹوپی ہوتی تھی - جو ایک بازو دار دائرہ میں سے باہر کو نکلی رہتی تھی - اکثر بازو اس کی ہمہ جا حاضری کے ظاہر کرنے کے لیئے اُسکی علامت قرار دئے جاتے تھے - اور انسانی صورت اُسکی عقلمندی اور ٹوپی اُسکی طاقت ظاہر کرنے کے لئے شاہان سوریہ بطور علامات کے استعمال کیا کرتے تھے - اُن کو اپنی پوشاکوں پر نقش کراتے تھے - مُہروں اور عصاؤں پر کندہ کراتے تھے - اسکے آگے سر جھکاتے تھے اور اسکے سایہ میں جنگ کرتے تھے +

وُل - یہ موسموں کا دیوتا تھا - اور وید کا دیوتا اندر کا ہم پلہ مانا جاتا تھا - وہ بگولہ اور طوفان کا مالک تھا - اُنکو برپا کرتا تھا اور بجلی کے بان چلاتا تھا - وہ پانی بھی برساتا تھا - اور زرخیزی عطا کرتا تھا - بجلی کے دو یا تین بان اُسکی علامت سمجھے جاتے تھے +

ماہتاب کا دیوتا - اس دیوتا کو سن کہتے ہیں - اُسے آفتاب کے دیوتا پر برتری حاصل تھی - کیونکہ اُسکے جلوہ گر ہونے کے وقت رات کو ہیئت داں مشاہدات اور تجربات اچھی طرح کر سکتے تھے - وہ زمین و آسمان کے دیوتاؤں کا سردار سمجھا جاتا تھا - سوریہ اور بابل دونوں میں اُسکی عبادت عام طور پر بعد کثرت کے کی جاتی تھی - سال کا تیسرا مہینہ اُسکے نام سے نامزد تھا - اُسکے نام کو بادشاہ اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کیا کرتے تھے +

ہماتیہیں درج تھیں ۔

ہر مندر میں کسی دیوتا کا ایک بُت رکھا جاتا تھا۔ اور اُس بُت کو جُبلا دیوتا کا مثابہ مان کر اُسکی بڑی تعظیم کیا کرتے تھے۔ اُن کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ دیوتا اُس مندر میں اکثر آتا ہے۔ بعض لوگوں کا اعتقاد تھا کہ بُت کھاتا پیتا بھی ہے ۔

دیوتاؤں کی مورتیں لکڑی۔ پتھر۔ اور دھاتوں کی بنائی جاتی تھیں۔ اکثر مورتیں سونے چاندی۔ تانبے اور لوہے کی ہوتی تھیں۔ بعض اوقات مٹی کی مورت پر دھات کا خول چڑھایا جاتا تھا ۔

اہل بابل عبادت بڑی دھوم دھام کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ ہر مندر میں پوجاریوں کی جماعت مذہبی رسوم اور عبادت ادا کرتی تھی۔ اُسکی سپردگی میں مندر کا خزانہ رہتا تھا۔ پوجاریوں کو شادی کرنے کی اجازت تھی۔ جو اپنے عیال و اطفال سمیت یا تو مندر ہی میں یا اُسکے نواح میں رہا کرتے تھے۔ اُنکی گزر اُس اراضی کی آمدنی پر منحصر تھی جو مندر کے لیے وقف ہوتی تھی اور یا خیرات پر۔ پوجاری عبادت کرنے والوں اور دیوتاؤں کے درمیانی ہوتے تھے۔ اُنکی سفارش دیوتاؤں سے کرتے تھے۔ اور اُنکا تعارف دیوتاؤں سے کراتے تھے ۔

ہر مندر میں سالانہ ایک عید منائی جاتی تھی۔ ہزاروں پونڈ کی خوشبوئیں اور بخور جلائی جاتی تھیں۔ اور مچھروں کی قربانی گزرانی جاتی تھی۔ پوجاری اور عبادت کرنے والے عمدہ عمدہ پوشاکیں زیب بدن کرتے تھے۔ مندروں میں رقص و سرود کی محفل جمائی جاتی تھی۔ اور دعوتیں اُڑتی تھیں۔ بادشاہ اپنے امرا کو دعوت دیتا تھا۔ اور شاہی محل میں خوبصورت رقاصہ ناچتی اور گاتی تھیں۔ شراب دل کھول کر پی جاتی تھی۔ اور لوگوں سے نفسانی خواہشوں کے افعال سرزد ہوتے تھے ۔

بابل میں ہر عورت پر فرض تھا کہ وہ اپنی عمر میں ایک بار بالتس کے مندر میں زیارت کرنے ضرور جائے۔ اور وہاں اس وقت تک ٹھیری رہے کہ جبتک کہ کوئی آکر اُسکی گود میں روپیہ نہ ڈالے اور اُسے اپنے ساتھ نہ لے جائے اور اُس سے نفسانی خواہش پوری کرے۔ اس طرح پر مندروں میں قانوناً زنا کرنے کی اجازت تھی ۔

اہل بابل کے مذہب میں پاکیزگی اور ناپاکی کا بڑا لحاظ کیا جاتا تھا۔ مثل یہودیوں کے اُنکا خیال تھا کہ میاں بیوی ہم بستری سے ناپاک ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اُنکو ہم صحبت ہونے کے

بعد ایک عود سوز کے سامنے جس میں بخور جلائی جاتی تھی بیٹھ کر غسل کرنا پڑتا تھا - اسی طرح جو شخص کہ نعش کو چھو لیتا تھا اسے بھی پاک ہونے کے لئے غسل کرنا لازم آتا تھا +

دعوتوں اور روزوں کے لئے خاص خاص دن مقرر تھے - قمری مہینے کا ساتواں چودھواں اکیسواں - اٹھائیسواں دن مقدس مانے جاتے تھے - ان دنوں میں آگ پر پکا ہوا گوشت کھانا اور کپڑے بدلنا منع تھا - قربانی کرنا بھی منع تھا - بادشاہ رتھ پر سوار نہیں ہوتا تھا - نہ کسی کو برا کہا جاتا تھا - اور نہ دوا استعمال کی جاتی تھی +

مندروں کے اندر صرف پوجاریوں کو جانے کی اجازت تھی - مندر کے صحن میں غسل کرنے کے لئے ایک سقاوہ بنایا جاتا تھا - اور مندر میں قربانگاہ اونچے مقام پر بنائی جاتی تھی - اور اس پر زینہ کے ذریعے چڑھا جاتا تھا - مندر کے دروازے پر بیماریوں کی مورتیں بنائی جاتی تھیں - ان کے بازو لگائے جاتے تھے - اور لوگ خیال کرتے تھے وہ بد روحوں کو مندر کے اندر نہیں داخل ہونے دیتے - مندروں میں دو قسم کی نذریں گزرانی جاتی تھیں - ایک تو قربانی جو کسی جانور اور خصوصاً بیل کی کی جاتی تھی - اسکا گوشت قربانگاہ پر آگ کے اوپر جلایا جاتا تھا - اور باقی پوجاریوں یا نذر گزراننے والوں کو دیدیا جاتا تھا - دوسری نذریں اناج خرما - تیل اور شراب دی جاتی تھی +

لوگ پوجاریوں کو مرض سے صحت پانے کی شکر گزاری یا کسی منت کے صلہ میں بڑی عمدہ عمدہ چیزیں دیا کرتے تھے +

اہل بابل کا عقیدہ تھا کہ مردوں کا ملک زیر زمین واقع تھا - جہاں تاریکی میں روحوں کو رہنا پڑتا تھا - اس میں وہ چمگادڑوں کی مانند اڑتی پھرتی تھیں - انہیں صرف خاک کھانے کو ملتی تھی - اور وہاں سے نکلنا نصیب نہیں ہوتا تھا - سورماؤں کو بیٹھنے اور آرام کرنے کے لئے تخت دئے جاتے تھے - انکے بیچ میں پاتال کی ملکہ علات کا تخت بچھا ہوا تھا +

اہل بابل بہشت کو بھی مانتے تھے اور اسے زندگی کا ملک کہتے تھے جہاں سورماؤں کو انکی خدمات کے عوض انعام میں آرام کرنے کے لئے ایک پلنگ اور دوستوں اور رفیقوں کے ساتھ پینے کے لئے شراب دی جاتی تھی + اہل بابل میں جو لوگ عابد و زاہد ہوتے تھے وہ ہر روز توبہ و استغفار کیا کرتے تھے - اور دکھ و مصیبت کے وقت تو بڑے سچے دل سے توبہ کی جاتی تھی +

کفایت شعاری

سیونگ بنک

کاش مَیں سارے آسمان پر زرّیں حروف میں یہ دو لفظ لکھ دیتا "سیونگ بنک" (پادری لیمپارش)

غریبوں کی مدد کرنے کا صرف ایک سچا راز یہ ہے کہ اُن کو اُن کی حالت سدھارنے کی طرف توجہ دلائی جائے ✦ (آرک بشپ سمنر)

اے کاہل آدمی چیونٹی کے پاس جا۔ اُسکی روشیں دیکھ اور دانش حاصل کر۔ کیونکہ وہ باوجود اسکے کہ اُس کا کوئی سردار۔ کوئی کروڑا۔ اور کوئی حاکم نہیں۔ گرمی کے موسم میں اپنی خورش تیار کرتی ہے۔ اور درو (فصل) کے وقت اپنے واسطے خوراک جمع کرتی ہے ✦ (امثال ۶: ۶-۸)

لوگ کہتے ہیں کہ ہر خاندان یا گھر میں ایک ٹھٹری ہے۔ جو ایک الماری کے اندر بند رہتی ہے۔ اور کبھی نظر نہیں آتی۔ صرف گھر کے اندر کے لوگ اُس سے واقف ہوتے ہیں۔ مگر اس پر بھی وہ ٹھٹری زیادہ عرصہ تک پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ بلکہ کسی نہ کسی طریقہ میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ وہ ٹھٹری جس کا سب سے زیادہ رواج ہے وہ مفلسی ہے۔ بقول مسٹر ڈگلس جیرلڈ وہ بڑا راز ہے جسے ہر طریقہ میں۔ ہر طرح کی کوشش سے اور ہر قسم کی تکلیف کے ساتھ دُنیا کا ایک نصف دوسرے نصف حصّے سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ جبکہ کچھ بھی پس انداز نہیں کیا جاتا۔ یعنی نہ تو بیماری کی مصیبت دُور کرنے کے لئے اور نہ بڑھاپے کی حاجت روا کرنے کے لئے کچھ بھی پس انداز نہیں کیا جاتا۔ بس اسی کمی کا نام وہ ٹھٹری ہے جو ہر گھر میں الماری کے اندر بند رہتی ہے ✦

ایک ایسے ملک میں جہاں کاروبار اکثر اسباب کے باعث کچھ عرصہ کے لئے بند ہو جاتا ہے تو بہت سے کلرک اور مزدور اور ملازم بیکار ہو جاتے ہیں۔ اور اُنکو اُس وقت تک کسی کام کے لئے انتظار کرنا پڑتا ہے جبتک کہ کام کاج اور کاروبار کا اچھا زمانہ نہ آئے۔ لیکن بیکاری کے زمانہ بھر اُنکی گزر کیسے ہونی چاہئے؟ اگر اُنہوں نے کچھ بھی پس انداز نہ کیا ہو یا اُنکے پاس

کچھ بھی روپیہ نہ ہو تو وہ محتاجی اور تنگدستی میں مبتلا رہتے ہیں *

اگر کسی مزدور کے پاس دس پونڈ ہوں تو وہ بیکاری کے دنوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکتا ہے۔ جہاں کہ اُسے افراط کے ساتھ کام مل سکے۔ بغیر کچھ پس انداز کئے وہ اپنے ہی وطن میں پڑا پڑا سٹرتا رہتا ہے۔ اگر کسی قبائل کے پاس دس پونڈ ہوں تو اُسکا خاندان ایام بیکاری میں محفوظ رہ سکتا ہے۔ اور اُسے اس وقت تک محتاجی کی رونمائی نہیں ہوسکتی جب تک کہ اچھا زمانہ آئے۔ دس پونڈ کسی ملازم کو بیماری کے ایام میں راحت دے سکتے ہیں۔ اور تندرست ہونے کے بعد اُسے کسی اچھی ملازمت کی تلاش کرنے کے لئے موقع دے سکتے ہیں *

ہم روپیہ کی قدر روپیہ کی حیثیت سے نہیں کرتے ہیں۔ اور جو لوگ کہ کسی گروہ کے لوگوں کو کنجوسی اور روپیہ کی فراہمی کے لئے رغبت دلاتے ہیں وہ نیک دل نہیں ہیں۔ البتہ ہم روپیہ کو زندگی کے ذرائع۔ راحت کے اسباب اور خود مختارانہ زندگی بسر کرنے کے وسائل کی حیثیت سے ضرور قابل قدر سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہم ہر جوان مرد اور عورت کو یہ صلاح دیتے ہیں کہ وہ کاروباری زندگی کے آغاز ہی سے کچھ نہ کچھ ضرور پس انداز کیا کرے۔ اور ہر ہفتہ یا ہر ماہ اپنی آمدنی کا ایک نہ ایک حصہ چاہے وہ زیادہ ہو یا کم ضرور پس انداز کیا کرے تاکہ وہ گداگری محتاجی اور مفلسی کی تکالیف سے محفوظ رہ سکے۔ ہماری دلی خواہش یہ ہے کہ ہر درجہ اور ہر حیثیت کے مرد اور عورت اپنی مدد آپ کرنے کے قابل ہوجائیں۔ جو کوئی بھی اپنی آمدنی میں سے کچھ پس انداز کرتا ہے وہ عقلمند اور دوراندیش ہے۔ کیونکہ اُس کا یہ فعل آیندہ مسرت وخوشحالی اور خودمختاری کا آغاز یا پیش خیمہ ہے *

مسٹر کابٹ بنکوں کا مضحکہ اڑایا کرتے اور کہا کرتے کہ لوگوں کو پس انداز کرنے کی طرف مائل کرنا گویا اُن کی ہتک کرنا ہے۔ لیکن بنکوں کی افراط اور اُن سے کام لینے کے نتائج ظاہر کر رہے ہیں کہ انکی رائے اور خیال بالکل غلط تھا۔ دنیا میں ہزاروں انسان اس مزاج کے ہیں کہ اگر بنک نہ ہوتے وہ کبھی کچھ بھی پس انداز نہ کرسکتے۔ بلکہ جو کچھ اُنکے پاس موجود ہوتا وہ اُسے بھی خرد برد کر دیتے۔ لیکن جونہی کہ اُنہیں پس انداز کرنے کے لئے جگہ اور حیلہ مل گیا وہیں ہی لوگوں نے بعجلت تمام اُس سے فائدہ اُٹھانے کے لئے کوشش شروع کر دی *

موت کے بعد کیا ہوتا ہے؟

(قدیم مصریوں کے عقیدے کے مطابق)

(از منشی احمد خان صاحب کیفی بی اے محمڈن کالج علیگڈھ)

تمام دُنیا اس بات کی قائل ہے کہ انسان کی دو زندگیاں ہیں۔ ایک دنیوی زندگی دوسری عقبےٰ کی زندگی جسے حیات بعد الموت بھی کہتے ہیں۔ اور جو افعال انسان سے بقید حیات جسمانی یعنی اس دُنیا کی زندگی میں سرزد ہوتے ہیں۔ اُن سے اسکی بازپرس موت کے بعد انکے معبود یا معبودوں کی طرف سے کی جاتی ہے۔ یہ عقیدہ دُنیا کی نہ صرف وحشی اقوام ہی سے تعلق رکھتا ہے بلکہ مہذب تعلیم یافتہ اور روشن خیال اقوام سے بھی۔ اور نہ صرف موجودہ اقوام سے بلکہ قدیم اقوام سے بھی؟ مجھے رسالہ ترقی بابت ماہ اگست میں ایک مضمون عنوان بالا کے ساتھ دیکھنے کا موقع ملا۔ اگرچہ میرا ارادہ مدت سے تھا کہ اس عنوان کے اوپر قلم اٹھاؤں لیکن قانونی تعلیم کے انہماک نے مطلق فرصت نہ دی۔ مگر رسالہ ترقی کا مضمون دیکھکر میرے ارادہ میں ازسرنو ایک تحریک پیدا ہوئی جسکا نتیجہ یہ ہے کہ میں قدیم مصریوں کے عقیدے کے مطابق حیات بعد الموت پر ایک مضمون نذر ناظرین کرتا ہوں +

جو عقیدہ حیات بعد الموت سے تعلق رکھتا ہے وہ قدیم مصریوں میں اُس وقت بھی پایا جاتا تھا جبکہ وہ تہذیب و شائستگی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اس عقیدے کے بارے میں جسقدر شہادتیں دستیاب ہوئی ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر روح یا یوں کہو کہ ہر انسان کے ساتھ اسکے افعال کے مطابق سلوک کیا جاتا ہے اور مرنے کے بعد اسے یا تو مقبولوں اور نیکوکاروں کے ملک میں جس کا فرمانروا اوسائرس ہے بھیجدیا جاتا ہے جہاں وہ آرام و اطمینان کی زندگی سے ہمکنار رہتا ہے اور یا اسے ہلاک کردیا جاتا ہے؟

قیامت یعنی مردوں کی عدالت کا خیال مصریوں میں نہایت قدیم زمانہ میں بھی پایا جاتا تھا۔ یہانتک کہ شاہ منکورع کے عہد کی جو ۳۶۰۰ سنہ قبل مسیح کے قریب تھا۔ ایک پتھر کی پٹیا پائی گئی ہے اس پر ایک مذہبی حکم کندہ ہے جو تھوتھ دیوتا کے ہاتھ کا لکھا ہوا بتایا جاتا ہے۔ یہ حکم اب "مردوں کی کتاب" ۳۰ (ب) فصل میں درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں میں مردوں کی عدالت کا خیال رائج تھا۔ ایک اور حکم جو بعد میں "مردوں کی کتاب" کی ایک فصل قرار دیا گیا گیارھویں شاہی خاندان کے ایک تابوت پر لکھا ہوا ملا ہے۔ یہ خاندان مصر میں ۲۵۰۰ سنہ قبل مسیح

سے قریب گزرا ہے اس سے مردوں کی عدالت کی تصدیق کی جاتی ہے +

مردوں کی عدالت اس طرح کی جاتی تھی کہ یا تو ایک دیوتا کے روبرو مردے کے سامنے اعمال ایک میزان میں وزن کئے جاتے تھے یا اسکا جسم اسکے اعمال یا دل کے ساتھ اس طرح وزن کیا جاتا تھا کہ ایک پلڑے میں جسم رکھا جاتا تھا اور دوسرے میں اسکے اعمال یا دل۔ عدالت انصاف میں جانے سے پیشتر روح کو را اور اوسائرس کی ستائش کرنی پڑتی تھی۔ اور وہ گناہ بتانے ہوتے تھے جو اس سے سرزد نہ ہوئے ہوں۔ عدالت میں داخل ہو کر اُسے بیالیس دیوتاؤں کے روبرو جو اوسائرس کے ماتحت ہیں یہ اقرار کرنا پڑتا تھا کہ اُس نے دُنیوی زندگی میں فلاں فلاں گناہ نہیں کیا +

اسکے بعد اُسے اُسکی عدالت میں جسے معانی کی عدالت کہتے ہیں جانا پڑتا تھا۔ جہاں اُس کا دل ایک ترازو میں وزن کیا جاتا تھا۔ ترازو کی ایک جانب انوبس دیوتا جو سرگیدڑ کا سا تھا دو زانو بیٹھا ہوتا تھا۔ اسکے پس پشت تھوتھ دیوتا جسکا سر ایک چڑیا کا سا تھا کھڑا ہوتا تھا اسکے ہاتھ میں ایک قلم ہوتا تھا۔ جس سے وہ وزن لکھتا جاتا تھا۔ تھوتھ کے پاس ہی تین سر کا کُتا جسے اَم میت کہتے ہیں بیٹھا ہوتا تھا۔ اگر دل ذرا بھی ہلکا ہوتا تو کتا اسے کھا جاتا تھا۔ ترازو کی دوسری طرف انو دیوتا اور اس کی بیوی تھوتھ دیوی ادب کے ساتھ سر جھکائے ہوئے کھڑے ہوتے تھے۔ اس وقت وہ انسان کی شکل میں ہوتے تھے۔ اور انسان کے سے کپڑے پہنے ہوئے۔ انو کی روح باز کی شکل میں جس کا سر انسان کا سا ہوتا تھا ایک پٹرے پر رکھی ہوتی تھی۔ اسکے پاس ہی ایک تختہ پر ایک مستطیل شئے جس کا سر انسان کا سا ہوتا تھا رکھی ہوتی تھی۔ اور یہ شئے مرحوم کا مضغہ سمجھی جاتی تھی۔ مردے کے دل کا وزن کرنے کے بعد مردے کی روح کو سب مکانوں میں ہو کر گزرنا ہوتا تھا۔ جن کے دربان ایسے عفریت ہوتے تھے۔ جو نو وارد روح سے دشمنی رکھتے تھے۔ مزید براں اُسے ایک کشتی میں سوار ہو کر اُن مکانوں کے دیوتاؤں کی مدد سے اس منزل مقصود کو جانا ہوتا تھا جہاں کہ اُسے جانا چاہئے تھا۔ اسکے لئے اسے بہت سی دُعائیں جو "مردوں کی کتاب" میں درج ہیں ٹھیک طریقہ اور صحیح تلفظ میں ادا کرنی ہوتی تھیں +

جب روح کے اعمال کا حساب کتاب ہو چکتا تھا۔ تو اوسائرس کا بیٹا ہورس تا

اوساٹرس کی شکل اختیار کر کے اس روح کا جو راستباز ثابت ہوتی تھی باٹیاں ہاتھ اپنے داہیں ہاتھ میں لیکر اوساٹرس کی طرف جاتا تھا - جو ایک تخت پر متمکن ہوتا تھا - اس کے داہیں ہاتھ پر نیفتھیز اور باہیں پر آئسس دیویاں کھڑی ہوتی تھیں - اور سامنے کنول کے پھول کے اوپر ہورس کے چار بچے ہوتے تھے - جب ہورس اوساٹرس کے حضور میں پہنچتا تو یہ کہتا تھا کہ "میں تیرے حضور میں فلاں روح کو لایا ہوں - اسکا دل راستباز نکلا - اسے اپنی حضوری میں داخل کر لے - اس وقت روح اوساٹرس سے یوں مخاطب ہوتی تھی "اے فرمانروا میں تیری حضوری میں حاضر ہوں - مجھ میں کوئی کھوٹ اور گناہ نہیں پایا گیا مجھے اپنے مقبولوں میں داخل کر لے" چنانچہ اوساٹرس اسے اپنے مقبولوں میں داخل کر لیتا تھا *

جب یہ سخت امتحان گزر جاتا تھا - تو روح کو پاتال کے مختلف اور متعدد دیوتاؤں سے ملاقات کرنی ہوتی تھی - جن کی جناب میں وہ عاجزی کے ساتھ دُعا کرتی تھی - ان دُعاؤں کے ختم ہونے پر روح کو معاتی دیوی کی عدالت کے ہر حصہ یعنی دروازہ - دہلیز وغیرہ اور دربانوں کے سوالوں کا جواب دینا ہوتا تھا - جن میں سے ہر ایک اس سے یہ دریافت کرتے تھے - کہ بتا ہمارا نام کیا ہے - ان ناموں کے بتانے کے بعد روح پاتال کے ہر حصہ کی سیر کرتی اور جو عیش و نشاط اُن میں ہوتے تھے اُن سے اپنے آپ کو محظوظ و مسرور کرتی تھی *

اگرچہ قدیم مصریوں میں دوزخ کا کوئی خیال نہیں پایا جاتا تھا - کیونکہ وہ صرف ایک پاتال کو مانتے تھے جسے وہ شیول کے نام سے یاد کرتے تھے - اُسے وہ بدروحوں کا ملک سمجھتے تھے - اور اس میں آفتاب کبھی بھی جلوہ گر نہیں ہوتا تھا - اس میں عفریت سکونت رکھتے تھے - مگر زمانۂ مابعد کے مصریوں میں ایک دوزخ کا خیال بھی پایا جاتا ہے اور اُن کی دوزخ بہت سی خاص خاص باتوں میں برہمنوں کی دوزخ سے مشابہت رکھتی ہے - وہ اوساٹرس کو برہمنوں کے دسرو ام کی مانند سمجھتے تھے - اسکے محل کی حفاظت عفریت کیا کرتے تھے - جن کے ہاتھوں میں آتشیں ہوائیاں ہوتی تھیں - انکے ہاں اکیس دوزخ مانی جاتی تھیں *

پرم ہرو یعنی مردوں کی کتاب جو زمانۂ حال کی تحقیقات کے مطابق دنیا کی سب سے پُرانی کتاب مانی جاتی ہے۔ اس میں زمانۂ مابعد کے مصریوں کے دوزخ کا حال پایا جاتا ہے۔ اسی دوزخ کے شاعروں۔ مصوروں۔ مذہبی پیشواؤں اور مدبروں نے مختلف قوموں کی دوزخیں وضع کی ہیں ٭

گنہگار روح کو اپنے سفر میں بہت سی آفات پیش آتی تھیں۔ اُسے بدروحیں سانپ۔ بچھو۔ زہریلے جانور۔ تکان۔ بھوک اور پیاس ستاتی تھیں۔ جب تاریک پاتال میں پہنچتی تو اُسے ایک گہری نیند آجاتی تھی۔ جس سے وہ کبھی بیدار نہیں ہونے پاتی تھی ٭

مُردوں کی کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے کہ گنہگاروں کی ارواح سے ہورس دیوتا یوں کلام کرتا ہے "تمہارا سر قلم کیا جائیگا۔ تم فنا ہوجاؤ گے۔ تمہاری روح ہلاک کی جائیگی۔ تم نے میرے باپ اوسائرس کا گناہ کیا ہے۔ اسکے عوض میں تم شادے جاؤ گے" اور پھر دوزخ کے محافظوں اور کارکنوں سے یوں مخاطب ہوتا ہے "تمہارا فرض ہے کہ دوزخ کے ان مکانوں کی حفاظت کرو جہاں شریروں کی روحوں پر را دیوتا کے حکم کے مطابق سخت عذاب کیا جاتا ہے" ٭

دوزخ اور اسکی آتشی جھیل کا کارکن ہورس ہے۔ وہ ایک عصا ٹیکے ہوئے اور روحوں کو جن کی شکلیں کسی ہوتی ہیں لیکر دوزخ کی طرف جاتا ہے۔ اسے پہلے ایک سانپ ملتا ہے جسے کھینتی کہتے ہیں۔ اسکے مُنہ سے آگ نکلتی رہتی ہے اس سانپ کو دیکھکر ہورس گنہگاروں کی ارواح سے کہتا ہے "اے شریرو تمہاری طاقت زائل ہوجائیگی۔ اب تم زندہ نہ رہو گے۔ بلکہ ہلاک کئے جاؤ گے۔ تم نے میرے باپ اوسائرس کی سخت نافرمانی کی ہے" اور سانپ سے یوں مخاطب ہوتا ہے۔ "میری کھینتی اپنا مُنہ کھول۔ میرے باپ کے دشمنوں پر آگ برسا۔ انکے جسموں کو جلادے۔ اور اُن کی روحوں کو خاک سیاہ کردے" یہ سُنتے ہی سانپ ان ارواح پر آگ برسانے لگتا ہے۔ جس سے وہ جل بھُن کر رہ جلتے ہیں ٭

مگر چارلس لینور مانٹ نے قدیم مصریوں کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے۔

اس میں وہ شارہ ہاسب ــــ سماء نجم کی قبر کی ایک تصویر کا ذکر کرتا ہے جو گنہگاروں کی سزا سے متعلق تھی - گنہگار روح کبھی تو کلنگ کی شکل میں نظر آتی ہے - کبھی باز کی شکل میں جس کا سر آدمی کا سا ہوتا ہے - اور کبھی انسان کی صورت میں جسکے ہاتھ پس پشت بندھے ہوتے ہیں - ایک شخص کے سر میں سے خون بہہ رہا ہے - اور ایک شخص جس کا سر قلم کیا گیا تھا لٹک رہا ہے - ایک آدمی کھولتے ہوئے پانی کے کڑھاؤ میں پڑا ہوا ہے - اور دوسرا شخص اپنے دل کو جو اسکے سینے میں سے نکال کر زمین پر پھینک دیا گیا ہے اپنی طرف گھسیٹ رہا ہے +

خاموس کی دوسری کہانی میں جسے مسٹر ایف ایل گریفتھ نے ترجمہ کیا ہے - دوزخ کی ایک سیر کا حال درج ہے - ہورس اپنے باپ کو دوزخ کی سیر کرانے لیجاتا ہے - جہاں وہ دیکھتا ہے کہ مُردوں کے سروں پر دانہ پانی لٹکتا رہتا ہے - وہ اسے لینے کو بھاگتے ہیں - مگر اور روحیں ان کے قدموں کے نیچے گڑھے کھود کر انہیں روک لیتی ہیں - دوزخ کے ایک مکان میں ایک شخص نظر آتا ہے جس کی سیدھی آنکھ میں دروازے کی چٹخنی لگی ہوئی ہے - وہ زور زور سے آہ وزاری کر رہا ہے - عدالت کے ساتویں کمرے میں اوسائرس کے سامنے ایک گنہگار سور کے بچے کی شکل میں لایا گیا - اسکی بدیاں اسکی نیکیوں سے زیادہ تھیں - اس لئے اسے امِ مت کے سامنے جس کا سر مگرمچھ - جسم شیر اور پچھلا دھڑ دریائی گھوڑے کا سا تھا ڈال دیا گیا - وہ اس گنہگار کو چیر پھاڑ کر کھا گیا - اور اس طرح اس کا جسم اور اسکی روح ہلاک کر دی گئی +

تاریخ مصر کے متعلق جس قدر کتابیں ہم تک پہنچی ہیں اُن میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ جو لوگ اس دُنیا میں آئے تھے اُن کو عقبےٰ میں دوبارہ پیدا ہونا پڑا - وہ اب تک زندہ ہیں اور جب تک دُنیا قائم ہے زندہ رہینگے - مصریوں میں ایک قادرِ مطلق خدا کی ہستی کا وجود قدیم زمانہ میں بھی پایا جاتا تھا - لیکن عقبےٰ یا دوسری زندگی کا عقیدہ اُنکے ہاں اس سے بھی پرانا ہے - اور اسکی تاریخ ۰۰۰۰ ۵ ہے بلکہ ۰۰۰۰ ۸ قبل مسیح تک قرار دی جاتی ہے - اور دوسری زندگی کے خیال کی تائید غیر تاریخی زمانہ کی قبروں کی نعش چیزوں سے ہوتی ہے جو مُردوں کو نذر کے طور پر چڑھائی جاتی تھیں - اس

عقیدہ قیامت و حیات ابدی کی ابتدا ہوئی ہے

اس امر کے یقین کرنے کے لئے کافی وجوہات موجود ہیں کہ غیر تاریخی زمانہ میں مصریوں کا یہ عقیدہ تھا کہ عقبیٰ میں بھی انہیں کھانے پینے عیش کرنے کو ایک اور جسم ملیگا۔ مگر وہ جسم دُنیوی جسم سے مختلف ہوگا۔ قدیم مصریوں میں یہ دستور تھا کہ زیادہ تر لوگ نعشوں کو مصالحوں سے محفوظ کرکے دفن کیا کرتے تھے۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ان میں یہ عقیدہ تھا کہ وہی جسم دوسری زندگی میں ملیگا۔

مصریوں میں انسان کے مادّی جسم کو خات کہتے ہیں جسے وہ مصالح لگانے کے بعد دفن کر دیا کرتے تھے تاکہ وہ محفوظ رہے۔ اوسائرس دیوتا کا بھی جسم مادّی تھا اور اسکے مختلف اعضا مندروں میں محفوظ رکھے گئے تھے۔ انسان کے جسم سے کا یعنی مضاعف یا ہمزاد بھی تعلق رکھتا ہے۔ اوسائرس کے اعضا پر اور مصریوں کی قبروں پر اس کا کی پرورش یا زندگی قائم رکھنے کے لئے نذریں۔ کھانے پینے کی چیزیں چڑھائی جاتی تھیں۔ کیونکہ ان کا یہ عقیدہ تھا۔ کہ اگر اسے یہ چیزیں نہ چڑھائی جاویں تو وہ فاقوں کے مارے مر جائیگا اور اس سے انہیں دوسری زندگی نصیب نہ ہوسکیگی۔

قدیم مصریوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ انسان کی ہستی آٹھ چیزوں سے بنتی ہے جو یہ ہیں۔ جسم۔ ہمزاد۔ رُوح۔ دل۔ عقل۔ طاقت۔ سایہ اور نام۔ مگر ان میں تہذیب و شائستگی کو ترقی ہونے سے یہ خیال جاتا رہا۔ اور انسان صرف تین چیزوں سے مرکب سمجھا جانے لگا۔ یعنی جسم۔ جان اور روح سے۔ اور وہ یہ ماننے لگے کہ فانی جسم عقبیٰ میں زندہ نہیں کیا جائیگا۔ حالانکہ جاہل مصری فانی جسم کے دوبارہ زندہ ہونے پر جمے رہے۔ لیکن جو لوگ مذہبی کتابوں سے واقف تھے۔ ان کے دلوں سے یہ خیال اُٹھ گیا یہاں تک کہ سنہ قبل مسیح کے قریب لوگوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ "موت کے وقت روح تو عالم بالا پر چلی جاتی ہے مگر جسم خاک میں مل جاتا ہے۔"

مصریوں کا عقیدہ تھا کہ وہ مرنے کے بعد را کی کشتی میں بیٹھ کر آسمان کی سیر کرینگے اور کروڑوں برس زندہ رہینگے۔ مگر وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ اس جسم کے ذریعے سیر اور ایسی طویل زندگی ناممکن ہے۔ پہلے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ جس طرح آفتاب کا جسم

ہر روز زندہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اُن کے جسم بھی زندہ ہو جائینگے۔ مگر بعد میں وہ یہ ماننے لگے۔ کہ فانی جسم غیر فانی نہیں ہو سکتا۔ اور جسم کا محفوظ رکھنا بھی دوبارہ زندہ ہونے کے لئے کافی ہے +

فانی جسم کے دوبارہ زندہ ہو جانے کا خیال اُن کے دلوں میں اس لئے سما گیا تھا کہ آئسس نے تھوتھ کی بتائی ہوئی دُعا کے ذریعے سے اوسائرس کا جسم زندہ کر دیا تھا اس لئے انکے دلوں میں یہ بات جڑ پکڑ گئی کہ اس دعا کے ذریعے فانی جسم غیر فانی ہو جاتا ہے۔ اور یہ جسم قبر سے نکل کر عالمِ بالا پر چلا جاتا اور دیوتاؤں کی مجلس میں شریک ہو جاتا ہے اور روح اس میں رہنے لگتی ہے۔ مگر اس بات کو وہ بعد میں غلط سمجھنے لگے +

دیگر قوموں کی مانند غیر تاریخی زمانہ کے مصری بھی قبر پر کھانے پینے کی چیزیں اس خیال سے چڑھایا کرتے تھے کہ یہ چیزیں مرحوم کو دوسری دُنیا یعنی عقبےٰ کی زندگی میں مل جائینگی۔ اس خیال ہی کے زور پر وہ یہ سمجھنے لگے کہ دوسری دُنیا میں یہ جسم بھی اُن کو دیا جائے گا۔ مگر بعد میں وہ سمجھ گئے کہ دوسری دُنیا میں روح کو دیوتاؤں کی سی رُوحانی غذا کھانے کو ملتی ہے اس لئے اُسے ایسے جسم کی ضرورت نہیں ہوتی +

اُن میں یہ بھی خیال رائج تھا کہ مرنے کے بعد روح کو ایک مقام میں رہنا ہوتا ہے جسے سخت آرو کہتے ہیں وہاں اُسے دُنیا کا سارا آرام اور چیزیں ملتی ہیں +

۲ مصریوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ دوسری زندگی میں ہر شخص اپنے رشتہ داروں اور دوستوں میں مل کر دُنیا کی سی خانگی زندگی بسر کریگا۔ اور رفتہ رفتہ دعاؤں اور التجاؤں کے ذریعے پاک ہو کر دیوتاؤں کی مانند ہو جائیگا۔ اور ابد تک زندہ رہیگا +

زمانۂ حال کے ان تھک تجربات سے دریافت ہو گیا کہ دوا کا اثر دن کی نسبت رات میں زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ کیونکہ رات کو جذب کی قوت زیادہ بڑھ جاتی ہے اسی لئے رات کو زہر زیادہ چڑھتا ہے +

۱۲ ایک مشہور ڈاکٹر کا تجربہ ہے اور یہ بھی ہے آیوڈائیڈ پوٹاسیم سے سماعت کو نقصان پہنچتا ہے۔ چنانچہ کانوں میں سائیں سائیں کی آواز پیدا ہو جاتی ہے +

تاریخ یورپ

آسٹریہ ہنگری (۱)

تمہید۔ اس مضمون کے سلسلہ میں قدیم یورپ کے اُس ملک کا ذکر بارہا آیا ہے جسے "مملکت شارلیمین" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ سلطنت موجودہ اسپین کے دریائے ایبرو سے لیکر دریائے رائن کے پار تک اور فرانس کے دریائے سین سے لیکر دریائے ڈینیوب تک چلی گئی تھی۔ شارلیمین جو اب سے ۱۱سو سال پیشتر گزرا ہے وہ اُس زبردست اور بے نظیر سپہ سالار کا پوتا تھا جس کا نام چارلس مارٹل اور جس نے موجودہ فرانس میں اور کوہستان پیرینیز میں سے موروں (مسلمانوں) کو نکالا تھا۔ شارلیمین پیدائشی سپاہی اور منتظم تھا۔ اور اُس میں نپولین اعظم اور پیٹر اعظم دونوں ہی کے اوصاف پائے جاتے تھے۔ ان ہی اوصاف کے باعث اُس نے اتنی بڑی سلطنت حاصل کر لی تھی۔ شارلیمین غالباً بمقام کیُورس جو موجودہ فرانس کے دریائے اوئسی کے کنارے واقع ہے پیدا ہوا تھا۔ مگر اُس کی وفات ایکس لاشاپل کے مقام پر واقع ہوئی تھی۔

شارلیمین نے اپنے لئے کوئی پایہ تخت نہیں مقرر کیا تھا۔ اور چونکہ وہ روم کی گزشتہ عظمت کو از سر نو عروج پر پہنچانا چاہتا تھا اس لئے اس نے اپنی مملکت کا نام "رومن امپائر" رکھا۔ اور اس طرح اُس سلطنت کی بنیاد پڑی جو "ہولی رومن امپائر" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

اُس کی مملکت نہ تو کوئی ملک کہلا سکتی ہے اور نہ کوئی قوم۔ کیونکہ اُسکے زمانہ میں نہ تو کوئی ایسا ملک تھا جیسا کہ آجکل ہے اور نہ کوئی ایسی قوم تھی جیسی کہ آجکل ہے۔ اس زمانہ میں تو اقوام کا وجود ہو گیا ہے جو مقررہ اور مسلمہ حدود کے اندر رہتی ہیں۔ شارلیمین نے اپنی مملکت کو ضلعوں میں تقسیم کیا تھا۔ ہر ضلع پر اُس نے ایک حاکم مقرر کیا جو کاؤنٹ

کہلاتا تھا۔ جن سرحدی اضلاع میں وحشی اقوام آباد تھیں اُن کا نام اُس نے مارکین رکھا۔ اُنکے حاکم "سرحدی کاؤنٹ" کہلاتے تھے ۔

اُسکے جانشینوں کا انتخاب بھی گورنر کیا کرتے تھے۔ اور ان ہی گورنروں میں سے اُس کا کوئی جانشین مقرر کیا جاتا تھا۔ منتخب شدہ جانشین کا لقب شہنشاہ ہوتا تھا۔ اس سلطنت کا خاتمہ نپولین کے زمانے میں ہوا۔ اور "ہولی رومن امپائر" ہی سے دو موجودہ سلطنتوں یعنی متحدہ جرمنی اور آسٹریہ ہنگری کی بُنیاد پڑی ۔

آسٹریہ ہنگری یا آسٹرو ہنگری یا آسٹریہ - ان تینوں نام سے جو سلطنت یاد کی جاتی ہے وہ مملکت روس کے مقابلے میں بہت ہی چھوٹی سلطنت ہے۔ روس کے بعد وہ رقبہ کے اعتبار سے یورپ میں دوسرے درجہ کی سلطنت ہے۔ یورپ میں سب سے زیادہ کوہستانی ملک سوئٹزرلینڈ ہے۔ اُسکے بعد آسٹریہ ہے ۔

جس طرح ملک بلجیم کے لوگ ایک قوم نہیں ہیں اُسی طرح آسٹریہ کے لوگ بھی ایک قوم نہیں۔ اور جس طرح بلجیم کے باشندوں کی ایک زبان نہیں اُسی طرح آسٹریہ کے باشندوں کی بھی ایک زبان نہیں ۔

یورپ کی موجودہ سلطنتوں کے وجود میں آنے کے اسباب مختلف اور متعدد ہیں کوئی کسی قسم کے اسباب سے وجود میں آئی اور کوئی کسی قسم کے اسباب سے۔ سوئٹزرلینڈ کا وجود میں آنا محض اُسکے باشندوں کی کوشش سے تھا۔ بلجیم محض "وائنا کی کانگریس" کے فیصلہ کے مطابق وجود میں آیا۔ مگر آسٹریہ کا وجود بہت سے پیچیدہ اسباب کا نتیجہ ہے ۔

آسٹریہ بہت سی چھوٹی چھوٹی اقوام یا ریاستوں کے ملکی اتحاد کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ یہ اقوام یا ریاستیں سیکڑوں سال سے ایک ہی مملکت کی تابع چلی آئی ہیں مگر اُنکی حدود اب تک بدستور قائم ہیں اور تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ہر قوم اور ہر ریاست کی حدود جُدا جُدا ہیں۔ اور ریلوے۔ تار برقی۔ اور فوج سی زبردست طاقتیں بھی ان حدود کو نہیں مٹا سکتیں ۔

ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ اُس وقت تک اور شاید آج تک سرکاری قوانین اور فرامین جو اس سلطنت سے متعلق ہیں دس مختلف زبانوں اور چار مختلف حروف میں

میں شائع کئے جاتے ہیں اور پھر بھی وہ مُدعا جو اُن کی اشاعت سے مقصود ہے کامل طور پر پورا نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ کل آسٹریہ کی ایک بڑی پارلیمنٹ ہے جو سارے ملک کے لئے ہے۔ لیکن اُسکی بڑی بڑی ریاستوں میں بھی ایک ایک پارلیمنٹ موجود ہے۔ ریاستوں کی پارلیمنٹوں میں بلحاظ خود ریاستوں کی اپنی زبان میں ہوتے ہیں +

عام تاریخی حالات - آسٹریہ کے معاملات میں جو پیچیدگی ہے وہ قرون وسطیٰ کی یادگار ہے۔ کیونکہ جتنی ریاستیں اسوقت آسٹریہ میں شامل ہیں وہ کسی زمانہ میں قدیم رومی سلطنت کا حصہ تھیں۔ جب سلطنت روم کا زوال شروع ہوا تب رومیوں کی حکومت مشرق کی طرف یعنی دریائے ڈینیوب کی وادی کے کنارے کنارے قائم ہوئی تھی۔ چونکہ یہ ملک روم سے بہت فاصلے پر تھا۔ اور زیادہ کوہستانی تھا۔ اس لئے اُس تک رسل ورسائل بڑی مشکل سے قائم رہتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ روم کی مرکزی حکومت کا اثر اس ملک پر بہت ہی کم رہا۔ اِن باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس ملک کے لوگ مغربی یورپ کے لوگوں کی نسبت رومی عادات و اطوار سے بہت ہی کم متأثر ہو سکے +

جنوب مشرقی یورپ کے لوگ۔ بڑے جنگجو اور فن حرب کے پُورے ماہر تھے۔ چونکہ اُن میں جُرأت و بہادری اور تن و توش ایک بات تھی۔ اس لئے اُن میں جنگ و جدل کا جذبہ بھی زوردار تھا۔ فن جنگ جو مسلح فوج کا ایک ہنر ہے وہ جنگ و جدل سے بالکل مختلف ہے +

رومیوں کے جنگ جدل کے جذبہ اور فن حرب کی قابلیت ہی کے باعث اُنکی حکومت قدیم دُنیا پر قائم ہوئی تھی۔ مغربی یورپ کے لوگوں نے فن حرب رومیوں ہی سے سیکھا اور اتحاد تربیت اور انتظام بھی اُن ہی سے سیکھ کر موجودہ یورپین سلطنتوں کی بُنیاد ڈالی +

یورپ کی مشرقی اقوام میں تہذیب کی کمی اُنکی انتظامی قابلیت کی ایک بڑی کمی سمجھی جاتی ہے۔ مزید براں اقوام کی سرزمین بلقان کے شمال کی طرف کو عمدہ ریاستوں کے قائم کرنے کے لائق قدرتی حدود بہت ہی کم ہیں +

مشرقی اقوام کی تہذیب کی کمی کا تیسرا سبب ترک ہیں۔ اگر ترک کسی اور قوم کے لوگ ہوتے تو مشرقی یورپ کے لوگوں کو بہت کچھ نفع پہنچا سکتے۔ اختلاط اور جذب کے ذریعہ سے اور باہمی شادی بیاہ کے وسیلہ سے وہ ایک متحدہ قوم اور متحدہ ملک کی بنیاد ڈال سکتے

تھے۔ مگر ترک تو نہ اپنے مفتوحہ ممالک کے ساتھ اس قسم کا تعلق قائم کر سکے اور نہ مفتوحہ ممالک کو اس قسم کا تعلق قائم کرنے کی اجازت دے سکے۔ بلکہ ترکوں نے تو مفتوحہ ممالک پر ایک فوجی قبضہ کی صورت میں قیام کیا اور حکومت کی +

مذکورۂ بالا اسباب کے باعث اور نیز اسی قسم کے دیگر گر ذرا کمزور وجوہات کے باعث جنوب و مشرقی یورپ ہمیشہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم رہا۔ جن میں سے ایک میں بھی یہ قابلیت نہیں تھی کہ وہ ساری ریاستوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کر سکے۔ اور اس طریقہ میں ایک بڑی سیاست یا بڑی قوم کی بنیاد ڈال سکے +

غالباً یہ کہا جا سکتا ہے کہ آسٹریہ کے لوگ اس اتحاد و اتفاق کی بنیاد ڈال سکتے تھے لیکن مشکل تو یہی کہ آسٹریہ کوئی قوم یا ملک نہیں ہیں۔ اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آسٹریہ کے لوگ کون قوم کے لوگ ہیں؟ اسکا جواب جو بہت صاف اور سیدھا ہے وہ یہ ہے کہ وہ کسی خاص قوم کے لوگ نہیں ہیں۔ بلکہ مختلف قوموں اور اُنکی ریاستوں کا مجموعہ ہیں جو صرف آسٹریہ یا آسٹرین کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں اور اُنکو اتفاق و اتحاد کی ضرورت ہے خواہ اندرونی ہو یا بیرونی +

کل آسٹریہ میں جو اتفاق و اتحاد اس وقت پایا جاتا ہے اُسکی ابتدا "ہولی رومن امپائر" کے آخری فرمانرواؤں کے عہد حکومت میں ہوئی تھی۔ جب قرون وسطی کی بڑی سلطنت کے مغربی حصوں سے کئی زبردست سلطنتوں کی بنیاد پڑنے لگی تو اس سلطنت کی طاقت مغرب کی طرف سے مشرق کی جانب کو منتقل ہونے لگی + ایک مدت دراز تک اُس زبردست عظیم الشان اور وسیع مملکت کا جو "ہولی رومن امپائر" کے نام سے یاد کی جاتی ہے دریائے ڈینیوب پر کا مشہور شہر وائنا رہا۔ مگر شاہ شارلیمین کے عہد حکومت میں اس وسیع اور زبردست مملکت کا پایہ تخت کئی مقامات میں رہا یعنی کبھی تو پایہ تخت ہونے کی عزت دریائے سین پر کے کسی شہر کو حاصل ہوئی۔ اور کبھی دریائے لیوس پر کے کسی شہر کو نصیب ہوئی اور کبھی دریائے رائن پر کے کسی شہر کو + آسٹریہ کی موجودہ سلطنت جو مختلف اقوام اور ان اقوام کی سرزمینوں کے اتحاد کا نتیجہ ہے اُسکا ظہور ایک مدت دراز میں اور مختلف و متعدد وجوہات اور اسباب سے ہوا تھا۔ گویا یہ سلطنت اپنی موجودہ شکل میں بہت انقلابات دیکھنے کے بعد آئی ہے۔ اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ آسٹریہ کا موجودہ اتحاد ایک تعاون کے ذریعہ سے عمل میں آگیا ہے +

ہوا کی عام گردش سے متعلق مزید باتیں

جب انسان ہوا کے سمندر میں بھی اُسی قدر آسانی سے کے ساتھ سفر کرنے لگیں گے جس قدر آسانی کے ساتھ کہ وہ پانی کے سمندر میں سفر کرتے ہیں تب اُنہیں ہوا کے سمندر سے متعلق بھی اُسی قدر حالات معلوم ہو جائینگے جس قدر کہ پانی کے سمندر سے متعلق معلوم ہیں۔ ہمارے پاس آجکل ایک آلہ ہے جسے مقیاس البحر کہتے ہیں اور جس کے ذریعے سے محکمہ بحری کے لوگ سمندر کی ساری باتیں معلوم کر لیتے ہیں۔ ہمیں آگے چل کر ایک اسی قسم کا آلہ ہوا کی باتیں معلوم کرنے کے لئے بھی مل سکیگا۔ جسکے ذریعے سے ہم کو نہ صرف سطح سمندر پر کی ہوا سے متعلق مختلف حالتیں ہی معلوم ہوسکینگی۔ بلکہ بالائی ہوا سے متعلق حالتیں بھی۔ اس آلہ کا نام کرۂ ہوا کا مقیاس رکھا جائے گا +

ہوا کی عام گردش سے متعلق جو اصول مسٹر فیرل اور مسٹر اوبربیک نے قائم کیا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سطح زمین پر کی ہوائیں سب سے زیادہ تیز رفتاری ۵۰ درجہ عرض البلد کے نزدیک پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں سے اُس میں ایک طرف کو قطبین کی جانب اور دوسری طرف خط استوا کی جانب کمی واقع ہونے لگتی ہے یعنی رفتار گھٹنے لگتی ہے۔ جو باتیں اس اصول میں بیان کی گئی ہیں وہ عملی طور پر بھی معلوم کر لی گئی ہیں +

سال بھر کی آندھیوں کا ایک اوسط نکال کر پروفیسر لومس نے خاص خاص عرض البلاد میں آندھیوں کے اوسط خواص کا پتہ لگا لیا ہے۔ ہوا کی جو اوسط تیز رفتاری فی گھنٹہ میلوں کے حساب سے معلوم کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ "یورپ میں ۳ء۱۰ میل فی گھنٹہ ہے۔ ممالک متحدہ امریکہ میں ۵ء۹ میل۔ جنوبی ایشیا میں ۵ء۶ میل۔ اور جزائر غرب الہند میں ۲ء۶ میل +

انگلستان میں سطح زمین کے نزدیک ہوا کا اوسط کوئی ۱۲ میل فی گھنٹہ ہوتا ہے دیگر چیزوں کی مانند سطح زمین پر کی ہوائیں سمندر سے دوری کے اعتبار سے فرق پڑ جاتا ہے۔ اور اسی طرح دن کے اوقات اور سال کے اوقات کے مطابق بھی فرق

نمایاں ہوتا ہے۔ ہوا کی نوعیت اور حرکات میں اُس سطح کی نوعیت کے اعتبار سے جس پر کہ وہ چلتی ہے بہت کچھ اثر پڑتا ہے +

ہوا خشکی کی نسبت تری پر زیادہ تیزی کے ساتھ حرکت کرتی ہے علاوہ کوہستان کی نسبت یا اُس مقام کی نسبت جہاں جنگل یا کھر ہوتا ہے ہوا خشک اور چپٹی زمین کے اوپر اور زیادہ تیزی سے چلتی ہے۔ براعظموں کے وسط میں اُس کی رفتار سطح سمندر پر یا اُس کے ساحل پر کی رفتار سے کم ہوتی ہے۔ اس طریقہ میں ہندوستان میں ہوا کی تیز رفتاری جبکہ ہم ساحل سمندر سے اندرون ملک کی طرف کو روانہ ہوتے ہیں کم ہوتی جاتی ہے۔ ذیل کے نقشہ سے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے:۔

مقامات		ہوا کی تیز رفتاری بحساب فی یوم میلوں میں
ساحل سمندر پر	بمقام بمبئی	۴۰۸ میل
	بمقام کراچی	۴۹۷ "
ساحل سمندر سے ۱۰۰ میل کے فاصلہ پر	بمقام کلکتہ	۱۲۳ "
	بمقام ڈھاکہ	۱۴۷ "
ساحل سمندر سے ۵۰۰ میل کے فاصلہ پر	بمقام الہ آباد	۹۱ "
ساحل سمندر سے ۸۰۰ میل کے فاصلہ پر	بمقام رڑکی	۶۵ "

یورپ میں سطح زمین کے اوپر کی ہوا کی رفتار ۱۰ میل فی گھنٹہ ہے۔ مگر شمالی بحر اوقیانوس پر اُسکی رفتار فی گھنٹہ ۲۹ میل ہے۔ اسی قسم کا فرق ہوا کی رفتار میں اُس وقت بھی محسوس ہوتا ہے جبکہ ہم سطح زمین سے عالم بالا کی طرف چڑھنے لگتے ہیں اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ رگڑ میں کمی آجاتی ہے۔ اور دوسری یہ کہ عالم بالا کی ہوا جو خط استوائی حرارت سے جو مزید ڈھلاؤ پر پیدا ہوجاتی ہے وہ قطبین کی طرف جاتی ہے +

سطح زمین کے نزدیک اور اول ۵۰ یا ۱۰۰ فیٹ تک بھی مزید تیز رفتاری کا سبب یہ ہے کہ وہاں ایسی چیزوں سے نہیں ٹکراتی جیسی سے کہ سطح زمین پر یعنی درخت۔ مکان۔ اور دیگر اسی قسم کی رکاوٹ ڈالنے والی چیزوں سے۔ اسکے بعد ہوا کی نچلی تہوں کی رکاوٹ

اوپری تہوں تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر ہوا کے ذرّوں کی باہمی رگڑ کے رفتہ رفتہ کم ہونے سے۔ اور اُسی طریقہ میں جس میں کہ شہد میں چمچہ ڈال کر اُٹھانے سے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اردگرد کے شہد کے ذرّے اُن ذرّوں کے ساتھ جن کو چمچہ کے ذریعہ سے آگے بڑھایا جاتا ہے۔ مل کر لگے چلے جاتے ہیں۔ گیس کے ذرّوں کی اس خاصیت کو لسلساہٹ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ پگھلے ہوئے شیشہ کی چپچپاہٹ سے مشابہت رکھتی ہے +

اس امر کی ایک عمدہ مثال یہ ہے کہ ایک جماعت لوگوں کی ایک ہی سڑک پر ایک ہی سمت کو ایک ہی مقام کی طرف جا رہی ہو۔ اگر اُس جماعت کا ہر شخص متوازی خط یا سیدھ میں ایک ہی سی رفتار کے ساتھ حرکت کر رہا ہو تو ساری جماعت کی رفتار ایک ہی سی ہوگی۔ لیکن چونکہ بعض لوگ اس قدر جلدی نہیں چل سکتے جس قدر جلدی کہ دوسرے لوگ چلتے ہیں۔ اس لئے وہ مُڑ مُڑ کر دوکانوں کی طرف دیکھنے لگتے ہیں کچھ لوگ سیدھے خط میں حرکت نہیں کرتے۔ بلکہ راستہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے برابر چلنے والوں سے لڑ جاتے ہیں۔ کچھ لوگ اُن چیزوں کے لینے کے لئے جنکو وہ بھول آتے ہیں پیچھے کو لوٹتے ہیں۔ اس لئے کل جماعت کی رفتار کا اوسط نہایت سست رفتار لوگوں کی رفتار کے اوسط سے بھی گھٹ جاتا ہے۔ حالانکہ وہ اب بھی نہایت سست رفتار لوگوں کی رفتار کے اوسط سے بڑھا ہوا ہوتا ہے +

اسی طریقہ میں اگر لوگوں کی دو قطاریں جن میں سے ایک قطار دوسری قطار کی نسبت زیادہ تیزی کے ساتھ چلتی ہو باہم مل جائیں اور اُن کے لوگوں میں گڑبڑ پڑ جائے تو جو شخص کہ نچلی قطار کی طرف سے تیز رفتار قطار والوں کے پاس گزرینگے وہ اُس کی چال کے اوسط میں کمی پیدا کر سکینگے۔ اسی طرح اگر تیز رفتار قطار کے لوگ سست رفتار قطار کے پاس سے گزرینگے تو اُن کی اوسط رفتار میں تیزی آجائیگی +

اسی طریقہ میں ہوا کی تہیں جو ایک دوسرے کے نزدیک ہوتی ہیں وہ اپنے ذرات کے باہمی میل سے ایک دوسرے کی رفتار کو ہم وزن رکھتے ہیں یعنی ایک برابر۔ لیکن جہاں ہوا کی عام گردش سے ان باتوں کا تعلق ہوتا ہے اور جہاں ذرّے ایک دوسرے سے جلد جلد خلط ملط ہوتے رہتے ہیں وہاں یہ ذرّے مختلف رفتار دں

سے حرکت کرتے ہیں۔ ان ہی وجوہات کے باعث آندھیاں زیادہ مقدار میں نہیں آتی ہیں ٭

ہمبولز صاحب نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اگر کرۂ ہوا عام طور پر سطح زمین پر ایک خاص رفتار کے ساتھ حرکت کرے۔ مثلاً ۲۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے تو اسے اپنی رفتار کو گھٹا کر دس میل فی گھنٹہ کرنے میں۔ اور وہ دیگر چیزوں سے ٹکرا ٹکرا کر کرنے میں ۴۷، ۴۲ سال لگینگے ٭

اوّل تجربات جو ہوا کی رفتار کی تیز رفتاری کے معلوم کرنے کے لئے کئے گئے تھے اُن کو مسٹر ٹی اسٹیونسن ساکن ایڈنبرا نے کیا تھا۔ اس سائنس داں نے مسٹر روبنسن کے نمونہ کے بنے ہوئے آلات کو مختلف بلندیوں پر ۵۰ فیٹ کی لکڑیوں پر لگا کر گاڑ دیا تھا۔ اس جگہ زمین کا رُکاوٹ ڈالنے والا اثر بہت جلد جلد گھٹتا ہوا معلوم دیا۔ اس سے اوپر ہوا کی رفتار میں بہت کمی آگئی تھی ٭

مسٹر رچرڈ ڈگلس صاحب نے جو تجربات ۱۸۸۳ء سے ۱۸۸۵ء میں ۱۸ سو فیٹ کی بلندی سے اوپر رائل سوسائٹی کی مدد سے کیا تھا اُس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اوسط رفتار ہوا کی ۱۶۰۰ فیٹ کی بلندی پر وہ اُس رفتار سے جو ۱۰۰ فیٹ کی بلندی پر ہوتی ہے دوچند تھی۔ ۱۸ سو فیٹ کی بلندی پر رفتار بڑھتی ہوئی معلوم دیتی ہے۔ اگر بادلوں کے اُن تجربات سے جو بلیوہل کی تجربہ گاہ میں جو شہر بوسٹن کے نزدیک کئے گئے تھے یہ خیال درست ثابت ہوتا ہے۔ مگر مسٹر کاٹن نے جو تجربات کئے تھے اور جو بادل کی مختلف قسموں کی حرکتوں سے متعلق تھے وہ انگریزی میلوں میں حسب ذیل ہیں:

قسم بادل	بلندی فٹوں میں	اوسط رفتار بحساب فی گھنٹہ میلوں میں
اسٹراٹس	۱۶۷۶	۱۹
کیوموس	۵۳۲۶	۲۴
الٹوکیوموس	۱۲۷۲۴	۳۴
سٹروکیوموس	۲۱۸۸۸	۷۱
سٹرس	۲۹۳۱۷	۷۸

محروم الارث کی گفتگو سورماؤں کے خُدام سے

محروم الارث سورما میدان معرکہ سے رخصت ہوکر جوں ہی کہ اپنے خیمہ میں پہنچا تو وہاں کے خُدام اور کارپرداز اُسکے جسم پر سے سامان حرب اُتارنے اور اُس کے غسل کا سامان کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ شاید اسکی یہ وجہ ہو کہ وہ اُس نبرد آزما کی صورت دیکھنا چاہتے تھے جس نے کئی نامی بہادروں کو مغلوب کیا۔ مگر اپنے چہرے سے شاہزادۂ جان کے حکم سے بھی نقاب نہ اُٹھایا۔ مگر سورما نے کسی کی خدمت بھی قبول نہ کی اور اُن سب کو خیمہ سے رخصت کردیا۔ صرف اُسکے ایک خادم نے اُسکی زرہ وغیرہ اُتاری۔ اور اُس کے آگے کھانا اور شراب روح افزا لاکر رکھدی۔ جو دن بھر کی مشقت کے بعد بہت ہی لطف دے گئی +

سورما ابھی کھانے سے فارغ نہ ہوا تھا کہ نوکر نے یہ اطلاع دی کہ پانچ شہ سوار اُس کی ملاقات کو آئے ہیں۔ اگرچہ سورما اُس وقت صرف ایک لمبا کرتہ پہنے ہوئے تھا جس میں ایک کلاہ لگی ہوئی تھی۔ تاہم اس خیال سے کہ شام کی تاریکی مسلط ہو چکی ہے اور مجھے سوائے میرے شناساؤں کے اور کوئی پہچان نہیں سکتا خیمہ سے باہر نکل آیا۔ اُس نے اُن پانچوں سورماؤں کے نوکروں کو جن سے اُس کا معرکہ ہوا تھا اپنے آقاؤں کے گھوڑوں پر سوار کھڑا ہوا پایا۔ یہ لوگ اُس سامان حرب اور اُن گھوڑوں کو لائے تھے جس کو پہن کر اور جن پر سوار ہوکر پانچوں سورماؤں نے شکست کھائی تھی +

نوکروں میں سے جو سب سے آگے تھا اُس نے یوں زبان کھولی کہ "سورماؤں کے قانون کے مطابق میں جو سورما گلبرٹ کا خادم ہوں آپ کو یہ گھوڑا اور سامان حرب فتح کی نشانی کے طور پر سورما گلبرٹ کی طرف سے نذر کرنے آیا ہوں۔ ان کو چاہے آپ لے لیں یا واپس کردیں"۔ اس کے بعد باقی خادموں نے بھی اسی مطلب کی گفتگو کی۔ اور پھر سب محروم الارث سورما کے جواب کے لئے خاموش کھڑے ہو گئے +

سورما نے اُن چار خادموں کو جو بعد میں ہمکلام ہوئے تھے یہ جواب دیا کہ

"آپ اپنے آقاؤں کے لئے میرے پاس ایک ہی جواب ہے کہ اگر میں انہیں انکے راہوار
اور سامان حرب سے محروم کروں تو برا کرونگا۔ میں دل سے چاہتا ہوں کہ میرا جواب
اسی بات پر ختم ہو جاتا۔ مگر ایک مجبوری آپڑی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں محروم الارث
ہوں۔ اس لئے تمہارے آقاؤں کو از روئے خلق اپنے راہواروں اور سامان حرب کا
کچھ تاوان دینا پڑیگا۔ کیونکہ جو سامان حرب اور گھوڑے میرے پاس ہیں وہ میرے اپنے
نہیں ہیں۔"

ڈی بٹ کا خادم۔ "ہمیں ہمارے آقاؤں نے کہہ دیا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک آپکو
ایک سو زیکین" وان کے طور پر نذر کردے۔" زیکین ایک سنہری اشرفی تھی جو وینس
میں رائج تھی۔ قیمت میں ۹ شلنگ ۲ پنس سکہ انگریزی کی برابر ہوتی تھی۔

محروم الارث۔ "بس اس قدر رقم کافی سے زیادہ ہے۔ اس میں سے نصف تو میں
ضرور تمہارے لئے لیتا ہوں۔ اور نصف کے دو حصے کرکے ایک حصہ تم لوگ آپس میں بانٹ لو
اور دوسرا حصہ نقیبوں۔ بھاٹوں اور دیگر خدام کو بانٹ دو۔"

محروم الارث کی اس فیاضی سے چاروں بیحد خوش ہوئے اور سب نے سروں سے
ٹوپیاں اتار کر اور سر کو جھکاکر سورما کی فیاضی اور اخلاق کا شکریہ ادا کیا۔ جسکے
بعد ہی محروم الارث سورما گلبرٹ کے خادم سے یوں مخاطب ہوا کہ "میں تمہارے
آقا کا نہ گھوڑا قبول کرونگا اور نہ سامان حرب۔ اور نہ اُن کا تاوان۔ میری طرف سے
اُس سے جاکے یہ کہدو کہ ابھی ہمارا معرکہ ختم نہیں ہوا۔ اور اُس وقت تک ختم نہ ہوگا
جب تک کہ ہم تلواروں اور برچھیوں سے۔ گھوڑے کی سواری میں اور پیدل خوب
دل بھر کے مقابلہ نہ کرلیں۔ اس نے مقابلہ کے لئے خود تمہارے آقا نے مجھے پیغام دیا تھا
جسے میں کبھی نہیں بھولونگا۔ اُسے یہ یقین دلادو کہ میں اُسے اُس شخص کا رفیق نہیں
سمجھتا جسکے ساتھ کہ میں خوشی سے خلق و مروت کا برتاؤ کرسکتا ہوں۔ بلکہ جسے میں
اپنا جانی دشمن سمجھتا ہوں اُس کا رفیق خیال کرتا ہوں۔"

گلبرٹ کا خادم۔ "میرا آقا خوب جانتا ہے کہ کس طرح حقارت کا بدلہ حقارت ہوتا
ہے۔ ضرب کا بدلہ ضرب۔ اور رفق کا بدلہ خلق۔ چونکہ آپ مجھ سے حقارت کے ساتھ

اُس تاوان کا کوئی حصہ نہیں لینا چاہتے جس قدر کہ آپ نے دوسرے سورماؤں سے قبول کیا ہے۔ اس لئے میں راہوار اور سامان حرب یہیں چھوڑے جاتا ہوں۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ میرا آقا نہ کبھی اس راہوار پر سواری کریگا اور نہ اس زرہ وغیرہ کو پہنیگا۔

محروم الارث " تو نے خوب اچھی تقریر کی۔ ہاں نہایت عمدگی۔ قابلیت اور دلیری سے جیسی کہ کسی خادم کو اپنے آقا کے پس پشت کرنا چاہئے تھی۔ مگر راہوار اور سامان حرب کو یہاں چھوڑ کر نہ جا۔ بلکہ انہیں اپنے آقا کے پاس واپس لے جا۔ اگر وہ اُنکے لینے سے نفرت کرے تو تُو اپنے پاس رکھ لے اور انہیں استعمال کر۔ کیونکہ جس حد تک وہ میرے ہو چکے اُس حد تک میں اُن کو تمہیں خوشی سے بخشتا ہوں "۔

یہ جواب سن کر گلبرٹ کا خادم بالڈون جھک کر آداب بجا لایا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ چل دیا۔ ادھر محروم الارث سورما اپنے خیمہ کے اندر چلا گیا۔

محروم الارث (نوکر سے) " گرتھ اب تک تو انگلستان کے سورماؤں کی شہرت وعزت اور بہادری میں میرے ہاتھوں سے داغ نہیں لگا "۔

گرتھ " اور میں نے بہ حیثیت ایک سیکزن سؤر چرانے والے کے ایک نارمن مسلح خادم کا کام بخوبی انجام دیا ہے "۔

اسکے بعد سورما نے گرتھ سے اور باتیں کیں اور اُسے روپیہ دیکر کہا کہ تم یارک جاؤ اور اسحاق یہودی کو یہ روپیہ گھوڑے اور اسلحہ کی قیمت کے طور پر دے آؤ۔ گرتھ نے اول تو عذر کیا۔ لیکن بعد میں سورما کے سمجھانے سے راضی ہو گیا اور جب وہ روپیہ لیکر چلتا بنا تو سورما ایک قسم کی تشویش اور پریشان کن خیالات میں پڑ گیا۔

گرتھ اسحاق یہودی کے گھر میں

اب ہم ناظرین کو ایشبی کے نزدیک ایک گاؤں کی سیر کراتے ہیں جہاں ایک مکان میں جس میں مشرقی طرز کا سامان تھا اور جو ایک یہودی کا مسکن تھا اسحاق مع اپنی ماہ پارہ دختر ربقہ کے مقیم تھا۔ اس مکان میں جو مشرقی سامان سے اور

مشرقی طرز پر آراستہ کیا گیا تھا حسین ربقہ مسندِ زرنگار پر بیٹھی ہے۔ وہ اپنے باپ کی حرکات کو دیکھ رہی ہے جو ایک افسوس و پریشانی کے عالم میں ٹہل رہا ہے کبھی وہ اپنے ہاتھ باندھ لیتا ہے اور کبھی چھت کی طرف نگاہ کرتا ہے۔ اور یکایک یہ کہنے لگتا ہے کہ "اے مقدس یعقوب۔ تیری نسل کے بارہ مقدسوں کی قسم! ایک ایسے شخص کے لئے جو موسےٰ کی شریعت کا ہر طرح پابند ہے یہ کیسی نقصان دہ بات ہے کہ ایک ظالم نے ۵۰ زیکن چھین لئے"۔

ربقہ:۔ مگر ابا جان معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے اشرفیاں شاہزادہ جان کو خوشی ہی سے دی تھیں۔

اسحاق:۔ خوشی سے! یہ تو کیا کہتی ہے؟ ہاں اُسی قدر خوشی سے جس قدر خوشی سے کہ میں نے خلیج لائنس میں طوفان کے وقت ڈگمگاتے ہوئے جہاز کو ہلکا کرنے کے لئے اُس میں سے چیزیں سمندر میں پھینکی تھیں۔ کیا وہ وقت مصیبت کا نہیں تھا؟ مگر جس خوشی سے میں نے اُس وقت اپنا نقصان کیا اُسی خوشی کے ساتھ میں نے شاہزادہ کو بھی اشرفیاں دیں"۔

ربقہ:۔ لیکن اُس وقت تو ہم نے خدا کو اپنی جانوں کے بچانے کے لئے نذر دی تھی۔ اُس وقت سے لیکر تو ہمارے خدا نے آپ کے مال و دولت کو بہت کچھ ترقی دی ہے"۔

اسحاق:۔ لیکن اگر ظالم شاہزادہ اس مال و دولت پر بھی اُسی طرح دست تظلم دراز کرے جیسا کہ اُس نے آج کیا۔ اور ایسا کرتے وقت مجھے ہنسنے کے لئے مجبور بھی کرے تو کیا ہو؟ بچی چونکہ ہم محروم الارث ہیں۔ اور آوارہ خانمان اس لئے جب ہم پر ظلم کیا جاتا ہے تو ساری دُنیا ہم پر ہنستی بھی ہے۔ اور ہمیں اپنی مظلومیت اور نقصان کے خیال کو دبانا پڑتا ہے۔ اور ایسے موقع پر جبکہ ہمیں دلیری سے انتقام لینا چاہئے ہم بزدلی کے ساتھ ہنس دینے ہی پر اکتفا کرتے ہیں"۔

ربقہ:۔ ابا جان ایسے خیالات کو دل میں جگہ نہ دو۔ ہم اب بھی نفع میں ہیں۔ اگرچہ یہ کفار ظالم و زبردست ضرور ہیں۔ تاہم ہمارے محتاج بھی ہیں۔ ہماری دولت بغیر وہ نہ تو میدان جنگ میں فوج لاسکتے ہیں اور نہ صلح اور امن کے وقت کچھ مزے اُٹھا سکتے ہیں۔ اور جو دولت کہ ہم اُنہیں دیتے ہیں وہ ہمارے پاس بڑھوتری کے

ساتھ واپس آتی ہے - ہم اُس نباتات کی مانند ہیں جو پامال کئے جانے سے بڑھتی اور زیادہ سرسبز ہوتی ہے - آج کے دنگل کا کام بھی ایک مقہور یہودی کی مدد بغیر نہیں چل سکا۔

اسحاق ؔ- بچی تو نے ایک اور ہی ترانۂ دلدوز چھیڑ دیا - ہوا سے باتیں کرنے والا راہوار اور نہایت عمدہ سامان حرب جو میں نے نوجوان سورما کو دیا وہ میری ایک ہفتہ کی آمدنی لے گئے - مگر میں نے اپنے دل کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ وہ ایک نیک دل جوان تھا جسے مجھے یہ چیزیں دینا پڑیں" ؀

ربقہ - مگر غالباً تمہیں اُس نیکی کا عوض دیگر جو تمہارے ساتھ اُس نیک دل نوجوان سورما نے کی ہے پچھتانا نہیں چاہئے ؀

اسحاق ؔ- بیٹی میرا بھی تو یہی خیال ہے - اور مجھے اُمید ہے ہم پھر شہر صنعت کو آباد کر سکینگے - کیا میں مقدس ہیکل کے در و دیوار کو انہیں آنکھوں سے دیکھ سکتا ہوں جن سے کہ ایک نیک دل عیسائی کو اپنا قرضہ ادا کرتے ہوئے دیکھتا ہوں؟ ایسا تو میں حاکم اور جیل کے خوف سے کر سکتا ہوں" ؀

یہ کہہ کر بوڑھا اسحاق پھر بدستور اپنے کمرے میں ٹہلنے لگا - اور ربقہ یہ دیکھکر کہ وہ بجائے اسکے کہ باپ کو تسکین دے سکتی اُسکے دل میں نئے خیالات پیدا کرنے کا موجب ہوئی خاموش ہو گئی - اُس وقت صبح کی تاریکی تسلط کرنے لگی - اور ایک خادم نے کمرے میں داخل ہو کر میز پر دو نقرئی شمعدان رکھ دئے جن میں خوشبودار روغن جل رہا ہے - اسکے بعد عمدہ شرابیں اور مرغن کھانے لائے گئے - اور ساتھ ہی ایک نوکر نے آکر اطلاع دی کہ ایک نصرانی (عیسائی) آیا ہے جو آپ سے ملنا چاہتا ہے - اسحاق نے جام شراب رکھدیا اور بیٹی سے کہنے لگا کہ " ربقہ چہرے پر نقاب ڈال لے" اور نوکر کو حکم دیا کہ اُس نووارد کو اندر بھیج دے ؀

جوں ہی کہ ربقہ نے برقع اوڑھ لیا - دروازہ کھلا اور گرتھ داخل ہوا - اُسکی وضع قطع ذرا مشتبہ تھی ؀

گرتھ ؔ- "اسحاق یہودی تم ہی ہو؟"

اسحاق ؔ- "ہاں میں ہی ہوں - مگر بتاؤ تو تم کون ہو؟"

گرتھ۔" اس سے تمہیں کیا غرض"؟
اسحاق۔" جس قدر تمہیں میرے نام سے غرض ہے اُسی قدر مجھے تمہارے نام سے بھی ہے۔ اور بھلا نام دریافت کئے بغیر میں تم سے گفتگو ہی کیونکر کرسکتا ہوں"؟
گرتھ۔" بات چیت تو تم آسانی سے کرسکتے ہو۔ چونکہ میں روپیہ دینے آیا ہوں اس لئے مجھے تمہارا نام معلوم کرنے کی ضرورت پڑی۔ تاکہ میں روپیہ اُسی کے حوالے کرسکوں جو اُس کا حقدار ہے۔ مگر تمہیں جو روپیہ لینے والے ہو اس بات کی زیادہ پرواہ نہیں کرنا چاہئے کہ تمہیں کس کے ہاتھوں سے روپیہ ملتا ہے"۔
اسحاق۔" تو تم روپیہ دینے آئے ہو۔ مگر کس کی طرف سے"؟
گرتھ۔" محروم الارث سورما کی طرف سے جس نے آج کے دنگل میں بازیاں جیتی تھیں۔ یہ اُس اسلحہ کی قیمت ہے جو تمہارے ایک رشتہ دار نے تمہاری سفارش پر اُسے دئے تھے۔ گھوڑا تمہارے اصطبل میں آگیا۔ اور اسلحہ کی قیمت یہ لو"۔
اسحاق (خوش ہوکر)" میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ وہ نیک دل شخص ہے"۔ اور گرتھ سے" شاید تمہیں ایک جام شراب قبول کرنے میں تو عذر نہ ہوگا"۔ یہ کہہ کر اور ایک جام لبالب ایسی نفیس شراب سے بھر کر کہ گرتھ نے کبھی چکھی بھی نہ تھی گرتھ کے حوالے کیا۔ اور یہ دریافت کیا" اور تم اپنے ساتھ کس قدر روپیہ لائے ہو"؟
گرتھ۔" کچھ تھوڑا ہی سا لایا ہوں"۔
اسحاق۔" مگر تمہارے آقا نے تو عمدہ راہوار اور اسلحہ جیتے ہیں۔ ہم اُنہیں لے سکتے ہیں"؟
گرتھ۔" اُس نے تو اُن کو بیچ دیا"۔
اسحاق۔" کیوں؟ اُس نے یہ تو غلطی کی۔ کیونکہ اس نواح میں کوئی ایسا عیسائی نہیں کہ اُن گھوڑوں اور اسلحہ کی قیمت دے سکے۔ اور کوئی دوسرا یہودی اُس سے نصف قیمت بھی نہ دیگا جس قدر کہ میں دیتا۔ مگر تیرے کیسہ میں تو کوئی ایک سو زیکین معلوم ہوتے ہیں"۔

گرتھ ۔" مگر کیسہ میں اور چیزیں بھی ہیں۔ اسی لئے وہ بھاری معلوم ہوتا ہے "

اسحاق ۔" میں تو راہوار اور اسلحہ کے عوض ۸۰ زیکین لونگا۔ مگر اس میں مجھے کوئی نفع نہیں ہوگا۔ کیا تیرے پاس اس قدر روپیہ ہے "

گرتھ ۔" اتنا ہی تو ہے۔ اگر تم سب لے لوگے تو میرا آقا قلاش ہو جائیگا۔ لیکن اگر تم اسی پر آمادہ ہو تو میں بھی دے ہی دونگا "

اسحاق ۔" لے ایک جام شراب اور لے " ۸۰ زیکین تو کچھ زیادہ نہیں۔ اس میں کوئی نفع نہیں۔ میدان معرکہ میں گھوڑے کو بھی ضرور نقصان پہنچا ہوگا "

گرتھ ۔" تم گھوڑے کو دیکھ لو وہ بالکل بڑ دو کھل ہے۔ اور تندرست۔ کہیں خراش تک بھی نہیں آئی۔ اسلحہ کے لئے ستر زیکین کافی ہونگے۔ اگر تم نہ لوگے تو میں اپنے آقا کو واپس دیدونگا "

اسحاق ۔" نہیں۔ نہیں۔ روپیہ نکال۔ اسی گن دے۔ میں تجھے انعام دونگا "

گرتھ نے انعام کا نام سنتے ہی ۸۰ زیکین رکھ دیئے۔ یہودی نے ۷۰ تو گانٹھ لئے۔ باقی دس کو بار بار الٹتا پلٹتا رہا۔ اور کچھ سوچتا رہا۔ وہ ان کو بھی گانٹھ کرنا چاہتا تھا۔ مگر زبان کے مطابق کچھ گرتھ کو دینا ضرور تھا۔ اس لئے اس نے دس زیکین گن گن کر یہ تقریر کی :-

" ۷۱ - ۷۲ - سورما نیک دل ہے۔ ۷۳ - بہت نیک - ۷۴ - ۷۵ - یہ سکہ تو ہلکا ہے۔ ۷۶ - جب کبھی تیرے آقا کو ضرورت ہو تو وہ مجھ سے قرضہ لے جائے - ۷۷ - یہ سکہ اسکا ضامن ہوگا " یہ کہہ کر وہ سوچنے لگا۔ گرتھ سمجھا کہ باقی تین زیکین اسے مل جائینگے۔ مگر یہودی نے پھر گننا شروع کیا ۔" ۷۸ - تو بھی نیک دل ہے - ۷۹ - تجھے بھی تو کچھ ملنا چاہیئے " یہاں یہودی پھر ٹھیر گیا۔ اور سکہ کو پرکھنے لگا۔ گرتھ کو امید ہوگئی کہ ایک زیکین تو اسے مل ہی جائیگا۔ مگر یہودی نے اسے بھی کیسہ میں رکھ لیا۔ اور کہنے لگا کہ " تیرا آقا تجھے انعام دیگا۔ ارے تیرے کیسہ میں تو اور زیکین ہیں "

خیر گرتھ نے آئیں بائیں شائیں باتیں ہانکیں۔ اور تیسرا جام شراب پیکر

بلا سلام کئے رخصت ہوا۔ یہودی ربقہ سے یوں مخاطب ہوا کہ "سور ما ہے تو نیک دل۔ اس نے اس راہوار کی مدد سے بازیاں جیتی ہیں۔ اور دولت کمائی ہے۔ وہ جلیتاپ ثانی ہے" اور ربقہ سے جواب کا منتظر تھا۔ مگر وہ وہاں نہ تھی۔ کیونکہ وہ اُسی وقت کمرے سے چلی گئی تھی جبکہ اسحاق اور گرتھ میں روپیہ پر حجت ہو رہی تھی +

گرتھ زینے سے اُتر چکا تھا کہ ایک مہ جبین نے جس کے ہاتھ میں روشنی تھی ایک دروازہ کھول کر اُسے اشارے سے اندر بُلایا۔ وہ اوّل تو ہچکچایا مگر پھر اُس کے پاس چلا گیا۔ وہ توحسین ربقہ نکلی۔ اُس نے گرتھ سے دریافت کیا کہ اُس نے کتنے زکین دئے۔ گرتھ نے جواب میں کہا کہ ۸۰۔ ربقہ نے کہا کہ ابھی تیرے پاس اور روپیہ ہے۔ اس میں سے تو اپنا حق رکھ لینا۔ باقی اپنے آقا کو دے دینا۔ مگر اب تو جا۔ اور ہوشیاری سے جانا۔ ورنہ یہ ایسا شہر ہے کہ تو روپیہ اور اپنی جان دونوں ہی سے محروم کر دیا جائیگا۔ پھر ربقہ نے تالی بجا کر ایک نوکر کو بُلایا اور حکم دیا کہ چراغ دکھا کر اس مسافر کو مکان کے باہر پہنچا دو۔ اور دروازہ بند کر دو۔ نوکر نے حکم کی تعمیل کی۔ گرتھ نے باہر آکر اپنے دل سے کہا کہ "مقدس ڈنسٹن کی قسم! یہ یہودن نہیں۔ بلکہ حور بہشتی ہے۔ آج مجھے دس زکین آقا سے ملے اور بیس یہودی سے۔ آج تو مبارک دن ہے۔ اگر ایسا ہی ایک دن اور مل جاے تو پھر میں کیوں غلامی کروں۔ پھر تو میں سؤروں کی گلہ بانی چھوڑ کر اسلحہ لگاؤں اور اپنے آقا کے ساتھ تا دمِ زیست رہوں" +

حصۂ نظم

ذیل کی تین نظمیں جو مضمون "گرمی" پر انجمن سخن لاہور کے گزشتہ مشاعرہ منعقدہ بر مکان حاجی حکیم ڈاکٹر غلام نبی صاحب زبدۃ الحکما لاہور۔ میں پڑھی گئی تھیں اپنی خوبیوں کے اعتبار سے نہایت لطیف ہیں۔ اس لئے نذر ناظرین کی جاتی ہیں +

ایڈیٹر

گرمی کی گرم بازاری اور پبلک کی آہ وزاری

(از ناظم الہند شاد میرٹھی)

ساقن چھیل چھبیلی ساقن — ساقن نار نویلی ساقن
راج دُلاری روہنی ساقن — اے میری من موہنی ساقن
میری لاڈلی پیاری ساقن — چھوٹی۔ کمسن۔ کنواری ساقن
چنچل۔ بانکی۔ ترچھی ساقن — تیرے صدقے انوکھی ساقن
موہنی مورت والی ساقن — سوہنی صورت والی ساقن
پیاری ساقن پیاری ساقن — برف ہمیں پلواری ساقن
گرمی آئی ۔ گرمی آئی — پلوادے جلدی ٹھنڈائی
سن لے او آفت کی پوڑیہ — عیش کی اور عشرت کی گوڑیہ
گرم نہ آنکھیں دکھلا اسدم — لطف وکرم کے خواہاں ہیں ہم
بوتل لیمن کی پلوادے — سوڈے میں کچھ برف ملادے
جلدی جلدی لادے ساغر — ساغر میں لا شربت بھر کر
کیسی مے اور صہبا کیسی — بادہ کی ایسی کی تیسی
شامپین اور بیر کس کی — دُور ہی پھینک دے رم اور وہسکی
شربت لا بادام کا فوراً — ورنہ ہوجائیگی ان بن

دخترِ رز میں ۔ رندِ کہن میں   بگڑی ہوئی ہے دولھا دُلھن میں
اچھا جا تو فالسہ لادے   اور نہیں، صندل پلوادے
لادے لادے جلدی لادے   کیوڑہ کی بھی بوند پلادے
مارے پسینوں کے ہیں بسمل   پانی پرہی مائل ہے دِل
داغ جگر میں داغ سے جلنے لگے   داغ جگر کے پھُول کھلنے لگے
پنکھے کھنچتے ہیں گو ہردم   پھر بھی ناک میں آیا ہے دم
شب کو گرمی دِن کو گرمی   کپڑے دُور۔کہ ہے بے شرمی
سر پہ برف بھی ملواتے ہیں   پھر بھی کپڑے کب جلتے ہیں
روتے ہیں خنداں رونے والے   ہوتے ہیں خنداں رونے والے
ٹھنڈ میں سونا۔ ٹھنڈ میں رہنا   پر ہے زورِ تپش کا ایسا
گھر ہے اچھی خاصی بھٹی   لگوائی گو خس کی ٹٹی
سُورج سر کے اُوپر آیا   پانی ہر رگ و تن سے ٹپکا
گھر میں بیٹھے رہنا مشکل   بازاروں میں چلنا مشکل
جاکر کھاٹ پہ جو ہیں سوئے   گرمی سے دِق آکر روئے
مچھر لڑتے مارتے مرتے   آئے اُدھر سے بِھن بِھن کرتے
بھیجا کھاتے، غل کرتے ہیں   کانوں میں آوازیں بھرتے ہیں
کھٹملوں نے بھی شبخون مارا   چوس لیا ہے خون ہمارا
کیوں نہ جلائے تپ کر سورج   آیا سوا نیزے پر سُورج
چرخ سے ہے اک آگ برستی   دق ہے گرمی سے ہر بستی
خطّہ خطّہ پژمردہ ہے   تختہ تختہ سوکھ گیا ہے
گلشن مُرجھایا ہے سارا   ہر گل کملایا ہے سارا
نرگس حیرت سے تکتی ہے   سنبل بھی ہے بال بکھیرے
صرف شیون ہے اب بُلبل   کانٹا ہوگیا سوکھ کے ہر گُل
سرِ دعفتی میں جھک کر شاخیں   ہر لب پہ سُنتے ہیں آہیں

تڑپ رہے ہیں حیواں سارے — سب کی زبان پر پڑ گئے کانٹے
گنگا سوکھی ستلج سوکھا — پیاسہ ہے پانی کا بھوکا
نوکر - باندی - راجہ رانی — ہر لب پر ہے پانی پانی
جام لگا دے مُنہ سے میرے — تشنہ لب ہوں قرباں تیرے
آتشدان بنا ہے سینہ — مرنے سے بدتر ہے یہ جینا
سیخ ہوئی جل بھُن کر ناڑی — بہر خدا لا ٹھنڈی تاڑی
لِلّٰہ پیالہ منہ سے لگا دے — دل کی لگی کو میری بُجھا دے
شاد کا تو دلشاد کریگی — وقت سے آزاد کریگی

ہے یہ دُعا اللہ سے دائم
رکھے شاد مجھے اور خورم

گرمی کی گرم بازاری

(از طوطیِ ہند پنڈت راج نرائن صاحب ارمان دہلوی)

الاماں اے خالقِ نارِ جحیم — الاماں اے صانعِ آبِ حمیم
الاماں گرمی کی آتش خیزیاں — الاماں لُو کی شرر انگیزیاں
اب کی گرمی ہے یہ کیسی الحذر — شعلہ افشاں روز و شب مثلِ سقر
کُرّۂ آتش بنی ہر ایک چیز — اُٹھ گئی سب آب و آتش کی تمیز
چار عنصر تھے جو دُنیا میں کبھی — آج اُن میں مستند ہے آگ ہی
خاک و باد و آب بھی تینوں ہیں نار — گرمیوں کا ساختہ ہے یہ اچار
آگ وادی آگ بستی آگ گھر — آگ کوچہ آگ دیوار آگ در
آگ بستر آگ تکیہ آگ ہم — آگ چادر آگ پنکھا آگ دم
آگ کھانا آگ پانی ہے تمام — آگ کے کیڑے ہیں حیواں لاکلام
تخت ہو یا چارپائی الحفیظ — آگ میں ہے کیا تپائی الحفیظ
جتنی شے ہیں پیش و پس راست و چپ — ہیں تپاں گویا ہے لاحق انکو تپ

گرمی کی گرم بازاری

لٹنے سے ان پہ کب آئے قرار — بن رہے ہیں یہ سراسر شکل نار
کھا رہا ہے اس طرح تن پیچ و تاب — بھن رہا ہو آگ پر جیسے کباب
تن پھکا لُو سے جلا گرمی سے دل — ظاہر و باطن ہیں دونوں مشتعل
خون بلغم اور سودا بر ملا — سب کا رُب جل بھن کے سودا ہو گیا
کوہ کی کیا خاک لیجے چل کے آڑ — بھاڑ کی ہیں شکل جتنے ہیں پہاڑ
خس کی ٹٹی کا اگر کیجے خیال — اس سے بھی ٹھنڈک کا پانا ہے محال
آپ ہی جاتا ہے وہ شش در گھڑی — آب کی ہے چاہ اس کو ہر گھڑی
سر سے تا پا وہ عرق میں غرق ہے — برق میں اس میں نہیں کچھ فرق ہے
بڑھ گئی حد سے تپش اے ذوالجلال — ہو گیا باغ جہاں کا غیر حال
تھے جو گلزار اب وہ ہیں نار خلیل — ہیں شجر سب نار جبل
پھل ہیں آلوچہ تو گل گلنار ہیں — آگ یا لُو کے انہیں آزار ہیں
گرم بازاری یہ ہے گرمی کی آج — ہو گئی ہے برف بھی آتش مزاج
ہو گیا کافور سردی کا وجود — ہو گئی سب گم تری کی ہست و بود
سن کے لفظ تر کو ہم تربوز اگر — لائے بھی بہر مداوائے جگر
جب کیا چاک اسکو آتش رنگ تھا — آتش سوزاں کا سارا ڈھنگ تھا
دیکھنا ہو آگ کا کھیڑا اگر — کیجیے جا کر سمندر پر نظر
حال ہے تالاب کا بھی اب خراب — پڑ گئے ہیں آبلے جلے حباب
تہ میں اسکی مچھلیاں دیکھو اگر — انکو بھی گرمی سے پہنچا ہے ضرر
فلس جن کو خلق ہے سمجھے ہوئے — داغ ہیں وہ احتراق خون کے
دھوپ سے دریا کو استسقا ہوا — آگ گرمی سے جگر اس کا ہوا
پیٹ میں پانی ہے پھر پانی پہ غش — ہے لب ساحل سے شور العطش
ڈالی سورج نے یہ کیسی کھلبلی — آگ ہے گویا جہاں میں لگ رہی
ہر طرف لُو اور تپش کا دور ہے — اب ہوا عالم میں چلتی اور ہے
عالم بالا ہے یا دنیا۔ مگر — حدت نیر سے ہیں زیر و زبر

گرمی کی گرم بازاری

آگ دریا میں ہے ماہی ریگ میں — ہے غذا جیسے مرغ آتش ویگ میں
دن کو پڑتی ہے غضب شدت کی دھوپ — شب کو حدت اپنا دکھلاتی ہے روپ
روز و شب کو دیکھکر کہنا پڑا — ہیزمِ سوزاں وہ ہے یہ کوئیلا
دیکھئے دن کو تو ہوتا ہے یقیں — ہے بلاشک طشت پر اخگر زمیں
آسماں ہے اسپہ اک آہن کا تاب — جیسے ہے نانِ خطائی آفتاب
شب کو ہوتا ہے ستاروں پر گماں — ہیں انگیٹھی میں بھری چنگاریاں
جتنے ہیں جاندار و بیجاں الغرض — سوزشِ دل کا ہے ہر اک کو مرض
ہیں حواسوں سے معطل انس و جاں — فرطِ حدت سے ہوا برہم جہاں
نعل در آتش ہیں گھوڑے سب کے سب — نیل کالے پڑ گئے دیکھو غضب
فوج ثور و حوت سرطان و اسد — نسر و عقرب مضطرب با حالِ بد
آسماں پر چل بسی چھوڑی زمیں — یہ نہ جانا واں تو سایہ بھی نہیں
اے خیالِ مضطرب یہ کیا کہا — ان کا ہے کچھ آوری اب مدعا
حدتِ خورشید سے پاکر تعب — کرنے کو بارانِ رحمت کی طلب
چُن کے مخلوقات نے اک اک وکیل — بھیجا ہے پیشِ خداوندِ جلیل
حالِ انساں ہے جواب کرنا رقم — شمع سوزاں چاہیئے بہرِ قلم
کوزۂ آتش ہو پھر کوئی دوات — طبقے دوزخ کے بجائے کاغذات
تن جلا باہر سے اندر سے جگر — آگ گرمی نے لگا دی سر بسر
سر کے بالوں کا معمہ اب کھلا — جل گیا بھیجا دھواں ہے اُٹھ رہا
لب پہ آہِ گرم کا ہے یہ سخن — آگ ہے سینہ کے اندر شعلہ زن
جل رہا ہے دل جگر اسپند کی طرح — تن کا ہے تنورِ گرم انجن کی طرح
آہ اے گرمی خدا سمجھے تجھے — بُت بھی کب تیری شرارت سے بچے
آتشیں ہے رنگ رُخ گلنار ہیں — دود زلفیں چشم برق آثار ہیں
لو لگی ہے عشق کے عالم میں کب — جل رہے ہیں حسن کے پتلے بھی سب
شدتِ گرما سے ہے حالت تباہ — دل تپاں سینے میں لب پر گرم آہ

ہے پسینہ کا ہو دریا بہہ رہا سر سے تا پا پا سے تا تحت الثریٰ
کھنچتا انساں کا عرق ہے بالیقیں بہرِ تسکینِ دلِ گاؤ زمیں
تیزیاں ارماں یہ گرمی میں کہاں
رنگ لائی ہے فغانِ عاشقاں

گرمی کی گرما گرمی

(نتیجہ فکر رسا بابو الہ یار خاں صاحب جگی۔ لاہور)

گئیں سردیاں آگئیں گرمیاں طبیعت دکھا گرم جولانیاں
قلم کی ہوں وہ تاؤ پر تیزیاں کہ اڑنے لگیں جن سے چنگاریاں
سوا نیزے پر آفتاب آگیا
سماں ہند پر حشر کا چھا گیا
یہ سردی کے جلتے ہی کیا ہو گیا زمیں بھن گئی آسماں جل اٹھا
کبھی ایسا موسم نہ دیکھا سنا تپش سے ہے ہر جانور ہانپتا
بڑی گرمی کے مارے ہے کشمکش
زباں پر ہے ہر ایک کی العطش
ہیں کیا دھوپ سے آنکھیں چندھیا گئیں بگولے اٹھے آندھیاں آگئیں
وہ گل بوٹے کلیاں بھی مرجھا گئیں ستم سا ستم گرمیاں ڈھا گئیں
چمن تھا جو آباد سب لٹ گیا
ہر اک باغباں کا ہے دم گھٹ گیا
چمن میں تھی پہلے بڑی ریل پیل کھلا موتیا تھا کھلی تھی رویل
پرندے جہاں پر تھے کرتے کلیل نظر آتے قدرت کے جن جا تھے کھیل
گل و لالہ کا رنگ فق ہو گیا
جگر پیاری بلبل کا شق ہو گیا
سدا رہتے تھے پھول جو شاخ پر لٹک وہ گئے گردنیں ڈال کر

گرمی کی گرما گرمی

وہ غنچے جو پہلے اٹھاتے تھے نذر　　اب ہے جان گھُٹتی میں شام و سحر
یہ گرمی ہے یا ہے یہ قہرِ خدا
چنبیلی کا ہے تیل نکلا ہوا
وہ نرگس کی آنکھیں بھی پتھرا گئیں　　وہ سنبل کی زلفیں بھی بل کھا گئیں
وہ سب پتیاں گل کی مرجھا گئیں　　چمن گرمیاں ہائے لٹوا گئیں
سدا رہتا شاداب تھا جو گلاب
وہ گرمی سے کھاتا ہے اب پیچ و تاب
تھی جس جا پہ وہ سبز مخمل بچھی　　تھی جس جا پہ وہ دوب بھیلی کبھی
نظر پڑ کے جس جا سے اٹھتی نہ تھی　　وہاں اب ہے اک خاک ہی اڑ رہی
بس اب خشک سب ندی نالے ہوئے
ہرن بھی بیاباں میں کالے ہوئے
سمندر کا پانی ہے کھولا ہوا　　ہے دریا ہر اک ابنو اترا ہوا
وہ سب جوش گنگا کا چلتا ہوا　　وہ پایاب دریائے جمنا ہوا
نہیں پانی کی سطح پر بلبلا
زباں پہ پڑا موج کی آبلا
خورش کے نہ پوشش کے اب لطف ہیں　　کہاں تک یہ انسان پانی پئیں
کہاں تک شدت تمازت سہیں　　بنیں مچھلی پانی میں کب تک رہیں
تسلی ہو پانی سے ممکن نہیں
ہم ہیں آدمی آخر انجن نہیں
وہ بیچین سارے زن و مرد ہیں　　وہ سب چہرے آلودہ گرد ہیں
زرِ گل کی مانند سب زرد ہیں　　وہ گرم آہیں لب پر ہیں دم سرد ہیں
تمازت ہے وہ دھوپ میں الاماں
پسینے کی ہیں بہہ رہی ندیاں
تھے مرد و زن مصروف سب کام میں　　مصیبت میں تھے رنج و آلام میں

تھے اہلِ دول اب بھی آرام میں　　نہ فرق ان کو تھا صبح میں شام میں

تھے بجلی کے پنکھے وہاں چل رہے

ہوا خوری تھے پنکھیاں جھل رہے

بہت سے تھے کشمیر شملے گئے　　نہ تھی جن کو توفیق جلتے رہے

غریب ہند والے یونہی مر مٹے　　فرنگی مگر کر رہے عیش تھے

شکر خورے کو حق سے ہے دیتا شکر

بنا ہندوالوں پہ گھر ہے سقر

چلاتے تھے پنکھے بچارے کوئی　　وہ سوتے تھے پاؤں پسارے کوئی

اُدھر کرتا ہے وارے نیارے کوئی　　ادھر گنتے ہیں شب کو تارے کوئی

وہ خوشبو سے ہے خس کی کوٹھی بسی

یہاں ہے پسینے سے جاں پر بنی

ہے گرمی سے دل بھی جگر بھی کباب　　چلے آتے ہیں جو گی جی تشنہ آب

لگا برف میں ساقی بوتل شتاب　　زباں پر ہیں کانٹے ملا دے گلاب

بجز مرنے کے اپنا گزارہ نہیں

جہاں میں پھر آنا دوبارہ نہیں

قومی گیت

انگریزی قومی گیت کا ترجمہ جس میں حب الوطنی کے پاکیزہ جذبات کا نقشہ کھینچا گیا ہے

میرے پیارے وطن تجھ پہ فدا جان و تن　　تجھ پہ فدا جان و تن میرے پیارے وطن

تجھ میں ہے آزاد تن تجھ میں ہے آزاد رُوح　　تجھ میں ہے آزاد روح تجھ میں ہے آزاد تن

گاؤں نہ کیوں تیرے بھجن مدفن و مرقد سلف　　مدفن و مرقدِ سلف گاؤں نہ کیوں تیرے بھجن

قومی گیت

کوچے ہیں تیرے اے وطن قبلۂ آزادگاں — قبلۂ آزادگاں کوچے ہیں تیرے اے وطن
مایۂ نازشِ زمن ذرّے تری خاک کے — ذرّے تری خاک کے مایۂ نازشِ زمن
تیرے پہاڑ تیرے بن گاتے ہیں نغمۂ فراغ — گاتے ہیں نغمۂ فراغ تیرے پہاڑ تیرے بن
مرجع اہل علم و فن تیری یہ خاک پاک ہے — تیری یہ خاک پاک ہے مرجع اہل علم و فن
چشمۂ فیض ذو المنن ندیاں نالے ترے — ندیاں نالے ترے چشمۂ فیض ذو المنن
ہیں ترے سرو و یاسمن مظہر آزادیاں — مظہر آزادیاں ہیں ترے سرو و یاسمن
غیرتِ گلشن و چمن خار تری راہ کے — خار تری راہ کے غیرتِ گلشن و چمن
تیری نرالی پھبن روح فزا دل فریب — روح فزا دل فریب تیری نرالی پھبن
رشک خطا و ختن کوچہ و برزن ترے — کوچہ و برزن ترے رشک خطا و ختن
مجھکو قسم بہ جان و تن نام ترا عزیز ہے — نام ترا عزیز ہے مجھکو قسم بجان و تن
بادِ سحر ہے نغمہ زن تیری فریڈموں پہ آج — تیری فریڈموں پہ آج بادِ سحر ہے نغمہ زن
جاگ گئے اہل سخن آیئے صاحبِ نفوس — آیئے صاحبِ نفوس جاگ گئے اہل سخن
کوہ ہوں خامشی شکن نغمہ سرا ہوں بحر و بر — نغمہ سرا ہوں بحر و بر کوہ ہوں خامشی شکن
مل کے بنائیں انجمن سنگ و شجر ہوں محوِ رقص — سنگ و شجر ہوں محوِ رقص مل کے بنائیں انجمن
حمد خدائے ذو المنن گائیں نہ کیوں روز و شب — گائیں نہ کیوں روز و شب حمد خدائے ذو المنن
ربّ زمین و زمن خالق خیر و شرِ خلق — خالق خیر و شرِ خلق ربّ زمین و زمن
تازہ رہے یہ چمن فضل خدا سے سدا — فضل خدا سے سدا تازہ رہے یہ چمن

تیز ہو حب الوطن چمکیں یہ آزادیاں
چمکیں یہ آزادیاں تیز ہو حب الوطن — (از زمیندار)

معمارِ قسمت

(ترجمہ "بلڈر" از لانگ فیلو)

جسے دیکھو وہی دنیا میں اک معمار قسمت ہے — جو آیا زیر دیوار جہاں پابند محنت ہے

تمدّن

کسی کے ہاتھ اک کارِ عظیم الشان رہتا ہے
کوئی حُسنِ سخن کے جلوے کا حیران رہتا ہے

ازل کے ہاتھ نے ہر ذرّے کو باقاعدہ رکھا
مثالِ مہرِ عالمتاب اُس میں فائدہ رکھا
وہ شے جسکی ضرورت کچھ نہیں آتی نظر ہم کو
سنبھالے رکھتی ہے لیکن وہی سامانِ عالم کو

پئے تعمیر گر دل میں کوئی ارماں لگا رکھے
جہاں بھی بے تکلف اک جہاں ساماں لگا رکھے
جسے کہتے ہیں روز و شب عمارت کا ہے شیرازہ
ہماری زندگی ہے کیا ریاضت کا ہے شیرازہ

مگر ہر خشت کو رکھنا کچھ ایسی ہی نفاست سے
نظر آئے نہ رخنہ ایک بھی سطحِ عمارت سے
ادھورا کام تیرا گر رہا پوشیدہ نظروں سے
ہمیشہ یوں ہی رہجائیگا کیا پوشیدہ نظروں سے

جب اگلوں کا زمانہ تھا خیالِ فنِ صنعت کا
ہنر میں اپنے دکھلاتے تھے آئینہ لطافت کا
گھرے فن کے بھر رکھتے تھے ہر گوشہ عمارت کا
کہ خالق دیکھنے والا تو ہے اپنی ریاضت کا

خجل ہو جائے ساقی! محتسب بھی آکے چلمن تک
ڈبو دے جامِ صنعت کو مئے خوبی میں گردن تک
سحابِ مے اُڑے اور اُڑ کے پہنچے صحنِ گلشن تک
بڑھے دستِ تمنا شوق سے پھولوں کے دامن تک

نہ ہو یہ بات تو ہمدم ہماری زندگی کیا ہے
عمارت اپنی دیوارِ شکستہ کا نمونہ ہے
اگر ہیں سیڑھیاں بھی کچھ تو چڑھنے کے نہیں قابل
قدم دھرتے تو کیا دھرتے نہیں پاؤں کی نیں قابل

نہ ہو اک بال بھی بیکا مکاں کا یاد رکھنا یہ!
نہ جُنبش دے سکے طوفان بھی بنیاد رکھنا یہ
ہوں اس میں سیڑھیاں ایسی کہ آسانی سے چڑھ جائیں
ترقی کے قدم بھی سبزہ خود رو سے بڑھ جائیں

تمنا خود ذوقِ محنت ہی سے تجھے زینہ دکھا دیگا
جمالِ شاہدِ دلبر کا آئینہ دکھا دے گا

بہارِ تازہ تجھکو شوقِ دیرینہ دکھادیگا
سرورِ دولتِ عشرت کا گنجینہ دکھادیگا

(از تنویر الشرق)

برسات

چرخ پر چھائی ہیں اس طرح گھٹائیں کالی — جس طرح ہوں رخِ معشوق پہ زلفیں برہم
ہے سیہ ابر میں اس روپ پہ بگلوں کی قطار — انجمِ کاہکشاں کی ہو لڑی جیسے بہم
کہیں بادل کی گرج ہے کہیں بجلی کی کڑک — کہیں بوندوں کی پھواریں کہیں برسے چھم چھم
نعرۂ مست کا بادل کی گرج میں انداز — نگہِ شوخ کا بجلی کی تڑپ میں عالم
پسلیاں اب نہیں دریا کی دکھائی دیتیں — خوب تن تن کے رواں ہونے لگے موجۂ یم
کشتیوں میں کہیں جلسے ہیں چڑھے دریا کے — ہو رہی ہیں کہیں تیراکوں میں شرطیں باہم
شوخیِ رنگ سے مہندی کے ہے فق رنگِ شفق — لالۂ باغ پہ ہے لال پری کا عالم
کہیں طاؤس چمن کی ہے نوائے دلکش — کہیں آتی ہیں پپیہوں کی صدائیں پیہم
ہے کہیں گل کی مہک تو کہیں بلبل کی چہک — کوک کوئل کی ہے ارگن سے بھی خوشتر ہر دم
بھینی بھینی ہے وہ خوشبو کہ معطر ہو دماغ — ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں ہیں کہ دل ہو خرم
بوسے لیتا ہے شگوفے کے شگوفہ کھل کر — شاخ سے شاخ گلے ملتی ہے کیا کیا باہم
روز ہر باغ میں ہیں گلبدنوں کے جلسے — چندریاں ساڑیاں سرخ اس پہ ترشح کم کم
شور ہے قلقلِ مینا کا چلو - آؤ پیو — مغبچوں نے بھی مچا رکھا ہے کیا کیا اودھم

ارض کو فوق سما پر ہے اسی عالم میں
کہ زمیں لوحِ زمرد ہے فلک ہے نیلم

(از مسز و ا)

عدم آباد

(نتیجہ فکر رسا جناب شیخ عبدالرحمن صاحب شمس امرتسری)

عدم کا راز کچھ کھلتا نہیں کیسا وہ عالم ہے
جزیرہ مختصر سا ہے کوئی یا بحر اعظم ہے

نہیں معلوم اسکا عرض کتنا طول کتنا ہے
زیادہ عرصۂ ہستی سے ہے رقبہ میں یا کم ہے

زمین قطعہ ہے کیا اسکی بھی اوتاد کہستاں ہے
ستاروں سے مزین اسکے بھی گردوں کا پرچم ہے

وہاں بھی کیا یونہی کھلتے ہیں گل ہر موسم گل میں
ہوا کیا اس چمن کی آشنائے لذت غم ہے

گلوں کے رنگ واں اڑتے ہیں خوف بے ثباتی سے
بساط سبزہ پر ہر صبح گریاں چشم شبنم ہے

وہاں کیا گلرخوں کے حسن کی ہے گرم بازاری
گراں قیمت پہ سودائے متاع زلف پرخم ہے

یونہی ہر روز اس دنیا میں کیا ہوتی ہیں ایجادیں
وہاں بھی حکمراں قوم مسیح ابن مریم ہے

وہی ہے کیا وہاں بھی دبدبہ فوج سکندر کا
یہاں جیسی تھی۔ ویسی اس جہاں میں شوکت جم ہے

وہ کشور بھی مسخر ہے یونہی فرمانرواؤں سے
مثال دہر رائج سکۂ دینار و درہم ہے

بدلتے ہیں یہاں تو سلسلے دور حکومت کے
وہاں بھی کیا مقرر کوئی آئین مسلّم ہے

وہاں بھی کیا یونہی رہتے ہیں پالیٹکس کے جھگڑے
مزاج حاکم و محکوم کیا آپس میں برہم ہے

وہاں بھی تشنگان آب تفریق مذاہب ہیں
کوئی مفتون گنگا ہے کوئی شیدائے زمزم ہے

شگوفے کیا یونہی کھلتے ہیں واں گلزار جنت کے
یونہی جانسوز ہم شعلۂ نار جہنم ہے

وہاں بھی دل ہیں کیا مجروح شمشیر حوادث سے
جراحت پر نمک ریز آسماں یوں جا مرہم ہے

وہاں بھی خون ہوتا ہے ہمیشہ آرزوؤں کا
یونہی سرسبز چشم تر سے شاخ نخل ماتم ہے

حیا راحت و آرام کے سامان ہیں واں بھی
وہ بستی یا ہم آغوش عروس حسرت و غم ہے

یہاں سے جو کوئی جاتا ہے پھر واپس نہیں آتا
یہی یارب ہمیشہ شکوۂ یاران ہمدم ہے

نہیں معلوم اپنا حال واں اے شمس کیا ہوگا
یہ اندیشہ مجھے ہر آن ہے یہ خوف ہر دم ہے

بجز ذات جہاں آرزشتن بحرے آں وادی نمی بینی
بچشم ظاہری آئینہ معنی نمی بینی

زرین ملک کی تلاش - جس میں جنوبی امریکہ کے حالات ایک ناول کے پیرایہ میں نہایت دلچسپ طور سے بیان ہوئے ہیں - قیمت ۸ ر +

میرے رہنے کا گھر - جسم انسانی کا دلچسپ حال باتصویر - قیمت ۲ ر +

ننھے ننھے لوگ - کیڑے مکوڑوں کا دلچسپ حال باتصویر - قیمت ۲ ر +

سورج چاند ستارے - علم ہیئت کے متعلق ایک مبسوط اور جامع کتاب - جس میں اس وقت تک کی تمام نئی دریافتوں کا حال درج ہے - اجسام فلکی کے حالات نہایت سادگی کے ساتھ اور پُرلطف پیرایہ میں درج ہیں - باتصویر - قیمت ۸ ر +

علم الارض - جس میں طبقات زمین کی ساخت وغیرہ کا مفصل حال درج ہے - علم جیالوجی کا پہلا ابتدائی رسالہ ہے جو اردو زبان میں شائع ہوا ہے - باتصویر - قیمت ۸ ر +

تاریخ روم - جس میں رومتہ الکبریٰ کے عروج و زوال و طرز حکومت کا مفصل حال درج ہے - قیمت ۱۲ ر +

خصلت - اسمائلز صاحب کی مشہور کتاب کیریکٹر کا ترجمہ - قیمت ١٠ ر +

اصول تجارت - جس میں آجکل کی تجارت کے متعلق مفصل اصول و طریق کا حال درج ہے جن کا جاننا ہر ایک سوداگری پیشہ آدمی کو ضرور ہے - قیمت ۸ ر +

لڑکوں کا رہنما - اس کتاب میں اُن خرابیوں کا ذکر ہے جن میں مبتلا ہو کر لڑکے اپنی صحت جسمانی اور قوائے عقلی کو خراب کر لیتے ہیں - اور اُن سے بچنے کی تدابیر و ہدایات بیان کی گئی ہیں - نہایت مفید کتاب ہے - قیمت ۸ ر +

نوجوانوں کا رہنما - اس کتاب میں کم عمری کی شادی اور زناشوئی کے تعلقات اور جوانی کی بیہودگیوں اور غلط کاریوں کا جن سے جوانوں کی صحت جسمانی اور قوائے عقلی خراب ہو جاتے ہیں مرقع کھینچ کر اُن سے بچنے کی تدابیر و ہدایات درج کی گئی ہیں نہایت مفید کتاب ہے - قیمت ١٠ ر +

شوہر کا رہنما - تعلقات زناشوئی کے متعلق ہدایتیں - قیمت ١٠ ر +

صفائی کی ضرورت کے متعلق ہدایات - قیمت ۳ پائی +

بچوں کی پرورش کے متعلق ہدایات - قیمت ۳ پائی +

فیض بخش سٹیم پریس فیروز پور شہر میں سکرٹری صاحب پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور کے لئے چھاپا گیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۴۵

ترقی

ایک علمی اخلاقی تمدنی ادبی مجلسی تاریخی اور صنعتی مضامین کا ماہوار رسالہ

قیمت سالانہ دو روپیہ آٹھ آنہ مع محصول ڈاک پیشگی یا بذریعہ ویلیو ایبل

جلد ۷	لاہور اکتوبر ۱۹۰۸ء	نمبر ۱۰

فہرست مضامین

(دارالکتاب)

فہرست کتب جدید

مشرق کی نابود شدہ تہذیب - جس میں قدیمی اقوام مثل فنیکی - ایرانی عرب - بابل وغیرہ کے حالات درج ہیں - قیمت ۶/

قدماکی حکمت - جس میں لارڈ بیکن نے یونانیوں و رومیوں کے علم الاصنام میں سے مسائل حکمت نکالنے کی کوشش کی ہے - قیمت ۶/

اوٹوپیا - جس میں ایک خیالی قوم کی طرز معاشرت و اصول حکمت وغیرہ ایک ناول کے پیرائے میں ایک فلاسفر نے اپنے خیال ظاہر کئے ہیں - قیمت ۶/

آویس - رومی قیصروں کے عہد کا دلچسپ فسانہ - قیمت ۸/

آنے والی قوم - نہایت دلچسپ علمی ناول ہے - قیمت ۸/

علوم طبعیہ کی تاریخ - اٹھارھویں صدی کے آخر تک جس میں تمام تجربات - دریافتوں اور علمی ایجادوں کا مفصل حال درج ہے - قیمت عہ/

علوم طبعیہ کی تاریخ - انیسویں صدی میں - قیمت ۸/

طلسم - سر والٹر اسکاٹ کے مشہور ناول طلسمان کا ترجمہ جس میں صلیبی لڑائیوں کے نہایت دلچسپ حالات ناول کے طرز پر بیان ہوئے ہیں - قیمت ۱۲/

مکالمات افلاطون - جس میں افلاطون کے چار مکالمات تمام و کمال یونانی سے ترجمہ کئے گئے ہیں - اور اردو میں پہلی دفعہ شائع ہوئے ہیں - قیمت عہ/

تسخیر پنجاب - جس میں پنجاب کے انگریزوں کے قبضے میں آنے کا حال بطرز ناول کے بیان کیا گیا ہے - نہایت دلچسپ ہے - قیمت ۸/

ڈاکٹر جیکل و میاں حمید - یہ ایک آدمی تھا - لیکن دو جسم رکھتا تھا - قیمت ۶/

جان ہیلیفکس جنٹلمین - ایک نہایت دلچسپ انگریزی فسانہ ہے جس میں ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہیں کہ کس طرح وہ ادنے حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی سے ترقی کر کے دولتمند ہوگیا - نوجوانوں کے لئے نہایت مفید اور اُبھارنے والا ہے - جلد اول ۱۲/

ترقی

لاہور - بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۸ء

ایڈیٹوریل نوٹس } صوبہ متحدہ اودھ و آگرہ کے لفٹنٹ گورنر صاحب سر جان ہیوٹ نے جو ایڈریس اپنے صوبہ کی سینیٹری کانفرنس میں دیا وہ ہر پہلو سے قابل قدر ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ جب تک لوگوں کی صحت و تندرستی کو ترقی دینے والی باتیں اختیار نہ کی جائینگی تب تک ملک میں اُن باتوں کو خاطر خواہ ترقی نہیں ہو سکیگی جن پر ملک کی خوشحالی اور بہبودی کا زیادہ تر دار و مدار ہے - نہ تو لوگ صنعت و حرفت کے کاموں کو بخوبی انجام دے سکینگے اور نہ طلبا علوم و فنون کے حاصل کرنے میں خاصی کامیابی حاصل کر سکینگے - جب لوگوں کی صحت ہی اچھی نہ ہوگی تو اُن کی دماغی اور جسمانی قوتیں کیونکر زوردار اور کارآمد ہو سکینگی۔ سر جان ہیوٹ نے اپنے عہد حکومت میں اپنے صوبہ کی رعایا کی بہتری کے لئے جو جو کام کئے ہیں وہ ہر طرح پر نہ صرف قابل یادگار رہی ہیں - بلکہ مفید اور عمل کرنے کے قابل - اُمید کہ صوبہ اودھ و آگرہ کے لوگوں کو سینیٹری کانفرنس کے نتائج اور تجاویز سے بہت فائدہ پہنچیگا - کیا اچھا ہو کہ دوسرے صوبوں کے بالادست حکام بھی سینیٹری فوائد کو ترقی دینے کے لئے مناسب تدابیر عمل میں لائیں ٭

شکر کا مقام ہے کہ اصلاحوں کی اسکیم کا مسودہ گورنمنٹ ہند نے صاحب وزیر ہند کی خدمت میں ارسال کر دیا - اور اُمید کی جاتی ہے کہ اُس میں بہت سی تجاویز اس قسم کی ہونگی جن سے اہل ہند کی واجبی شکایات کی تلافی ہو جائیگی - اہل ہند منتظر ہیں کہ دیکھیں کون کون سی اصلاحیں عمل میں آنے والی ہیں - مسٹر رومیش چندر دت نے اپنی ایک چٹھی میں ان اصلاحوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مجلائیں

ہندوستانیوں کے نکتۂ خیال سے خاطر خواہ ہونگی - اور اُن سے لوگوں کو ضرور نفع پہنچیگا
کچھ شک نہیں کہ بہت سی سرکاری باتوں میں اصلاح کی ضرورت تھی - اس ضرورت کو گورنمنٹ
نے محسوس کیا - اصلاحوں کے ذریعے سے وہ ناراضی جو تعلیم یافتہ جماعت میں پائی جاتی
ہے ایک بڑے درجہ تک دُور ہو جائیگی - اور اُس کا دُور ہونا ہی اس بات کی علامت ہے
کہ سرکار اور رعایا دونوں کے تعلقات دوستانہ رہینگے اور دونوں ہی کو نفع پہنچیگا - گورنمنٹ
حتے الامکان ہندوستانیوں کی شکایات رفع کرنے پر مستعد رہتی ہے - مگر اُسکے راستہ
میں بہت سی مشکلات واقع ہوتی ہیں جن کو عام لوگ نہیں سمجھ سکتے - ہمارے خیال
میں لوگوں کو اس خیال کو دل میں جگہ نہیں دینا چاہئیے کہ گورنمنٹ اُنہیں مایوس کریگی
کیونکہ برٹش گورنمنٹ کا رویہ اس قسم کا نہیں ہے ۞

یہ ہندوستان کے اچھے دنوں کے آثار ہیں کہ اکثر صوبوں کے بالادست حکام
صنعت و حرفت کی ترقی کے سامان اور اسباب بہم پہنچانے کی طرف مائل پائے جاتے
ہیں - اگرچہ صنعت و حرفت کی ترقی زیادہ تر خود اہل ملک کی کوششوں کی محتاج ہے
لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اُسے سرکاری مدد اور توجہ کی بھی ضرورت ہے - اور یہ
امر تو مسلمہ ہے کہ جس کام کی ابتدا سرکار کرتی ہے اُسے رعایا خواہ مخواہ پسند کرکے
بام عروج پر پہنچانے کے لئے آمادہ ہو جاتی ہے - اس نکتۂ خیال سے صوبوں کے
حکام کی توجہ صنعتی ترقی کی طرف مائل ہونا گویا ہندوستانیوں کی بہبودی کا پیش خیمہ
سمجھو - اس سے لوگوں کی شکایات اور ترکِ نیبت بہت کچھ دور ہو جائینگی - لازم ہے کہ
جس طرح گورنمنٹ رعایا کی ضروریات محسوس کرکے اُن کو بہم پہنچانے کی فکر کرتی ہے
اُسی طرح خود رعایا کو بھی اُن ضروریات میں ہاتھ بٹانا اور سرکاری تجاویز پر عمل کرنے
کے لئے مستعدی دکھانا چاہئیے - صنعتی ترقی ہی ملک کی حقیقی ترقی کا اچوک ذریعہ
ہے اور اُسے جوں جوں وسعت حاصل ہوگی توں توں حاکم و محکوم دونوں ہی کو
خوش آیندہ فوائد کی رونمائی ہوگی ۞

دلچسپ علمی خبریں اور ایجادیں

سیلانی پودہ۔ کیلیفورنیہ کے ریگستان میں ایک قسم کی ناگ پھنی ہوتی ہے جو سال میں نو دس ماہ ہوا کے تند جھونکوں کے ساتھ صحرا میں اِدھر اُدھر اُڑتی پھرتی ہے۔ مگر بارش کے وقت جاہے وہ کہیں ہو جڑ پکڑ جاتی ہے اور پھلنے پھولنے لگتی ہے +

مرگی کا نیا علاج۔ ڈاکٹر اے اُرخ ساکن زورخ نے تجربہ سے معلوم کیا ہے کہ اگر مرگی کے مریض کو دس ماہ تک معمولی نمک کھانے میں نہ دیا جائے تو سخت سے سخت مرگی جاتی رہتی ہے +

مشہور ڈاکٹر نوف نے مدت دراز کے تجربہ کے بعد رائے قائم کی ہے کہ جن لوگوں کے بال سرخ ہوتے ہیں وہ مرض سل یا دق میں زیادہ تر مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہی ڈاکٹر ۵۰ اور ڈاکٹروں کے تجربات کی بنا پر لکھتا ہے کہ ان امراض کے مریضوں کے لئے دھوپ بہت مضر ہے +

موٹاپے کا علاج۔ ڈاکٹر ایف مورزک نے تجربات کے ذریعے ثابت کر دکھایا ہے کہ موٹاپے کا بہترین علاج یہ ہے کہ موٹے آدمی کو غذا میں صرف دودھ دیا جائے۔ دودھ بھوک اور پیاس دونوں کو مارتا ہے۔ اور صرف چند ہفتوں کے استعمال سے انسان کا جسم ہلکا پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ چربی گھل جاتی ہے۔ مگر اس سے دل پر کسی قسم کا کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا +

تازہ ترین تحقیقات سے معلوم ہوا کہ کھٹمل خون چوسنے والے جانوروں میں سب سے زیادہ مہلک ہے۔ وہ نہ صرف خون ہی چوستا ہے۔ بلکہ اُس کے ذریعے سے مختلف امراض کے اجرام بھی پھیلتے ہیں +

امریکہ کے مشہور طبی رسالہ میڈیکل بریف میں ایک ڈاکٹر نے سخت ہچکی کا علاج یہ بتایا ہے کہ مریض کو کاربونک ایسڈ گیس دوا میں مناسب مقدار میں

دیا جاوے ۔

کریم خور پھول ۔ جزیرہ ہوانا میں ایک قسم کا سورج مکھی کا پھول ہوتا ہے۔ جب کوئی کیڑا اس کے نزدیک پہنچتا ہے تو وہ پھیل کر جھٹ سے بند ہو جاتا ہے اور تب کیڑے کے جسم کا عرق چوس لیتا ہے تو پھر کھل جاتا ہے ۔

فرانس کے ایک سائنس دان نے یہ دریافت کیا ہے کہ گزشتہ زمانے میں لوگ جو یہ کہا کرتے تھے کہ خدا رسیدہ لوگوں کے سر کے چاروں طرف ایک حلقہ روشنی کا نظر آتا تھا وہ سچے تھے ۔ ایسے حلقے مریضوں کے سر پر بھی نظر آتے ہیں اور ان کا باعث جسمانی حالت ہوتی ہے ۔ یہ حلقے دماغ سے نکلنے والی شعاعوں سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کی تصویر اتاری جا سکتی ہے ۔

معمولی چھاتے جو آجکل رائج ہیں جب لگائے جاتے ہیں تو ڈنڈی درمیان میں ہونے کے باعث ان کا نصف حصہ ہی لگانے والے کے اوپر رہتا ہے ۔ اس سے لگانے والا دھوپ اور مینہ سے پوری طرح نہیں بچ سکتا ۔ مگر ابھی حال میں جو چھاتا ایجاد کیا گیا ہے اسکی ڈنڈی ایک طرف ہے اور اس کا سارا حصہ جسم انسانی پر چھا جاتا ہے ۔ جب اسے بند کیا جاوے تو اسکی شکل معمولی چھاتے کی سی ہو جاتی ہے اور تیلیاں موٹھ پر لگ جاتی ہیں ۔

فرینل سائنس دان نے یہ ایجاد کی تھی کہ روشنی کو روشنی سے ملا کر تاریکی پیدا کی جاوے ۔ مگر ڈاکٹر گسٹاو لی بون کی ایجاد یہ ہے کہ تاریکی سے تاریکی ملا کر روشنی پیدا کی جاوے ۔

لی بون کی ایجاد یہ ہے کہ ایک پتھر کی مورت کو کاسٹیم سلفائیڈ سے رنگ کر اور تھوڑی دیر بعد یہ رنگ اڑا کر کئی دن تک بالکل تاریکی میں رکھا جاوے ۔ پھر اس پر ایک لیمپ سے تاریکی ڈالی جاوے ۔ اس طرح دو تاریکیاں مل کر روشنی پیدا کرینگی اور مورت جگمگا اٹھیگی ۔

تاریخ پالیٹکس

زمانۂ حال کی پولیٹکل سوسائٹی

سلطنت اور خدمات فوجی [illegible]

سلطنت کی ابتدا یا یوں کہو کہ پولیٹکل سو[illegible] جنگ کی [illegible] ہوا۔ یہ ایک رنجدہ امر ہے کہ سلطنت جیسی شے کی [illegible] اس میں کوئی شک نہیں [illegible] ہے تو اسی قسم [illegible] تو اس بات کے ثبوت میں ذرا سی بھی دقت نہیں [illegible] جماعتوں کا وجود کامیاب جنگ و جدل پر ہے۔ یہ ایک قدرتی نتیجہ ہے کہ ایسی [illegible] مجبوراً فوجی اصول پر قائم کی جاتی ہیں۔ مگر اُن میں قبائل [illegible] خیالات کا عنصر بہت کچھ ہوتا ہے۔

جنگ و جدل کا نشو و نما۔ یہ ایک قدرتی سوال ہے کہ جب سوسائٹیاں بظاہر زیادہ امن خیز باتوں کے ذریعے وجود میں آرہی تھیں تو فوجی اصول کو ایسی [illegible] ترقی یا نشو و نما کس طریقہ سے حاصل ہوسکا؟ اس میں کچھ شک نہیں کہ جنگ و جدال تو ہمیشہ ہی سے ہوتی رہی ہے۔ کیونکہ فرقوں۔ قبیلوں [illegible] اور شہروں میں باہم جنگ و جدل لازمی تھی۔ لیکن وہ ایک قسم کا جھگڑا یا [illegible] تھا۔ اور [illegible] کی طرح کا۔ جو وقتاً فوقتاً پیدا ہوتا رہا۔ اور درمیان میں کچھ عرصہ کے لئے بند ہوگیا۔ مگر وہ اُس یقینی جنگ کی مانند نہیں تھا۔ جو سلطنتوں کو شکل میں لانے کا باعث ہوا۔

آبادی کی ترقی۔ اگرچہ ہم اس جنگ و جدال کی ترقی کے اسباب کی بابت کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ لیکن ایسے ایک یا دو واقعات کا بتا دینا مشکل نہیں ہے جن سے یہ ترقی ظہور میں آئی۔ سب سے اول اور سب سے مقدم واقعہ تو آبادی کی

زیادتی ہے۔ جو تبدیلیاں خانہ بدوش کی زندگی سے گلہ بانی کی زندگی میں داخل ہونے سے اور گلہ بانی کی زندگی سے زراعتی یا قبائل کی زندگی میں آنے سے پیدا ہوتی ہیں وہ جنگ وجدل کی نمایاں مثالیں ہیں۔ آخرکار ایک اور صورت اس جنگ وجدل کی ہے کہ وہ دو قوموں یا جماعتوں میں برپا ہوجاے اور اُسکے ذریعے کمزور جماعت زورآور جماعت کی مطیع ہوجاے ؛

دولت کی ترقی ۔ دوسرا بڑا سبب دولت کی ترقی ہے جو زراعت میں یا اُس سے بھی بڑھکر صنعت وحرفت میں کامیابی حاصل ہونے سے ہوتی ہے گلہ بانوں کو یہ نفع حاصل ہوتا ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ نقل سکونت کرسکتے ہیں۔ جو فرقہ کمزور ہوتا ہے وہ ڈیرے ڈنڈے اُٹھا کر زورآور کے سامنے سے ٹل جاتا ہے لیکن زراعتی فرقوں کو نقل سکونت دشوار ہوتی ہے۔ اُسکی دولت تو کھیتوں۔ کھلیان اور کھتیوں میں ہوتی ہے۔ اور جب تک سلامتی اور حفاظت کا موقع نہ جاتا رہا ہو تب تک کسان جو مستقل سکونت رکھتا ہو نقل سکونت پر آمادہ نہیں ہوسکتا۔ جو لوگ فوجی عزم رکھتے ہوں اُن کے لئے زراعت پیشہ لوگ آسانی سے شکار ہوجاتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ دستکار ہیں جن کے پاس مال اور قیمتی چیزیں ہوتی ہیں۔ اُن پر فوجی دھاوے تحریص کے ذریعے سے جلد تر کئے جاسکتے ہیں۔ جو لوگ ڈاکے ڈالتے ہیں اُنکے لوٹنے کی جگہ صنعتی قصبے۔ وہاں کی دوکانیں اور اُن کا مال و اسباب ہوتا ہے۔ الغرض جنگ وجدل کی آماجگاہ زراعت پیشہ اور صنعت پیشہ لوگوں کی سکونت اور اُن کا مال ہوسکتا ہے اور اسی سے جنگ وجدل کی ابتدا اور دیگر نتائج پیدا ہوتے ہیں ؛

ہتیاروں کی ترقی ۔ دھاتوں کی چیزوں کی دستکاریوں سے فوجی اور جنگی باتوں کو بڑی ترقی ہوتی ہے۔ کیونکہ پتھر۔ چمڑے اور لکڑی کے ہتیاروں پر لوہے اور فولاد کے اسلحہ کو فوقیت حاصل ہے۔ اسلحہ اور دیگر جنگی باتوں سے ایک جنگجو قوم یا جماعت کی ابتدا ہوتی ہے۔ غیر تاریخی زمانہ میں تو ہر شخص سپاہی ہوتا تھا۔ کیونکہ اُسے اپنی حفاظت آپ کرنا ہوتی تھی۔ مگر زمانہ تہذیب میں لوگ اور اور کاموں میں مشغول ہوگئے۔ اور جنگ وجدل ایک خاص جماعت کے لوگوں کا حصہ ہوگیا

ور یہ امر واقعہ سلطنت کی ابتدا سے بڑا تعلق رکھتا ہے +

جرمنی کے جنگجو فرقے - ٹیسی ٹس مورخ نے ٹیوٹونک نسل کے لوگوں کا جو یورپ والوں کے بزرگ تھے جو حال لکھا ہے وہ قابل قدر ہے - اُن میں کسی فرقے کے دو سردار ہوتے تھے - ایک ملکی - دوسرا جنگی - اُس سردار کے پاس ایک جنگجو جماعت ہوتی تھی جو یا تو اپنے فرقہ کی حفاظت کے لئے یا لوٹ مار کے واسطے دوسرے فرقوں کے ساتھ جنگ کرتی رہتی تھی - اُسکی جماعت کے لوگ اُسکے ساتھ بیٹھکر کھاتے پیتے تھے - اور اُس کے ہاں سے اُن کو کپڑے وغیرہ ملتے تھے - یہ لوگ اپنے سردار کے جاں نثار ہوتے تھے - اگر سردار میدان جنگ میں مارا جاتا تو یہ لوگ میدان جنگ کو چھوڑکر چلے جانا ایک ہتک خیال کرتے تھے - اس جماعت میں اوّل اوّل تو سردار کے عزیز و اقارب ہی شامل ہوتے تھے - لیکن بعد میں اُس میں والنٹیر بھی شریک ہونے لگے - جو محض فوجی زندگی کو پسند کرنے اور جاں بازی کے جوہر دکھانے کی غرض سے شرکت اختیار کرتے تھے +

سلطنتوں کی بنیاد - جب کبھی کسی جنگی فرقہ کا سردار ایک بڑے حصۂ ملک پر کامل قبضہ حاصل کر لیتا تھا تو وہ ایک سلطنت کی بنیاد ڈالتا تھا - یہ بات ایک یا دوسرے طریقوں میں انجام پاتی تھی +

سلطنت کی پختگی - فوجی سرغنہ اپنے فرقہ کے حکمران کی حیثیت میں اپنی طاقت کو زوردار بنانے کے لئے اپنی سلطنت کی حدود تک وسعت دیتا اور نواحی فرقوں کے ملک پر دست دراز کرتا تھا - انگلستان - ناروے - ڈنمارک - سوئیڈن وغیرہ کی سلطنتوں کی بنیاد اسی طریقے میں پڑی تھی +

نقل سکونت - بعض اوقات کسی غیر ملک کے جنگجو لوگوں کی فتوحات یا نقل مکانی کے باعث بھی ایک کامیاب سلطنت کی بنیاد ڈالی جاتی تھی - یہ بات سلطنت لومبارڈی کی ابتدائی تاریخ سے تعلق رکھتی ہے - اور نیز اسپین میں فرقہ وسی گوتھس کی سلطنت سے - اسکے بعد نارمن قوم کے لوگوں نے نویں صدی عیسوی میں روس کو فتح کرکے ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی - دسویں صدی عیسوی میں نارمنڈی کی نوابی کی - گیارھویں صدی میں

انگلستان کی سلطنت کی۔ اور بارھویں صدی میں جزیرہ سسلی کی سلطنت اور یروشلم کی عارضی سلطنت کی بنیاد بھی اسی طریقے سے ڈالی گئی ٭

سلطنت کی نوعیت - اس قسم کے واقعات کے ذریعے سے جو نئی قسم کی سلطنت وجود میں آئی وہ اپنی سے پہلی سلطنت سے بالکل مختلف تھی۔ اول تو وہ ملک کے رقبہ سے تعلق رکھتی تھی اور اگرچہ کبھی سلطنت کا فرمانروا اپنے کو اپنی قوم کا فرمانروا کہتا تھا۔ لیکن در اصل اسکی حکومت کا تعلق ایک خاص ملک سے ہوتا تھا۔ کیونکہ جو لوگ اس کے ماتحت ہوتے تھے وہ اس کے احکام کی تعمیل کرتے تھے اور اس کی طرف سے ہتیار بھی اٹھاتے تھے۔ لیکن نئی فوجی جماعتوں کی زندگی فوجی اتحاد تھا۔ اور فوجی جماعت کے لوگ اپنے سپہ سالار کا حکم مانتے تھے۔ جن کی مدد سے سپہ سالار کو مفتوحہ اقوام پر اپنی حکومت خوب جمانے کا موقع مل جاتا تھا۔ اگرچہ قومی فرق کو حکمرانوں نے مانا۔ لیکن وہ زیادہ عرصے تک اتحاد کے لئے لازمی نہ ٹھیرا۔ حکمران اور اسکے خاص رفیق نسل اور شاید مذہب اور بولی کے اعتبار سے مفتوحہ لوگوں سے بہت مختلف تھے۔ مزید براں ایک حکمران اپنی فوجی طاقت کو زوردار بنانے کے لئے نئے نئے فوجی لوگوں کو بھرتی کرتا تھا۔ اور ان کی نسل کی پرواہ نہیں کرتا تھا بشرطیکہ یہ لوگ قلم یا تلوار کے ذریعے سے اسکی خدمت عمدہ طرح پر کر سکتے تھے۔ آخر کار جب فرمانروا ذرا زیادہ روشن خیال ہونے لگے تو وہ غیر ملک کے لوگوں کو بھی اپنی سلطنت میں آنے کی اجازت دیدیتے تھے۔ کیونکہ اس سے ان کی شہرت اور دولت کو ترقی ہوتی تھی۔ اگرچہ اس بات سے سلطنتوں میں ابتدا میں بہت کچھ تکالیف پیدا ہوئیں۔ مگر نئی سرگرمی نے اپنا راستہ پیدا کر ہی لیا اور ان تکالیف و مشکلات کو دور کر دیا ٭

نیا مذہب - اسکے بعد دوسرے فرقوں کو علیحدہ ہی رکھنے کا قدیم اصول نظرانداز کیا گیا۔ مغرب میں نئی سلطنتوں کی بنیاد پڑنے سے ایک نئے مذہب کی ابتدا ہوئی۔ اور بزرگ پرستی کا مذہب جاتا رہا۔ اس نئے مذہب کا ایک خاصہ تو عالمگیر تھا۔ اگرچہ مسیحی مذہب کے جو حلم و بردباری پر مبنی تھا۔ سلطنت کی زیادتی پسند فوجی طاقت کے ساتھ ملا دینا ذرا پیچیدہ سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ مسیحی مذہب نے

قبائل کے تعصبات کو توڑنے اور بڑی بڑی پولیٹکل جماعتوں یا اقوام کے بنانے میں بیحد مدد دی۔ اسکی ایک مثال یہ ہے کہ کلاوِس کے مسیحی ہوجانے سے فرینک قوم کی سلطنت کی بنیاد پڑی۔ مسیح کے نام سے چارلس اعظم نے مسلمانوں کو کوہستان پرینیز سے نکالا "ایک ہی مذہب اور ایک ہی بادشاہ" اس مسئلہ نے قبائل کے قدیم طرز حکومت کو مٹا دیا۔ اور انگلستان میں ایک سلطنت قائم کرادی اور مذہب اور حکومت کو شیر و شکر بنا دیا۔ مسلمانوں نے بھی قبائل کی حکومت کو توڑنے میں بڑا حصہ لیا۔ اور بڑی زبردست سلطنتوں کی بنیاد ڈالی۔ اسکی مثال ہندوستان میں اکبر کی سلطنت فارس میں شاہ اسمٰعیل کی حکومت اور سلطان محمد کی حکومت قسطنطنیہ ہے ؎

نئے امرا۔ سلطنت نے رسم و رواج سے ہاتھ اُٹھایا۔ اور مقابلہ پر عمل کیا اور جنگ وجدل کو ئی موت و زندگی کی کشمکش قرار دی گئی۔ جس میں ہر فریق غلبہ حاصل کرنے کے لئے دل سے کوشش کرنے لگا۔ جو کوئی بھی کوئی ایسی نئی ترکیب بتاتا جس سے دشمن پر فتح حاصل ہوسکتی اُسے شکریہ کے ساتھ جنگجو جماعت قبول کرتی تھی سلطنتوں کے بانی بڑے کامیاب جنگجو تھے۔ وہ نئے نئے طریقوں سے فتح حاصل کرتے تھے۔ انکے دور حکومت میں قبائل کی قدیم خاصیتیں قائم ہی نہیں رہ سکتی تھیں۔ اُن کا مقولہ تو قابلیت تھا نہ کہ رسم و رواج۔ حکمران جس کسی کو اچھا جنگجو یا اچھا منشی پاتے اُسکو بلحاظ قومیت و مذہب کے اپنے دربار میں رکھ لیتے تھے۔ اور اُن کی سلامتی کی فکر کرتے تھے۔ اس طریقہ میں امرا کے طبقہ یا فرقہ کی بنیاد پڑی ؎

جاگیرداری بعوض خدمات فوجی۔ سلطنت کا ایک مدعا یہ بھی ہوا کہ جسقدر رکاوٹیں حکمران اور اُسکی ماتحت رعایا میں ہوں سب دُور کردی جائیں۔ ہر فاتح کو اپنے ملک میں بہت سی باتیں موجود ملیں۔ جن کو مٹانا آسان نہ تھا۔ مگر فاتح کو اس بات پر زور دینا پڑا کہ سب لوگ اُسکے حکم کو مانیں۔ سلطنت کی طرف سے لوگوں کو جاگیریں محض اس خیال سے عطا کی گئیں کہ جاگیردار فوجی خدمت انجام دیں۔ سلطنت کے وفادار بنے رہیں۔ بعض اوقات کمزور فرقے کسی زبردست حکمران کی اطاعت دونی کے پیرایہ میں محض اپنی حفاظت کے خیال سے اختیار کرلیتے تھے۔ یہ لوگ فوجی خدمت انجام دیتے تھے

سلطنت ہی کی طرف سے پیشہ وروں کے حقوق معین کئے گئے۔ رفتہ رفتہ مذہبی فرائض کا منصب بھی مقرر کیا گیا۔ یہ ساری باتیں آگے چل کر میراث پر مبنی نہیں سمجھی گئیں بلکہ سلطنت کی طرف سے کسی خدمت کا عوض۔ سب سے ضروری خدمت فوجی خدمت قرار دی گئی۔ بڑے امرا اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ اور پیشہ وروں کے سردار روپیہ اور پیشہ سے مدد کرتے تھے۔ زراعت پیشہ نقد لگان ادا کرتے تھے۔ اور پیشہ ور اپنے حقوق کے عوض جو سلطنت کی طرف سے مقرر کئے جاتے تھے کچھ نذرانہ سالانہ سلطنت کو دیتے تھے۔ مذہبی پیشوا اگرچہ کوئی ظاہرا عوض نہیں دیتے تھے۔ تاہم حکمران کی سلامتی کے لئے دعائے خیر ہی کر چھوڑتے تھے +

شہادت - جاگیرداری کے نتائج آگے چل کر بیان کئے جائینگے لیکن اس میں شک نہیں کہ جاگیرداری ایک سلسلہ قبائل اور نئی پولیٹکل سوسائٹی میں میل پیدا کرنے کے لئے تھا +

ابتدائی ملکی انجمنیں

اب ہم اُن انجمنوں کا ذکر کرتے ہیں جن سے سلطنت کا کاروبار انجام پاتا ہے۔

۱- **بادشاہی** - سلطنت کی بنیاد فتوحات اور نقل سکونت سے پڑی۔ اور فاتحوں کی نسل بادشاہ بنائی گئی جو یورپ میں انقلاب فرانس سے پہلے تک حکمران رہی۔ مگر اب یہ سلسلہ بعض ملکوں سے اُٹھا دیا گیا۔ پالیٹکس کا ایک ضروری جزو بادشاہی ہے ابتدائی بادشاہ نو افراد ہو تے تھے۔ اور فوجی مہمات کے انجام دینے والے۔ مگر ان کو مفتوحہ قومیں عارضی حکمران سمجھتی تھیں +

مستقل بادشاہی - ابتدائی بادشاہ نہ صرف فوجی سرغنہ ہی تھے۔ بلکہ اُن میں انتظامی قابلیت بھی بہت زیادہ تھی۔ پس ان بادشاہوں نے بادشاہی کو مستقل بنانا چاہا +

سرداریوں کا توڑا جانا - بادشاہی کو مستقل بنانے کے لئے ایک ترکیب یہ کی گئی کہ مفتوحہ قبائل کے سرداروں کے حقوق بادشاہوں نے اپنے لئے مخصوص کر لئے۔ اور مفتوحہ قوموں پر ثابت کر دیا کہ بادشاہ بھی مفتوحہ فرقے کے ممبر تھے۔ یورپ کے شاہی خاندانوں

کی تاریخ سے ثابت ہے کہ اُن کے بزرگ غیر تاریخی زمانہ میں کوئی سور ما تھے - اپنے فرقہ پر حکومت کرتے تھے - سرداریوں کے توڑنے کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ مفتوحہ فرقہ کے سردار کی بیٹی سے فاتح سردار شادی کر لیتا تھا - اگرچہ اس سے استحقاق کا انتقال نہیں ہو سکتا لیکن دو فرقوں میں اتحاد ضرور ہو جاتا تھا - اور حکمران کی حالت و حیثیت میں مضبوطی پیدا ہو جاتی تھی - اس طرح بادشاہی میراث تو ہو گئی - مگر ابتدا میں اس کا منصب انتخابی تھا - نہ کہ حق پیدائش پر منحصر - کسی جماعت کا سرغنہ وہ شخص مقرر کیا جاتا جسے لوگ پسند کرتے تھے - لیکن بادشاہت کی کامیابی کا ایک لازمی خاصہ یہ ہے کہ یہ منصب موروثی کر دیا جائے - اسی لئے بادشاہوں نے بادشاہی منصب کو اپنی اولاد میں منتقل کرنے کے لئے بیحد کوشش کی ؟

انتخابی بادشاہی - کسی زمانہ میں یورپ کی سلطنتوں میں بادشاہی کا منصب انتخابی تھا - مگر یہ منصب موروثی ہو جانے پر بھی انتخابی ہی رہا - کیونکہ اُس پر خاندان کا سب سے بڑا مرد مقرر کیا جاتا تھا - نہ کہ گزشتہ فاتح کا بیٹا - یہ اصول روس میں گیارھویں صدی تک جاری رہا ؟

بادشاہی کا تعلق مذہب سے - بادشاہی کاروبار سلطنت کے انجام دینے کے لئے ایک مستقل مشین بن گئی - مگر بادشاہوں نے اپنی نسل کے نفع کے خیال سے مذہب سے بھی گہرا تعلق رکھا - اور مدت تک بادشاہوں کے مشیروں اور درباریوں میں مذہبی پیشوا شریک رہے - مشرقی ممالک میں مسلمان بادشاہ تو مذہبی پیشوا بھی مانے گئے - خود مسیحی سلطنتوں میں بادشاہ سب سے بڑا دینی پیشوا اقرار دیا گیا - یہ ترکیب بادشاہی کو موروثی اور زوردار بنانے میں بہت مفید ثابت ہوئی ؟

۲ - **شاہی مجلس** - اگرچہ ابتدائی فاتحوں کے سب پیرو کار اُسکے مشیر تھے - لیکن جب سلطنت میں بادشاہی کا زمانہ آیا تو مشیروں کی ایک مجلس مقرر کی گئی - یہ مجلس لوگوں کی نگاہوں میں تو قبائل کی سی مجلس شوریٰ تھی - مگر دراصل بادشاہ کی خدمتگزار اور مددگار جسے بادشاہ ہی مقرر کرتا تھا - مگر مجلس بادشاہ کو ظلم رانی سے روکتی تھی - اس کونسل ہی سے آئینی حکومت کا آغاز ہوا جس سے بادشاہی کو بڑی پختگی حاصل ہوئی - (۱) مجلس کا دائمی ہو جانا - ایک بادشاہ کے مرنے اور دوسرے کے تخت نشین ہونے کے درمیان ملک میں بدنظمی پھیل سکتی تھی - جسکے وجوہات متعدد تھے - لیکن اس خطرناک موقع کو مجلس ٹالتی تھی - اس لئے وہ "دائمی" ہو گئی - (۲) مجلس نے قصص و روایات کو قائم رکھا - بادشاہ کو رعایا کی بہت سی باتوں کو توڑ کر نئی باتیں قائم کرنا پڑتی ہیں

لیکن اگر ایک شخص ایسا کرے تو وہ مشتبہ ہوجاتا ہے۔ البتہ کونسل مشتبہ نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اُسکے لوگ بھی رعایا ہی میں سے سمجھے جاتے ہیں۔ اس لئے مجلس کو بہت سی پُرانی باتیں بھی قائم رکھنا پڑیں (۳) مجلس الزام دور کرسکتی ہے۔ ابتدا میں بادشاہی کسی قدر غیر ہر دلعزیز ہوتی ہے۔ اور لوگوں کے الزام کو دُور نہیں کرسکتی۔ مگر یہ بات مجلس کے ذریعے اچھے طریقہ میں انجام پاسکتی ہے۔ (۴) مجلس سے کاروبار چلتا ہے۔ ایک شخص سارے کاروبار کو نہیں انجام دے سکتا مگر مجلس ضرور دے سکتی ہے۔ مجلس کے ہوتے ہوئے بادشاہ کو کم کام کرنا پڑتا ہے۔ اور سارا کاروبار مجلس ہی کرتی ہے۔

۴۔ ملکی منتظم۔ کسی موروثی بادشاہ کو نہ صرف درباریوں ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کی بھی جو ملک کا انتظام بھی کریں۔ اسلئے اول تو قبائل کے سردار ملک کے حصّوں کے انتظام کے لئے مقرر کئے گئے۔ مگر یہ طریق خطرناک تھا۔ اس لئے اُنکی وفات پر بادشاہ نے اپنے معتمد مقرر کئے اور اس طرح سلطنت صوبوں اور ضلعوں میں منقسم ہوگئی۔ مگر ان کے منتظموں کو شاہی مجلس کی رائے پر عمل کرنا پڑتا تھا۔ (۱) خراج۔ خراج ادا کرنے اور سلطنت قائم کرنے کی بڑی غرض لوٹ یا آمدنی تھی جو عام طور پر مستقل ہوتی ہو ... ہوسکتی ہے۔ اسلئے بادشاہ خراج لیتے تھے۔ جو وعلوتوں۔ غلہ ... اور ... کی شکل میں ادا کیا جاتا تھا۔ (۲) محصول۔ خراج کے علاوہ بادشاہ کو فوجی خدمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ملک کی حفاظت کے لئے اپنے خاص ... کے علاوہ ایک مستقل فوج لازمی ہوتی ہے۔ جو رعایا میں سے بھرتی کی جاتی ہے۔ اس لئے رعایا پر فوجی خدمت لازمی کردی جاتی ہے۔ جو لوگ اس خدمت کو نہیں کرسکتے اُن سے ایک محصول لیا جاتا ہے۔ اور یہ محصول رفتہ رفتہ مستقل ہوجاتا ہے۔ (۳) گو قدیم زمانے میں رسل و رسائل کے ذرائع کم ہونے کے باعث بادشاہ بذات خود کل ملک کا انتظام نہیں کرسکتا تھا۔ اس لئے اُن پر حکام مقرر کئے گئے جو بادشاہ کے خیال سے بادشاہ کے خادم اور رعایا کے خیال سے رعایا کے افسر ہوتے تھے۔ چونکہ حکام کو فوج بھرتی اور خراج و محصول وصول کرنے کے لئے اختیار کی ضرورت تھی۔ اسلئے وہ صاحب اختیار ہوتے تھے۔ وہ فوج و خراج اور بقائی امن کے ذمہ وار ہوتے تھے۔ اسلئے اُنکو مددگار دئے جاتے تھے۔ اور اُنکی حفاظت بادشاہ کے ذمہ ہوتی تھی۔ اس خیال سے رعایا حکام پر دست درازی نہیں کرتی تھی۔ اور اگر کرتی تو جان و مال کا نقصان اُٹھاتی تھی + جبر بادشاہت کا مدعا بادشاہ اور مشیروں کا مقرر کرنا۔ حکام کے ذریعے خراج وغیرہ وصول کرنا اور فوج بھرتی کرنا تھا۔ وہ

ہوائی کُرہ سے متعلق قواعد

زمین ساکن - مدامی اور مستقل معلوم ہوتی ہے - مگر ہوائی کرہ متحرک اور کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے - اُس پر آفتاب کی حرارت - خلا کی سردی - زمین کی گردش اور موسمی تبدیلیوں کا اثر ضرور پڑتا ہے - مگر سائنس دانوں نے بعض ایسی باتیں معلوم کی ہیں جو ہوا پر حکومت کرتی ہیں - ان باتوں کو جان کر ہم اُن تبدیلیوں کو معلوم کر سکتے ہیں جو رات دن آسمان پر اور ہوائی کُرہ میں ہوتی رہتی ہیں ؂

ہوائی کرہ کی بابت سب سے پہلا قاعدہ گلاسگو کے مشہور کیمسٹ ڈاکٹر بوئل اور فرانس کے سائنس دان میریوٹ نے دریافت کیا - وہ یہ ہے کہ اگر گیس کی ایک مقدار کسی خاص جگہ کے اندر دبا کر بند کردی جائے تو اگرچہ اُس کی جسامت گھٹ جائیگی - لیکن اُسکے دباؤ کی طاقت بڑھ جائیگی - مثلاً اگر ۶ مکعب فیٹ ہوا کو ۳ مکعب فیٹ جگہ میں بند کر دیا جائے - اور پھر اس ہوا میں مقیاس الہوا جس کا پارہ ۳۰ درجہ پر ہو رکھدیا جائے تو پارہ ۶۰ درجہ پر پہنچ جائیگا ؂

جب انسانوں پر اخلاقی دباؤ پڑتا ہے تو وہ بھی اکثر اسی قسم کے خواص کا اظہار کرتے ہیں - لیکن افسوس کہ اخلاقی دباؤ کے معلوم کرنے کا اب تک کوئی آلہ نہیں پایا جاتا - تاہم کُرہ ہوا کی باتوں کے معلوم کرنے کے لئے ایک آلہ موجود ہے - کُرہ ہوا آزاد ہے - اس لئے اُس پر بھی کامل دباؤ نہیں پڑسکتا - بلکہ وہ اس دباؤ سے بچ جاتا ہے - یہ بات حرکت یا پھیلاؤ کے ذریعے عمل میں آتی ہے ؂

اس قانون کا ایک فوری نتیجہ تو یہ ہے کہ ہوائی کرہ کی نچلی تہ بہت کثیف ہوتی ہے - کیونکہ اُس پر اوپر کی تہوں کا دباؤ پڑتا رہتا ہے - مگر اوپر لی تہ لطیف اور پتلی ہوتی ہے - اس لئے اُس پر کوئی دباؤ نہیں ہوتا - جب کبھی ہوا کی کوئی مقدار اوپر کو جاتی ہے تو رفتہ رفتہ اُس پر دباؤ کم رہ جاتا ہے - اور وہ ڈاکٹر بوئل کے قاعدہ کے مطابق پھیل جاتی ہے - لیکن برعکس اسکے جب ہوا کی کوئی مقدار نیچے کو آتی ہے تو وہ متواتر دباؤ کے باعث سکڑ جاتی ہے ؂

ہوا سے متعلق یہ ضروری بات اُس وقت معلوم ہوتی ہے جبکہ ہوا زبردستی اُوپر کو چڑھائی جائے۔ یا جبکہ ہوا میں چڑھنے سے پیشتر ہی پھیلاؤ واقع ہونے لگے۔ اول صورت میں جبکہ مجبور کرنے والا سبب بند ہوجاتا ہے تو ہوا بھی رُک جاتی ہے۔ دوسری صورت میں ہوا اُس حد تک پہنچ جاتی ہے جہاں کہ چاروں طرف کی ہوا پھیلی ہوئی اور پتلی ہوتی ہے۔ پہلی صورت تو نیچر میں ظہور پکڑتی ہے۔ جہاں کہ زور کی ہوا کسی اونچے نیچے کوہستانی سلسلہ کی آڑ میں چلتی ہے۔ اور جو کہ ہوا کو پہاڑی پہلوؤں سے اوپر کو چڑھاتی ہے دوسری صورت اُس وقت واقع ہوتی ہے جبکہ ہوا مقامی حیثیت سے گرم ہوکر اوپر کو جاتی ہے۔ یا سرد ہوکر نیچے کو آتی ہے۔ جب دبانے کی جگہ ہوا کو کسی برتن کے اندر حرارت پہنچائی جاتی ہے تو اُس میں دباؤ کی طاقت زیادہ پیدا ہوجاتی ہے اور اگر گرم کئے جانے کے بعد ہوا کو پھیلنے دیا جاتا ہے تو وہ جسامت میں پھیل جاتی ہے۔ اس قاعدے کو چارلس اور گے لُساک نے دریافت کیا تھا۔

ایک ... یہ اس قاعدہ کے برعکس ہے اُسے پوئی سون نے دریافت کیا ... ہوا کو یکایک بھینچا جائے تو اُس کا ٹمپریچر بڑھ جاتا ہے۔ اور ... یکایک پھیلنے دیا جائے تو اُس کا ٹمپریچر گھٹ جاتا ہے۔ یہ ... لئے ضروری ہے کہ جو حرارت پیدا کی جائے وہ معلوم کئے جانے سے پیشتر ہی نہ نکل جائے۔ یہ تینوں قاعدے مع چند خاص خصائص کے ... کے ذریعے سے دکھلائے جائیں تو ہوائی کرے کی تمام خصوصیات ... میں گرمی سردی کے باعث جو ہوا۔ طوفان۔ بادل بارش سے تعلق رکھتی ... پیدا ہوتی ہیں ظاہر ہوجائیں +

یہ تینوں قاعدے ... ایک بڑے اصول کی صورتیں ہیں جو کائنات کی تمام باتوں پر عائد ... اس اصول کا نام "حفاظت قوت" ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ جب ... مادی میں جاکر لگتی ہے تو وہ بالکل گرم ہوجاتی ہے

اور جو حرارت کہ اس طرح پیدا ہوتی ہے وہ اُس حرکت کے بالکل برابر ہوتی ہے جو گولی میں سے خارج ہو جاتی ہے +

حرارت جیسا کہ ہمیں معلوم ہے "حرکت کی ایک صورت" ہے۔ وہ دراصل چھوٹے چھوٹے ذرّوں کی جن سے کوئی جسم بنتا ہے حرکت کا نام ہے۔ نہ کہ جسم کی حرکت کا نام۔ گیسوں سے متعلق جدید اصول کے مطابق جو گیسوں کے مرکبات مثلاً ہوا پر بھی عاید آسکتا ہے چھوٹے چھوٹے ذرّے جن سے گیسیں بنتی ہیں وہ ہمیشہ آگے پیچھے کو حرکت کرتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے ٹکراتے اور اُسے دُور کرتے یا دیگر رُکاوٹوں کو جو اُن کی حرکت کی آزادی میں حارج ہوتا ہو دُور کرتے رہتے ہیں۔ جو دباؤ کوئی گیس اپنے نواح میں پیدا کرتی ہے خواہ وہ گیس منجمد ہو۔ یا رقیق یا لطیف اُس کا اندازہ اُن ضربوں سے کیا جاتا ہے جو اُس کے ذرّوں سے ایک خاص وقت میں ظہور میں آتی ہیں +

اگر کسی تھیلی کے اندر کی گیس کو دبایا جائے تو اُس کے ذرّوں کا راستہ تنگ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ذرّوں کی باہمی ضربوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے یعنی اُن میں دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ یہ قانون ڈاکٹر بوئل کا ہے +

اسی طرح اگر بغیر دباؤ گیس کا ٹمپریچر بڑھ جاتا ہے تو اُس کی حرکت کی رفتار بھی بڑھ جاتی ہے۔ پس اس کا اثر بھی وہی ہوتا ہے جیسا کہ وہ اثر جو گیس کے دبانے کے باعث اُس کے ذرّوں کے راستہ کی تنگی سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ چارلس کا قانون ہے۔ جب گیس یکایک دبائی جائے۔ تو ذرّے ایک دوسرے کی طرف دھکیلے جاتے ہیں اور اس سے اُن کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے ٹمپریچر میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ پوئی سون کا قانون ہے +

ان تمام حالتوں میں کوئی طاقت نہ ضائع جاتی اور نہ پیدا کی جاتی ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ صرف حرکت کو مختلف صورت میں منتقل کر دینے کا نام ہے۔ ان شکلوں میں سے حرکت کو بلا کسی نقصان کے دوسری صورتوں میں لا سکتے ہیں۔ لیکن حرکت کو حرارت کی شکل میں لانا آسان ہے۔ مگر حرارت کو حرکت کی صورت

میں لانا ذرا مشکل ہے۔ مینچسٹر کے ڈاکٹر جوئل نے سب سے پہلے حرکت اور حرارت کے درمیانی مساوات کو ٹھیک طریقہ میں معلوم کیا تھا۔ اُس کا ایجاد کردہ قانون یا اصول یہ ہے کہ:۔

"جب ایک پونڈ وزن ۷۸۳ فیٹ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد روک دیا جاتا ہے تو اُس سے اس قدر حرارت پیدا ہوتی ہے جس سے ایک پونڈ پانی ایک درجہ مطلق صفر تک اُٹھ جائے"+

اس کی ضد بھی بالکل درست ہے۔ اس سے ہمیں اصلی سبب اُن حیرت انگیز ظہورات طاقت کا معلوم ہوتا ہے جو ہوائی کُرہ کی حرکات سے متعلق ہیں۔ نیز بربادکن طوفانوں۔ جو عمارتوں اور جہازوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اُن سخت ہوائی طوفانوں کا بھی سبب معلوم ہو جاتا ہے جو امریکہ میں ٹارنیڈو کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں جو ٹھوس چیزوں مثلاً گرجوں۔ لکڑی کی چیزوں کو پندرہ پندرہ میل اُڑا کر لے جاتے ہیں اور چند ہی منٹ کے عرصے میں ہزاروں آدمیوں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ یہ سارے طوفان محض آفتاب کی حرارت سے جو حرکت کی شکل میں منتقل ہو جاتی ہے پیدا ہوتے ہیں +

چارلس کا قاعدہ جس کے ذریعے سے ہوا حرارت پاکر پھیل جاتی ہے۔ اور پوئی سون کا قاعدہ جسکے ذریعے سے ہوا کم دباؤ کے باعث پھیلاؤ کے ذریعے ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ اُن کا اثر بادلوں۔ بارش۔ بادلوں کی گرج۔ ہوائی طوفانوں وغیرہ کی بناوٹ پر بہت کچھ پڑتا ہے +

جب خشک ہوا کی ایک مقدار یا ہوا کی مقدار جس میں صرف تھوڑی سی بھاپ ہو اُوپر کو چڑھتی ہے تو وہ ہر ۱۸۳ فیٹ کی بلندی پر ایک درجہ فہرنہیٹ کے حساب سے سرد پڑ جاتی ہے۔ مگر جس حساب سے ہوا اس وقت جبکہ ہم اوپر کو چڑھتے ہیں تجربہ سے سرد پائی گئی ہے وہ مذکورہ بالا حساب سے کمتر ہے۔ اسی لئے اگر خشک ہوا گرم کی جائے یہاں تک کہ وہ پھیلنے لگے۔ اور اپنے اِردگرد کی ہوا سے زیادہ ہلکی ہو جائے تو قبل اس کے کہ چڑھاؤ کے باعث

سرد نہ ہوجائے وہ بہت بلندی تک نہیں جاسکتی +

جب ہوا میں اس قدر بھاپ یا نمی ہو جس قدر کہ بلا نظر آنے کے اُس میں سما سکے تو اَور ہی صورت پیش آتی ہے۔ جب وہ اُوپر کو چڑھتی اور ٹھنڈی پڑتی ہے۔ تو بھاپ منجمد ہوکر بادل کی شکل میں آجاتی ہے۔ اور آخرکار مینہ کی شکل میں برس پڑتی ہے۔ اور ساتھ ہی اُس میں سے وہ حرارت خارج ہوجاتی ہے جسے وہ پانی سے بھاپ کی شکل میں تبدیل ہوتے وقت جذب کرلیتی ہے۔ یہ حرارت مخفی حرارت ہوتی ہے۔ اور جب تک کہ وہ بھاپ رہتی ہے تب تک یہ حرارت بھی مخفی حرارت رہتی ہے۔ لیکن جب وہ منجمد ہوجاتی ہے اور ہوا کی ایسی مقدار کے ٹھنڈے ہونے کو روکتی ہے کہ ٹمپریچر اور دباؤ کی معمولی حالتوں میں وہ ۳۰۰ فیٹ کی چڑھائی پر ۱/۲ درجہ فیہرنہیٹ تک سرد ہوتی ہے تو یہ حرارت آشکارا حرارت کہلاتی ہے۔ ہوا کی ایک اوپر کو چڑھنے والی لہر جس میں نمی ہو اگر وہ ایک مرتبہ اوپر کو چڑھنے لگے تو وہ اُس وقت تک چڑھتی چلی جائیگی جب تک اُس میں سے قریب قریب ساری بھاپ یا نمی نہ جاتی رہے یا جب تک کہ وہ ہوائی کرے کے سرد مقامات یا بہت بلند مقامات تک نہ پہنچ جائے +

اس لئے ہوا جس میں نمی ہو وہ بادلوں کے لئے بنانے کے لئے ضروری ہے۔ خاص کر اُن بادلوں کے بنانے کے لئے جو مجتمع بادل کہلاتے ہیں۔ وہ پھیلاؤ جس کے ذریعے سے ایک گیس دوسری گیس میں داخل ہوجاتی ہے وہ ہوا کی کفایت کے مسئلہ میں بڑا بھاری حصہ لیتا ہے۔ اگر پھیلاؤ کا وجود نہ ہوتا تو تمام بھاری یا وزنی گیسیں سطح زمین کے نزدیک رہتیں۔ اور ہلکی گیسیں چوٹی کے نزدیک۔ اور ہم سب کاربونک ایسڈ سے چاہے وہ کتنی ہی چھوٹی مقدار میں ہوتا زہر سے متاثر ہوکر مرجاتے +

چند ہی سال گزرے کہ مشہور کیمسٹ ڈالٹن نے گیسوں کے دباؤ پر ایک قاعدہ یا اصول ایجاد کیا۔ اور اُس سے پھیلاؤ کا مسئلہ نکالا۔ اُس وقت سے

لے کر آج تک یہی بات معلوم ہوتی رہی ہے کہ ڈالٹن کی رائے درست تھی۔ لیکن اُس کے اسباب وہ نہیں ہیں جو ڈالٹن نے بتلائے تھے۔ قاعدہ تو یہ ہے کہ ہوا جس قدر زیادہ ہلکی ہوگی اُسی قدر تیزی کے ساتھ وہ اپنے ہمسایوں کے درمیان حرکت کریگی۔ اور ہر گیس کا میلان یہ ہوتا ہے کہ وہ اس قسم کا سلوک کرے کہ گویا اُس کا کوئی ہمسایہ ہے ہی نہیں۔ مثلاً ہوا کی مرکب گیسوں کا میلان یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسی حالت اور صورت میں رہیں جن میں وہ جداگانہ ہوائی کرہ کی شکل رکھتی ہوں۔ اور میلوں تک اس شکل میں قائم رہیں +

متواتر حرکت کے باعث وہ آخری انتظام عمل میں نہیں آنے پاتا جو مقصود ہے۔ لیکن چونکہ تمام گیسیں اوپر کو چڑھنے اور نیچے کو اُترنے میں پھیلتی ہیں اس لئے یہ ممکن ہے کہ کچھ ہڈروجن اور زیادہ ہلکی گیسیں اوپر جاکر اس قدر پھیل جاتی ہیں کہ وہ کشش ثقل کی طاقت سے جو اُنہیں واپس لاسکتی ہے بالکل اور ہمیشہ کے لئے نکل جاتی ہیں +

پانی کی بھاپ کا ۲۷ میل کی بلندی پر پہنچنے سے پیشتر ہی ایک بہت بڑا حصہ مینہ کی شکل میں آجاتا ہے۔ زمین سے نو میل کی بلندی پر پہنچ کر بھاپ کی اصل مقدار ½ رہ جاتی ہے +

جن قواعد یا اصول کے ذریعے سے ہوائی کرہ میں ہوکر روشنی اور حرارت گزرتی ہے اُن سے متعلق سوالات ابھی تک پورے طور پر حل نہیں ہوسکے۔ کیونکہ روشنی اور حرارت لہروں کی شکلیں ہیں۔ اور وہ بھی ایتھر کی لہروں کی شکلیں جو سارے خلا کو گھیرے ہوئے ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے۔ اور دوسری یہ ہے کہ ہوائی کرے کی حالتوں کا اندازہ تجربہ خانہ میں نہیں کیا جاسکتا +

لیکن صرف اتنی ہی بات ضرور معلوم ہوگئی ہے کہ آفتاب سے آنے والی معمولی سفید روشنی کو جب منشور میں ہوکر گزارا جائے تو وہ مختلف رنگوں سے جو سرخ اور بنفشئی رنگوں کے درمیان میں شمار کئے جاتے ہیں مرکب معلوم ہوتی ہے۔ ان شعاعوں یا رنگوں کے آگے وہ شعاعیں ہیں جنکا اثر ہوائی کرے

اور زمین دونوں پر پڑتا ہے۔ اور جن کا وجود محض فوٹوگرافی کے ذریعے سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ جو شعاعیں کہ سرخ کنارے کی طرف ہوتی ہیں اُن میں روشنی کی جگہ حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ مگر جو بنفشئی کنارے کی طرف ہوتی ہیں اُن میں حرارت کی جگہ روشنی زیادہ ہوتی ہے۔ ہوائی کرے کا ان شعاعوں پر عام اثر آفتاب کی نسبت دگنا ہوتا ہے۔ ہوائی کرہ میں ہوکر گزرتے وقت وہ کچھ تو جذب ہو جاتی ہیں اور کچھ منتشر۔ نیلی اور بنفشئی شعاعوں پر بہت اثر پڑتا ہے۔ اور سرخ پر کم۔ پروفیسر لینگلے نے بتایا ہے کہ ہوائی کرہ میں ہوکر اتنی ہی نیلی شعاعیں گزرتی ہیں جس قدر نیلا کہ آفتاب اُس وقت دکھائی دیتا ہے جبکہ ہم ہوائی کرہ میں ہوکر دیکھتے ہیں۔ حرارت کی شعاعوں کے جذب ہونے کا حساب پروفیسر ٹنڈیل نے یہ بتایا ہے کہ وہ ہوائی کرہ میں پانی کی بھاپ کی موجودگی ہے۔ اور اُن کے ضائع جانے کی وجہ منجمد بھاپ اور خاک کے ذرے ہیں +

سرخ رنگ جو غروب آفتاب کے وقت نظر آتے ہیں اُن کا سبب یہ ہے کہ آفتاب کی شعاعیں ہماری نگاہوں تک پہنچنے سے پیشتر ۰۰ ۹ میل کے ہوائی کرے میں ہوکر گزرتی ہیں۔ مگر جب آفتاب سر پر ہوتا ہے تو انہیں صرف ۵۰ میل کے کرے میں ہوکر گزرنا پڑتا ہے۔ اس لئے نیلی شعاعیں سب کی سب گزرتی ہوئی آجاتی ہیں۔ آفتاب کا سرخ رنگ جبکہ اُسے کہر میں ہوکر دیکھا جائے وہ محض زیادہ جذب کا سبب ہے۔ مگر نیلی رنگوں کی شعاعوں کا اتلاف محض ذرات کا باعث ہے +

اسی طرح وہ نیلا رنگ جو آسمان پر اُس وقت نظر آجاتا ہے جبکہ آفتاب آسمان میں ٹھیک اوپر ہوتا ہے اُس کا سبب لارڈ ریلے نے شعاعوں کا کم ہونا قرار دیا ہے۔ اگر یہ شعاعیں ہم تک نہ پہنچیں تو آسمان کا رنگ نیلا نہیں بلکہ سیاہ دکھائی دے +

جب روشن شعاعیں آفتاب سے نکل کر ہوا میں ہوتی ہوئی آتی ہیں تو وہ

ہوا کے خشک حصہ کو بہت کم گرم کرتی ہیں۔ کیونکہ وہ بھاپ میں جو تھوڑی مقدار میں ہوتی ہے جذب ہو جاتی ہیں۔ باقی شعاعیں زمین تک پہنچنے میں نظر نہ آنیوالی حرارت کی شعاعوں میں بدل جاتی ہیں۔ کیونکہ اُن میں ہوائی کرّے میں ہو کر از سر نو نفاذ کرنے کی خاصیت نہیں ہوتی۔ اس طرح بند ہو کر وہ اپنی قوت سے اوّل سطح زمین اور پھر نواحی ہوا کو متاثر کرنے لگتی ہیں +

اس طریقہ میں ہوائی کرّے کا اُوپر کا حصہ شعاعوں کی نسبت زیادہ سرد رہتا۔ اگر زمین سے اُوپر کی طرف حرارت نہ جاتی ہوتی۔ یہ بات ہوائی کرہ کی کفایت میں۔ اور بادلوں۔ مینہ۔ آندھیوں وغیرہ کے بنانے میں اتنا زیادہ حصہ لیتا ہے کہ اُس کا بھی کچھ ذکر کرنا چاہیئے +

عام طور پر ہوا اوپر چڑھتے وقت ہر ۱۸۳ فیٹ کی بلندی پر ایک درجہ فیہرنہیٹ کے حساب سے گرم ہوتی ہے اس لئے جب تک کہ ٹمپریچر میں کمی کی رفتار بلندی کے ساتھ اسکی برابر یا کچھ کم ہوتی ہے تو ہوائی کرہ عمودی مساوات میں رہتا ہے۔ یعنی عمودی حرکت یکایک پیدا نہیں ہو سکتی۔ البتہ اُس میں تبدیلی ایسی حالتوں میں پھیلاؤ اور زیادتی کے باعث ہوگی۔ اس سے قطبین اور خط استوا کے درمیان ہوا کو عام حرکت ہوتی ہے۔ جب ہوائی کرہ سطح زمین کے نزدیک نہ صرف گرم ہو جاتا ہے بلکہ اُس میں نمی بھی اثر کر جاتی ہے تو وہ ۶۲ درجہ فیہرنہیٹ پر سرد ہو جاتا ہے۔ اس لئے اوپر کو حرکت نہیں ہو سکتی کیونکہ ہوا ہلکی اور زیادہ گرم ہوتی ہے اس طریقہ میں سرد ہوا کو نیچے کی طرف حرکت ہو سکتی ہے۔ یہاں تک کہ سطح زمین سے گرم ہوا اوپر چلی جاتی ہے اوپر کو ہوا کے حرکت کرنے سے زندگی بخش حرارت بلند سرد مقامات تک پہنچ جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بلندی پر زندگی ناممکن ہو جاتی۔ جب ہوا کے چڑھاؤ میں کمی آتی ہے تو بارش اور آندھی پیدا ہو کر اُسکی تلافی کرتے ہیں + پروفیسر ایبی لکھتے ہیں کہ ہوا ۳۰ ہزار فیٹ کی بلندی تک چڑھ جاتی ہے اس سے اوپر ٹمپریچر کم ہونے لگتا ہے۔ جو ہر ۳۲۰ فیٹ میں بقدر ایک درجہ کے کم ہو جاتا ہے۔ یہ بات غباروں کے ذریعے معلوم ہوتی ہے جو ۱۸۹۲ء اور ۱۸۹۴ء میں جرمنی اور فرانس میں اُڑائے گئے تھے۔ اور جنکے ذریعے ہوا کے متعلق بہت سی باتیں دریافت کی گئی تھیں +

گرنتھ مصیبت میں

ابھی گرنتھ واپسی کے لئے روانہ ہو کر شہر کے باہر پہنچا ہی تھا کہ وہ ایک ایسے راستے میں داخل ہوا جو دو پشتوں کے درمیان میں ہو کر جاتا تھا۔ اور جنپر گھنے درخت اُگے ہوئے تھے۔ راستہ گاڑیوں وغیرہ کی آمد و رفت سے جو دنگل میں آتی جاتی رہی تھیں ناہموار ہو گیا تھا۔ اُس میں اندھیرا تھا۔ اس لئے کہ درخت جو دو رویہ کھڑے تھے چاندنی کو روک رہے تھے۔

شہر میں سے لوگوں کی مُوحق کی آواز صاف طور پر ہوا کے ذریعے گرنتھ کے کانوں سے دوچار ہو رہی تھی۔ کبھی لوگوں کے قہقہوں کی آوازیں آتی تھیں۔ اور کبھی اُن کے چیخنے کی۔ اور گاہے گاہے باجوں کے سُریلے سُر بھی سُنائی دیتے تھے۔ ان آوازوں سے گرنتھ پر ایک قسم کا خوف طاری ہوا۔ گرنتھ جلدی جلدی قدم بڑھائے جا رہا تھا تاکہ کُھلے میدان میں جلد تر جا پہنچے۔ مگر ابھی وہ راستہ کے سرے پر نہ پہنچا تھا کہ ایک طرف سے چار جوان نکلے اور گرنتھ کو جھٹ سے پکڑ لیا۔ اور کہنے لگے کہ "جو کچھ تیرے پاس ہے رکھ دے"۔

گرنتھ۔ "تم میرا مال تو آسانی سے نہ لے سکو گے۔ اگر میرا قابو چلتا تو میں تم پر وار کرتا"۔

ایک شخص۔ "اچھا۔ ہم ابھی تیری بہادری دیکھتے ہیں"۔ اور ساتھیوں سے "اسے ذرا اِدھر لے آؤ۔ میں ابھی اس کا سر تڑواتا اور اُس کا مال رکھوائے لیتا ہوں"۔

لوگ گرنتھ کو کشاں کشاں ایک طرف کو لے گئے۔ اور کُھلے میدان میں لے پہنچے جہاں چاندنی کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ وہاں دو آدمی اور ملے جو خنجروں سے مسلح تھے۔ اور جن کے ہاتھوں میں تیغے تھے۔

ایک شخص۔ "ارے احمق تیرے پاس کتنا مال ہے"؟

گرنتھ۔ "میرے پاس تو تیس زیکن ہیں"۔

دوسرا شخص۔ "بھئی خوب گہرا ہاتھ لگا۔ ایک سیکرٹن کے پاس تیس زیکن اچھا یہ تو اینٹھ لو"۔

گرتھ "یہ تو میں نے آزادی حاصل کرنے کے لئے جمع کئے تھے" +

تیسرا شخص "ابے تُو تو دو چلو پیکر جامے سے باہر ہو گیا" +

گرتھ "اچھا تو اگر یہی تیس زیکن مجھے تمہارے پنجہ سے آزادی دلا سکتے تو میں تمہارے حوالے کئے دیتا ہوں" +

چوتھا شخص "ارے تیرے کیسہ میں تو کچھ زیادہ معلوم ہوتا ہے +

گرتھ "وہ تو میرے آقا کا مال ہے۔ اگر تم اپنی دست بُرد صرف میرے ہی مال تک محدود رکھتے تو میں کچھ بھی نہیں کہتا ہوں" +

ایک شخص "تو بڑا ایماندار ہے۔ مگر تو مقدّس نکولس کا بہت معتقد ہے لیکن اس سے تیرا مال تو نہیں بچ سکتا۔ اچھا جلد حوالہ کر" یہ کہہ کر اُس نے تھیلی چھین لی۔ اور پھر تیرا آقا کون ہے"؟

گرتھ "محروم الارث سورما" +

ایک شخص "کیا وہی جس نے آج دنگل میں کئی معرکے جیتے۔ اُس کا نام اور نسل کیا ہے"؟

گرتھ "ان باتوں کو تو وہ پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے۔ اور مجھ سے تم ان باتوں کو یقیناً معلوم نہیں کرسکتے +

وہی شخص "تو تیرا نام و نسل کیا ہے"؟

گرتھ "اگر یہ بتا دوں تو میرے آقا کا بھی نام و نسل کھل جائیگا" +

وہی شخص "تو بڑا ہوشیار ہے۔ اچھا تیرے آقا کے پاس یہ روپیہ کیسے اور کہاں سے آیا؟

گرتھ "تلوار کے ذریعے سے۔ یہ روپیہ چار راہواروں اور چار زرہ وغیرہ کا جرمانہ ہے" +

وہی شخص "روپیہ ہے کتنا"؟

گرتھ "دو سو زیکن" +

وہی شخص "تیرے آقا نے جرمانہ تو بہت ہی تھوڑا لیا۔ مگر یہ تو بتا کہ کس کس سے لیا ہے" +

گرتھ نے اُن کے نام وغیرہ بتا دئے +

وہی شخص "سورما گلبرٹ سے کس قدر جرمانہ لیا۔ دیکھ تُو مجھے چکمہ نہیں دے سکتا"

رتھ ”میرا آقا اُس سے تو کچھ بھی نہیں لیگا۔ البتہ اُسکی جان۔ وہ تو ایک دوسرے کے جانی دشمن اور خون کے پیاسے ہیں۔ اور آپس میں ایک گزبھی نہیں سکتے ۔
شخص ”درست۔ مگر تو اُسکے پاس کیا کرنے گیا تھا“؟

رتھ ”اسحاق یہودی کو اُس سامان حرب کا روپیہ دینے جسے میرے آقا نے ڈک سے لیا تھا“۔

اسکے بعد اور باتیں ہوئیں۔ پھر چوروں کے سرغنہ نے کہا کہ ذرا دیا سلائی تو بلاؤ۔ میں اس تھیلی کا مال دیکھنا چاہتا ہوں۔ جب چور روپیہ گنتے اور دیکھنے کے لئے آگے بڑھے تو گرتھ اُن کے قابو سے نکل گیا۔ اور ایک کے ہاتھ سے سونٹا لیکر سرغنہ کے ایک ہاتھ زور کا رسید کیا۔ اور تھیلی لے کر بھاگا۔ مگر چوروں نے تعاقب کر کے اسے پھر قابو کر لیا۔ اور گھسیٹتے ہوئے سرغنہ کے پاس لے گئے۔ سرغنہ نے کہا کہ تو اس کرتوت کا نتیجہ ابھی پائیگا۔ اور ساتھیوں سے ”میں اس بدمعاش کی باتوں پر یقین رکھتا ہوں۔ سو اس کا مال نہیں لینا چاہئے۔ کیونکہ ہماری مانند وہ بھی غریب ہے۔ اُس نے بھی ہماری طرح تلوار کے زور سے روپیہ حاصل کیا ہے“۔ پھر کچھ اور باتیں ہوئیں۔ اور گرتھ کا اور ایک چور کا مقابلہ کرایا گیا۔ دونوں میں دیر تک چلتی رہی۔ گرتھ نے خوب ہی دلیری دکھائی۔ اور مدِ مقابل کو فرش خاکی پر لٹا دیا۔

چور (بلند آواز سے) ”خوب رہے۔ اس سیکزن نے تو جان و مال دونوں ہی بچا لئے۔ اور ملر (چور کا نام) اُس کا مقابلہ نہ کر سکا“۔

سرغنہ ”ارے احمق اب تو جا سکتا ہے۔ میں دو آدمی تیرے ہمراہ کئے دیتا ہوں تاکہ وہ تجھے دُور تک پہنچا دیں اور ہم جیسے اَور لوگ تجھے ستانے نہ پائیں۔ چونکہ تو نے ہمیں اپنا نام وغیرہ نہیں بتایا اس لئے ہمارا نام بھی نہیں پوچھ سکتا۔ تو کسی سے ہمارا ذکر بھی نہ کرنا۔ ورنہ بڑی خرابی آئیگی اور اس سے بھی زیادہ مصیبت کا تجھے سامنا کرنا پڑیگا۔ گرتھ نے سرغنہ کا شکریہ ادا کیا۔ دو چور اُس کے ہمراہ ہوئے۔ اور چلتے چلتے اور ایک مقام پر پہنچ کر کہنے لگے کہ ”اب ہم آگے نہیں جا سکتے اب تم چلے جا سکتے ہو۔ مگر دیکھو ہمارا ذکر نہ کرنا۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔ اگر تم نے کچھ ذکر کر دیا تو

نہیں انسان کی مجال نہیں تمہارے ہاتھوں سے نہیں بچا سکتی ہے۔ گرتھ نے سلام کیا اور چلدیا۔ اور اپنے آقا کے خیمے پر پہنچ کر اس نے سارا ماجرا اُسکے گوشگزار کردیا محروم الارث کو تعجب ہوا۔ اور ربقہ کی فیاضی پر تو بڑی ہی حیرت ہوئی۔ مگر اُس نے جو کچھ کہ گرتھ پر گزرا تھا اس پر کچھ زیادہ دماغ سوزی نہیں کی۔ بلکہ سو گیا تاکہ دوسرے دن مقابلہ کے قابل ہوجائے۔ جوں ہی سورما بستر راحت پر لیٹ گیا تو گرتھ اُس کے پاس ہی مگر خیمہ کے دروازہ کے سامنے ریچھ کی کھال بچھا کر اس پر دراز ہوگیا۔ اس خیال سے کہ کوئی شخص بھی اُسے جگانے بغیر اُسکے آقا تک نہ پہنچ سکے ❖

دوسرے دنگل میں محروم الارث کی فتح

صبح نمودار ہوئی۔ نوکر چاکر اور تماشائی دنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ سورماؤں کی ایک ٹولی کا سردار محروم الارث قرار دیا گیا۔ اور دوسرے کا گلبرٹ۔ گلبرٹ کی جماعت میں وہی پونٹ اس لئے شریک نہ ہوسکا کہ اُس کے ضرب شدید آئی تھی اور وہ زرہ وغیرہ پہن نہیں سکتا تھا ❖

اگرچہ عام مقابلہ جس میں کئی کئی سورما معرکہ آرا ہوتے تھے اس قدر خوفناک نہیں تھا۔ جس قدر کہ دو سورماؤں کا مقابلہ۔ اس لئے وہ جنگجو بھی جنہیں اپنی قوت اور بہادری پر بھروسہ بھی نہ تھا اپنے جوہر دکھلانے کے لئے آمادہ ہوجاتے تھے۔ اس لئے دونوں طرف سے کوئی ۶۰ جوان مقابلہ کے لئے آمادہ تھے۔ کچھ اور بھی آمادہ ہوئے تھے۔ مگر اُن کو شریک ہونے کی اجازت ہی نہ مل سکی ❖

دن کے دس بجے کے قریب دنگل میں تماشائیوں کا ٹھٹ لگ گیا۔ اور ذرا ہی دیر بعد شاہزادہ جان بھی سورماؤں کی جماعت ساتھ لئے ہوئے دنگل میں وارد ہوا۔ اس کے ساتھ ہی نواب سیڈرک مع خاتون روّوینہ کے آگیا۔ مگر ایتھیلسٹن اُس کے ہمراہ نہیں آیا۔ کیونکہ اُس روز معرکہ میں شریک ہونا چاہتا تھا۔ اُس نے ٹیمپلر جماعت کے سورماؤں میں شریک ہوکر معرکہ آرا ہونے کا ارادہ کیا تھا۔ اور سیڈرک کے اصرار و اعتراض کی مطلق پرواہ نہیں کی۔ اگرچہ روّوینہ کا حسن وجمال

اُسے محروم الارث کے خلاف امادہ ہونے سے روک رہا تھا۔لیکن چونکہ اُسے اُمید نہیں تھی کہ اس کا دائمی میل رووینہ کے ساتھ ہو سکے۔ مزید براں محروم الارث نے ملکۂ دنگل کے طور پر رووینہ کو منتخب کیا تھا۔ اور یہ بات اس ارادہ میں رخنہ انداز ہوئی کہ خود ایتھیلسٹن رووینہ کو بہ عزت دیتا۔ اس لئے وہ محروم الارث کے دشمن کا ساتھی ہو گیا۔ اور اُس نے ارادہ کر لیا کہ وہ محروم الارث کو نیچا دکھائے +

شاہزادہ جان کے اشارے سے ڈی برسی اور دیگر نامور سورما ایتھیلسٹن کے طرفدار ہو گئے۔ جان کی خواہش تھی کہ ان ہی لوگوں کے سر فتح کا سہرہ رہے۔ محروم الارث کی طرف انگریزی اور نارمن دونوں ہی قوم کے واقف دنا واقف سورما تھے۔ محض اس خیال سے کہ ان کا سرغنہ محروم الارث جیسا نڈر اور جانباز جنگجو تھا +

جوں ہی کہ رووینہ ملکۂ دنگل کی حیثیت سے دنگل میں آئی شاہزادہ جان بڑے خلق سے آگے بڑھا۔ اُسے سلام کیا۔ اور گھوڑے سے اُتر کر رووینہ کو تانگن پر سے اُترنے میں مدد دی۔ جان کے ہمراہی بھی اُس کے ساتھ ساتھ تھے۔ ایک ہمراہی نے رووینہ کا تانگن پکڑ لیا۔ شاہزادہ جان نے اُس موقع پر یہ کہا کہ" دیکھو ہم نے ملکۂ عشق و حسن کی اطاعت کی کیسی اچھی مثال پیش کی ہے کہ ہم خود اُسے آج تخت کی طرف سے لے جا رہے ہیں جسے آج وہ اپنے قدم سے سرفراز کرے گی۔ اے خواتین تم بھی ملکہ کی خدمت میں رہو تاکہ تمہیں بھی باری باری یہ اعزاز نصیب ہو سکے"

یہ کہہ کر شاہزادہ جان نے رووینہ کو اپنے مقابل والی مسند پر جا کر بٹھا دیا۔ اور معزز خواتین اُسکے ارد گرد تشریف فرما ہوئیں +

رووینہ کے تخت دنگل پر متمکن ہوتے ہی چاروں طرف سے خوشی کا نعرہ بلند ہوا۔ اور باجے بجنے لگے۔ دنگل کے دونوں کناروں پر سورماؤں کی ٹولیاں نظر آئیں جن کے لوگ آپس میں یہ صلاح و مشورہ کر رہے تھے کہ کس طریقہ میں معرکہ کے لئے تیار اور کھڑا ہونا چاہئے۔ اور دشمنوں سے کیسے مقابلہ کرنا چاہئے +

اس کے بعد نقیبوں نے لوگوں کو خاموشی اختیار کرنے اور دنگل کے ضوابط

وغیرہ سُننے کے لئے آوازیں بلند کیں ضوابط میں سے ایک یہ تھا کہ مقابلہ کرنے والوں کو ننگی تلواروں سے وار توکرنا چاہئے۔ مگر اُسکی نوک کے وار سے ضرب بھی لازم ہے خنجر سے کام نہیں لینا چاہئے۔ البتہ برچھی اور تیر ضرور استعمال کرنا چاہئے۔ جو سورما کہ گھوڑے سے اُتر پڑے وہ پیدل اپنی مقابل جماعت میں سے کسی سے مقابلہ کرسکے مگر سواروں کو اُس پر حملہ کرنا منع تھا۔ اگر کوئی سوار سورما اپنے مدِمقابل کو دباتا ہوا دنگل کے سرے تک لے جائے۔ تاکہ کٹھرے سے اُس کا جسم یا ہتیار لگ جائیں تو وہ اپنے کو مغلوب کی حیثیت میں مان لے۔ اور اُس کا گھوڑا اور سامان حرب اُسکے فاتح کے حوالہ کردیا جائے۔ اور جو کوئی بھی اس طریقہ میں مار کھلائے اُسے دوبارہ مقابلہ کی اجازت نہ دی جائے۔ اگر کوئی سورما ضرب کھا کر گر پڑے تو اُسکا نوکر اُسے وہاں سے ہٹا لائے اور وہ مغلوب سمجھا جائے۔ اُسکا گھوڑا اور سامان حرب ضبط کرلیا جائے۔ جب شاہزادہ اپنا عصا پھینک دے تو مقابلہ کا خاتمہ سمجھا جائے کوئی سورما جس کے جسم سے خون کے فوارے چھٹنے لگیں اُسے زیادہ دیر تک نہ لڑنے دیا جائے۔ اگر کوئی سورما ان قواعد میں سے کسی کو توڑے۔ یا کسی اور طریقہ میں ضوابط دنگل کی ہتک کرے تو اُس کا سامان حرب چھین لیا جائے اور اُس کی ڈھال اُلٹی کرکے کٹھرے پر رکھدی جائے اور عام لوگ اُس کا مضحکہ اُڑائیں۔ نقیبوں نے ضوابط کا اعلان کرنے کے بعد ہر سورما سے عرض کی کہ وہ اپنا فرض ادا کرے اور ملکہ دنگل کی خوشی حاصل کرے ۔

اعلان کے بعد نقیب اپنی اپنی جگہ جاکر کھڑے ہوگئے۔ اور دونوں ٹولیاں سپاہ کی قاعدہ سے کھڑی ہوئیں۔ اُن کا سرغنہ اگلی صف میں بیچوں بیچ کھڑا ہوا۔ وہ بھی ایک قابل دید منظر تھا جبکہ سورما گھوڑوں پر آہنی ستون کی مانند جمے ہوئے تھے۔ اور گھوڑے ہنہنا ہنہنا کر زمین میں ٹاپیں مار رہے تھے۔ اور راہوار و سوار اشارے کے ہمہ تن منتظر تھے۔ اُن کی برچھیاں سیدھی تھیں۔ برچھیوں کی نوکیں آفتاب کی طرف تھیں۔ اُن کی زرہ وغیرہ آفتاب کی کرنوں کے پڑنے سے جگمگ جگمگ کر رہی تھیں ۔

اشارہ کیا گیا۔ تریاں بجنے لگیں۔ طبل جنگ سے صدا بلند ہوئی۔ شہنائی اور قرنے پھونکے گئے۔ گھوڑوں میں ایڑ لگائی گئیں۔ اور دونوں جماعتوں کی اگلی صفیں ایک دوسرے پر جھپٹیں۔ دونوں کا مقابلہ بیچ دنگل میں ہوا۔ اور ہتھیاروں سے ایک شور پیدا ہوا جو کوئی میل بھر کے فاصلے تک سُنائی دیا۔ دونوں جماعتوں کی آخری صفیں ہلکے قدم سے آگے بڑھیں تاکہ شکست کھانے والوں کی مدد کریں اور اپنی جماعت کے جیتنے والوں کے ساتھ رہیں +

مقابلہ کا نتیجہ فی الفور ہی معلوم نہیں ہو سکا۔ کیونکہ گرد و غبار نے سرکشی کر کے سورماؤں کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا۔ لیکن جب گرد و غبار کم ہوا تو عجیب نظارہ نظر آیا۔ دونوں جانب سے کوئی آدھے سورما اپنے مدمقابل کی طاقت سے زچ ہو کر گھوڑوں سے اُتر پڑے تھے۔ بعض زمین پر پڑے ہوئے تھے اور اُٹھنے کے قابل نہ تھے۔ بعض پیدل ہو گئے تھے اور دوسرے پیدلوں سے دست بدست لڑ رہے تھے۔ دونوں طرف سے بعض سورماؤں کے جسم سے خون کے فوارے بہنے لگے تھے جسے وہ اپنے رومالوں سے روک رہے اور لڑنے والوں میں سے باہر نکلنے کے لئے کوشش کر رہے تھے۔ سوار سورما جن کی برچھیاں ٹوٹ چکی تھیں تلواروں کا وار کر رہے تھے۔ اور نعرہ جنگ بلند کر کر کے حملہ آور ہو رہے تھے۔ گویا ان واروں ہی پر اُن کے مقابلے کا نتیجہ منحصر تھا +

آخری صفیں بھی اپنی اپنی طرف والوں کی امداد کے لئے آگے بڑھیں۔ ٹمپلرٹ کے طرفدار اپنا نعرہ جنگ بلند کر رہے تھے۔ اور محروم الارث کے طرفدار اپنا نعرہ جنگ یہ صفیں بھی شریک جنگ ہو گئیں۔ گھمسان کا رن پڑا۔ فتح کبھی ایک طرف نظر آتی تھی اور کبھی دوسری طرف۔ کبھی ایک جماعت غالب آتی تھی اور کبھی دوسری کا پلہ بھاری ہو جاتا تھا۔ باجوں اور نعرہ جنگ سے اُن سورماؤں کی چیخیں دب گئی تھیں جو زمین ہلاک و خون میں لوٹ رہے اور گھوڑوں کے قدموں میں پڑے ہوئے تھے سورماؤں کی کلغیاں ہل ہل کر لطف دکھا رہی تھیں۔ مرد تو مرد عورتیں بھی اس خونریز منظر کو بڑے شوق سے دیکھ رہی تھیں۔ دمبدم سورماؤں پر

کرتے جاتے تھے۔ جن میں کوئی کسی کا دوست تھا۔ کسی کا خاوند۔ کسی کا باپ۔ کسی کا بھائی۔ سورماؤں کی جیت پر اُن کے ہوا خواہ رومال ہلاکر اور ٹوپیاں اُٹھاکر اُن کی عزت افزائی کرتے تھے۔ اور اُن کے واروں پر داد دیتے تھے۔ نقیب اپنے نعروں سے سورماؤں کی ہمت الگ بڑھا رہے تھے "ڈٹے رہو بہادرو" "جمے رہو سورماؤ" "کیا تلوار کا وار ہے" "بھئی خوب برچھی کی انی ہے" "ہارتے تو موت بہتر ہے" اس قسم کے نعرے سورماؤں کی ہمتوں میں اضافہ کر رہے تھے۔ دونوں جماعتوں کے سرغناؤں پر جو اپنے طرفداروں کی ہمتوں کو بڑھاتے پھرتے تھے تماشائیوں کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں۔ محروم الارث اور گلبرٹ دونوں ہی ہتھیلی پر سر رکھ کر لڑ رہے تھے۔ دونوں میں جان کی بازی لگی ہوئی تھی جب میدان دونوں طرف کے بہادروں سے خالی ہونے لگا۔ تو محروم الارث اور گلبرٹ دست بدست لڑنے لگے۔

آخر کار محروم الارث کی جماعت دبنے لگی۔ کیونکہ گلبرٹ کی جماعت میں سے شہزور ڈی بف اور اتھیلسٹن نے محروم الارث کی جماعت کو دونوں سروں پر دبانا شروع کیا۔ مقابلہ گلبرٹ وغیرہ کے ہاتھ رہتا ہوا معلوم دیا محروم الارث جنگ میں اس قدر محو تھا کہ اُسے کسی کی شکست و فتح کا خیال بھی نہیں رہا۔ لیکن "ہوشیار محروم الارث" "خبردار محروم الارث" کے نعروں نے اُسے چونکایا اور اُسے معلوم ہوا کہ اُس کی جماعت دبی ہوئی ہے۔ محروم الارث نے گلبرٹ پر وار کر کے علیحدہ ہو جانا چاہا۔ کہ گلبرٹ۔ ڈی بف اور اتھیلسٹن تینوں ہی اُس پر پل پڑے۔ محروم الارث کو اس حملہ سے سوائے اُس گھوڑے کی طاقت و چستی کے جسے اُس نے پہلے دن دنگل میں جیتا تھا اور کوئی شے نہیں بچا سکتی تھی۔

محروم الارث کی شہسواری اور گھوڑے کی چستی نے اتنا کام کیا کہ محروم الارث تینوں حملہ آوروں کو چند منٹ تک دُور ہی روکے رہا۔ اُسے اُس نے پاس تک نہ پھٹکنے دیا۔ کبھی ایک پر وار کیا۔ اور کبھی دوسرے پر دھاوا۔ اگرچہ تماشائی اُس کی قابلیت پر عش عش کر رہے اور نعروں سے اُس کا دل بڑھا رہے تھے۔ لیکن یقین

سب کو یہی تھا کہ آخر میں ہار اُسی کو رہیگی۔ شاہزادۂ جان کے مشیر اصرار کر رہے تھے کہ ایسے بہادر شخص کو تو بچا ہی لیا جاسے +

شاہزادۂ جان بولا بخدا میں اُسے نہیں بچا سکتا۔ وہ ایک مرتبہ تو انعام اور نام حاصل کر چکا۔ اب تو وہ دوسروں کو بھی کچھ لے لینے دے۔ محروم الارث کی جماعت میں ایک اور شہزور سورما تھا جو ابھی جوش و خروش کے ساتھ شریک نہیں ہوا تھا۔ اُس نے محروم الارث کو دبا ہوا دیکھ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس کی مدد کو پہنچا۔ اور اُس نے ڈی بعث پر جو محروم الارث کو دبائے جا رہا تھا ایک وار کیا۔ اور اُسے زمین پر گرا دیا۔ اور غضبناک ہو کر ایتھیلسٹن کی طرف رُخ کیا اور خود اُس کے ہاتھ سے تبر چھین کر اس خوبصورتی سے وار کیا کہ ایتھیلسٹن زمین پر بیہوش جا پڑا۔ دو جانبازوں کو گرا کر اُس نے دوسری جانب رُخ کیا۔ محروم الارث اور گلبرٹ کو ایک دوسرے کے مقابل چھوڑا۔ گلبرٹ کا گھوڑا زخموں سے چُور چُور تھا۔ اور خون کے خارج ہونے سے اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ جوں ہی محروم الارث نے ایک وار کیا گھوڑا زچ ہو گیا۔ اور گلبرٹ زمین پر جا پڑا۔ محروم الارث گھوڑے سے کود کر اور تلوار لیکر اُسکے سر پہ جا ڈٹا اور کہنے لگا کہ "اقرار کر کہ میں ہار گیا"۔ اس وقت شاہزادۂ جان نے محض گلبرٹ کو اقرار سے بچانے کے لئے اور نیز اُس کی جان کو اُس کے رقیب کے قبضۂ قدرت سے محفوظ رکھنے کے لئے منتظم دنگل کو اشارہ کیا کہ درمیان میں پڑکر فیصلہ کرا دے +

اس وقت صرف چند سورماؤں میں معرکہ ڈٹ رہا تھا۔ اور سورماؤں کے خدام اپنے اپنے آقاؤں کی مدد کے لئے دوڑے آ رہے تھے۔ گلبرٹ اور محروم الارث کے معرکہ کا خاتمہ ہونے سے اُس روز کے مشہور دنگل کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ صرف ایک سورما کی جان تلف ہوئی۔ مگر بہتیرے سورما بُری طرح زخمی ہو گئے تھے۔ جن میں سے چار پانچ تو تندرست ہی نہ ہو سکے۔ بعض سورما تو عمر بھر کے لئے ناکارہ ہو گئے۔ ان ہی باتوں کی بدولت ایشبی کا یہ دنگل تاریخ میں ایک قابل یادگار واقعہ مانا جاتا ہے۔

جب اُس روز سب سے اوّل انعام کا معاملہ شاہزادۂ جان کے روبرو پیش ہوا

تو اُس نے اُس سورما کے لئے یہ انعام تجویز کیا جس نے ڈی بف اور راتھیلسٹن کو شکست دیکر محروم الارث کی مدد کی۔ حالانکہ عام لوگوں کی رائے میں اِس انعام کا مستحق خود محروم الارث تھا جس نے اُس روز بھی ۲ سورماؤں کو شکست دی اور مخالف جماعت کے سرغنہ گلبرٹ کو زیر کیا۔ مگر یہ بیغرض سورما میدان جنگ سے چلا گیا۔ اور جب وہ بلند تُرّیاں بجاکر بُلانے کے بعد بھی نہ آیا تو شاہزادہ کو مجبوراً محروم الارث کو اُس روز کے دنگل کا بھی فاتح قرار دینا ہی پڑا۔ چنانچہ فاتح جماعت اپنے سرغنہ محروم الارث کو ہمراہ لیکر شاہزادہ کی خدمت میں حاضر ہوئی +

شاہزادہ جان :۔ محروم الارث سورما۔ میں تمہیں اسی نام سے مخاطب کرتا ہوں کیونکہ مجھے تمہارا اصلی نام معلوم نہیں۔ آج کے دنگل کا سہرہ بھی تمہارے ہی سر رہا۔ اس لئے تم "ملکۂ عشق وحسن" کے ہاتھوں سے وہ تاج قبول کرو جو تمہارے لئے تجویز کیا گیا ہے"

محروم الارث نے جواب تو نہ دیا۔ مگر سرِتسلیم خم کیا۔ تُریاں بجنے لگیں۔ نقیب اعلان کرنے لگے کہ فتح کا سہرہ محروم الارث کے سر رہا۔ خواتین رومال کے اشاروں سے مبارکباد دینے لگیں اور لوگ محروم الارث کو تخت کے نزدیک لے گئے۔ وہ قریب پہنچتے ہی دوزانو بیٹھ گیا۔ خاتون رووینہ اٹھکر اُسکے سر پر تاج رکھنے ہی کو تھی کہ سورماؤں نے یہ کہا کہ "سورما کا سر برہنہ کرکے تاج رکھا جاے" مگر محروم الارث نے چند الفاظ کہے جو سبھوں کو سنائی نہ دئے۔ مگر جن کا مطلب یہ تھا کہ اُس کا سر برہنہ نہ کیا جاے۔ لیکن سورماؤں نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی۔ بلکہ سر پر سے خود اُتار دیا۔ اور ایک ۲۵ سالہ نوجوان کی شکل نظر آئی۔ جس کی رنگت زرد تھی۔ اور کسی قدر سیاہی مائل تھی۔ اُس کے چہرے پر کئی جگہ خون بھی نکل رہا تھا۔ اُسکی صورت دیکھتے ہی رووینہ کے مُنہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ لیکن اُس نے حواس جمع کرکے اور کپکپاتے ہوئے آگے بڑھکر سورما کے سر پر وہ تاج رکھ ہی دیا جو اُس کے لئے انعام تجویز کیا گیا تھا۔ اور یوں گویا ہوئی کہ " اے معزز سورما میں تیرے سر پر یہ تاج رکھتی ہوں جس کا تو مستحق ہے" اور ایک لمحہ ٹھیر کر "اور سورمائی کا ایسا انعام اس سے زیادہ معتبر سر پر نہیں رکھا جا سکتا"

محروم الارث نے اپنا سر جھکا دیا اور اُس نازک و دلربا ہاتھ کو بوسہ دیا جس نے کہ اُس کے سر پر تاج رکھا تھا - اور پھر بیہوش ہو کر اُس کے قدموں کے آگے گر پڑا - یہ سماں دیکھ کر لوگ گھبرا گئے - اور سیڈرک جو اُسی وقت یکایک اپنے جلاوطن بیٹے کی صورت دیکھکر متحیر ہو گیا تھا دوڑا کہ اُس سے روو ینہ کو علیحدہ کرے - لیکن سوما اس سے پیشتر ہی آئیون ہو کی بیہوشی کا سبب تاڑ کر اُسے اُٹھا کر لے گئے ۔

پیغام تفکرات

جوں ہی کہ لوگوں کی زبان سے آئیون ہو کا نام نکلا وہ سب لوگوں میں پھیل گیا - یہاں تک کہ شاہزادہ جان کے کان تک بھی جا پہنچا - اس نام کے سُنتے ہی جان کی پیشانی پر شکن پڑ گئیں - اور اُس نے چاروں طرف حقارت کے انداز سے دیکھ کر کہا کہ سلے میرے امیرو - اور خاص کر اے مہنت صاحب - تم اُس مسئلہ کی بابت کیا کہتے ہو - جسے عالم و فاضل خلقی رغبتوں اور نفرتوں کے نام سے یاد کرتے ہیں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھے اُسی وقت یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ اس زرہ میں میرے بھائی کی شبیہ ہے ۔

ڈی بریسی "تو ڈی بف کو اپنی نوابی آئیون ہو کے سپرد کر دینا چاہئے" ۔

والڈیمر فرزس "ہاں یہ سورما اسی قابل ہے کہ اُس قلعہ اور جاگیر کو پلٹے - جو اُسکے نام رچرڈ شیر دل نے کی تھی - اور جیسے از راہ فیاضی آپنے ڈی بف کو دیدیا" ۔

شاہزادہ جان "ڈی بف ایسی ایسی تین جاگیر ہضم کر جائیگا - مگر لگے گا ایک بھی نہیں رہی باقی جاگیریں سو میرے خیال سے اس وقت یہاں جتنے لوگ ہیں اُن میں سے کوئی بھی یہ نہ کہیگا کہ مجھے اُن کے سوا جس شخص کو چاہوں عطا کر دینے کا حق حاصل ہے - اور خاص کر اُن لوگوں کو جو ہر دم خدمت گزاری میں لگے رہتے اور فوجی خدمات انجام دینے پر آمادہ رہتے ہیں - نہ کہ اُن لوگوں کو جو غیر ملک میں پھرتے رہتے ہیں اور ضرورت کے وقت نہ تو اطاعت کرتے ہیں اور نہ مدد ۔

سامعین اس بات پر آمادہ تھے کہ شاہزادہ کے اس فرضی حق کو قابل اعتراض

نہ سمجھیں۔ اور وہ کہنے لگے کہ آپ بڑے فیاض ہیں کہ اپنے سراپنے حلقہ بگوشوں کی خدمت کا عوض دینے پر آمادہ رہتے ہیں "

جو لوگ انعام اور بخشش کے اُمیدوار تھے اُن کی یہی رائے تھی۔ منت صاحب نے کہا کہ " یروشلم کو غیر ملک نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ تمام عیسائیوں کی مادر ہے اور مشترکہ میراث۔ لیکن میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ کیوں اور کس طرح سورما آئیون ہو ایسا حق جتا سکے کیونکہ رچرڈ شیر دل کے ساتھی عسقلان سے کبھی آگے گئے ہی نہیں۔ جو کہ فلسطین کا ایک شہر ہے۔ اور اُن حقوق میں سے کسی کا بھی استحقاق نہیں رکھتا جن کا استحقاق یروشلم کو حاصل ہے "

والڈیمر جو اُس جگہ سے جہاں کہ آئیون ہو گرا تھا اور جہاں والڈیمر اشتیاق میں چلا گیا تھا اب واپس آگیا۔ اور کہنے لگا کہ " یہ سورما تو حضور کو کچھ تکلیف دینے والا نہیں معلوم ہوتا۔ وہ جاگیر کو ڈی بف ہی کے قبضے میں رہنے دیگا۔ وہ سخت زخمی ہے "

شاہزادہ " چاہے اُس کا انجام کچھ ہی ہو۔ لیکن آج تو فتح کا سہرہ اُسی کے سر رہا۔ اور چاہے وہ ہمارا جانی دشمن ہوتا یا ہمارے بھائی کا جاں نثار مگر اُس کے زخموں کا چارہ تو لازمی ہوتا۔ ہمارے خاص طبیب اُسکی چارہ سازی کرینگے "

اس وقت شاہزادہ کے لبوں پر سختی آمیز تبسم پایا جاتا تھا۔ والڈیمر نے فی الفور جواب میں کہا کہ اُس سورما کو تو اُس کے ہمراہی کب کا اُٹھا کر لے گئے۔

والڈیمر " آجکل کے دنگل کی ملکہ کا رنج دیکھکر مجھے بڑا ہی افسوس ہوا۔ کیونکہ بیچاری کی آج کی حکمرانی کو اس سورما کی حالت کے خیال نے مکدر کر دیا۔ میں اس مزاج کا آدمی نہیں کہ اگر کوئی عورت اپنے عاشق کے لئے آہ و زاری کرے تو میرے دل پر کچھ اثر ہو سکے۔ روینا نے اپنے غم کو خوب ضبط کیا۔ مگر اس کا اظہار اُسکے ہاتھوں کی مٹھی اور اُسکی خشک آنکھوں سے ہوتا تھا۔ اُس کی آنکھیں جبکہ وہ کپکپا رہی تھی بیہوش عاشق پر لگی ہوئی تھیں

شاہزادہ " یہ روینا کون سی خاتون ہے جس کا چرچا میں نے اکثر سُنا ہے "

منت " وہ سیکسن قوم سے ہے اور ایک بڑی جائداد کی وارث۔ وہ خوبصورتی

میں یکتا ہے - اور بڑی دولتمند - وہ ہزاروں میں یکتا ہے - یاسمن ہے - باغ حسن کا گل ہے - اور جوانی کی نکہت "۔

شاہزادہ :- "ہم اُس کے غم کو دُور کرینگے - اُسکے زخموں پر مرہم رکھینگے - اور ایک نارمن کے ساتھ اُس کی شادی کرا دینگے - وہ نابالغ معلوم ہوتی ہے - اس لئے شادی کے بارہ میں ہمیں اُس پر اختیار حاصل ہے - کہو بریسی تم کیا کہتے ہو - اس بارہ میں تیری کیا رائے ہے کہ ایک شخص خاتون کے ساتھ فاتحوں کے رفیقوں کی رسوم کے مطابق شادی کرکے صاحب مال و دولت ہو جائے "۔

ڈی بریسی :- "جناب والا اگر جائداد میری مرضی کی ہوئی تو شاید وہ مجھے دلھن سے ناخوش نہ رکھ سکے - اور میں ایک نیک کام کے لئے حضور کا ہمیشہ ممنون رہونگا - جو کہ اُن وعدوں کو پورا کرنے والا ہو جو آپ نے میرے ساتھ اور میرے حق میں کئے ہیں "+

شاہزادہ :- "ہم اس بات کو بھولینگے نہیں - ہم ابھی اپنے نوکر کو بھیجتے ہیں کہ وہ خاتون روونیہ کو اور اُس کے ہمراہیوں کو ہمارے پاس بلا لائے - یعنی سیڈرک سیکزن کو اور اُس سورما کو جس کا نام ایتھیلسٹن ہے - اور اُن کو شام کی دعوت کا پیغام دے "۔ اور ایک خادم سے "ڈی بیگٹ - جانو ہمارا پیغام ان سیکزنوں کو ایسے خلیق پیرایہ میں دے کہ وہ رام ہو جائیں - اس طریقہ میں کہ اُنہیں ردِ دعوت کرنا ناممکن ہو جائے - حالانکہ بیگٹ کی قسم ان لوگوں کے ساتھ خلق کا برتاؤ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ سوروں کے آگے موتیوں کا ڈال دینا "۔

شاہزادہ جان یہ کہہ کر اشارہ کرنے ہی کو تھا کہ دنگل برخاست کیا جائے - مگر اُس کے ہاتھ میں ایک رقعہ رکھ دیا گیا +

شاہزادہ (رقعہ دینے والے کی طرف دیکھکر) "یہ کہاں سے لائے ہو"؟

قاصد :- "غیر ملک سے - مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ کہاں سے - اس خط کو ایک فرانسیسی لایا تھا - وہ کہتا تھا کہ یہ آپ تک پہنچانے کے لئے اُسے رات دن برابر سفر کرنا پڑا ہے "۔

شاہزادہ نے لفافہ کو جس پر مہر لگی ہوئی تھی بڑے غور سے ملاحظہ کیا - اُسے کھولا اور جلدی جلدی رقعہ کو پڑھا جسکی عبارت یہ تھی :-

"ذرا ہوشیار ہو جاؤ۔ کیونکہ شیطان زنجیروں میں سے کھول دیا گیا" اس عبارت کے پڑھتے ہی شاہزادے کے چہرے پر مُردنی چھاگئی۔ اُس نے اوّل تو زمین کی طرف دیکھا۔ پھر آسمان کی طرف۔ مگر اُس شخص کی مانند جسکے پاس اُسکے اپنے قتل کا فتویٰ آیا ہو۔ آخرکار شاہزادہ حیرت کو دُور کرکے ڈی بریسی اور فرزس کو ایک طرف لے گیا اور رقعہ اُن کے ہاتھوں میں رکھ دیا۔ اور کہنے لگا کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا بھائی زنجیر توڑ رہا کر دیا گیا"۔

ڈی بریسی۔ "ممکن ہے یہ کہ جھوٹی دھمکی ہو۔ اور خط مصنوعی ہو"۔

شاہزادہ۔ "یہ تو فرانس کی خاص مہر اور وہیں کی تحریر ہے"۔

والڈیمر فرزس۔ "تو ابھی تو موقع ہے کہ ہم اپنی جماعت کو کسی مضبوط مقام پر لے جا سکیں۔ یا تو یارک کے مقام یا کسی اور مقام پر جو ملک کے درمیان میں ہو۔ حضور کو یہ دنگل جلد ختم کر دینا چاہیئے"۔

ڈی بریسی۔ "مگر لوگوں کو ابھی مایوس نہ کرو۔ کیونکہ اُن کو دنگل میں شرکت کا موقع نہیں ملا ہے۔ اور اس لئے وہ ناخوش ہو جائینگے"۔

والڈیمر فرزس۔ "ابھی تو دن بہت باقی ہے۔ تیراندازوں کو کچھ نشانہ بازی کر لینے دو۔ اُن کے لئے انعام بھی تجویز کر لو۔ اس سے شاہزادہ کے وعدوں کی وفائی ہو جائیگی۔ یقیناً اُس حد تک ضرور جہاں تک کہ ان سیکزنوں کا تعلق ہے"۔

شاہزادہ۔ "والڈیمر میں تمہارا ممنون ہوں۔ کیونکہ تم نے مجھے خوب یاد دلا دیا کہ مجھے اُس کاشتکار کو بدلہ دینا تھا جس نے ہمارے نوکر کی تحقیر کی تھی۔ آج شام کو ہماری دعوت بھی جس شکل میں کہ ہم اُسے تجویز کریں ہو جائیگی۔ اگر یہ وقت میرا آخری وقت بھی ہوتا تو بھی اُسے میں بدلہ دینے اور مسرت میں صرف کرتا۔ اب نئی فکریں کل کے دن کے لئے رکھ چھوڑو"۔

اسکے بعد ہی تُرّی بجا کر تمام شائیوں کو فراہم کیا گیا جو دنگل سے جانے لگے تھے۔ اور اعلان کیا گیا کہ چند ضروری ملکی کاموں کے باعث شاہزادہ کل کا دنگل ملتوی کرتا ہے مگر تیراندازوں کا کرتب جو کل ہونے والا تھا آج ہی کرایا جائیگا۔ اور سب سے اوّل تیرانداز کو ایک عمدہ انعام بھی دیا جائیگا۔ اعلان ہوتے ہی کوئی ۴۰ تیرانداز جو نیٹڈ وڈ اور

چارلن وڈ کے جنگل کے نگراں تھے حاضر ہوئے۔ مگر جب اُنہیں معلوم ہوا کہ مقابلہ کن لوگوں سے ہوگا تو کوئی ۵۰ سے زیادہ چلے گئے۔ صرف ۸ تیر انداز رہ گئے۔ شاہزادہ ایک مناسب جگہ بیٹھ گیا تاکہ تیراندازوں کا کرتب جن میں سے چند شاہی ملازم بھی تھے دیکھے۔ اسکے بعد اُس نے اُس تیر انداز کو تلاش کیا جس سے ناخوش تھا اُسے نزدیک ہی کھڑے ہوئے دیکھا۔ شاہزادہ نے اُس سے کہا کہ اگر تیرا نشانہ ٹھیک رہا۔ تو علاوہ انعام کے ۲۰ اشرفیاں بھی ملینگی۔ ورنہ تیرے دُرے لگوائے جائینگے سوال و جواب کے بعد تیر انداز راضی ہوا۔ نشانہ رکھا گیا۔ اور چٹھیوں کے ذریعے سے تیر انداز مقرر کئے۔ شکار کا کھیل بھی ہونے لگا۔ تیر اندازوں نے نشانہ اُڑایا۔ ۲۴ میں سے ۱۰ نشانے ٹھیک لگے۔ انعام کا مستحق ایک شخص ہیوبرٹ قرار پایا۔ اُس وقت شاہزادے نے کہا کہ ”لوکسلے (یہ اُس تیر انداز کا نام ہے جس سے شاہزادہ ناخوش تھا) اب بتا۔ کیا تو ہیوبرٹ کے ساتھ بازی لگانا پسند کرتا ہے۔ یا تیر و کمان سے دست بردار ہوتا ہے“ الغرض معاملہ طے ہوا۔ نیا نشانہ رکھا گیا۔ اوّل ہیوبرٹ نے نشانہ لگایا۔ مگر اُس مقام پر نہ لگا جس پر کہ پیشتر لگا تھا۔ پھر لوکسلے نے نشانہ لگایا جو ٹھیک بیٹھا۔ اسکے بعد پھر ہیوبرٹ نے نشانہ لگایا۔ مگر وہ بھی ٹھیک نہ رہا۔ اخیر میں لوکسلے نے نشانہ لگایا جو بالکل ٹھیک اُترا اور لوگ اُسکی تعریف کرنے لگے۔

اس پر لوکسلے نے شاہزادے سے کہا کہ اب آپ مجھے اجازت دیں تاکہ میں اُس قسم کا نشانہ اُڑا سکوں جیسا کہ انگلستان کے شمالی شہروں میں اُڑایا جاتا ہے۔ اور یہ کہہ کر وہ نزدیک کے جنگل سے درخت کی ایک شاخ لانے کے لئے جانے لگا۔ اور شاخ لیکر واپس آگیا اور چھیل چھال کر کہنے لگا کہ جو کوئی بھی اس میں سو قدم کے فاصلے سے تیر مارے اُسے میں تیر انداز سمجھتا ہوں۔ ہیوبرٹ نے کہا کہ میں تو اس میں نشانہ لگا نہیں سکتا۔ لیکن اگر تو تیر اسکے بیچ میں ہو کر نکال دے تو میں تجھے اپنا سامان حرب دیدونگا۔ میں کیونکر تیر کو نشانہ سے کٹا سکتا ہوں۔ شاہزادہ ”بیوقوف اگر تو اس قسم کا نشانہ لگا سکے تو میں سمجھونگا کہ تو سب سے بہتر تیر انداز ہے“ لوکسلے۔ بہت اچھا۔ میں ہیوبرٹ کی فرمایش پوری کرنے کیلئے بیحد کوشش کرونگا۔ میرے خیال میں اس سے بڑھکر تو کوئی شخص بھی نہ کرسکیگا“

یہ کہہ کر اُس نے اپنی کمان جھکائی اور اُس میں دوسری تانت لگائی - اسکے بعد اُس نے نشانہ لگایا جسے لوگ بڑے شوق سے دیکھتے رہے - تیر کمان سے جست کر کے نکلا اور نشانہ کو چیرتا ہوا نکل گیا - لوگوں نے اُس کی تعریف کی - خود شاہزادہ بھی اُسکے کرتب سے اس قدر خوش ہوا کہ دم بھر کے لئے اس بات کو بھول گیا کہ وہ اُس سے ناخوش تھا - اور کہنے لگا کہ " یہ لے ۲۰ اشرفیاں انعام کی - اگر تو ہمارے خاص بدرقہ میں ملازمت چاہے تو ہم دے سکتے ہیں کیونکہ ہم نے تجھ جیسا نہ تو تیر انداز دیکھا اور نہ سُنا "۔

لوکسلے " حضور مجھے ملازمت سے تو معاف ہی رکھیں - کیونکہ میں نے یہ عہد کیا ہے کہ اگر میں کبھی ملازمت کرونگا تو آپکے بھائی رچرڈ کی - یہ بیس اشرفیاں میں ہیوبرٹ کو دیتا ہوں جس نے اس انداز سے کمان کھینچی تھی جیسے کہ اُسکے دادا نے جنگ ہیسٹنگ میں - اگر اُس نے انکساری کے باعث نشانہ لگانے سے انکار نہ کیا ہوتا تو اُسکا نشانہ بھی میرے نشانہ کی طرح بے خطا ہوتا "۔

ہیوبرٹ نے لوکسلے کا حق لینے سے سر ہلا کر انکار کیا - مگر لوکسلے اس سے پہلے ہی بھیڑ میں غائب ہو گیا - اور پھر نظر نہ آیا - یہ تیر انداز شاہزادہ جان اور اُسکے رفیقوں کی نگاہوں سے کبھی غائب نہیں ہو سکتا تھا - بشرطیکہ شاہزادہ کو تازہ اور بہت ہی فکروں نے اپنی طرف مشغول نہ کر لیا ہوتا - اُسوقت جان بہت متفکر تھا - تفکرات کی فوجیں اُسکے صبر اور دل پر حملہ آور ہو رہی تھیں - شاہزادہ نے دنگل برخاست ہونے کے لئے حکم دیا اور ایک افسر سے کہا کہ تم دوڑتے ہوئے جاؤ اور ایشبی میں اسحاق یہودی کو تلاش کر کے اُس کُتے سے کہنا کہ " شام ہونے سے پیشتر ہی دو ہزار کراؤن بھیجدے - اُسے تو یہ اطمینان دلانے کے لئے کہ اشرفیاں شاہزادے نے منگائی ہیں یہ انگوٹھی دکھا دینا - باقی روپیہ چھ دن کے اندر اندر میرے پاس بمقام یارک پہنچ جائے - اگر اُس نے اس میں ذرا بھی غفلت کی تو اُسکا سر اڑا دیا جائیگا - ذرا دیکھتے بھالتے جانا - کہیں وہ راستہ ہی میں نہ مل جائے - یا راستہ میں تمہیں نظر ہی نہ پڑے - کیونکہ ابھی ابھی وہ ہم لوگوں کو اپنا مال مسروقہ جو بہت بیش قیمت تھا دکھا رہا تھا "۔

یہ کہہ کر شاہزادہ نے دنگل برخاست کرایا - گھوڑے پر سوار ہوا - اور ایشبی کو چلا گیا - اور تماشائی بھی اپنے اپنے گھروں کو سدھارے ۔

تاریخ یورپ

آسٹریا و ہنگری

آسٹریا کی موجودہ متحدہ صورت مقدس رومی سلطنت کے آخری شہنشاہوں نے قائم کی تھی۔ وسطی حصہ ملک کے مغربی علاقے نوٹ ٹوٹ کر جوں جوں نوخیز قوموں کے تحت میں آتے گئے اُسی قدر سلطنت کی قوت مشرق کی جانب بڑھتی گئی۔ حکومت کا صدر مقام عرصہ دراز تک تو شہر وائنا تھا۔ جو دریائے ڈینیوب پر واقع ہے۔ مگر شارلیمین کے عہد حکومت کا پایہ تخت دریائے سین۔ دریائے میوز اور دریائے رائن پر رہا۔

آسٹریا کا ارتقاء:۔ اگر آپ وسط یورپ کے نقشہ پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ شہر وائنا یا "وین" کا نام دارالحکومت ہونے کی وجہ سے جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔ دریائے ڈینیوب جس پر وائنا واقع ہے اگر آپ اس کے کنارے کنارے مغرب کی طرف بڑھتے چلے آئیں تو آپ کو ایک چھوٹا سا دریا "اینز" ملیگا جو جنوب کی طرف سے آکر ڈینیوب میں گرتا ہے۔ اب آپ سمجھ لیں کہ جس طرح جھیل ریڈوگا کے سواحل سلطنت روم کا گھوارہ تھے۔ جس طرح جھیل لوسرن کے کنارے اُن اضلاع کے اتحاد کا گھوارہ تھے جن سے سوئٹزرلینڈ بنا ہے۔ بعینہ اسی طرح اس چھوٹے سے دریا اینز کے کنارے آسٹریا کی موجودہ عظیم الشان سلطنت کا گھوارہ تھے۔ یہ دریا ایک زمانہ میں اپنی مغربی جانب کی زیادہ مہذب قوموں اور مشرق کی وحشی قوموں کے مابین حدِ فاصل تھا۔

اب آپ ایک بار پھر وائنا سے دریائے ڈینیوب کے کنارے کنارے مغرب کی جانب چلیں۔ اس مرتبہ آپ ایک اور چھوٹے سے دریا "راآب" پر پہنچینگے۔ جو اینز کی طرح جنوب ہی سے بہہ کر آتا ہے۔ شارلیمین کے عہد میں وہ وحشی قومیں جو دریائے اینز کے مشرق میں آباد تھیں اُسے عبور کرکے ملک کے مغربی حصہ پر حملہ آور ہونے لگیں

چونکہ یہ علاقہ بھی شارلیمین ہی کے زیرنگین تھا اس لئے اس نے ان حملہ آوروں کو فوراً پسپا کرنا شروع کر دیا۔ اور انہیں ہٹاتا ہوا دریائے رآب تک لے گیا۔ اس کے بعد اس نے اینز اور رآب کا درمیانی علاقہ "ایسٹرن مارک" یعنی مشرقی حد کے نام سے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ بعد میں اس کا نام "اوسٹرریچ" یعنی مشرقی سلطنت ہوا۔ اور یہی بالآخر لاطینی صورت اختیار کر کے آسٹریا بن گیا۔ جو آج تک مشہور چلا آتا ہے۔

شارلیمین نے اپنا کام پورا کر دیا۔ اس نے اپنی جرمن سلطنت سے بہت سے خاندانوں کو لا کر "اوسٹرریچ" میں آباد اور ان کا ایک فوجی نظام قائم کیا تاکہ وحشی قومیں جو کبھی چین سے بیٹھنے والی نہ تھیں دریائے رآب سے گزر کر پھر حملہ نہ کر سکیں۔ یہی سبب ہے کہ اس صوبہ کے باشندے جرمن نسل سے ہیں۔

دریائے اینز کی مغربی سمت میں کچھ ملک "اوسٹرریچ" میں بعد کو شامل ہوا۔ دریائے ڈینیوب کے دونوں طرف جو ملک تھا وہ "صوبجات اینز" کہلاتا تھا۔ اور رفتہ رفتہ نشیبی اور بالائی آسٹریا کہلانے لگا۔ یعنی قدیم "اوسٹرریچ" کا نام "نشیبی آسٹریا" ہوا۔ اور جدید مقبوضات کا "بالائی آسٹریا"۔ یہ دونوں حصے ایک ہی ڈیوک کے ماتحت تھے۔ قدیم ڈیوکوں میں سے ایک کو مقدس رومی سلطنت کے ایک بادشاہ نے آسٹریا کا صوبہ عطا کر دیا جو اس ڈیوک کے علاقہ سے ملا ہی ہوا تھا۔ اسی ڈیوک کے جانشین نے نشیبی آسٹریا کے صدر مقام وائنا میں اپنا محل تعمیر کیا۔ اور شہر کو بڑی رونق دی۔ اور چونکہ وائنا ایک زرخیز ملک کے مرکز میں اور ایک بڑے دریا کے کنارے پر واقع تھا وہ اس حصۂ دنیا میں بہت جلد ایک بڑا شہر ہو گیا۔

اسکے بعد ایک اجنبی یعنی پڑوسی شاہ بوہیمیا کے بیٹے آٹو کر نے ملک پر قبضہ کر لیا۔ اس نے آس پاس کے اضلاع کارنتھیا اور کارنیولا کو بھی محکوم کر لیا۔ اور اس طرح نشیبی اور بالائی آسٹریا۔ اسٹیریا۔ کارنتھیا۔ اور کارنیولا فرد واحد کے تابع فرمان ہو گئے۔

بعد ازیں روڈلف شاہ ہیپسبرگ کی نوبت آئی۔ ہیپسبرگ کے قدیم قلعہ کا بیان تو سوئٹزرلینڈ کے ذیل میں ہو چکا ہے۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ روڈلف شاہ ہیپسبرگ "امرائے سلطنت" سے تھا۔ اور جیسا کہ آپ پیشتر پڑھ چکے ہیں

بادشاہ کے انتخاب کا حق امرائے سلطنت ہی کو تھا ۔ اس وقت شہنشاہ کا عہدہ خالی ہوا ۔ دیگر امرائے سلطنت ایسے شخص کو شہنشاہ بنانا چاہتے تھے جو خاموش ہو اور انہیں زیادہ تکلیف نہ دے ۔ اس لئے انہوں نے روڈولف کو منتخب کر لیا ۔ اور اس طرح روڈولف مقدس رومی سلطنت کا شہنشاہ ہوگیا (فرانسس جوزف موجودہ شہنشاہ آسٹریا ہنگری اسی روڈولف کی نسل سے ہیں) ۔ مگر آٹوکر نے روڈولف کو شہنشاہ تسلیم نہ کیا ۔ لیکن روڈولف کی "شہنشاہ" بن کر وہ حالت نہ رہی جو "امیر" ہونے کے زمانہ میں تھی ۔ اس نے آٹوکر سے جنگ کی اور مقام مارشفیلڈ پر اُسے قتل کر کے اسکے سارے مقبوضات کو اپنے تخت میں لے آیا ۔ اور ان کو اپنے دو بیٹوں پر تقسیم کر دیا ۔ اب وائنا مقدس رومی سلطنت کا پایہ تخت بن گیا ۔ اور خاندان ہیپسبرگ نے "خاندان آسٹریا" کا لقب اختیار کیا ۔ شادی ۔ وراثت اور دیگر مختلف ذرائع سے اس خاندان کے مقبوضات میں اضافہ ہوتا گیا اور اس کی قوت بڑھتی گئی ۔ ان میں سے بعض مقبوضات نہایت اہم تھے ۔ مثلاً ریاست ہنگری ۔ تاہم کل سلطنت کے مقابلہ میں "خاندان آسٹریا" کا علاقہ کچھ بھی نہ تھا ۔ لیکن جب شہنشاہ کا عہدہ خاندان ہیپسبرگ کے لئے موروثی ہوگیا تو عملاً کل مقدس رومی سلطنت اس خاندان کے تصرف میں آگئی ۔ اور اس طرح گویا کل جزو میں جذب ہوگیا ۔

اب ایک زمانہ ایسا آیا کہ سلطنت میں انقلاب ہونے شروع ہوئے اور قرب وجوار کی ریاستوں میں تبدیلیاں ہونے لگیں ۔ جرمنی بہت قوی ہوگئی ۔ پولینڈ اور اسکی مثل دوسری ریاستیں بالکل معدوم ہی ہوگئیں ۔ روس ۔ فرانس اور پرشیا وغیرہ کی قوت سرعت کے ساتھ بڑھنے لگی ۔ اور نپولین کی معرکہ آرائیوں نے تو ایک نئے ہی دور کا آغاز کر دیا ۔

۱۱ اگست ۱۸۰۶ء کو فرانسس ثانی نے شہنشاہ مقدس رومی سلطنت کا لقب ترک کر کے "فرانسس اول شہنشاہ آسٹریا" کا لقب اختیار کیا ۔ اور مقدس رومی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا ۔ شارلیمین نے اسے دریائے سین یا مارنی پر قائم کیا تھا ۔ نپولین نے اس پر ایک مہلک ضرب لگائی اور ڈینیوب پر آکر وہ فنا ہوگئی ۔ یہ اس سلطنت کی تاریخ ہے جس کو اب آسٹریا کہتے ہیں ۔ اوائل صدی ۱۹ میں اسکی تقریباً

وہی حالت تھی جو اب ہے۔ صرف اس قدر فرق ہے کہ جرمنی کی سلطنت اب جدا قائم ہوگئی ہے۔ اور آسٹریا اور جرمنی کے تمام انفرادی یا باہمی تعلقات منقطع ہوگئے ہیں۔

جرمنی اور اٹلی کے حالات میں ناظرین پڑھ چکے ہیں کہ سلطنت جرمنی کس طرح قائم ہوئی اور ۱۸۶۶ء میں بسمارک کی جنگ نے آسٹریا کو جرمنی سے کیونکر جدا کر دیا۔ اس جنگ نے بہت سی تبدیلیوں کی ضرورت لاحق کر دی تھی چنانچہ انہیں من جملہ ایک تبدیلی یہ ہوئی کہ جنگ کے سال ہی بھر کے بعد ہنگری جو آسٹریا کا ماتحت صوبہ اب تک سمجھی جاتی تھی اب اُسے جدا سلطنت قرار دیا گیا اور شہنشاہ آسٹریا نے بڈا میں جو ہنگری کا پایہ تخت تھا۔ "شاہ ہنگری" کی حیثیت سے تاج پہنا۔ اور اب کل سلطنت "آسٹریا ہنگری" کہلانے لگی ۔

سلطنت آسٹریا ہنگری ۱۸ شاہی صوبوں میں منقسم ہے۔ جو اکثر امور میں ان قدیم صوبوں کے مشابہ ہیں جو انیز کے دو صوبوں کے گرد پیدا ہو گئے تھے۔ ان ۱۸ شاہی صوبوں میں سے ۱۴ صوبے خاص آسٹریا کے ہیں اور باقی چار ہنگری کے دریائے راب اور ڈینیوب کے مقام اتصال سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک اور چھوٹا سا دریا لیتھا نامی ہے جو آسٹریا اور ہنگری کے مابین حد فاصل ہے۔ یہ دریا چونکہ زیادہ لمبا نہیں ہے اس لئے اس کے ذریعے سے آسٹریا اور ہنگری کی کامل حد بندی تو نہیں ہو سکتی۔ البتہ کچھ فاصلے تک یہ حد بندی کا کام ضرور دیتا ہے۔ اسی لحاظ سے آسٹرین صوبوں کو "صوبجات ایں روے لیتھا" کہتے ہیں۔ اور ہنگیرین صوبوں کو "صوبجات آں روے لیتھا" کہتے ہیں ۔

آسٹریا ہنگری کے صوبوں میں سے ہر ایک کی تاریخ الگ ہے۔ جو ہم کو قرون وسطے کے اس خوفناک زمانے پر پہنچاتی ہے جب لڑائی اور خونریزی ایسی ہی ضروری چیز سمجھی جاتی تھی جیسی آجکل کھانا پکانا اور روپیہ کمانا سمجھا جاتا ہے۔ ہر صوبہ کی تاریخ اس کی طبعی خصوصیات یا قدیم واقعات کی وجہ سے دلچسپیوں سے لبریز ہے ۔

صوبجات ایں روے لیتھا یہ ہیں :-

(۱) نشیبی آسٹریا (۲) بالائی آسٹریا (۳) قدیم سلطنت بوہیمیا (۴) گیلیشیا

(۵) بوکووینا (۶) آسٹریائی سلیشیا (۷) مراویا (۸) اسٹیریا (۹) سالزبرگ (۱۰) ٹائرول اور وورالبرگ (۱۱) کارنتھیا (۱۲) اسٹریا (۱۴) ڈلمیشیا۔

بالائی آسٹریا پہاڑی علاقہ ہے۔ اور اس کا صدر مقام لنز ڈینیوب پر واقع ہے۔ نشیبی آسٹریا غیر مسطح ہے۔ اس کا صدر مقام وائنا یا وین ہے جو دریائے ڈینیوب کی ایک شاخ (وین) کے نام سے موسوم ہوا ہے۔ وائنا نہایت خوبصورت شہر ہے۔ یہاں ڈینیوب اور وین پر سو سے کم پل بندھے ہوئے نہ ہونگے۔

وائنا کی قلعہ بندیاں ابتدا میں اس روپے سے ہوئی تھیں جو لیوپولڈ آرچ ڈیوک آف آسٹریا نے باشندگان انگلستان سے انکے بادشاہ رچرڈ شیردل کے خون بہا میں لیا تھا۔ جس کے دل کی نسبت مشہور ہے کہ وہ قدیم نارمن فرنچ شہر رواں کے کسی گرجے کے اندر ایک مرتبان میں اب تک محفوظ ہے۔

رچرڈ کا قصہ یہ ہے کہ وہ فلسطین سے جو آج کل ایک ترکی صوبہ ہے واپس آرہا تھا۔ وہاں وہ ترکوں سے لڑنے گیا تھا جو اس زمانہ میں "سارسین" کہلاتے تھے۔ جن معرکوں میں رچرڈ شامل تھا ان کا نام "صلیبی لڑائیاں" ہے۔ اور ان میں مغربی یورپ کے تقریباً تمام سلاطین شریک تھے۔ غرض فلسطین سے لوٹتے ہوئے رچرڈ کا گزر آسٹریا میں ہوا۔ یہاں اُسے ظالم اور کینہ توز لیوپولڈ نے گرفتار کرکے تھائرسٹین (نشیبی آسٹریا) کے قدیم قلعہ میں نظربند کردیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ فلسطین میں رچرڈ کی جانبازیوں سے لیوپولڈ کو حسد پیدا ہوگیا تھا۔ اس قلعہ کے کھنڈر اب تک باقی ہیں۔ انگلستان کے لوگ پریشان تھے کہ رچرڈ کو کیا ہوگیا جو اب تک واپس نہیں آیا۔ کہتے ہیں کہ رچرڈ کا وفادار خادم بلانڈل اسکی تلاش میں نکلا۔ اور یورپ کے ہر قلعہ کے نیچے وہ راگ گاتا پھرا جو رچرڈ کو بہت مرغوب تھا۔ آخر بلانڈل تھائرسٹین کے قلعہ کے نیچے آیا۔ اور اس نے راگ اُٹھایا ہی تھا کہ قلعہ کی ایک کھڑکی سے اُسی راگ کے گانے کی آواز آئی۔ بلانڈل اُلٹے پاؤں لوٹا اور انگلستان والوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ جنہوں نے ایک گراں قدر رقم دیکر رچرڈ کی جان بخشی کرائی۔ انگلستان والے لیوپولڈ سے جنگ کرکے اُسے مار ڈالتے۔ مگر بُعد مسافت کی وجہ سے ایسا ہونا ممکن نہ تھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بلانڈل رچرڈ کا خادم نہ تھا۔ بلکہ ایک شکیل نوجوان لیڈی تھی جس نے خدمتگار کا بھیس بھر لیا تھا۔ اور جو راگ وہ گاتی پھرتی تھی اُسے صرف وہ اور رچرڈ جانتے تھے۔ اگر بلانڈل کے متعلق یہ روایت صحیح ہے تو یہ واقعہ رچرڈ کی ماہ پارہ چاہتی ملکہ برنگیریا کے زمانہ سے پہلے کا ہوگا جو شاہ سسلی کی بیٹی تھی۔ ایبے گریٹری نامی ایک فرانسیسی پادری نے اس مفروضہ گیت کو موسیقی طرز پر ڈھالا ہے۔

وائنا کا ترکوں نے دوبار محاصرہ کیا۔ مگر دونوں مرتبہ وہ ناکام رہے۔ ۱۶۸۳ء میں ترکوں نے زیر کمان قارہ مصطفےٰ ۳ لاکھ کی جمعیت سے شہر کا احاطہ کیا جس کے اندر صرف ۱۶ ہزار مدافعین تھے۔ مسلسل ۲۳ دن کی جنگ کے بعد آسٹرین انجنیئر کیپلیر نے کاؤنٹ اسٹار ہبرگ آسٹرین کمانڈر کو رپورٹ کی کہ اب میں تین دن سے زیادہ مدافعت نہیں کر سکتا۔ اس مایوسی کی حالت میں محصورین نے ارادہ کر لیا تھا کہ اپنے آپکو حملہ آوروں کے حوالہ کر دیں۔ لیکن جان سوبیسکی شاہ پولینڈ ۵۰ ہزار سپاہ کے ساتھ آسٹریا والوں کی پُشتی کے لئے آپہنچا۔ ترکوں نے شکست فاش کھائی اور وائنا بچ گیا۔

بوہیمیا جو صوبجات ایں روسے لیتھا کا تیسرا صوبہ ہے وہ ایک نشیبی قطعہ زمین ہے جسکے چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ کھڑے ہوئے ہیں۔ قیاس ہے کہ کسی زمانہ میں یہ سمندر یا جھیل ہوگا۔ کیونکہ جس راستہ سے دریائے مولڈا۔ جو دریائے ایلب کا باجگزار ہے۔ کوہ ارز برج میں ہوکر گزرتا ہے وہ بہت تنگ ہے۔ پس اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس تاریخی زمانہ سے پیشتر کی جھیل کا پانی پہاڑوں کے اندر چلا گیا ہوگا اور اس سے وہ راستہ پیدا ہوگیا ہوگا جسکے ذریعے سے دریائے مولڈا شمال کی طرف چل کر دریائے ایلب میں شامل ہوتا ہے۔ یہ ایک زرخیز ملک ہے جسکے باشندے سلیو ہیں جو بڑے روسی خاندان کی ایک شاخ ہے۔ یہ لوگ اپنے آپکو "زیخ" کہتے ہیں۔ اور اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جس سردار کی ماتحتی میں اُنہوں نے ملک پر قبضہ کیا تھا اسکا نام زیکو تھا۔ بوہیمیا کا صدر مقام پراگ مولڈا پر واقع ہے۔ اس دریا کا پل بہت مشہور ہے۔ پراگ کی نسبت یہ ایک عام مقولہ ہے کہ "اس میں ایک ہزار چھوٹے بڑے مینار اور گنبد وغیرہ ہیں۔ جن سے اس کے اندر مشرقی شان و شوکت پیدا ہوگئی ہے"

پراگ نہایت قدیم شہر ہے۔ اور آسٹریا کے قبضہ میں آنے سے پیشتر اسکا چھ بار محاصرہ ہوا تھا اور یہ فتح بھی ہو ہو گیا تھا۔ شہر کے چار حصے تھے۔ اور اگر کوئی بیرونی غنیم ان پر حملہ آور نہ ہوتا تھا تو یہ خود ہی باہم کٹتے مرتے رہتے تھے۔ پراگ نے بڑے بڑے خوفناک مذہبی مظالم دیکھے ہیں۔ اور اسی کی دیواروں کے نیچے وہ مشہور "جنگ سی سالہ" شروع ہوئی تھی جس کا حال سویڈن کے ضمن میں آچکا ہے جنگ مذکور کے تیسرے دور کا خاتمہ ۱۶۳۵ء کے صلح نامہ پراگ ہی سے ہوا تھا۔ اس کے ایک گرجے میں توپوں کے گولے دیواروں میں اب تک لگے ہوئے ہیں۔ ۱۷۵۷ء میں ایک محاصرہ کے موقع پر شہر کے سارے بازار منہدم ہو گئے تھے اور ۸۱ ہزار قلعہ شکن اور پھٹنے والے گولے اس کے اندر پھینکے گئے تھے ؛

مریخ کے ساتھ گفتگو

(۱) کب ہوگی؟ (۲) کس زبان میں ہوگی؟ (۳) کیونکر ہوگی؟

علمائے فلکیات نے اجرام سماویہ میں سب سے زیادہ مریخ کے مطالعہ پر جو ہمت صرف کی ہے اسکے کئی وجوہ ہیں۔ بالکل ابتدائی وجہ تو یہ ہے کہ مریخ ہر دو سال کے بعد زمین کے مقابل ہوتا ہے جس سے اسکے مطالعہ کر سکنے کا موقع زیادہ ملتا ہے۔ یہ وجہ تو ہمیشہ سے چلی آتی تھی۔ لیکن ۱۸۷۷ء میں میلان (اٹلی) کے نامور اور محنتی فلک داں پروفیسر شیاپارلی نے یہ امر دریافت کر کے دنیا کو مریخ کی جانب اور بھی زیادہ متوجہ کر دیا کہ مریخ کی سطح پر جو باریک باریک۔ متوازی اور متقاطع خطوط نظر آتے ہیں وہ درحقیقت نہریں ہیں جن کی تعمیر صرف ذی شعور ہاتھ سے ممکن ہے۔ بعد کے مطالعوں نے پروفیسر شیاپارلی کے اس خیال کو یقین کے درجہ تک پہنچا یا ہی تھا کہ بیسویں صدی عیسوی نے اپنا منہ ایک نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز انکشاف پر کھولا۔ اور پروفیسر ڈگلس نے جو امریکہ کے فلک دانوں میں بے مثل

خیال کیا جاتا ہے رصدگاہ لِک سے اعلان کیا کہ مریخ کی سطح سے زمین کی طرف کچھ روشنی کے خطوط آتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جو اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ سیارۂ مریخ آباد ہے اور اس کے باشندے بذریعہ ان نورانی خطوط کے زمین کے باشندوں سے گفتگو کرنی چاہتے ہیں ٭

اس قیاس کے شائع ہوتے ہی علماء "مریخیوں" سے نامہ و پیام کرنے کے ذرائع بہم پہنچانے کے درپے ہو گئے اور اگرچہ ابتدا میں یہ کام سخت مشکل معلوم ہوتا تھا۔ لیکن برقیات کی ترقی نے اسے اتنا دشوار نہیں رہنے دیا۔ چنانچہ سائنس دانوں نے اب اس مسئلہ پر بحث کرنی ہی چھوڑ دی ہے کہ "ہم مریخ سے باتیں کر سکتے ہیں یا نہیں"؟ بلکہ وہ ان سوالات پر غور کر رہے ہیں جنہیں میں نے اپنے اس مضمون کے عنوان کے ذیل میں لکھا ہے ٭

اس برقی تلاطم کا۔ جو مریخ کی ہوا میں وقتاً فوقتاً پیدا ہوتا ہے۔ امریکہ کے کامیاب عالم برقیات نکولا ٹسلا الملقب بہ "معجزہ نمائے امریکہ" نے بھی برسوں مطالعہ کیا ہے۔ ابتدا میں تو وہ محض ایک موسمی اثر قرار دیا گیا تھا۔ "لیکن اب" (خود ٹسلا کہتا ہے کہ) "کامل غور و مشاہدہ کے بعد میں بھی اس یقینی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ تلاطم خود باشندگان مریخ کا پیدا کیا ہوا ہے جس سے ان کی غرض یہ ہے کہ ہم باشندگان ارض اُسے سمجھیں اور اس کا جواب دیں۔" اس بنا پر ٹسلا سنہ ۱۹۰۹ء سے ساکنان مریخ سے گفتگو کی کوشش شروع کرنے والا ہے۔ اُسے اپنی کامیابی پر پورا بھروسہ ہے ہر ۱۵ سال کے بعد مریخ زمین اور آفتاب دونوں سے قریب ترین موقع پر آتا ہے اس طرح گویا آخر اگست سنہ ۱۹۰۹ء میں مریخ کا فاصلہ زمین سے صرف ۳½ کروڑ میل ہوگا۔ حالانکہ بالاوسط زمین اور مریخ کے مابین ۴ کروڑ ۱۰ لاکھ میل کا بُعد رہتا ہے پس اس قرب سے فائدہ اٹھانے کے لئے ٹسلا آخر اگست سنہ ۱۹۰۹ء میں زمین کی طرف سے مریخ کو پیغام بھیجیگا۔ لہذا پہلے زیر عنوان سوال کا تصفیہ ہو گیا اور اس کا جواب یہ ہے کہ آیندہ سال سنہ ۱۹۰۹ء میں مریخ کے ساتھ گفتگو کا آغاز ہو جائیگا۔

زبان کا مسئلہ درحقیقت سخت پیچیدہ ہے۔ مگر علمائے سائنس ہمیں یقین دلاتے

ہیں کہ باشندگان مریخ فہم وفراست میں ہم سے بہت آگے ہیں۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پیغام ہم تک پہنچانے شروع کر دئے ہیں جن کا جواب دینا تو درکنار ہم اب تک انہیں کما حقہٗ سمجھ بھی نہیں سکے۔ پس وہ اپنے اعلٰی تر علم کے ذریعے سے ہمارے پیغام کو فوراً سمجھ لینگے۔ اور ہمارے ضعیف سے ضعیف اشارات کا مطلب نکال لینگے۔ بلکہ اپنے ساتھ باتیں کرنا ہمیں خود سکھا لینگے۔

ایک عربی مثل ہے "الحدیث ذو شجون" یعنی بات میں سے بات پیدا ہوتی ہے۔ جب مریخ کے ساتھ نامہ و پیام کا سلسلہ جاری ہو گیا تو پھر ہمکلامی کے لئے بہت سے موضوع نکل آئینگے۔ لیکن اس وقت ایک سوال یہ بھی درپیش ہے کہ "ہمارے پہلے پیغام کا مضمون کیا ہوگا"؟ اس کا فیصلہ ٹسلا نے یہ کیا ہے کہ "سب سے پہلا پیغام جو میں بے تار خبر رسانی کے ذریعے سے بھیجونگا وہ یہ ہوگا:- "ہم آپ سے یہ دریافت کرنے کی کہ آپ کا مزاج کیسا ہے تقریباً دس ہزار سال سے کوشش کر رہے ہیں"۔

جب سے مریخ کے ساتھ گفتگو کرنے کا خیال پیدا ہوا ہے اس وقت سے تیسرے اور آخری سوال کے حل کرنے کے لئے کہ "گفتگو کیونکر ہوگی"؟ بہت سی تجاویز پیش کی جا چکی ہیں اور ان پر وقتاً فوقتاً گرم مباحثے ہو چکے ہیں۔ ایک تجویز یہ تھی کہ ایک عریض وطویل جھنڈا بلند کر کے اپنے دوست سیارہ مریخ کے پیغاموں کا خیر مقدم کیا جائے۔ یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ آئرلینڈ کے رقبہ کی برابر یعنی ۳۲ ہزار ۵۰۹ مربع میل کی جسامت کا جھنڈا اس مقصد کو اچھی طرح پورا کر سکیگا۔ ایک دوسری تجویز یہ بھی تھی کہ ہم سطح زمین پر بڑی بڑی نہریں کھودیں۔ جب باشندگان مریخ ہماری زمین کی شکل میں ایسی نمایاں تبدیلی دیکھینگے تو ضرور اسکی کنہ تک پہنچ جائینگے۔ اور اسکے جواب میں وہ شاید کوئی فلک فرسا پہاڑ بنائینگے جس کے مقابلہ میں کم از کم ہمارا کوہ الپس جس کا ارتفاع ۱۵۷۸۴ فیٹ ہے بالکل ہی بے حقیقت ہوگا۔ لیکن فنافی المریخ ٹسلا ان تجاویز میں سے کسی سے بھی متفق نہیں ہے۔ بلکہ وہ مشہور میکسم توپ کے موجد سرہیرم میکسم کے خیال پر کاربند ہو کر آبشار نائگرا

سے برقی قوت حاصل کرنا اور اس کی مدد سے باشندگان مریخ کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ پروفیسر ٹسلا لکھتا ہے کہ آبشار ناگرا سے برقی قوت حاصل کرنے کی جتنی کمپنیاں ہیں ان سب نے مجھے ناگرا کی برقی طاقت کے ذریعے سے مریخ تک پیغام پہنچانے میں مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ٹسلا نے ایک ایسا طریقہ دریافت کرلیا ہے جس سے بذریعہ مارکونی گرافی (بے تار برقی خبر رسانی) چار کروڑ سے دس کروڑ میل تک پیغام بھیجا جا سکتا ہے۔ آبشار ناگرا سے اگرچہ ایک ارب گھوڑوں کی طاقت پیدا ہوسکتی ہے۔ مگر جو خلیج مریخ اور زمین کے درمیان حائل ہے اس کے پار بے تار برقی پیغام بھیجنے کے لئے اتنی قوت کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ ٹسلا کے بے تار برقی آلات بمقام وارڈنکلف (لانگ آئیلینڈ) قائم ہوچکے ہیں جن سے ۱۰ کروڑ گھوڑوں کی طاقت حاصل ہوسکتی ہے۔ لیکن ٹسلا کے مقاصد کے لئے اتنی قوت بھی بہت زیادہ ہے۔ ٹسلا نے بتایا ہے کہ اس ذریعہ سے مریخ کے ساتھ آسانی سے گفتگو ہوسکیگی۔ اور اگر مریخ والے بھی یہی طریقہ استعمال کرینگے تو انہیں ہم تک پیغام پہنچانے کے لئے نسبتہً بہت کم قوت درکار ہوگی۔ کیونکہ جو قوت زمین سے مریخ تک پہنچ سکتی ہے۔ اس کا صرف سولھواں حصہ مریخ سے زمین تک سہولت کے ساتھ پہنچ سکتا ہے۔ غرض یہ ترکیب مریخ کے ساتھ گفتگو کی نکالی گئی ہے *

اس تمام جدّ و جہد کے نتائج پر اس وقت بشکل کوئی قیاس قائم کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس قدر یقینی ہے کہ ان لوگوں کی نسبت (جن کی ترقی ہماری دنیا کے کوئی شکل اختیار کرنے سے پہلے ہی شروع ہوگئی تھی) یکایک علم حاصل ہوجانے سے ہمارے سائنس دانوں اور فلاسفروں کے آدھے نظریئے غالباً اُلٹ جائینگے۔ اور ہماری زندگی اور شاید ہمارے عقاید کا رنگ بالکل بدل جائیگا۔ بہرحال ع "دیدہ باید کہ چہ از پردہ بروں می آید" *

سلامت روی اور توکّل

ریورنڈ نارمن میکلیڈ کی انگریزی نظم کا ترجمہ

باندھ ہمّت بھائی اور ٹھوکر نہ کھا
ہے ستارہ رہنما مسکین کا

گرچہ ہو تاریک رستہ رات سا
"حق پہ چل اور رکھ خدا کا آسرا"

راہ گو سنسان و ناہموار ہو
حال کچھ بھی ہو قدم آگے بڑھا

اور سرا اس کا نظر کے پار ہو
"حق پہ چل اور رکھ خدا کا آسرا"

پالیسی و مکر دل سے دُور کر
نفع و نقصاں کا خیال اصلا نہ لا

اور وہ جو ہو نورِ حق سے پُرحذر
"حق پہ چل اور رکھ خدا کا آسرا"

آسرا غیروں کا ہے بالکل فضول
بلکہ مسلک یہ ہو قول و فعل کا

افسروں کو جنگ میں تم جاؤ بھول
"حق پہ چل اور رکھ خدا کا آسرا"

نفس کے ہتھے نہ چڑھنا اے عزیز
رسم و فیشن پر بھروسا ہے خطا

چاہیے دیو اور فرشتہ میں تمیز
"حق پہ چل اور رکھ خدا کا آسرا"

چال سیدھی اور سادہ زندگی
اور پھر ان کے ساتھ اچھا رہنا

دل کی تسکیں اور قوت قلب کی
"حق پہ چل اور رکھ خدا کا آسرا"

بعض ہیں مانوس اور غدار بعض
چھوڑ ان سب کو نظر اوپر اٹھا

مدح و ذم میں تیری ہیں سرشار بعض
"حق پہ چل اور رکھ خدا کا آسرا"

تاریخ بابل

اہل بابل کا نظامِ تعلیم

زمانۂ قدیم میں اہل بابل چینیوں کی طرح علوم و فنون کی ترقی کے لئے مشہور تھے۔ وہ نوشت و خواند کے فن میں خوب ماہر تھے۔ گو ان کا رسم الخط بہت ہی پیچیدہ تھا۔ اور بیسیوں حروف تھے۔ کیونکہ ایک آواز کے لئے ایک حرف مقرر تھا جس سے ایک خاص خیال یا لفظ ظاہر کیا جاتا تھا۔ بایں ہمہ سیکڑوں طلبا تھے اور کثیر التعداد کتب موجود تھیں۔ یہ کتابیں زیادہ تر چکنی مٹی کی اینٹوں پر لکڑی یا دھات کے قلم سے لکھی گئی تھیں۔ کیونکہ وہاں اس قسم کی مٹی بہت ارزاں اور بافراط تھی۔ اور محض خط اس پر بآسانی نقش پذیر ہو سکتے تھے۔ چکنی مٹی کے علاوہ "پالی رس" یا پٹیلا اور چرم سے بھی کاغذ کا کام لیا جاتا تھا۔ اور اس پر کتابیں لکھی جاتی تھیں۔ گو مدت دراز سے وادیٔ فرات کی مرطوب آب و ہوا میں پٹیلا گھاس کا نام و نشان نظر نہیں آتا ہے لیکن پرانی کتابوں میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔

تمدن بابل کی اشاعت اور ترقی کے ساتھ ساتھ قرب و جوار کی اقوام میں بھی اینٹوں پر کتابیں لکھنے کا رواج پھیلتا گیا۔ حال کی دریافتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک مصر سے بنی اسرائیل کے چلے آنے سے قبل کی صدی میں ایسے کتب خانے تھے جن میں خشتی کتب (اینٹوں پر لکھی ہوئی کتابیں) پائی جاتی تھیں۔ مشرقی دُنیا کے ہر حصہ میں مٹی کی تختیوں کے وسیلے سے خط و کتابت ہوا کرتی تھی۔ اہل بابل کی زبان اور ان کے رسم الخط کی تعلیم نہ صرف مسوپوٹیمیا (عراق عرب) اور ارم ہی میں ہوتی تھی۔ بلکہ ملک کپادوقیہ۔ شام۔ پلسطائن اور مصر میں بھی رائج تھی یہ کونی حروف میں اینٹوں پر لکھے ہوئے خطوط فنشیا اور فلسطین کے شہروں مثلاً۔ اشکلان لاجش اور میگدو سے بابل میں آتے جاتے تھے۔ اگر کرجت سفیر یعنی قصبۂ کتب

جسے آتھ نیل نے برباد کیا تھا - معلوم ہو جائے - اور اسکے کھنڈر کھودے جائیں تو ممکن ہے - اسکے نیچے سے خشتی کتابیں اور کتبے برآمد ہوں - اہل ہتاشٹ کے حملۂ شام اور ان کی مابعد کی جنگ و جدل سے جو مصر والوں کے ساتھ عرصہ تک ہوتی رہی اور نیز اہل اسرائیل کی فتح کنعان کے باعث اہل بابل اور اہل غرب کی رسم منقطع ہوگئی - شام اور فلسطائن کے متمدن لوگوں اور تعلیم یافتہ حلقوں میں بابلی زبان کا استعمال موقوف ہوگیا - تکونی حروف کی جگہ فنشیا کے سادہ حروف تہجی نے چھین لی - اینٹوں کی بجائے چرم اور پٹیلا گھاس کاغذ کا کام دینے لگی - لیکن جب اس کے کچھ عرصہ کے بعد یہودیوں کی سلطنت کا دور دورہ ہوا - تو اینٹوں سے کاغذ کا کام لینے کا از سر نو رواج ہوا - شاہ آحاز کے زمانہ میں اسوری اثر و اقتدار ملک یہوداہ میں شروع ہوا - اور کچھ عرصہ تک بدستور غالب رہا - آحاز نے یروشلم (بیت المقدس) میں دھوپ گھڑی قائم کی - اور یہ اُن دھوپ گھڑیوں کی نقل تھی جو قدیم الایام سے بابل میں مستعمل ہوتی چلی آرہی تھیں - حزقیاہ نے پرانی کتابوں کی نقل و ترتیب نئے سرے سے کرائی - جیسے کہ شاہان کلیدیہ (خالدیہ) اور آسوریہ کے زمانہ میں کاتب اور منشی ادبیات قدیمہ کی جن سے ان کے کتب خانے بھرے پڑے تھے - نقل کرایا کرتے تھے - اس واسطے یہ کوئی حیرت کا مقام نہیں ہے کہ آسوریہ اور خالدیہ کا سامان نوشت و خواند ملک یہوداہ میں ہی رواج پذیر ہوا - یرمیاہ نبی کی کتاب سے پایا جاتا ہے کہ اُسکے زمانہ میں آسوریہ کی طرح یہوداہ میں بھی قانونی دستاویزیں مٹی کی لوحوں پر لکھی جاتی تھیں - ان پر مہریں لگائی جاتی تھیں - اور چکنی مٹی کے لفافوں میں ملفوف کی جاتی تھیں - لفافہ کے باہر دستاویز کا خلاصہ درج کیا جاتا تھا - جسکے بعد وہ دستاویز بحفاظت کمال مٹی کے مرتبان میں محفوظ کردی جاتی تھی ؂

یہ معلوم کرکے حیرت ہوتی ہے - کہ ایک لوح پر اسقدر مضمون کیسے لکھا جاتا تھا شاید اسکی وجہ یہ ہے کہ تکونیہ حروف کی طرز تحریر میں اختصار سے بھی کام لیا جاتا تھا - کیونکہ ان حروف کا یہ خاصہ تھا کہ ایک حرف ایک خیال ظاہر کرنے کے لئے مفرد تھا - علاوہ ازیں یہ حروف بھی بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے - اسوری زبان کی لوحوں

پر ایسے باریک حروف ہیں۔ جن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کاتب اور منشی نہ صرف کوتاہ بین ہی تھے۔ بلکہ ایسے شیشوں سے کام لیا گیا ہوگا۔ جن کے وسیلے سے چیز اپنے طبعی حجم سے دہ گنی بڑی معلوم ہوتی ہے۔ اس سلئے یہ دریافت کرکے حیران نہیں ہونا چاہیئے کہ ایک بلوری لنز جسے خراد پر درست کیا گیا تھا۔ نینوہ کے عظیم کتب خانہ کے محل وقوع پر سر اے۔ ایچ لیئرڈ کے ہاتھ کیسے لگا۔ اور وہ کس مصرف میں آتا تھا۔

جب کوئی مضمون ایک تختی پر ختم نہ ہوتا تو اُسے دوسری پر لکھا جاتا۔ یہ انتظام بہت اچھا تھا۔ اور اس میں حوالہ دینے کی بھی سہولت تھی۔ تختیوں کے نام انکے سلسلہ کے اعتبار سے "اوّل" یا "دوم" وغیرہ ہوتے تھے۔ جو مضمون ان تختیوں پر ہوتے تھے اُسکی پہلی سطر یا پہلے لفظ کے نام سے سلسلہ مضمون مشہور ہوا کرتا تھا۔ پہلی تختی کی آخری سطر (سلسلہ عبارت کے قیام کے لئے) دوسری لوح کے شروع میں دوبارہ لکھی جاتی تھی۔ اس طرح منتظم کتب خانہ یا پڑھنے والے باآسانی تمام ایک کتاب کی تمام لوحوں کا پتہ لگا لیتے تھے اور مضمون سلسلہ وار پڑھ لیا کرتے تھے۔ کاتب لوگ کتابت کے وقت ہر ایک لوح ایسے ڈھنگ پر لکھتے تھے کہ ان کا سلسلہ ملانے سے ایک باب بن جاتا تھا۔ کیونکہ ایک مضمون کے سلسلہ کی چند لوحیں ایک باب پر مشتمل ہوا کرتی تھیں۔

تکونی حروف تہجّی کے سیکھنے کے لئے بہت سا وقت وقف کیا جاتا تھا اور بہت محنت سے کام لینا پڑتا تھا۔ اس غرض سے مبتدی کے لئے کئی قسم کے وسائل سہولت وضع کئے جاتے تھے۔ حروف کو ترتیب دیکر انکے نام مقرر کئے جاتے تھے۔ انکے طبقہ کے مطابق انکی ترتیب وتقسیم کی جاتی تھی۔ اور اس تقسیم میں مخروطوں کا یا خطوط کا جن سے حرف مرکب ہوتا تھا لحاظ کرنا پڑتا تھا۔ علاوہ ازیں ایک قسم کی لغات بھی مبتدیوں کی سہولت کے لئے تیار کی گئی تھی جس میں ہر ایک حرف کی آواز کے معنے ہوتے تھے۔ اور یہ بتایا جاتا تھا کہ قدیمی ادبیات میں وہ حرف کن معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ اور یہ کہ اسکے وسیلے سے کن کن خیالات کا اظہار ہوتا تھا۔ تکونیہ حروف تہجی کے صورت اختیار کرنے سے پیشتر مورتی لکھاوٹ تھی۔ یعنی حرفوں کی بجائے جانوروں اور پرندوں کی انواع و اقسام کی تصاویر اظہار خیالات کا کام دیتی تھیں۔ ہر ایک تصویر

ایک خیال ظاہر کرتی۔ یا بعض وقت کئی خیالات ایک ہی تصویر کے وسیلے سے اظہار پاتے تھے۔ اسی وجہ سے لغات تالیف کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی تھی +

بابل کے لڑکوں کو عجیب و پیچیدہ تصویردار حروف ہی یاد کرنے نہیں پڑتے تھے۔ تکونی حروف اور تہذیب جو انکے ذریعے سے عالم وجود میں آئی تھی۔ ایک غیر سامی قوم کی ایجاد تھے۔ جو اکاد دوسری طبقہ سے تھی جس سے سامیوں نے سیکھا۔ جب سامی نسل کے ہاں تکونیہ حروف کا رواج ہوا۔ تو ان میں بہت کچھ ترمیم ہو کر اضافہ ہوا۔ مگر اسکی اصلیت کے نشانات اُسکے اندر آخر تک قائم رہے۔ اسی سبب سے بابل کے لڑکوں کو جو لکھنے پڑھنے کے خواہشمند تھے۔ اس ملک کی قدیم تر قوم کی معدوم زبان بھی سیکھنی پڑتی تھی۔ جس سے ان پر بار مزید آپڑتا تھا +

ایک اور وجہ سے بھی پرانی زبان کی تحصیل لازمی ہوگئی تھی اور وہ یہ تھی کہ پرانے ادبیات کا ایک حصہ کثیر بالخصوص اس کا وہ جزو جو مسائل مذہبی سے متعلق تھا اکادو سُمیری زبان میں تھا۔ پہلے زمانہ کے عدالتی مقدمات بھی جو بعد کے زمانہ کے قانون میں نظیر متصور ہوتے تھے۔ اسی زبان میں تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ سامی نسل کے بابلیوں کے لئے اکادو سمیری زبان اسی قدر ضروری تھی۔ جس قدر لاطینی زبان موجودہ یورپ کے باشندوں کے لئے ہے۔ روزمرّہ کی گفتگو کے بہت سے الفاظ اور نیز اسمائے معرفہ بھی اسی زبان سے عاریتاً لئے گئے تھے۔ جیسے بہت سے انگریزی لفظوں کے معانی اور ماخذ جاننے کے لئے لاطینی زبان کی حاجت ہے۔ اسی طرح اُس زمانہ میں اہل بابل اکادی زبان کے محتاج تھے۔ یعنی بابلی زبان پر کامل عبور حاصل کرنے والے کے لئے لازم تھا کہ اکادی زبان کا مطالعہ بھی کیا جائے +

اس وجہ سے بابلی لڑکوں کو تکونیہ حروف تہجی یاد کرنے کے علاوہ اہل اکاد اور سُمر کی مردہ زبان بھی سیکھنی پڑتی تھی۔ اس غرض سے مبتدی کو الفاظ کی ایک فہرست یاد کرائی جاتی تھی۔ جس میں اکادی زبان کے لفظوں کی سامی اسوری زبان میں پوری تشریح ہوتی تھی۔ اکادی زبان کے افعال کی گردان بتائی جاتی تھی۔ اور فعل سے جو صورت جملے اختیار کرتے ہیں وہ بتلائے جاتے تھے۔ گویا گرامر (صرف ونحو) بھی

مختصراً اسی فہرست میں بیان کر دی گئی تھی۔ بشکل محاورات کی شرح دی جاتی تھی اور پرانی کتابوں کے بعض اچھے حصوں کا ترجمہ اسوری زبان میں دیا جاتا تھا۔ بعض ضروری مگر گمنام الفاظ کا بیان علیحدہ نوٹوں میں ہوتا تھا۔ اور طویل وکامل فقرات دونوں زبانوں میں ایک دوسرے کے مقابل میں درج کئے جاتے تھے۔ طلباء کو بھی اکادی زبان میں لکھنے کی تاکید و تحریک کی جاتی تھی۔ بہت سی کتابیں موجود پائی جاتی ہیں جنکی قدامت محاورات۔ اور نیز ایکی ذکی غلطیوں سے پایا جاتا ہے کہ انکے کاتب سامی اصل کے تھے۔ نہایت مشہور بادشاہ بنوکد نضر کی رعایا کی بنائی ہوئی اکادی زبان ایسی ہی ناقص تھی جیسے کہ آجکل کے لڑکوں کی لاطینی ہوتی ہے۔

اسوریہ اور بابل کے شرفا کے لئے جو کچھ بننے کے خواہشمند تھے۔ اکادی زبان کی تحصیل کافی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ ان کے لئے بعض اور زبانیں سیکھنا بھی لازمی تھا۔ واضح ہو کہ بادشاہ سن چرب کے وزیر نے یروشلم میں یہودیوں کو ان کی زبان میں مخاطب کیا تھا۔ اور حزقیاہ کے وزرا نے اس سے اس کی بجائے ارمی یا سریانی زبان میں کلام کرنے کی التجا کی تھی۔ انہوں نے یہ خیال کیا تھا۔ کہ سن چرب کا وزیر ایسی زبان میں گفتگو کر سکتا ہے۔ جس سے عوام تو نا آشنا ہوتے ہیں۔ مگر شریف زادوں کی نصاب تعلیم میں شامل سمجھی جاتی تھی۔ اُس زمانہ میں ارمی زبان کو وہی رتبہ حاصل تھا۔ جو اس وقت یورپ میں فرنچ زبان کو نصیب ہے جو سفرائے سلطنت اور مہذب لوگوں کی زبان قرار پاگئی ہے۔ ارمی زبان اُس زمانہ کے مدبروں کی زبان بین الاقوام یعنی مختلف قوموں اور گروہوں کے تبادلہ خیالات کا وسیلہ تھی۔ مگر ارمی زبان اُس زمانہ کی تجارتی زبان بھی تھی۔ اور ہر جگہ رائج ہو گئی تھی حالانکہ یہ رتبہ فرنچ زبان کو حاصل نہیں ہے۔ ارمی سوداگر ملک بابل کے بہت سے شہروں میں بود و باش رکھتے تھے۔ اور نینوہ میں تجارت کیا کرتے تھے۔ تغلت پلیسر سوم اور اسکے جانشینوں کے عہد کی تجارتی دستاویزات جو اب دریافت ہوئی ہیں۔ انکے ساتھ ارمی زبان کے ڈاکٹ بھی منسلک ہیں۔ اسوریہ میں اوزان دریافت ہوئے ہیں۔ جن پر ارمی اور اسوری زبانوں کے حروف کندہ ہیں۔ ارمی زبان کے عام طور پر رائج ہونے کے باعث

آسوریہ اور بابل کے تاجر ارمی زبان میں نوشت و خواند اور گفتگو کرنے پر مجبور تھے۔ آسوریہ والوں کی فتوحات سے جن کی علت غائی ملک ارم کی تمام تجارت اہل فنشیا اور اہل آسوریہ کے ہاتھوں میں منتقل کرنا تھا۔ ارکان سلطنت تاجروں کی پیروی کر کے ارمی زبان سیکھنے پر مجبور ہوئے تھے۔ اس وجہ سے آسوریہ اور بابل کے مبتدی اکادی اور ارمی زبان اسی تندہی سے سیکھا کرتے تھے۔ جس طرح آجکل انگلستان کے لڑکے فرنچ اور لاطینی زبان یا ہندوستان کے مسلمان فارسی اور عربی زبانوں کی تحصیل کرتے ہیں ✦

سن چرب کے وزیر کی تقریر سے یہ ظاہر ہے کہ متذکرہ بالا دونوں مشترک اور عام پسند زبانوں کے علاوہ کسی تیسری زبان کا علم بھی حاصل کرنا مناسب تھا۔ وزیر مذکور آسوری اور ارمی زبان کے علاوہ عبرانی میں بھی ماہر تھا۔ اُس نے شاید یہ زبان اُن جلاوطن یہودیوں سے سیکھی تھی۔ جو ملک یہوداہ کے شمالی حصہ سامریہ سے یہودیوں کی جلاوطنی سے اٹھارہ برس پیشتر چلے گئے تھے۔ اُس زمانہ کی لوح معاہدہ جو اسوری زبان میں ہیں دستیاب ہوئی ہیں۔ جن میں ایسے اشخاص کا ذکر ملتا ہے۔ جن کے نام یہودی تھے۔ اور نینوہ میں رہتے تھے۔ علاوہ ازیں مشرق میں ترجمانوں کا طبقہ مدت سے ہے۔ پندرہ صدیاں قبل از مسیح نہارم شاہ ارم نے ایک ترجمان کو مصر میں بھیجا تھا۔ اور اس کی سات صدی بعد ایک آسوری مصنف کی کتاب میں اہل منی کے ایک ترگومنو یعنی ترجمان کا ذکر پایا جاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب جیاجز شاہ لیڈیا کا معتمد مع اپنے عملہ کے پہلے پہل نینوہ میں وارد ہوا۔ تو اُس وقت وہاں کوئی آدمی ایسا نہ پایا گیا جو اس کی زبان سمجھ سکتا۔ جو اس سفیر کے بُعد مسافت پر جو وہ طے کر کے وہاں آیا تھا دلالت کرتا ہے ✦

خارجی زبانوں کے مطالعہ کے ساتھ ہی اہل بابل کے دلوں میں یہ شوق پیدا ہوا کہ غیر ممالک کی اقوام کی زبانیں معلوم کریں۔ اور علم صرف اور الفاظ کے ماخذات و مادہ کی تفتیش کریں۔ اس تحقیقات کا انجام یہ ہوا کہ ماہرین علم نحو نے سامی زبان کے الفاظ کا ماخذ اکادی زبان قرار دیا۔ لفظ "سباتو" جس کے معنی "سبت" (اتوار یا ہفتہ

کا آخری دن) ہیں "سبا" (دل) اور "ہاتو" (انجام) سے مرکب ہے۔ جسکے معنی "یوم برائے راحت قلبی" ہیں۔ اہل بابل کے غیر زبانوں کے مطالعے سے کئی عمدہ اور خوشگوار نتائج برآمد ہوئے۔ ایک بڑا فائدہ تو یہی ہوا۔ کہ علام اور ملکت بابل کے گرد و پیش کے ممالک کی پرانی زبانوں کے بہت سے لفظوں کے ابتدائی معانی آجتک محفوظ چلے آتے ہیں۔ مثلاً اہل کستی کی زبان کے لفظوں کی فہرست مع انکے ترجمہ کے ابتک موجود ہے۔ سارگون ایسا زبردست فاتح بھی اپنی عادت کے برخلاف بیان کرتا ہے۔ کہ فن عمارت کی بعض اصطلاحات اہل فنشیا کی زبان کی ہیں ◆

زباندانی کی تحصیل کے علاوہ اسوریہ اور بابل کے مدارس کے طلبا کے لئے اور علوم و فنون کا اکتساب بھی لازم تھا۔ جغرافیہ۔ تاریخ۔ پودوں۔ پرندوں حیوانوں اور پتھروں کے نام اور ان کی ماہیت کا علم بھی حاصل کرنا پڑتا تھا۔ قانون اور مذہب کے مسائل کا علم بھی نصاب تعلیم میں شامل تھا۔ برٹش میوزیم (عجائب خانہ لندن) میں بنوکد نضر یا سائرس (شاہ فارس) کے زمانے کی ایک مشق موجود ہے جو بابل کے کسی اسکول کے لڑکے کی ہوگی۔ اس میں بابل کے ایک ابتدائی شاہی خاندان کے تمام بادشاہوں کے ناموں کی ایک فہرست درج ہے جسے مدارس میں اس زمانہ میں یاد کرایا جاتا تھا۔ سلطنت بابل کا آخری بادشاہ نبانیدس جو بلشاذر کا باپ تھا آثار قدیمہ کا بڑا شائق تھا۔ اور خود اس کی تحقیقات اور تجسس کا مبتدا بنا تھا اور اسکے متعلق کئی دریافتیں کرنے کی شہرت حاصل کی۔ بابل کے پرانے مندروں کے محلات وقوع اس غرض سے کھدوائے۔ کہ ان بادشاہوں کے زمانے کے کتبے اور لوحیں نکالی جائیں جن کی طرف انکی بنیا و تعمیر منسوب کی جاتی تھی۔ سورج دیوتا کے عظیم الشان مندر کے بانی کی دبی ہوئی یادگاروں کی جو بتیاں رہ میں تھیں۔ شدومد سے تحقیقات کی جسکی کیفیت ایسی ہی دلچسپ ہے جیسی ویسٹ منسٹر ایبی۔ یا کنٹربری کے عالیشان گرجے کے پرانے کھنڈروں کی تحقیقات ہے۔ نیچرل ہسٹری (تاریخ طبعی) جو آثار قدیمہ کی تاریخ سے بالکل علیحدہ ہے اس وقت عالم طفولیت میں تھی۔ اور صرف خواص الاشیا کے بیان پر ختم تھی۔ حضرت سلیمان نے جو تحقیقات درختوں حیوانوں

بمعنون مذہبگنے والے جانوروں اور مچھلیوں کی ماجنکی تھی ۔ جو بعین غالباً اسی قسم کی ہوگی ۔

کتب خانے مندروں کے اندر تھے ۔ اور مدارس جہاں تعلیم و تربیت کا کام ہوتا تھا انکے ساتھ وابستہ تھے ۔ یونان کا مشہور عالم علم جغرافیہ استرابو لکھتا ہے کہ بورسپہ جو بابل کے قرب میں تھا ۔ مدارس و علوم گاہوں کے واسطے اس زمانہ میں خاص شہرت رکھتا تھا ۔ کچھ عرصہ ہوا کہ بابلی زبان میں ایک کتاب علم طب کے متعلق دستیاب ہوئی تھی ۔ جسکے چند اجزا اب برٹش میوزیم میں موجود ہیں ۔ اس میں بورسپہ کے میڈیکل کالج کا ذکر ہے ۔ بورسپہ کا عالیشان کتب خانہ بیل کے عظیم الشان مندر کے اندر تھا ۔ دارا کے زمانے کا ذکر ہے ۔ کہ ایک بابلی کاتب نے آفرینش عالم کے متعلق ایک نظم کا ایک حصہ نقل کیا ۔ اور اسے کتب خانہ میں "اپنی اور اپنے خاندان کی زندگی کے قیام کے واسطے[ا]" رکھ دیا ۔ اس زمانہ میں کتب خانوں کو نئے نسخے نذر کرنا ایک مقدس کام سمجھا جاتا تھا ۔

کفایت شعاری

سیونگ بنک کی ابتدا

اٹھارھویں صدی کے آواخر میں مس پرسیلا ویکفیلڈ نے قصبۂ ٹاٹن ہام واقع ضلع مڈل سیکس کے پیرش (محلہ یا ٹپہ) میں پہلے پہل ایک سیونگ بنک جاری کیا تھا ۔ اس کے قیام سے انکی بڑی غرض یہ تھی کہ غریب بچوں میں جزرسی کا خیال ترقی پکڑے ۔ اس تجربہ میں اس قدر کامیابی حاصل ہوئی کہ سنہ ۱۷۹۹ء میں قصبہ وِنڈن کے پادری جوزف اسمتھ صاحب نے اپنے حلقہ کے باشندوں کی سہولت اور بہتری

[ا] یہ کاتب ایک غریب آزاد کسان کا لڑکا تھا ۔ اس سے اسقدر تو ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں تعلیم کا بابل میں عام چرچا تھا ۔

کی خاطر یہ انتظام کر دیا کہ موسم گرما میں ان کی چھوٹی چھوٹی رقوم اپنے پاس جمع کر لیتے۔ اور بڑے دن کے موقع پر ان کا جمع شدہ روپیہ واپس کر دیتے۔ بلکہ اصل رقم میں ایک تہائی اور اضافہ کر دیتے۔ تاکہ لوگوں میں مآل اندیشی اور پیش بینی کا خیال اشاعت پکڑے۔ مس ویکفیلڈ نے بھی پادری اسمتھ صاحب کی پیروی شروع کر دی۔ ۱۸۰۴ء میں انہوں نے اپنے خیراتی بنک کی توسیع کر دی۔ اور اجازت دیدی کہ جوان مرد اور کام کرنے والی مستورات اور محنت مزدوری کر کے پیٹ بھرنے والے لوگ بھی اپنا روپیہ بنک میں جمع کرا سکتے ہیں۔ ۱۸۰۸ء میں شہر باتھ کی کئی شریف زادیوں نے بھی ایک اسی قسم کا بنک جاری کر دیا۔ اسی زمانہ میں مسٹر روٹ بریڈ نے اپنی پارلیمنٹ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ ایک نیشنل انسٹی ٹیوشن (قومی آئین) بصورت بنک قائم کیا جائے جس سے صرف اہل حرفہ اور محنت مزدوری کرنے والے گروہ مستفید ہوں۔ مگر اس بنک تجویز کا کوئی اچھا انجام نہیں ہوا۔

کچھ عرصہ کے بعد قصبہ روتھ ویل واقع ضلع ڈمفریس کے پادری ہنری ڈنکن صاحب نے اس مسئلہ پر توجہ کی۔ اسی زمانہ سے سیونگ بنک کی ابتدا سمجھنی چاہئے۔ پادری ممدوح کے حلقہ کے لوگ زیادہ تر نادار اور خستہ حال اور ٹوٹے پھوٹے جھونپڑوں کے رہنے والے تھے۔ ان کی ہفتہ وار آمدنی کا اوسط آٹھ شلنگ یعنی چھ روپیہ تھا۔ ضلع ڈمفریس میں کسی قسم کی حرفت کاریاں نہ تھیں۔ اور نہ دیگر قسم کے وسائل معاش تھے۔ لوگوں کی بسراوقات صرف کاشتکاری اور کھیتی باڑی پر تھی۔ بہت سے زمیندار بھی اس علاقہ میں رہنے والے نہ تھے۔ ایسے علاقے میں جہاں غریب لوگ شکم پروری کے لئے خون پسینہ ایک کرتے تھے۔ اور علاوہ بریں اپنے بال بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنے (کیونکہ اسکاٹلینڈ کے کسان اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے ہر طرح سے روپیہ بچاتے ہیں) اور اپنے پیرش کی فرنڈلی سوسائٹی (انجمن رفاہ عام) کو چندہ دینے کے ذرائع بہم پہنچانے میں صدہا مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ ایسے علاقے میں سیونگ بنک قائم کرنا بہت دشوار کام تھا۔ باوجود ان دشواریوں کے پادری موصوف نے اس کا تجربہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ مزید براں وہ اسے روحانی تعلیم کا ذریعہ بھی سمجھتے تھے۔

کفایت شعاری

محنت مزدوری سے بسر اوقات کرنے والے تمام آدمی واعظ کے ادق استدلال کو بآسانی نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن اگر انہیں ان کی روزمرہ کی آسائش۔ خودداری اور امور خانہ داری کے متعلق سادہ مشورت دی جائے۔ تو وہ اُسے اچھی طرح سمجھ لیتے اور اس کی خوب قدر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ڈنکن جانتے تھے۔ کہ خواہ کوئی کتنا ہی غریب گھرانا کیوں نہ ہو۔ وہاں بھی بعض وسائل آمدنی غیر ضروری اخراجات میں اُڑ جاتے ہیں اُنہوں نے یہ بھی دیکھا کہ بعض عاقبت اندیش اور کفایت شعار کسانوں نے کوئی گائے باندھ رکھی ہے۔ جس کا تمام گھرانا دودھ پیتا اور مکھن کھاتا ہے۔ کسی نے سور پال رکھے ہیں۔ جو موسم سرما میں نمکین گوشت کی جگہ کام میں لائے جاتے ہیں۔ اور بعض نے چھوٹے قطعہ اراضی پر مختصر سا باغ لگا رکھا ہے۔ جس میں سبزی ترکاری بوئی اور پیدا کی جاتی ہے۔ یہ گویا انکے سیونگ بنک تھے۔ جہاں سے دودھ گھی۔ گوشت اور سبزی ترکاری بطور سود حاصل ہوتی رہتی تھی۔ اُنہوں نے یہ بھی دیکھا کہ بعض غیر متاہل مرد و عورت ہیں۔ انہیں کفایت شعاری سکھلانے کے لئے کوئی اسی قسم کا طریقہ ہونا چاہئے۔ یا ایسا انتظام ہونا چاہئے۔ کہ وہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ جمع کرائیں جس پر انہیں کچھ سود مل جایا کرے +

اس مقصد کے لئے روتھ ول میں ایک سیونگ بنک جاری ہوا۔ جو انگلستان میں اپنی نوع کا پہلا خود مددگار انسٹی ٹیوشن تھا۔ پادری ڈنکن صاحب نے جو توقعات اس سے وابستہ کی تھیں۔ وہ غلط ثابت نہیں ہوئیں۔ جیسا کہ مابعد کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ چار سال کے عرصہ میں اس بنک میں جو روپیہ جمع ہوا تھا اسکی تعداد تقریباً ایکہزار پونڈ یعنی پندرہ ہزار روپے تک پہنچ گئی۔ اگر ہفتہ میں آٹھ شلنگ کمانے والے کسان اور غریب مزدور اور کام کرنے والی عورتیں اتنی بڑی رقم پس انداز کرنے کے قابل تھیں تو تیس اور پچاس شلنگ فی ہفتہ کمانے والے لوہار۔ نجار۔ کان کن اور کاریگر کتنی بڑی رقم بچانے پر قادر تھے؟ +

جو نظیر پادری ڈنکن صاحب نے قائم کی تھی۔ اسکی تقلید انگلستان اور اسکاٹلینڈ کے متعدد شہروں اور قصبوں میں کی گئی۔ ہر جگہ روتھ ول کے بنک کا نمونہ سامنے رکھا گیا

اور اپنی مدد آپ کرنے کے اصول پر عملدرآمد ہونے لگا۔ جو سیونگ بنک اس ڈھنگ پر قائم ہوئے تھے۔ وہ خیرات کے دست نگر نہ تھے۔ اور ان کا انحصار کسی آدمی کی پرورش اور نوازش پر ہرگز نہ تھا۔ بلکہ ان کی کامیابی تمام و کمال روپیہ جمع کرانیوالوں پر منحصر تھی۔ ان بنکوں کے وسیلہ سے حرفت پیشہ گروہوں کو اپنی دولت پر حصر کرنے زندگی کے کاروبار اور انتظام خانہ داری میں جزرسی و پیش بینی سے کام لینے کی جرأت ہوئی۔ اور اسکے ساتھ ہی اُن لوگوں میں خودداری اور اپنی ذات پر بوقت ضرورت بھروسہ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور انہیں بہت عمدہ موقع ہاتھ لگ گیا۔ کہ اپنی پسینہ کی کمائی کا ایک جزو بڑھاپے کی پرورش اور آسائش کے لئے جمع کرتے رہیں۔ تاکہ کسی قسم کی خیرات یا سرکاری امداد کے محتاج نہ بنیں۔

جب سیونگ بنک ان مفید اور نیک مقاصد سے جابجا کھل گئے۔ تو وہ قومی معاملہ اور ملکی ضرورت تسلیم ہونے لگے۔ سنہ ۱۸۱۷ء میں ایک قانون منجانب پارلیمنٹ پاس کیا گیا۔ جسکے طفیل سے سیونگ بنکوں کی تعداد میں اضافہ اور فیض رسانی میں بہت توسیع ہوئی۔ اسکے بعد کئی قانون پاس ہوئے جنکی علت غائی ان بنکوں کا حسن انتظام بڑھانا اور ان میں جمع شدہ روپیہ کی خاطرخواہ حفاظت کرنا تھی۔ گو ان بنکوں سے بہت عمدہ نتائج برآمد ہو چکے ہیں[۳]۔ باوجود اسکے بھی عمدہ تنخواہ پانے والے لوگ ان سے بہت کم مستفید ہونے کی پرواہ کرتے ہیں انگلستان میں ہر حرفہ کے آدمیوں کی مجموعی آمدنی چالیس کروڑ پونڈ (چھ ارب روپیہ) سالانہ ہے اس رقم خطیر کا ایک بہت چھوٹا جزو سیونگ بنکوں میں جاتا ہے۔ اور اس سے بیس گنا زیادہ روپیہ شراب خوری میں اُڑا دیا جاتا ہے۔

اعلیٰ مشاہرہ حاصل کرنے والے مردوں اور عورتوں کے گروہ میں ایسے بہت کم ہیں جو سیونگ بنک میں روپیہ جمع کراتے ہیں۔ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی آمدنی محدود ہے اور وہ بنک میں اپنا روپیہ جمع کرتے رہتے ہیں۔ مانچسٹر اور سلفرڈ کے سیونگ بنکوں میں روپیہ جمع کرنے والے سب سے زیادہ خانگی نوکر ہیں۔ ان سے اُتر کر کلارک۔ پھر دوکاندار۔ پھر حمال۔ اور پھر کان کن ہیں۔ جمع شدہ روپیہ کا صرف تیسرا حصہ ایسا ہے

[۳] اور وہ ہر طرح سے مفید ثابت ہو چکے ہیں۔

جو لوہاروں اور کاریگروں اور کارخانوں میں کام کرنے والوں کا ہے۔ جن اضلاع میں انواع و اقسام کی مصنوعات تیار ہوتی ہیں۔ وہاں بھی یہی بات دیکھنے میں آتی ہے۔ چند برس ہوئے کہ ڈنڈی کے سیونگ بنک میں معلوم ہوا کہ جن عورتوں کا روپیہ جمع ہے۔ ان میں سب کی سب گھروں میں کام کرنے والیاں تھیں اور صرف ایک عورت کسی کارخانہ میں کام کرنے والی تھی۔ جس نے اپنا روپیہ پس انداز کر کے بنک میں جمع کیا تھا۔

ایک اور قابل غور امر ہے۔ وہ یہ ہے کہ جن اضلاع میں کاریگروں اور کام کرنیوالوں کو بہت ہی اعلےٰ اُجرت ملتی ہے۔ وہ اپنا روپیہ بنک میں جمع نہیں کراتے۔ لیکن برعکس اسکے جن اضلاع میں شرح اُجرت بہت معمولی یا ادنےٰ ترین ہے وہاں کے لوگ اپنا روپیہ سیونگ بنک میں جمع کرتے ہیں۔ ڈاک خانہ کے متعلق سیونگ بنکوں کے اجراسے پیشتر اضلاع ولٹش اور ڈورسٹ کے باشندوں کے جمع شدہ روپیہ کا اوسط فی کس لنکاشائر اور یارک شائر سے زیادہ تھا۔ اول الذکر کی شرح اُجرت تمام انگلستان میں ادنےٰ ترین اور مؤخر الذکر اضلاع کی اعلےٰ ترین ہے۔ یارک شائر کو لو اور اسکی آبادی کو بلحاظ پیشہ دو حصوں یعنی زراعت پیشہ اور حرفت پیشہ گروہوں میں تقسیم کرو۔ اسکے مغربی حصہ کی آبادی حرفت پیشہ ہے۔ اسکے سیونگ بنکوں میں جمع شدہ روپیہ کا اوسط فی کس پچیس شلنگ تھا۔ اور مشرقی حصہ کی زراعت پیشہ آبادی کے روپیہ کا اوسط فی آدمی تین گنا یعنی پچھتر شلنگ تھا۔

سپاہیوں کی ہفتہ وار تنخواہ ادنےٰ ترین اُجرت پانے والے مزدور سے بھی کم ہے۔ بایںہمہ یہ لوگ سیونگ بنکوں میں تیس چالیس شلنگ فی ہفتہ کمانے والے کاریگروں سے نسبتاً زیادہ روپیہ جمع کرتے ہیں۔ حالانکہ عام طور پر سپاہی لوگ بڑے لاپرواہ سمجھے جاتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات انہیں بے فکرے۔ تماشبین اور آوارہ سمجھکر ان کی تضحیک و توہین کی جاتی ہے۔ لیکن فوجی سیونگ بنکوں کے شمار و اعداد سے اس بہتان کی سخت تردید ہوتی ہے۔ اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے سپاہی اسی قدر نیک چلن۔ محترس اور فوجی آداب کے پابند ہیں جسقدر وہ دلیر اور جری ہیں۔ بہت سے آدمی اس بات کو نظرانداز کر دیتے ہیں کہ سپاہی

کے لئے ایماندار۔ خزانہ دار اور نیک معاش ہونا واجبات سے ہے۔ اگر کوئی سپاہی شراب پیکر متوالا ہو جاتا ہے۔ تو اُسے سزا ملتی ہے۔ اگر وہ بے ایمان ہو تو اسے یا تو اس ول رجمنٹ سے خارج کر دیا جاتا ہے۔

تربیت کا سحر

تربیت کا جادو بہت حیرت انگیز ہے! تربیت (Drill) سے مراد ہر قسم کی تعلیم ہے۔ ہر قوم کی سب سے پہلی تربیت فوجی قواعد ہوتی ہے۔ تمام قوموں نے سب سے پہلے یہی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس ڈھنگ سے وسیع پیانہ پر فرمانبرداری کا فرض سکھایا جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ حکومت کے سامنے سر جھکانا اور سردار کی زیر ہدایت متفق ہو کر لڑنا اور کام کرنا۔ یہی سپاہی جو توپوں اور بندوقوں کی آگ میں استقلال کے ساتھ کود پڑنے۔ قلعہ کی دیواروں پر کمندیں ڈال کر چڑھنے اور سنگینوں سے ٹکر مار کر پھر پرے لینے کو تیار ہیں۔ جیسا کہ بداجوس کے معرکہ میں ہوا تھا۔ کبھی خیاط۔ کفش ساز۔ لوہار۔ کاریگر۔ نورباف اور مالی تھے۔ ان کی باچھیں ہر وقت کھلی رہتی تھیں۔ شانے اندر کی جانب دبے ہوئے۔ چلنے میں ٹانگیں ڈگمگاتی تھیں اور بازو پھیلا لیتے تھے۔ مگر یہی لوگ تربیت جنگی کے اثر سے کچھ سے کچھ بن گئے ہیں۔ ان کی چال میں استقلال اور ایک قسم کی شان پائی جاتی ہے۔ انکے قد کشیدہ ہیں۔ وہ باجے کی آواز پر پاؤں ملا کر اس طریقے سے چلتے ہیں کہ زمین کانپ اٹھتی ہے۔

یہ ہے تربیت کی حیرت انگیز طاقت۔

قومیں جوں جوں تمدن میں ترقی کرتی جاتی ہیں۔ تربیت کے نئے نئے ڈھنگ اختیار کر رہی ہیں۔ بعض ممالک میں فوجی قواعد یعنی تربیت کی جگہ صنعتی تربیت لے رہی ہے۔ جہاں فوجی فنون کی وجہ سے جنگ و جدل کے بازار گرم تھے اور ملک تاخت و تاراج ہوتے تھے انکی جگہ اب حرفتی تعلیم و تربیت نے چھین لی ہے ہزاروں آدمی ملک گیری کی بجائے دستکاریوں اور حرفتوں میں معروف ہیں حرفتی تربیت کی بدولت کیسے کیسے عجائبات امن و سکون دیکھنے میں آرہے ہیں۔

کیسی کیسی مفید ایجادیں ہو رہی ہیں - اور کیسے کیسے کارہائے نمایاں انجام پذیر ہو رہے ہر قسم کا حرفتی کاروبار صناع اور کاریگروں کے سدھے ہوئے ہاتھوں سے تکمیل پکڑتا ہے - ذرا لنکا شائر اور یارک شائر میں جاکر دیکھو - وہاں تربیت یافتہ مزدوروں کی فوج کی فوج کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے جس حرفت کو خوب سدھے ہوئے آدمی انجام دے رہے ہیں - وہاں مصنوعات کی مقدار بھی بے اندازہ ہوگی - جسے دیکھکر حیرت ہوتی ہے +

افراد اور اقوام کی کامیابی کا کل انحصار تربیت و تعلیم کی خوبی پر موقوف ہے - جو شخص اپنی ذات پر سب سے زیادہ بھروسہ کرتا ہے - اسے زیر تربیت سمجھو اور جس قدر زیادہ کامل تربیت ہوگی - اسی قدر زیادہ بہتر اسکی حالت ہوگی - ہر ایک انسان کا یہ فرض اولے ہے - کہ وہ اپنی خواہشات کی تعلیم کرے اور انہیں اپنے قابو میں رکھے - اسکے لئے انسب ہے کہ وہ حکم کی متابعت کرے - ورنہ وہ تحریک اور جذبہ کے ہاتھوں میں کھلونا بنا رہیگا - دیندار آدمی کی زندگی تربیت اور نفس کشی سے لبریز ہے - اور کاروباری آدمی ایک قاعدہ کا پابند ہے - وہ گھر سب سے زیادہ خوشحال اور مبارک ہے - جہاں تربیت تو کامل ہے مگر اسکی بندشیں کسی کو ناگوار نہیں معلوم ہوتی ہیں - ہم رفتہ رفتہ اسکے مطیع ہو جاتے ہیں - اور وہ ہمارے لئے بمنزلہ قانون قدرت کے ہو جاتی ہے - گو اسکے قیود ہم پر بخوبی عاید ہو جاتے ہیں - مگر ہم بالکل محسوس نہیں کرتے - یہ عادت کی قوت ہے جو تربیت کی طاقت کا دوسرا نام ہے +

اس زمانہ میں کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا - کہ فوجی ملازمت جبری قرار دی جاوے (مگر اب لارڈ رابرٹس اور ان کے ہم خیال لوگ جبری فوجی ملازمت کی شد و مد سے وکالت کرتے ہیں - جے - آر - آر) تو بھی اگر کچھ عرصہ کے بعد لوگوں کو فوجی قواعد سیکھنے پر مجبور کیا جاوے - تو ملک زبردست ہو جاوے گا - قوم کے افراد سلیم الطبع اور پرہیزگار بن جائینگے - اور کفایت شعاری کا خیال ہر جگہ غالب رہیگا +

فوجی سیونگ بنک

سپاہیوں کے لئے خاص سیونگ بنک کھولنے کی تجویز سنہ ۱۸۱۶ء میں پہلے پہل فیلڈ مارشل افسر صیغہ مشاہرات نے پیش کی تھی۔ اس کے دس سال بعد کرنل اوگ لینڈ (۲۶ ویں کمرون پلٹن) نے نئے سرے سے سوال اٹھایا۔ رفتہ رفتہ اس کی اطلاع ڈیوک آف ویلنگٹن فاتح واٹرلو کو ہوئی۔ آپ نے اس تجویز کو مسترد فرمایا۔ اور یہ حسب ذیل ریمارک پاس کیا "سیونگ بنکوں میں جو رعایا برایا کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ سپاہیوں کو روپیہ جمع کرنے سے کوئی چیز باز نہیں رکھ سکتی۔ اگر کوئی رکاوٹ ہو تو وہ فی الفور دور ہونی چاہئے۔ لیکن میں کوئی نیا انتظام کرنا مصلحت کے خلاف سمجھتا ہوں"۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈیوک ممدوح کے دل میں یہ خیال گزرا ہوگا۔ کہ فوجی سیونگ بنکوں کی تجویز سے ایک اور فائدہ نکالا جا سکتا ہے۔ اور وہ یہ تھا کہ اخراجات سپاہ میں معقول تخفیف کی جائے۔ اسی لئے انہوں نے لکھا "کیا سپاہی کو اس کی ضروریات سے زیادہ مشاہرہ ملتا ہے؟ اگر یہ زیادہ ہو تو اس میں تخفیف ہونی چاہئے۔ یعنی جو لوگ بھرتی ہوں۔ انہیں پرانے سپاہیوں سے کم تنخواہ ملنی چاہئے" مگر کوئی آدمی نہیں کہہ سکتا تھا کہ سپاہیوں کا ماہانہ زیادہ ہے۔ اور اس بات کا امکان نہ تھا کہ سپاہیوں کی تخفیف مشاہرہ کی تجویز پر کبھی توجہ بھی کی جائیگی۔

سپاہیوں کے لئے خاص سیونگ بنکوں کا مسئلہ پھر کچھ عرصہ کے لئے کھٹائی میں ڈال دیا گیا۔ لیکن بعد میں سر جیمز میک گریگر اور لارڈ ہاوک کی مدد سے ایک اسکیم تیار ہو کر منظور ہوئی۔ اور آخر کار ۱۸۴۲ء میں فوجی سیونگ بنک کھول دئے گئے۔ ان سے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ وہ خاطر خواہ ہیں۔ اور یہ سپاہیوں کے چال چلن پر دال ہیں۔ چند سال ہوئے۔ ہوس آف کامنز میں فہرست پیش کی گئی تھی۔ جس میں مختلف حصص سپاہ کی جزرسی کی پوری فہرست دی گئی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رائل آرٹیلری (شاہی توپخانہ)۔

سپاہیوں کا جمع شدہ روپیہ تیئیس ہزار پونڈ سے زائد تھا - اور جمع کرنے والوں کا اوسط فی کس سو پونڈ تھا - ان کی ہفتہ وار تنخواہ نو شلنگ چھ پنس تھی - اس میں سے بھی کپڑوں وغیرہ کے دام وضع ہو جاتے تھے - ان سے دوسرے درجہ پر رائل انجنیر رجمنٹ کا جمع شدہ روپیہ تھا - جس کی تعداد بارہ ہزار پونڈ تھی - اس رجمنٹ میں زیادہ تر ہوشیار اور تربیت یافتہ لوہار تھے - ان کا اوسط بیس پونڈ تھا - رجمنٹ نمبر ۲ نے جسے ہر روز ایک شلنگ مشاہرہ اور ایک پینی شراب کا الاؤنس ملتا تھا - چار ہزار پونڈ (ساٹھ ہزار روپیہ) بچائے تھے - اول بٹالین کے ڈھائی سو جوانوں نے جو روپیہ سیونگ بنک میں جمع کیا تھا اس کا اوسط سترہ پونڈ فی کس تھا - صرف یہی نہیں ہوتا - بلکہ سپاہی لوگ اپنی قلیل آمدنی میں سے کچھ پس انداز کر کے اپنے غریب رشتہ داروں کی دستگیری بھی کرتے ہیں - الڈرشاٹ سے ایک سال میں بائیس ہزار پونڈ ڈاک خانہ کے ذریعے سپاہیوں نے اپنے اپنے گھروں کو بھیجے اور ہر ایک منی آرڈر کی رقم کا اوسط اکیس شلنگ چار پنس تھا - اگر سات شلنگ ، پنس فی ہفتہ پانے والے سپاہی اس قدر روپیہ بچا سکتے ہیں - تو تربیت یافتہ اور ہنر مند کاریگر کس قدر زائد پس انداز کر سکتے ہیں - جن کی آمدنی دو تین پونڈ فی ہفتہ ہوتی ہے ؎

کھیل کود

مقدمہ

کھیل کود کی تاریخ بہت پرانی ہے - اس کا رواج قدیم الایام سے ہر ملک ہر قوم اور ہر زمانہ میں قائم تھا اگر اس کا مفصل تذکرہ کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے - مگر ہم یہاں اختصار سے کام لیکر ہر قسم کے کھیل کود کی تاریخی اور قومی اہمیت اور اسکے عام فوائد کا ذکر کرنے پر اکتفا کرینگے - اسکی تاریخ پر بہت سی بسیط کتابیں

لکھی گئی ہیں جن سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ تواریخ میں اس کا ذکر خصوصیت سے
اس وجہ سے آتا ہے کہ وہ قومی تاریخ کی ایک اہم شاخ ہے۔ کھیل کود کا قوم کے
چال چلن پر بہت اعلیٰ اور نیک اثر پڑتا ہے۔ جیسا کہ افراد کے طبائع پر ہوتا ہے
قوم کیا ہے۔ افراد کے مجموعہ کا نام ہے۔ جیسے افراد ہونگے۔ ویسی قوم ہوگی۔ سپارٹہ بلا
زمانہ قدیمہ کی جنگی دنیا میں بہت مشہور تھے۔ انکی شجاعت اور دلاوری کا سکہ ہر جگہ
رائج تھا۔ اور سپارٹہ صرف یونان کا ایک حصہ تھا۔ اہل یونان نے پہلے پہل کھیل کود
کو ایک سائنس کے درجہ پر پہنچایا تھا۔ جس کی زبردست شہادت اولمپیا کے
کھیل کود کے جلسوں سے ملتی ہے۔ یہ کھیل قدیم زمانہ کے
یونانیوں کے قومی جشن اور میلے کے موجب ہوتے تھے۔ اولمپیا

اولمپیائی کھیل

کوئی قصبہ نہ تھا۔ بلکہ ایک مقام پر دیوتاؤں کے مندر اور سرکاری عمارات ہوا کرتی
تھیں۔ اور یہ مقام صوبہ ایلس میں پیزا سے بجانب غرب تھا۔ ان کھیلوں کی
معتبر ابتدا بالکل معلوم نہیں ہے۔ البتہ ایلین صوبے کے پروہتوں کی روایت کے
مطابق آسٹین ہرقلیس نے کرونس کے زمانہ میں ان کی بنیاد ڈالی تھی۔ مگر اسٹرابو
کہتا ہے کہ ہرقلیدی کی واپسی پلاپونیس کے وقت جاری ہوئے تھے۔ خیر کچھ ہی
کیوں نہ ہو۔ اولمپیا کے کھیل کود کے جلسے نہایت قدیم زمانہ میں قائم ہوئے تھے۔
اور اہل یونان کے تمام قومی تہواروں پر فائق تھے۔ اور نہایت وقعت اور اہمیت
حاصل کئے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا سن وسال انہیں کھیلوں سے شروع
ہوتا تھا جسے اولمپیڈ کہتے ہیں۔ پہلے پہل صرف پلاپونیس کے لوگ شریک ہوا
کرتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ تمام یونان کے لوگ شریک ہوگئے۔ سوائے یونانی اہل
لوگوں کے اور کوئی آدمی شریک ہونے کا مجاز نہ تھا۔ عورتوں کو شریک ہونے کی
اجازت نہ تھی۔ یہ کھیل پانچ روز تک خوب دھوم دھام سے ہوا کرتے تھے۔ ان کی
فہرست یہ ہے:۔ پیادہ پا چلنا۔ کودنا۔ ابتدا میں معرکہ کا یہی کھیل تھا۔ کشتی
لڑنا۔ مکا بازی یعنی گھونسوں سے لڑنا۔ رتھوں کی دوڑ۔ جس میں چار شہزور گھوڑے
جوتے جاتے تھے۔ گھوڑے بازی اور کشتی کے رتب لڑکوں کے لئے تھے۔ دوڑنا

جو لوگ اس آخری کھیل میں دوڑتے تھے۔ انکے پاس کچھ بوجھ بھی ہوتا تھا۔ اور یہ لوگ میدان کارزار کے لئے تیار کئے جاتے تھے۔ رتھوں میں بعض مرتبہ چار گھوڑے یا چار خچر یا دو اور چار بچھڑے جوت کر بھگائے جاتے تھے۔ کل چوبیس قسم کے کھیل اور کرتب دکھائے جاتے تھے۔ اور چوبیس جوڑ یا مقابلے ہوتے تھے۔ ہزارہا آدمی دُور دُور سے تماشہ دیکھنے کو آتے تھے۔ جو لوگ بازی لے جاتے تھے انہیں انعام ملتے تھے۔ ان کھیلوں میں بازی لے جانا اور انعام حاصل کرنا یونانی نسل کے لوگ نہایت اعلیٰ درجہ کا فخر سمجھا کرتے تھے۔ بلکہ بعض لوگ اسے اپنی زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد تصور کرتے تھے۔ انعام یافتگان نہایت عزت اور عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ جب وہ اپنے اپنے شہروں کو واپس جاتے۔ تو انکے ہم شہری ان کا دھوم دھام سے خیر مقدم کرتے تھے۔ جیسے کہ کسی مشہور جنرل کا عظیم الشان فتح حاصل کرنے کے بعد کیا جاتا ہے۔

اولمپیائی کھیلوں کی تقلید

ہوتے ہوتے اولمپیائی کھیل یونان کے دیگر شہروں میں بھی ہونے لگے۔ قرب و جوار کی جن قوموں نے یونانی کھیلوں اور ٹورنامنٹوں کی تقلید شروع کی تھی ان میں روم سب پر سبقت لے گیا تھا۔ کلیسیم (قلسیوم) ان کھیلوں کا مرکز تھا۔ مگر رومی کھیلوں میں وحشت اور عدم مادہ انسانیت کی رنگت مخلوط تھی۔ یعنی نہتے آدمیوں کو کئی روز کے بھوکے درندوں سے لڑایا جاتا تھا۔ جب یونان سلطنت روما کے زیر نگین آیا اس وقت بھی اولمپیائی کھیلوں کے ٹورنامنٹ جاری رہے۔ سلطنت روما کے کھنڈرات سے جو سلطنتیں پیدا ہوئیں ان میں بھی کھیل کود کے جلسے برابر ہوتے تھے۔ مسلمان بادشاہوں نے بھی ترقی دی۔ از منہ وسطیٰ میں یورپ کے ہر ملک میں جسمانی ورزش کے کرتبوں کی نمائش کے عظیم الشان جلسے ہوتے تھے۔

انگلستان میں کھیلوں کا شوق

انگلستان میں ہنری دوم کے زمانے کے بعد کی تاریخ سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ وہاں کھیل کود کے ٹورنامنٹ ہوتے تھے۔ جن میں کودنے پھاندنے اور پتھر پھینکنے کے کرتب خاص طور پر دکھائے جاتے تھے۔ انگلستان کے بعض بادشاہ بھی کسی نہ کسی جسمانی کرتب کے

واسطے مشہور تھے - اور وہ کھیل کود کے جلسوں میں گہری دلچسپی لیتے تھے - اور خود مقابلوں میں شریک ہوتے تھے - ہنری ثانی - ایڈورڈ ثالث اور ہنری ہشتم کے کارنامے تاریخ میں مندرج ہیں - موخر الذکر بادشاہ جسمانی طاقت کے کرتبوں میں خاص شہرت رکھتا تھا - آہنی موگری گھماکر پھینکنے کے کھیل کا وہ بہت شائق تھا - ملکہ الزبتھ کے زمانہ سے روسا نے کھیلوں اور جسمانی طاقت کے کرتبوں میں دلچسپی لینا چھوڑ دیا - اس وقت سے لیکر آجتک عوام انہیں ترقی دیتے چلے آئے ہیں - روسا اور شرفا میں سے بہت تھوڑے لوگ کھیلوں میں شریک ہوتے تھے - ڈیوک آف منماتھ ہی ایک ایسے ذوالاقتدار رئیس تھے جن کے کارناموں سے کتابیں بھری پڑی ہیں - اٹھارھویں صدی کے آخر میں کپتان بارکلے الرڈائس نے خاص ناموری حاصل کی تھی - وہ پیدل چلنے اور دوڑنے میں بلا کا آدمی تھا - اُس نے اپنے نمونہ سے لوگوں کے دلوں میں کھیل کود کا ایسا جوش متحرک کر دیا - کہ شرفا بھی میدان میں کود پڑنے کو آمادہ ہو گئے لیکن تھوڑے عرصے کے بعد باسی کڑھی کی طرح یہ جوش بالکل دُور ہو گیا - ۱۸۵۰ء میں ایگزیٹر کالج (انگلستان) کے طلبا نے کھیل کود میں از سر نو جان ڈالنے کی سعی کی اسکے بعد ہی تمام برطانیہ میں کھیلوں کا شوق پیدا ہو گیا - اب انگلستان میں فٹ بال کرکٹ - ٹینس - ہاکی - گاف - کشتی رانی کے بڑے بڑے کلب ہیں جنکے ممبر بڑے بڑے مقابلے کرتے ہیں - کرکٹ کلب کے ممبر تو دُنیا کے دیگر ممالک میں مقابلہ کرنے جاتے ہیں ؂

زمانہ حال کے اولمپیائی کھیل

۱۸۹۶ء سے زمانہ حال کے اولمپیائی کھیلوں کے ٹورنامنٹ کا آغاز ہوا ہے - جسکی غرض قدیم زمانہ کے یونانی کھیلوں میں دوبارہ جان ڈالنا ہے - یہ ٹورنامنٹ ہر سال شہر ایتھنز پایۂ تخت یونان میں ہوتے ہیں - یورپ اور امریکہ کے مشہور ہنرمند اور کرتب داں ان میں آکر شریک ہوتے ہیں - بائیسکل چلانا - پیدل - ریلوا اور چلانا - کشتی رانی - پیراکی - جمناسٹک ٹینس - گولہ پھینکنے اور کشتی کے مقابلے ہوتے ہیں - دوڑنا - اچھلنا - پھاندنا وغیرہ کھیل بھی ہوتے ہیں - اب دو تین سال سے انگلستان اور امریکہ میں بھی اولمپیائی کھیل

ہونے لگے ہیں۔ لیکن یہ بین الاقوام نوعیت کے نہیں ہیں۔ بلکہ قومی ہیں۔ ایک شخص جس نے ایتھنز کے کھیل دیکھے ہیں لکھتا ہے:۔ جمناسٹک اور کشتی کا ٹورنامنٹ سٹاڈیم کے اندر ہوا تھا۔ اصل میں یہ عمارت تیسری صدی مسیحی میں تعمیر ہوئی تھی۔ لیکن ایک وطن پرست نے بہت سا روپیہ صرف کر کے اسے از سر نو تعمیر کرادیا ہے یہ مکان پہاڑیوں کے وسط میں ہے۔ وہاں ساٹھ ہزار آدمیوں کے لئے گنجائش ہے تیس چالیس ہزار آدمی پہاڑیوں پر بیٹھ کر ٹورنامنٹ دیکھ سکتے ہیں۔ جب کھیل شروع ہوئے تو اوّل دو روز میں اوسطاً ایک لاکھ بیس ہزار تماشائی تھے۔ جن میں صرف ایک ہزار غیر ممالک کے اور باقی تمام یونانی تھے۔ چودہ روز تک مختلف فنون کے مقابلے ہوتے رہے*

ایران اور ہندوستان میں بھی زمانۂ قدیم سے فنون جنگی اور کھیلوں کے شوق کے لئے مشہور چلے آتے ہیں۔ اوّل الذکر ملک میں کشتی کا فن درجۂ کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ رستم۔ اسفندیار اور سہراب وغیرہ نامور پہلوان ہو گزرے ہیں۔ اس ملک میں جو کھیل مشہور چلے آتے ہیں۔ ان سے ہر شخص واقف ہوگا۔ اس لئے اسکے بیان کی چنداں ضرورت نہیں ہے مگر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہمارے ہموطنوں میں پرانے زمانہ کے کھیل کود کا شوق بہت مردہ ہو گیا ہے۔ البتہ کشتی

عام فوائد

ابتک ہر دلعزیزی حاصل کئے ہوئے ہے۔ ہمیں رفتارِ زمانہ کے مطابق چلنا چاہئے۔ کھیل کود سے نہ صرف جسمانی قواء ہی تکمیل پکڑتے ہیں۔ بلکہ دماغی قوتیں ترقی پکڑتی ہیں اس سے انسان کا کیرکٹر (خصلت) نیک اور استوار ہوتا ہے۔ بانک۔ پٹہ۔ لکڑی وغیرہ پورب میں بہت مروج ہیں۔ اور یہ جنگی فنون میں شمار ہونے چاہئیں۔ ہر ایک آدمی کو یہ فن حاصل کرنے میں پس و پیش نہیں کرنا چاہئے۔ تلوار چلانے کے بھی بہت سے کرتب ہیں۔ جن کا حصول بھی مفید ہے۔ علاوہ ازیں گتکا۔ کشتی رانی۔ کودنا۔ پھاندنا۔ دوڑنا وغیرہ عمدہ کھیل ہیں جن کی مشق ہر روز کرنی چاہئے۔ ہمارے خیال میں پرانے فنون اور کھیلوں کو اب علمی اصول پر قائم کرنے کا وقت آگیا ہے۔ تعلیم یافتہ اور وطن دوست اصحاب کو اس طرف ضرور اپنا خیال رجوع کرنا چاہئے۔ اسکولوں میں ان کھیلوں کے سیکھنے اور عادت ڈالنے کا بہت اچھا

نفع ہے۔ اس لئے ہمارا ارادہ ہے کہ وقتاً فوقتاً طلبائے مدارس کو بعض آسان کھیلوں کی مختصر کیفیت اور انکے اصول بتائے جائیں۔ جس پر عمل کرکے وہ بہت جسمانی اور دماغی فائدہ حاصل کرسکیں ۔

دوڑنے کا طریقہ

بعض لوگ کہینگے کہ دوڑنے کے واسطے کس تربیت اور ہدایت کی ضرورت ہے۔ ہر ایک آدمی دوڑنا جانتا ہے۔ بچوں کا سب سے بڑا کھیل دوڑنا ہے۔ عجلت سے پاؤں اُٹھائے اور رہوا ہوگئے۔ یہ تو درست ہے مگر دوڑنے کا ایک ڈھنگ ہوتا ہے جسے اختیار کرکے انسان دوڑنے میں سب پر سبقت لے جا سکتا اور اسے کمال پر پہنچا کر شہرت حاصل کرسکتا ہے۔ سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ آدمی کا بدن ہلکا پھلکا اور پھرتیلا ہونا چاہئے۔ ہڈی سخت اور مضبوط ہو۔ جوڑوں میں لچک اور چستی ہو۔ ٹانگوں کے رگ اور پٹھے کڑے اور لچک دار ہونے چاہئیں۔ دوڑنے میں ٹانگوں کو سب سے زیادہ اور پھر بازوؤں اور پھر دھڑ کو شریک ہونا پڑتا ہے۔ صرف دو ایسی حرکتیں ہوتی ہیں جن سے رفتار کی تیزی بڑھتی ہے۔ ایک تو آڑی قسم کی جنبش ہوتی ہے۔ جس میں کولہے سے بالخصوص اور تمام بدن سے عام طور پر کام لیا جاتا ہے۔ ٹانگوں کی حرکت کے ساتھ ہی دونوں پہلوؤں کو بھی جھٹکا دیا جاتا ہے۔ اس طرح پر گھٹنے کو بہت زیادہ خم دینے کے بغیر ہی آدمی بہت تیز دوڑ سکتا ہے۔ ٹانگ کی ترچھی جنبش ہی سے دوسری ٹانگ اور دھڑ حرکت پذیر ہو جاتا ہے۔ دوسری قسم کی حرکت میں صرف ٹانگ کام کرتی ہے۔ اور گھٹنے کو بھی اس میں کام کرنا پڑتا ہے۔ ران کے سامنے کے عضلات کے ذریعے سے ٹانگ اوپر اٹھائی جاتی ہے اور گھٹنا بھی اوپر کو بہت اونچا اُٹھتا ہے۔ پھر تمام ٹانگ سیدھی کی جاتی ہے جیسے کہ لگدزنی میں کیا جاتا ہے ۔

یہ عمل دلکی رفتار گھوڑوں کی حرکت سے بہت مشابہ ہے۔ اور جب ہرن قلانچیں بھرتا ہے تو اس وقت اس کی ٹانگوں کی وہی حالت ہوتی ہے جو اوپر

بیان کی گئی ہے۔ جب وہ قلانچ بھرتا ہے۔ تو اُسکی چاروں ٹانگیں دوہری ہو کر پیٹ کے قریب جا پہنچتی ہیں۔ دوڑنے کے دو ہی بڑے طریقے ہیں جن کا اُوپر ذکر ہوا ہے۔ آکسفورڈ اور کیمبرج کے بہت ہی تیز دوڑنے والے جوان کسی خاص ڈھنگ کے پیرو نہیں ہیں۔ بلکہ ہر دو طریقوں کے اصول پر عمل پیرا ہوتے ہیں +

لی میٹری جس نے ۱۸۷۵ء میں یونیورسٹیوں کے درمیانی ٹورنامنٹ میں پاؤ میل کی دوڑ میں انعام حاصل کیا تھا انتہا کا تیز رفتار تھا۔ دوڑتے وقت ہرن کی سی لمبی قلانچیں بھرا کرتا تھا۔ اس کے گھٹنے اس کی ٹھوڑی کی سطح پر پہنچ جاتے تھے۔ اگر چستی اور چابکدستی سے کام نہ لیا جائے۔ تو دوڑنے کا یہ طریقہ مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس کی خوبی اور فائدہ میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ لی میٹری اپنے ڈھنگ کے دوڑنے میں شہرت رکھتا تھا۔ پاؤ میل کی دوڑ اس سے کم وقت میں کوئی شخص ختم نہیں کر سکتا تھا۔ دوڑنے کا یہ ڈھنگ اس وقت تک اختیار نہیں ہو سکتا جبتک خاصی مشق نہ ہوگئی ہو۔ لمبی دوڑ میں اس طریقہ دوڑان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں وقت اور طاقت دونوں بہت ضائع ہوجاتے ہیں لیکن یہ طریقہ چھوڑنا بھی نہیں چاہئے +

دوڑنے والوں کی تین اقسام ہیں۔ ایک تو وہ جو پاؤ میل کی دوڑ میں بازی لے جانے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں جو آدھ میل یا پون میل یا میل کی دوڑوں میں جاتے ہیں۔ اور تیسرے ڈیڑھ۔ دو یا تین میل کی دوڑوں میں شامل ہوتے ہیں۔ جیسے کہ فاصلہ مختلف ہے۔ اسی طرح دوڑنے کا طریقہ بھی مختلف ہے۔ پاؤ میل والی دوڑ میں بازی لے جانے کے لئے ایسی تیزی اپنی رفتار میں پیدا کرنی چاہئے کہ تھوڑے سے تھوڑے وقت میں یہ فاصلہ طے ہوجائے۔ ایک ہی شخص میں یہ خوبی پیدا نہیں ہوسکتی کہ وہ پاؤ میل کی دوڑ میں اور نیز لمبی دوڑ میں مساوی طور پر بازی لے جانے کی قابلیت رکھتا ہو +

زمانہ کی نیرنگیاں

وہ لوگ جنہوں نے تواریخ انگلستان و ہندوستان کا مطالعہ کیا ہے۔ بخوبی جانتے ہیں کہ پہلے پہل عالم مشرق کی قیمتی پیداواریں بحیرۂ قلزم اور اسکندریہ کے راستے اہل وینس انگلستان کے ساحلوں پر پہنچاتے تھے۔ مگر جب راس اُمید کا راستہ کھل گیا۔ تو انگلستان کے سوداگروں نے مشرقی دُنیا سے براہ راست تجارتی تعلقات پیدا کرنے کا ارادہ کیا۔ چند ناکام کوششوں کے بعد اس غرض سے ایک ایسوسی ایشن (مجلس) قائم کی گئی۔ جس کو ایک شاہی سند کے رو سے تجارت کرنے کی اجازت مل گئی۔ یہ تجارتی مجلس ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے مشہور ہے۔ اور مبصرین کا خیال ہے کہ آج تک کسی کمپنی کو ایسی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ جو ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہوئی۔ سنہ ۱۶۰۰ء کے آخری دن اس کو چارٹر عطا کیا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ شیکسپیر اپنے عنفوان شباب میں تھا۔ اور لندن میں اپنے مشہور آفاق اور ہمیشہ یاد رہنے والے ڈرامے تصنیف کر رہا تھا۔ بیکن ایک مقنن کی شہرت حاصل کر رہا تھا اور اپنے قلم سے اقلیم سخن کو مسخر کرنے میں مصروف تھا۔ اور سب سے بڑھکر ییکو کے پارلیمنٹری سپیچوں نے ایک جہان میں دھوم مچا رکھی تھی +

وہ ڈل سیکس کی نیابت کا حق پوری سرگرمی سے ادا کر رہا تھا۔ سیلے شاہی دربار کا منظور نظر بنا ہوا تھا۔ اور زر و سیم کے انبار جمع کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اکولر کرامول ابھی بچہ ہی تھا۔ اور اپنے باپ کے گھر ہنٹنگٹن میں رہتا تھا۔ تخت پر ایک ملکہ جلوہ افروز تھی۔ مگر پیشتر اسکے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے گماشتے ہندوستان سے کوئی قیمتی مصالح یا صندل کی لکڑی کا کوئی ٹکڑا۔ یا ریشمی پارچے کا کوئی تھان انگلستان کی طرف بھیجتے۔ ملکہ الزبتھ ہمیشہ کے لئے ویسٹ منسٹر کے شاہی قبرستان میں گہری نیند جا سوئی۔ اکبر اعظم جو شاہان مغلیہ میں اپنی روشن ضمیری اور تدبر کے لئے مشہور ہے۔ دریائے جمنا کے کنارے پر حکمرانی کر رہا تھا۔ مگر قبل اسکے کہ اُس کے لوگ مغرب کے انتہائی گوشہ پر بسنے والوں سے

کوئی بعید یا غیر ممکن بات نہیں ہے۔ وہ آگرہ کے شہر جانشینوں میں آکر مگن ہو گیا۔ مکالے نے کے کہنے کو کچھ بھی نظر پکو خاک سے اٹھا کر افلاک پر پہنچا دیا ہے۔ اس ناواقفیت کا جو دونوں ملکوں کو ایک دوسرے کے حال سے تھی۔ نہایت موثر اور دلکش پیرایہ میں ذکر کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ” باخبر اور واقفکار انگریز ہندوستان کی باتیں سن کر اس کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ مگر اصل حال سے بالکل بے خبر تھے۔ باخبر ہندوستانی یہ بھی نہ جانتے تھے۔ کہ انگلستان کوئی ملک روئے زمین پر ہے۔ ہمارے بزرگوں کو ہندوستان کے بازاروں کا جو لوگوں سے پٹے ہوتے تھے۔ اور جن میں زربفت و کمخواب کے کپڑے اپنی جگمگاہٹ سے آنکھوں میں خیرگی پیدا کرتے تھے۔ ریشم کے تھان اپنی چمک دمک سے آفتاب کی روشنی کو شرماتے تھے۔ اور قیمتی پتھروں اور جواہر کے ڈھیر محو حیرت بناتے تھے کسی قدر علم تھا۔ شاہی محلات کہ جن کے سامنے وائٹ ہال اور ہیمپٹن کورٹ کچھ حقیقت ہی نہیں رکھتے۔ اور وہ افواج قاہرہ جو اس فوج سے دس گنا زیادہ ہیں جو آرمیڈا کے مقابلہ میں ٹلبری میں جمع کی گئی تھیں۔ ان کا حال خال خال لوگوں کو معلوم تھا۔ دوسری طرف غالباً دربار آگرہ کے کسی مدبر کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ غروب آفتاب کی جگہ ایک بڑا شہر لندن آباد ہے اور وہاں ایک عورت حکمرانی کر رہی ہے اور اسی نے فرنگیوں کی ایک جماعت کو ہندوستانی سمندروں میں جہازرانی کے حقوق عطا کئے ہیں انگلستان اور ہندوستان میں کسی شخص کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک دن تاجروں کی یہ جماعت ہندوستان پر حکومت کے پرچم اڑائیگی۔ اور وہ صوبے جو اکبر کے سامنے نہیں جھکے۔ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دینگے۔ اور یہ کہ یہ جماعت حکومت کے لئے اپنے گورنر مقرر کرکے بھیجیگی۔ اور اکبر کا جانشین اسکا وظیفہ خوار ہوگا۔“ مکالے نے مندرجہ بالا الفاظ غدر سے پہلے جبکہ ہندوستان ابھی براہ راست تاج برطانیہ کی نگرانی میں نہیں آیا تھا۔ حوالہ قلم کئے تھے۔ ایک روایت کے مطابق کمپنی کے پہلے ممبروں نے اپنے کاروبار کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے نگز ہیڈ ان جو بشپ گیٹ چرچ کے محاذ میں ہے۔ اجلاس کیا۔ مگر دوسری نسل نے اپنی ایک الگ عمارت تعمیر کرائی۔ اس عمارت کا نقشہ لندن کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ عمارت ملکہ الزبتھ کے زمانہ کی عمارتوں کی طرز کی تھی۔ یہ لکڑی بہ جوڑ

سے بنائی گئی تھی۔ سونے کی چمکاری کی گئی تھی۔ جب چوبی نقش رنگا گیا تھا۔ چاندی لگا ہوا تھا ایک کھینچی گئی تھیں۔ اور ایک چوبی لوح بنایا گیا تھا۔ جو بازار کی طرف جھانکتا تھا۔ اس عمارت کے متعلقہ اشخاص دنوں میں ہی مالدار اور دولتمند ہو گئے۔ تجارت سے معقول منافع ہوتا تھا۔ اور بہت سا ذخیرہ بھی نقد میں رہتا تھا۔ ان زرخیز مالداروں میں ایک عجیب مثال اس لڑکے کی ہے جو ہر صبح خوش خوش اپنے مالک کی دکان میں جاروب کشی کیا کرتا تھا۔ یہ لڑکا محنتی اور کفایت شعار تھا۔ اور اپنی عقل خداداد کی رسائی سے ثروت و امارت کے درجے کو پہنچ گیا۔ اور آخر میں مالک ایک اعظم خوبی راہبر بن گیا۔ اور نوابی کا خطاب حاصل کر کے سر جوسیا چائلڈ مشہور ہوا۔ اس نے چارلس ثانی اور جیمز ثانی کے پاس روپیہ جمع کیا۔ چنانچہ ایک قسط دس ہزار گنی سے کم کی نہ ہوتی تھی۔ اس نے لندن کے پاس ایک شاہانہ جگہ خرید کی۔ مچھلیوں کے تالاب بنوائے اور خوش رنگ درخت اگائے۔ اپنی دختر کا عقد ڈیوک آف بوفورٹ کے بڑے بیٹے سے کیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی میں دولت سے زیادہ ممتاز اور مقتدر ہو گیا + پہلے ایسٹ انڈیا ہوس کی جگہ دوسرا ۱۷۲۶ء میں بنایا گیا۔ اس میں ۱۷۹۹ء میں اور اضافہ کیا گیا۔ کمپنی کے مالک تو گھر بیٹھے دولت میں کھیل رہے تھے۔ نگران ان کے گماشتے یا تو کارخانوں میں مقید رہتے تھے یا قلعوں میں۔ ان کو راجاؤں اور نوابوں کو ٹوپی اتار کر فرشی سلام کرنا پڑتا تھا۔ مگر گذشتہ سے پیوستہ صدی کے وسط میں حالات میں فوری انقلاب ہو گیا۔ کلایو نے لیڈن ہال کے سوداگروں کی خدمت سرانجام دینے کے لئے میان سے تلوار نکال۔ کوٹ۔ کارنوالس اور دوسرے نبرد آزماؤں نے اسکی تقلید کی۔ فتح کی بدولت سیم و زر اور ہیرے جواہر کی ڈھیری لگ گئی۔ خوف زدہ راجے اور نواب دوستی کے سعادتمند میں سیم و زر کے دریا بہانے لگے اور خدا کی شان دیکھو کہ وہ اجنبی جو چند ایکڑ اراضی پر قانع تھے دس لاکھ مربع میل زمین کے مالک بن گئے۔ انگریز ملکی و فوجی افسر بن کر آنے لگے خالی ہاتھ آتے مگر دامن مراد گوہر مقصود سے بھر کر لے جاتے۔ البتہ رنگ کی سپیدی کسی قدر مبتدل بہ سیاہی ہو جاتی۔ کمپنی نے خوب دھڑلے کی حکومت کی۔ اور نوبت حکومت کو خوب دل کھول کر بجایا۔ آخر ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد یہ فیصلہ ہو گیا کہ کمپنی کے تمام اختیارات تاج کے تفویض کر دئے جائیں۔ لائبریری اور میوزیم بھی جو کمپنی کے ایوان واقع لیڈن ہال سٹریٹ سے متعلق تھے۔ امپیریل گورنمنٹ کے حوالے کر دئے گئے جب ہندوستان تاج برطانیہ کی

زرّین ملک کی تلاش۔ جس میں جنوبی امریکہ کے حالات ایک ناول کے پیرایہ میں نہایت دلچسپ طور سے بیان ہوئے ہیں۔ قیمت ۸ر

میرے رہنے کا گھر۔ جسم انسانی کا دلچسپ حال باتصویر۔ قیمت ۲ر

ننھے ننھے لوگ۔ کیڑے مکوڑوں کا دلچسپ حال باتصویر۔ قیمت ۲ر

سورج چاند ستارے۔ علم ہیئت کے متعلق ایک مبسوط اور جامع کتاب۔ جس میں اس وقت تک کی تمام نئی دریافتوں کا حال درج ہے۔ اجسام فلکی کے حالات نہایت سادگی کے ساتھ اور پُرلطف پیرایہ میں درج ہیں۔ باتصویر۔ قیمت ۸ر

علم الارض۔ جس میں طبقات زمین کی ساخت وغیرہ کا مفصل حال درج ہے۔ یہ علم جیالوجی کا پہلا ابتدائی رسالہ ہے جو اردو زبان میں شائع ہوا ہے۔ باتصویر۔ قیمت ۸ر

تاریخ روم۔ جس میں رومۃ الکبریٰ کے عروج و زوال و طرز حکومت کا مفصل حال درج ہے۔ قیمت ۱۲ر

خصلت۔ اسمائلز صاحب کی مشہور کتاب کیرکٹر کا ترجمہ۔ قیمت ۱۰ر

اصول تجارت۔ جس میں آجکل کی تجارت کے متعلق مفصل اصول و طریق کا حال درج ہے جن کا جاننا ہر ایک سوداگری پیشہ آدمی کو ضرور ہے۔ قیمت ۸ر

لڑکوں کا رہنما۔ اس کتاب میں اُن خرابیوں کا ذکر ہے جن میں مبتلا ہو کر لڑکے اپنی صحت جسمانی اور قوائے عقلی کو خراب کر لیتے ہیں۔ اور اُن سے بچنے کی تدابیر و ہدایات بیان کی گئی ہیں۔ نہایت مفید کتاب ہے۔ قیمت ۸ر

نوجوانوں کا رہنما۔ اس کتاب میں کم عمری کی شادی اور زناشوئی کے تعلقات اور جوانی کی بیہودگیوں اور غلط کاریوں کا جن سے جوانوں کی صحت جسمانی اور قوائے عقلی خراب ہو جاتے ہیں مرقع کھینچ کر اُن سے بچنے کی تدابیر و ہدایات درج کی گئی ہیں۔ نہایت مفید کتاب ہے۔ قیمت ۱۰ر

شوہر کا رہنما۔ تعلقات زناشوئی کے متعلق ہدایتیں۔ قیمت ۱۰ر

صفائی کی ضرورت کے متعلق ہدایات۔ قیمت ۳ پائی

بچوں کی پرورش کے متعلق ہدایات قیمت ۳ پائی

تاریخ مصر۔ جس میں قدیم زمانے کے مصریوں کے رسم و رواج۔ عادات و خصائل۔ تہواروں۔ معبودوں۔ علم الاصنام۔ نظام سلطنت۔ معرکہ آرائیوں۔ فتوحات۔ عروج و زوال کے اسباب۔ علوم و فنون وغیرہ وغیرہ کے مفصل حالات درج ہیں۔ نہایت مفید کتاب۔ قیمت ۸/ ✦

درخواستیں بنام سکرٹری صاحب پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور آنی چاہئیں

فیض بخش سٹیم پریس فیروزپور شہر میں سکرٹری صاحب پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور کے لئے چھاپا گیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۲۵

ترقی

اس رسالہ کی خریداری پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی
و ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیم نے مڈل پرائمری
نارمل سکولوں کے لئے منظور فرمائی ہے ۔

اور صاحب کنٹرولر گورنمنٹ ہند نے
بہت سی کاپیاں سرکاری مدارس
کے لئے جاری کرائی ہیں ۔

ایک علمی اخلاقی ۔ تمدنی ۔ ادبی مجلسی ۔ تاریخی اور صنعتی مضامین کا ماہوار رسالہ

قیمت سالانہ دو روپیہ آٹھ آنہ مع محصول ڈاک پیشگی یا بذریعہ ویلیو پے ایبل

جلد ۷ | لاہور ۔ نومبر ۱۹۰۸ء | نمبر ۱۱

فہرست مضامین

(اسداللہ کاتب)

فہرست کتب جدید

مشرق کی نابود شدہ تہذیب - جس میں قدیمی اقوام مثل فنیکی - ایرانی - عرب بابل وغیرہ کے حالات درج ہیں - قیمت ۶ ر +

قدما کی حکمت - جس میں لارڈ بیکن نے یونانیوں و رومیوں کے علم الاصنام میں سے مسائل حکمت نکالنے کی کوشش کی ہے - قیمت ۱۰ ر +

اوٹوپیا - جس میں ایک خیالی قوم کی طرز معاشرت و اصول حکمت وغیرہ ایک ناول کے پیرائے میں ایک فلاسفر نے اپنے خیال ظاہر کئے ہیں - قیمت ۶ ر +

آدوبس - رومی قیصروں کے عہد کا دلچسپ فسانہ - قیمت ۸ ر +

آنے والی قوم - نہایت دلچسپ علمی ناول ہے - قیمت ۸ ر +

علوم طبعیہ کی تاریخ - اٹھارھویں صدی کے آخر تک جس میں تمام تجربات - دریافتوں اور علمی ایجادوں کا مفصل حال درج ہے - قیمت عہ ر +

علوم طبعیہ کی تاریخ - اُنیسویں صدی میں - قیمت ۸ ر +

طلسم - سر والٹر اسکاٹ کے مشہور ناول طلسمان کا ترجمہ جس میں صلیبی لڑائیوں کے نہایت دلچسپ حالات ناول کے طرز پہ بیان ہوئے ہیں - قیمت ۱۲ ر +

مکالمات افلاطون - جس میں افلاطون کے چار مکالمات تمام و کمال یونانی سے ترجمہ کئے گئے ہیں - اور اُردو میں پہلی دفعہ شائع ہوئے ہیں - قیمت عہ ر +

تسخیر پنجاب - جس میں پنجاب کے انگریزوں کے قبضے میں آنے کا حال بطور ناول کے بیان کیا گیا ہے - نہایت دلچسپ ہے - قیمت ۸ ر +

ڈاکٹر جے کِل و میاں حمید - یہ ایک آدمی تھا لیکن دو جسم رکھتا تھا - قیمت ۶ ر +

جان ہیلیفیکس جنٹلمین - ایک نہایت دلچسپ انگریزی فسانہ ہے جس میں ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہیں کہ کس طرح وہ ادنے حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی سے ترقی کرکے دولتمند ہوگیا - نوجوانوں کے لئے نہایت مُفید اور اُبھارنے والا ہے - جلد اول ۱۲ ر +

ترقی

لاہور - بابت ماہ نومبر ۱۹۰۸ء

ایڈیٹوریل نوٹس آجکل ٹرکی کی حالت مخدوش ہے۔ اس لئے کہ وہاں پارلیمنٹ قائم ہوجانے کے بعد ٹرکی کی رعایا کے اُس حصے نے جو ترک نہیں ہے اپنے لئے مساوی حقوق طلب کئے۔ روس جو ہمیشہ سے ٹرکی کے خلاف ہے اور آسٹریہ بھی یہ چاہنے لگے کہ حقوق مانگنے والوں کو ورغلا کر اپنا اُلّو سیدھا کریں لیکن اس موقع پر انگلستان ٹرکی کا ساتھ دے رہا ہے۔ اُس نے فرانس کو بھی ٹرکی کی مدد کے لئے آمادہ کر دیا ہے۔ انگلستان ٹرکی کا مددگار اس خیال سے ہے کہ انگلستان کی رعایا میں مسلمان بکثرت ہیں۔ انگلستان کا یہ عمل کُل دُنیا کے مسلمانوں کی شکرگزاری کا باعث ہوگا۔ اور مسلمان رعایا پہلے کی نسبت اب اور زیادہ انگلستان کی وفادار ہوجائیگی ہندوستان کے مسلمانوں کو انگلستان کا خاص طور پر شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

ایران میں بادشاہ اور رعایا میں اب تک حقوق کی بابت فساد چلا آتا ہے بہت کچھ کشت وخون ہوچکا ہے۔ لیکن نہ بادشاہ اپنے ارادے سے پیچھے ہٹتا ہے اور نہ رعایا۔ رعایا پارلیمنٹ طلب کرتی ہے اور بادشاہ بوجوہات اُسکے دینے سے انکاری ہے۔ دیکھئے کیا انجام ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک ممکن ہو جلد اس کا خوشتر طریقہ میں خاتمہ ہونا چاہئے۔ ولایت کی خبروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دول یورپ اور خاص کر انگلستان بادشاہ اور رعایا میں صلح کرانے کی کوشش میں ہیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو صلح کراتے ہیں۔

جو لوگ سدیشی تحریک کے قائل اور عامل ہیں اُن کا سب سے اول فرض

یہ ہونا چاہئے کہ وہ بجائے مُضر کارروائیوں کے یورپ کے علوم وفنون کو ہندوستان کی خاص خاص زبانوں میں ترجمہ اور تالیف کے ذریعے لائیں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے عام لوگ مغربی علوم سے جلد تر آشنا ہو جائینگے۔ اور ملک کو بیحد نفع پہنچیگا۔ جاپان نے سب سے اول اس اصول کو پکڑا۔ اسی لئے وہ کوئی تیس بتیس سال کے عرصہ میں ترقی کرکے مہذب اور اوّل درجہ کی اقوام میں شمار کیا جانے لگا۔ کچھ شک نہیں کہ کسی ملک کی حقیقی ترقی کا کارآمد اور معقول ذریعہ محض علوم وفنون کا حاصل کرنا ہے۔ اگر یہ اُنکو ملک کی زبان کے ذریعے سے سکھلائے جائیں تو جلد نفع ہوتا ہے۔ حامیان سدیشی کو سب سے اول سدیشی کے اس پہلو پر توجہ دینا چاہیئے۔ اگر وہ ایسا کریں تو یقیناً گورنمنٹ جو تعلیم کو ترقی دینے کی دلدادہ ہے اس کام میں دل سے اور بیحد مدد دیگی۔

قحط کی سختی دُور کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ علاوہ گورنمنٹ کے پرائیویٹ جماعتوں نے بھی قحط زدوں کی امداد کے لئے عارضی امدادی فنڈ قائم کئے۔ بعض جگہ مستقل امداد کا کام شروع کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ملک میں قومی بیداری پیدا ہو گئی ہے اور ہندوستان کے لوگ سمجھنے لگے ہیں کہ وہ سب ایک ہی نسل سے ہیں۔ اور یہ کہ مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کرنا سب سے افضل کام اور بہترین ملکی خدمت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ اپنے بھائیوں کی مدد کرنا ہی بہتر خدمت ہے۔ قومیں اسی اصول پر کاربند ہو کر ترقی کرتی ہیں ؛

ملک مُعظّم کے شاہی اعلان سے واضح ہوا کہ گورنمنٹ اپنی طرف سے رعایائے ہندوستان کے ساتھ رعایت اور عنایت کا برتاؤ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اور ابھی تھوڑے ہی عرصہ بعد بہت سے قیدی بھی رہا کئے جائینگے۔ جو نیک خیال کہ اس اعلان کی تہ میں پوشیدہ ہے اُس سے آیندہ بہت کچھ فائدہ ہونے کی امید ہے ؛

دلچسپ علمی خبریں اور ایجادیں

اخبار سائنس سنٹنگ رقمطراز ہے کہ ڈاکٹر لیسٹر نے عمل جراحی کے ذریعے ایک نوجوان ہنری - آر - لیسر کو جس کی بینائی ۹ سال کی عمر میں جاتی رہی تھی اور جو ۱۵ سال تک بینائی سے محروم رہا پھر اس قابل بنا دیا کہ اُسے بینائی مل گئی چنانچہ ایک خرگوش کی آنکھ میں سے آنکھ کا ڈھیلا نکال کر مسٹر لیسر کی آنکھ کے ڈھیلے کی جگہ لگا دیا - عمل جراحی کو تین ماہ گزر چکے - لیسر اب بارہ انچ کے فاصلے سے انگلیوں کو شمار کر لیتا ہے اور رنگوں میں بھی تمیز کرنے لگا ہے - وہ بلا کسی کی مدد کے باہر جا اور آسکتا ہے ✣

ڈاکٹر سر لوڈر برنٹن نے تجربہ سے معلوم کیا ہے کہ مرض ذیابیطس میں چھاچھ جو دودھ میں سے مکھن نکالنے کے بعد باقی رہ جاتی ہے بہت مفید پڑتی ہے - اس کے استعمال سے مریض کی پیاس بجھ جاتی - چھاچھ میں سے اُسے غذا بھی مل جاتی ہے اور شکر لیکٹک ایسڈ (ایک قسم کا نمکین تیزاب) کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے - بالائی اترا ہوا دودھ بھی اس مرض میں مفید پڑتا ہے - لیکن زیادہ مفید چھاچھ ہوتی ہے - اُسے اس طریقہ میں استعمال کیا جائے کہ کئی خوراک چھاچھ ایک برتن میں بھر دی جائے - جتنی دو دن کے بعد ختم ہو جائے ۔۔۔ اس میں ملا دی جائے - او علیٰ ہذا ✣

ملیریا کا نیا علاج - فرانس کے ایک ڈاکٹر کو نے میڈیکل سوسائٹی فرانس میں اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ اگر مریض ملیریا کی رگوں کے اندر پچکاری کے ذریعے سے متھیلین داخل کی جائے تو جلد صحت ہو جاتی ہے - جن مریضوں کو ملیریا کے دورہ نے کونین کے استعمال سے نہیں چھوڑا اُن کو اس دوا کے ۰۵ سینٹی گرام سیلول (یہ بھی ایک دوا ہے) میں ملا کر دن بھر کی خوراک بنانے اور مریض کے جسم میں داخل کرنے سے صحت ہو گئی - جن مریضوں کو

لرزہ زور سے چڑھتا ہو اُن کے جسم میں تھوڑی دیر بعد یہ دوا داخل کیجاتی ہے

ایک عجیب و غریب سال۔ سال ۱۸۰۹ء میں دُنیا کے نو مشاہیر کی سالگرہ ہوئی تھی۔ گویا اُنیسویں صدی کی تاریخ میں یہ سب سے مشہور سال تھا۔ نو مشاہیر میں سے ۸ یورپین تھے۔ جن میں چار انگریز تھے۔ یعنی ٹینیسن۔ گلیڈ اسٹون۔ ڈارون اور فزجیرالڈ۔ ایک جرمن اور یہودی نسل سے تھا یعنی مینڈل سون۔ ایک پولینڈ اور فرانس کی نسل سے تھا یعنی چوپن۔ تین امریکن تھے۔ یعنی لنکن۔ پو۔ ہومز ان نو میں سے دو انگریز نہایت مشہور تھے۔ ایک چارلس ڈارون جو مسئلۂ ارتقا کا پیشرو تھا۔ اور دوسرا ملک الشعرا لارڈ ٹینیسن ؛

اخبار سائنس منٹنگز لکھتا ہے کہ ابھی حال میں فرانس کی اکیڈمی آف سائنس میں ایک سائنس داں نے ایک مضمون پڑھکر سنایا جس کا مطلب یہ تھا کہ ایسی آتشبازی بھی بن سکتی ہے جس میں سے علاوہ دیگر خوشنما مناظر کے انسانوں کی آوازیں اور بات چیت بھی پیدا ہوتی ہو۔ مختلف قسم کی اشیا کو مناسب مقدار میں ملانے سے حروف علت اور حروف صحیح کی آوازیں پیدا ہو کر الفاظ بنا ئینگی ؛

معدہ کے اندر کی تصویر۔ میونچ میں ایک سائنس داں طبیب نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے۔ اس آلہ کو مریض نگل جاتا ہے۔ معدہ کے اندر پہنچ کر آلہ میں کا برقی لیمپ جگمگا کر معدہ کو روشن کر دیتا ہے۔ اور معدہ کی تصویر اتر آتی ہے۔ آلہ کے اُس حصہ میں جو باہر رہتا ہے ایک بٹن ہے۔ جسکے دبانے سے لیمپ روشن ہو کر گردش کرتا ہے اور اُس کی روشنی کی مدد سے کل معدہ کی تصویر اُتر آتی ہے۔ اس سے معدہ کے اندر کی حالت اور امراض کے معلوم کرنے میں بیحد مدد ملتی ہے ؛

ایک محقق سائنس داں نے تحقیقات کے ذریعہ سے معلوم کیا ہے کہ قدیم بابل کے لوگوں کو اعصابی کمزوری کے امراض نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے کہ وہ سادہ غذا کھاتے تھے۔ روٹی اور پانی۔ حالانکہ شراب اور کھجور کا عرق اور گوشت بھی استعمال کرتے تھے۔ لیکن صرف "روٹی اور پانی" کو ساری غذاؤں پر ترجیح دیتے تھے اسی لئے اُن کو اعصابی امراض نہیں ہو سکتے تھے ؛

تاریخ پالیٹکس

ریاست اور ملکیت

پولیٹیکل معاملات میں کوئی اور بات اس قدر زیر بحث نہیں رہی جس قدر کہ ملکیت کا سوال۔ اس مسئلہ میں اور باتوں پر تاریخی طریق کا اطلاق بھی اس سے زیادہ نہیں ہوسکتا جس قدر کہ ملکیت پر۔ ملکیت کا تعلق خیالی باتوں سے نہیں ہے۔ بلکہ سچے واقعات سے۔ ہم اس مضمون کی ابتدا اس سوال سے کرتے ہیں کہ "ملکیت کیا شئے ہے؟" اصطلاحی باتوں سے قطع نظر کرکے ہم اس کا جواب سادہ الفاظ میں دیتے ہیں کہ یہ وہ ہے جو کہ ملکیت ایک حق ہے جو ایک انسان یا انسانوں کی ایک جماعت کو دیا جاتا ہے۔ اور جس کے ذریعے وہ اپنے ذاتی فوائد کی غرض سے بہت سے مادی چیزوں کو جو مادی معاملہ سے متعلق ہوں حاصل کرسکتا ہے یا کرسکتے ہیں۔

حق۔ حق سے مراد کیا ہے؟ وہ ایک اختیار ہے جس کی ابتدا پبلک خیال یا رائے سے ہوتی ہے۔ اگر ہم کوئی کتاب کھلے خزانہ اور ایمانداری سے خریدیں تو پبلک کی رائے ہمارے اس سودے کو جائز قرار دیگی اور ہمیں اختیار ہوگا کہ ہم کتاب کو جس طریقہ میں چاہیں استعمال کریں۔ گزشتہ زمانہ میں پبلک رائے کا اظہار مبہم طریقہ میں ہوتا ہے۔ اسکے بعد کے زمانہ میں اسکی قانونی حد قائم کی جاتی ہے جسے حکام مقرر کرتے ہیں۔ بعض حالتوں میں حق کے استعمال کی اس لئے مخالفت کی جاتی ہے کہ آیا وہ استعمال رواج میں نہیں ہونا یا یہ کہ اسکے بارے میں عام رائے میں تبدیلی ہوجاتی ہے۔ مگر اس میں شک نہیں حق خواہ موجودہ زمانہ سے متعلق ہو یا گزشتہ سے۔ مگر ہے پبلک رائے کا نتیجہ ٭

حق انسان کو دیا گیا۔ انسان میں ملکیت سے متعلق بہت سے خیالات اور خواہشیں جانوروں کی رائے کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں۔ جس کسی نے کتے کو ہڈی دبانے

یہ بندر کو پھل چراتے دیکھا ہے وہ اس خیال میں شک نہ لائیگا۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جانوروں کو بھی ملکیت کا حق حاصل ہے۔ اس لئے کہ عام رائے اُن کو اس کے استعمال کے قابل نہیں سمجھتی ۔

حق محدود ہے۔ حق ایک انسان یا انسانوں کی ایک جماعت تک محدود ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ چیزوں کے ایک ذخیرہ کا مالک انسان یا انسانوں کو بنا دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ہم ملکیت کو عام ملکیت کے لفظ سے یاد کرتے ہیں مگر یہ کہنا اس کے اصلی معنی کے خلاف ہے۔ اس لفظ سے ظاہر ہے کہ ایسی ملکیت کسی خاص آدمی کی نہیں ہے۔ اس لئے اُسے ہر کوئی استعمال کر سکتا ہے۔ مگر ایسی ملکیت کے لئے لفظ ملکیت نہیں۔ بلکہ کوئی اور ہی لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہم یہ کہتے ہیں کہ انگلستان انگریزوں کی ملکیت نہیں بلکہ ملک ہے۔ اگر اُس کے لئے لفظ ملکیت استعمال کیا جاتا تو یہ معنی ہوتے کہ اس کا مالک کوئی خاص گروہ یا شخص ہے۔

ملکیت کا حق مادی چیزوں پر ہوتا ہے۔ اگرچہ محاورہ میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں خیالات کی ملکیت۔ مگر یہ کہنا درست نہیں۔ کیونکہ خیالات کسی خاص آدمی یا خاص جماعت کا حصہ نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ ایک ہی وقت میں بہت سے لوگوں میں پیدا ہو سکتے ہیں اور نہ اُن کی حفاظت ہو سکتی ہے۔ اس لئے ملکیت کا لفظ صرف مادی چیزوں پر صادق آسکتا ہے ۔

ملکیت کا تعلق عام اغراض سے ہے۔ ملکیت کا حق بہت سے فواید معلومہ اور غیر معلومہ سے ہے۔ اگر کوئی ایک گھوڑا ایک دن یا ایک مدت کے لئے کرایہ پر لے تو وہ اُس کا مالک نہیں کہلاتا۔ حالانکہ اُس کی بابت لفظ میرا گھوڑا اُس وقت تک کے لئے استعمال ہو سکتا ہے جب تک کہ وہ کام میں رہے۔ لیکن جب کسی کو ایک گھوڑے کو پبلک خیال کے مطابق ہر طریقہ میں استعمال کرنے کا حق حاصل ہو تو وہ اُس کا مالک کہلاتا ہے۔ غلامی کے استیصال کے وقت سے انسانوں میں سے ملکیت اُٹھ گئی۔ اگرچہ ایک شخص کو دوسرے شخص یا کسی چیز پر کوئی حق حاصل ہوتا ہے لیکن وہ حق محدود ہوتا ہے ۔

موجودہ خیال - یہ دیکھتے ہوئے کہ گزشتہ زمانہ میں انسان کی ابتدائی تاریخ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حق کس کو اور کب ملا تھا - آجکل کا مروجہ لفظ ملکیت بے معنی سا ہے - ہم کسی قوم کی ملکیت نہیں - اگرچہ تو اس خیال سے کہ اس سے کام لیا جاتا ہے - مگر آیندہ ضروریات اور خیالات کے اعتبار سے وہ ملکیت ہو سکتا ہے اُس وقت اول تو وہ ملک [illegible] ہوگا [illegible] جو حصہ جس قوم کے قبضہ میں ہوگا وہ اسی کی ملکیت کہلانے لگیگا - لفظ ملکیت کے اعتبار سے تو سمندر کے بعض حصوں پر بعض اقوام کی ملکیت کا اطلاق [illegible] جب انسانوں کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ وہ جس [illegible] سے فائدہ اٹھاتے ہیں وہ اُن کی [illegible] تب ہی ملکیت کے خیال کی ابتدا ہوجاتی ہے [illegible] ملکیت [illegible] تھے جن سے وہ اپنی حفاظت یا پیٹ آرام کی چیزوں مثلاً چراگاہوں [illegible] رہائش گاہوں وغیرہ کی حفاظت کرتے تھے - یا جن سے وہ خوراک حاصل کرتے تھے - مگر ابتدا اس طرح ہوئی کہ وہ [illegible] کو ملکیت نہیں سمجھتے تھے - کیونکہ [illegible] کو [illegible] ہو کر گزرنے دیتے تھے [illegible] بیٹھتے تھے - مگر گھاس یا چارہ کو [illegible] سمجھتے تھے - اور [illegible] دوسرے [illegible] استعمال کرنے پر اعتراض کرتے تھے - لیکن جب انسان گلہ بان کی زندگی بسر کرنے لگے تو وہ [illegible] چیزوں مثلاً مویشی اور اوزار وغیرہ کو ملکیت ماننے لگے - یہاں تک کہ ہر شخص کا خاندان مع لوگوں اور چیزوں کے اس کی ملکیت مانا جانے لگا - جب قوموں کے فرقے در فرقے ہوئے یا جب اُن میں مبادلہ کا خیال پیدا ہوا تو ملکیت کا خیال زیادہ واضح اور زیادہ زبردست ہو گیا - گویا کاشتکاری سے پیشتر یہ باتیں ملکیت کی دلیل ہیں :- قبضہ - پیداوار - لوٹ - مبادلہ - مگر جب کاشتکاری کو رواج ہوا تو زمین بھی ملکیت قرار دی گئی - اور ملکیت کا خیال بالکل صاف ہو گیا - جو شخص زمین [illegible] جوتتا تھا وہ اس کی ملکیت سمجھی جاتی تھی لیکن ملکیت کا سوال اُس وقت بھی طے نہ ہو سکا - مگر جب ریاست کا خیال پیدا ہوا تو مالکان اراضی کی بھی ایک جماعت پیدا ہوگئی جو اراضیوں کی مالک مانی جانے لگی - اور اُس وقت سے لوگوں میں ملکیت کا خیال بالکل ہی صاف اور پختہ ہو گیا۔

ریاست کا وطیرہ - ریاست کے خیال کا ظہور جس میں اقتصادی تاثرات بھی شامل

ہوگئی تھیں اُس نے ملکیت کے ارتقا یا ترقی کو درجہ کمال پر پہنچا دیا۔ اس سے دو باتوں کا ظہور ہوا۔ ایک یہ کہ زمینداروں کا فرقہ پیدا ہوگیا۔ اور دیہاتی جماعتیں مفقود ہوگئیں ۔

۱۔ زمینداری۔ ریاست کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ وہ مختلف حصوں پر اپنے قائم مقام لگان وصول کرنے۔ فوج بھرتی کرنے اور امن قائم رکھنے کے لئے مقرر کرے۔ اُن کا منصب ایسا ہی تھا جیسے کہ آجکل ایک ضلع کے کلکٹر یا ڈپٹی کمشنر کا بحیثیت حکمران ہوتا ہے نہ کہ مالک۔ لوکل حکام کے مقرر کرنے سے ریاست کا منشا یہ نہ تھا کہ انہیں اراضی کا مالک بنا دیا جائے۔ لیکن ذیل کی وجوہات سے وہ مالک بن گئے یعنی زمیندار نے۔ **وراثت۔** لوکل حاکم کسی فرقہ یا قبیلہ کا قائم مقام یا سردار ہوتا تھا۔ اور چونکہ اُس کا منصب موروثی ہوتا تھا۔ اس لئے اُس کی حکمرانی جو ریاست سے ملی تھی موروثی ہوگئی۔ "جاگیرداری بدون خدمات فوجی" کا یہ ایک نمایاں خاصہ تھی۔ اور موروثی منصب جلد تر ملکیت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ **لگان۔** لوکل حکام کو اپنے منصب کی عوض میں ایک مقررہ تعداد لگان کی دینا پڑتی تھی۔ جب وہ لگان ادا نہیں کرتا تھا تو اُس کا منصب کسی دوسرے کو دیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ لگان [illegible] مقرر ہونے کے بعد موروثی حکام اپنے زیر اثر اراضی کو جس کا انہیں لگان دینا پڑتا تھا اپنی ملکیت سمجھنے لگے۔ **منافع۔** اگرچہ موجودہ زمانہ میں حکام کو خدمت یا منصب کا معاوضہ ماہوار تنخواہ ملتا ہے۔ اور جس لگان کو وہ وصول کرتے ہیں وہ سرکار یا ریاست کا حق سمجھا جاتا ہے۔ لیکن قدیم زمانہ میں جس قدر لگان کہ ایک حاکم وصول کرتا تھا اُس میں سے ایک مقررہ رقم ریاست کے حوالے کرکے باقی بطور منافع کے اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ اس سے بھی ملکیت یا زمینداری کے خیال کو تقویت حاصل ہوئی۔ **اراضی۔** قدیم زمانہ میں لگان زراعت سے یا یوں کہو کہ زمین کے پھل سے لیا جاتا تھا۔ اس لئے زمین کے حاکم زمین ہی کو لگان کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اس سے یہ دو باتیں پیدا ہوئیں۔ ایک یہ کہ آبادی کی ترقی سے زمین کی قدر و قیمت بڑھ گئی۔ اور جو کسان لگان وقت پر نہیں دیتے تھے اُن کو حاکم زمین سے علیحدہ کر دیتا تھا۔ دوسری یہ کہ حاکم کو نئی زمینوں کو قابل کاشت بنانے کی خواہش ہوئی تاکہ زیادہ لگان مل سکے۔ ان کاموں کو انجام دینے سے حاکم اپنے کو خود بھی زمین کا مالک سمجھتا تھا اور دوسرے بھی اسے ایسا ہی خیال کرتے تھے۔ اس لئے قدیم زمانہ میں حاکم مالک زمین کہلاتا تھا رفتہ رفتہ وہ

زمیندار کہلانے لگا +

۲۔ دیہاتی جماعتوں کا مفقود ہونا۔ قدیم زمانہ کا کاشتکار ایک معنی سے زمین کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ جب تک وہ گاؤں کے رسوم و رواج کی پابندی کرتا اور اپنا لگان نقد یا جنس کی صورت میں وقت پر ادا کرتا اور گاؤں کی ذمہ داریوں میں شریک رہتا تھا تب تک زمین اسکے قبضے میں رہتی تھی۔ لیکن اسے نہ تو زمین کے منافع کو عطیہ یا بیع کے ذریعے سے علیحدہ کرنے کا حق حاصل تھا اور نہ اپنی زمین کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کا حق۔ ان ہی دونوں باتوں کے لحاظ سے یہ کہا جاتا ہے کہ دیہاتی جماعتیں مفقود ہو گئیں۔ جنکے اسباب یہ ہیں :۔ **منافع کا انتقال۔** بادشاہ ابتدا ہی سے دیہاتی جماعتوں کے خلاف تھے۔ وہ گاؤں سے صرف ایک مکھیا کے ذریعے سے تعلق رکھتے تھے۔ بادشاہ دیہاتی جماعت کو اپنے ممبروں کو قصور پر سزا دینے کے اختیار کے خلاف تھے۔ اسی طرح وہ غیر جگہ کے لوگوں کو کسی گاؤں میں فرمان کے ذریعے سے زمین دے سکتے تھے۔ **بیع۔** بادشاہ کسی گاؤں کی اراضی کو دوسرے گاؤں کے لوگوں کے ہاتھ بیع کرنا چاہتے تھے۔ اس میں انہیں بڑی کوشش سے اور بڑی مدت بعد کامیابی ہوئی۔ اور اس طرح کہ جو لوگ لگان نہیں دیتے تھے ان کی زمین بادشاہ کی زمین ہو جاتی تھی۔ **باڑے۔** قدیم زمانہ کے بعد ہی لوگ اراضی کے گرد جھاڑیوں کے احاطے کھینچ لیتے تھے۔ اور ایسی اراضی سے چراگاہ کا کام لیکر مویشی کی تجارت کرتے تھے۔ اس سے دستکاریوں کو ترقی ہوئی۔ ایسی زمینوں میں مالکان زمین مکانات بنانے لگے۔ اس سے اصلی گاؤں کی قدر اور رونق کم ہوتی گئی۔ اور کسان تباہ ہونے لگے۔ کیونکہ زراعت کو تنزل ہوا اور دستکاریوں کو عروج۔ رفتہ رفتہ قبضہ۔ لوٹ۔ پیداوار اور مبادلہ کے علاوہ زمینداری۔ لگان اور اقتصادی ترقی بھی "ملکیت" کو ترقی دینے والے ہوئے +

ریاست اور انصاف

اگرچہ فی زمانہ انصاف بادشاہ یا فرمانروا کے نام سے کیا جاتا ہے۔ لیکن قدیم زمانہ

میں یہ بات نہ تھی۔ بلکہ اُس کا تعلق ریاست سے تھا اور اُس کی ابتدا بھی تاریخی پہلو لئے ہوئے ہے۔

انصاف کی بابت قدیم خیال ۔ انصاف کی بابت قدیم خیال بدلہ یا انتقام تھا۔ اخلاقی جرم پر تو لوگ فرقہ یا برادری سے خارج کئے جاتے تھے۔ اور قتل کی سزا قتل تھی۔ گویا انتقام۔ لیکن اس کی جگہ بعد میں جرمانہ مقرر کیا گیا۔ ملکیت کے ساتھ چوری کا رواج ہوا۔ اس لئے سزا میں انتقام کی جگہ جرمانہ یا جسمانی سزا جاری کی گئی۔

پہلے ذی اختیار حاکم نہ تھے ۔ قبائل میں کوئی حاکم با اختیار بجبر جرمانہ وصول کرنے کے لئے نہ تھا۔ بلکہ یہ جرمانہ ارادی تھا۔ اگر فریقین میں جرمانہ کے ادا نہ ہونے پر نزاع ہوتا تو جنگ ہوتی تھی۔ جرمانہ کی سزا سرکاری جرم کے لئے کافی نہ تھی۔ اور نہ ایسے جرم کے لئے جس کا عوض جرمانہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ایسے لوگ گاؤں سے نکال دیئے جاتے تھے۔ یہاں سے اُن جرائم کی جن کی سزا تبدیل دے سکتا تھا یا ریاست دے سکتی تھی تمیز شروع ہوئی۔ جن جرائم کا عوض ہی نہیں ہو سکتا تھا ان کی سزا ریاست ہی سے مقرر ہوئی۔ یعنی مجرم کے خارج یا جلاوطن کئے جانے کی جگہ اس کے لئے جسمانی سزا یا مال کی ضبطی یا جرمانہ تجویز کیا گیا۔

شاہی امن ۔ بادشاہ ہنگامہ یا بدنظمی سے ہمیشہ ناخوش ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ عام اغراض اور امن میں رخنہ ڈالتے ہیں۔ اس لئے یہ قرار دیا گیا کہ تمام شدید جرائم بادشاہ یا ریاست کے خلاف ہیں۔ اور ایسے مجرم کو ریاست کی طرف سے سزا دی جائے۔ پہلے تو قاتل کو مقتول کے رشتہ دار قتل کر دیتے تھے۔ مگر اب نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ گرفتار ہو کر سرکار کی حفاظت میں آ جاتا ہے۔ جو اُسے سزا دیتی ہے۔ اس طرح جرائم کی دو قسمیں کی گئیں۔ ایک ارادی۔ ایک غیر ارادی۔ پہلی قسم بالعمد کہلاتی ہے۔ اور دوسری اتفاقیہ۔

شاہی امن کی حد ۔ جو جرائم شدید نہ ہوں اُن میں مجرم کو بادشاہ معاف کر سکتا ہے۔ بالعمد جرائم کو سرکاری جرائم کہتے ہیں۔ شدید جرائم سرکاری جرائم ہوتے ہیں۔ مثلاً چوری۔ زنا بالجبر۔ ڈاکہ۔ قتل۔ ان کی سزا ریاست یا سرکار تجویز کرتی اور دیتی ہے۔

بغاوت - شدید جرائم میں سب سے بڑا جرم بغاوت ہے۔ ریاست ایک فوجی انجمن ہوتی ہے۔ اور رعایا کو ریاست یا سلطنت کے ساتھ وفادار رہنا چاہئے۔ جو بات یا فعل ریاست کو براہ راست یا غیر واسطہ طور پر نقصان پہنچائے وہ بغاوت ہے۔ اُسکی سزا ریاست دیتی ہے۔ اس طریقہ میں مختلف جرائم کے لئے مختلف سزائیں اور مختلف حاکم سزا دینے کے لئے مقرر کئے گئے۔ یہاں تک کہ جرائم کا ایک بڑا محکمہ اور قانون بن گیا۔ جیسا کہ آجکل ہے۔

سرکاری اور رنج کے جرائم - عام لوگوں کے خلاف جرائم میں بادشاہ کو سزا دینے کا حق حاصل ہونے سے پیشتر فرقہ کے قبائل یا جاگیردار جرائم کا فیصلہ کرتے تھے۔ اُس وقت جرائم رنج کے جرائم کہلاتے تھے۔ بادشاہ کی طرف سے جاگیردار یا قبیلہ کے سردار کے پاس کچھ فوج رہتی تھی اُسے جرائم کے فیصلے کا اختیار حاصل ہوتا تھا۔ پس وہ تحقیقات کر کے لوگوں کو اُسکے ساتھ لڑائی کے ذریعے سے فیصلہ کرنے کا حکم دیتا تھا۔ ایسی لڑائی کے لئے قاعدے مقرر کرتا تھا۔ ایسا فیصلہ پنچائتی فیصلہ بھی کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات لڑائی کی جگہ تاوان دلایا جاتا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ خود بادشاہ اپنے مقرر کئے ہوئے حکام کے ذریعہ سے سزا دلانے لگا۔ اس وقت جرائم سرکاری جرائم کہلانے لگے۔ اور اس طرح جاگیرداری کا زور گھٹ گیا۔

ریاست اور جاگیرداری کا جھگڑا - یہ جھگڑا مدتوں رہا۔ بعض اوقات ریاست کو غلبہ ہوا اور بعض اوقات جاگیرداری کو۔ مگر جھگڑا تھا سخت۔ اُسکی غرض صرف یہ تھی کہ جاگیردار کو نہیں۔ بلکہ بادشاہ یا ریاست کو ہر قسم کا اختیار حاصل رہتا ہے۔ جاگیرداری کے سلسلہ یا طریقہ کا اثر یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ریاستوں کے حصے ہو گئے۔ جاگیردار خود مختار بن گئے۔ اُن کی رعایا اُن ہی کو اپنا فرمانروا سمجھنے لگی۔ اور بادشاہ کے خلاف اُن کی مدد کرنے لگی۔ لیکن بادشاہ نے جاگیرداری کے طریقے کو اس طرح گھٹایا کہ اول تو یہ قرار دیا کہ فوج صرف بادشاہ رکھ سکتا ہے جو صرف بادشاہ کے حکم کی تابع ہوگی اور اُسی کی خدمت کریگی۔ دوسرے یہ کہ لگان یا خراج صرف بادشاہ ہی کو دیا جائے تیسرے یہ کہ جرائم کا فیصلہ اور انصاف صرف بادشاہ ہی کرنے

جاگیرداری کی طرح انصاف معابد - جرگوں - سوداگروں اور قبائل سے بھی کرایا جاتا تھا - اس میں دقت بھی ہوتی تھی اور انصاف بھی خوشتر طریقے میں نہیں ہو سکتا تھا - شاہی انصاف اچھا ہوتا ہے - اور اُسکے اچھے ہونے کے وجوہات یہ ہیں :-

طاقت - جاگیرداری وغیرہ کا انصاف کمزور تھا - اگر مجرم بلانے سے نہیں آنا چاہتا تھا تو وہ آنے کے لئے مجبور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا - گویا جاگیرداری وغیرہ ذی اختیار نہ تھی - اُس وقت جرائم سے تعلق رکھنے والا کوئی نہ کوئی فریق فریب یا ضد یا پہلوتہی سے کام لے سکتا تھا - لیکن شاہی انصاف میں کوئی روک نہیں ہو سکتی - اگر مجرم بلانے سے نہ آئے یا انصاف سے متعلق حکم کو نہ مانے تو اُسے سزا دی جاتی ہے - اُس کا مال اسباب - یا جائداد ضبط کی جاتی ہے اُسے تمردی پر حوالات میں رکھا جاتا ہے اور اُس کا انصاف کیا جاتا ہے - حاکم کی قابلیت دینی پیشوا اور جاگیردار بھی اپنے مقرر کئے ہوئے حکام سے فیصلہ کراتے تھے - مگر یہ حکام زیادہ لیاقت والے نہ تھے - لیکن بادشاہ کے مقرر کئے ہوئے حکام زیادہ لائق اور قانوندان ہوتے ہیں - جاگیرداری کے انصاف میں مقدمات کی مثلیں نہیں رکھی جاتی تھیں شاہی انصاف میں رکھی جاتی ہیں - سادگی - جاگیرداری وغیرہ کے انصاف کا طریقہ بہت سادہ ہوتا تھا - خاص خاص الفاظ فریاد کے لئے مقرر تھے - دن مقرر تھا - اگر ان میں غلطی ہوتی تو انصاف ندارد - لیکن شاہی انصاف ان باتوں کو جائز نہیں رکھتا - پہلے تو جرم کی پاداش میں صرف جنگ کی اجازت تھی - جب یہ جاتی رہی تو دو طریقے جاری کئے گئے - (۱) اگر مجرم معزز ہوتا تو اُس سے اور اُسکے رشتہ داروں سے حلف بریّت کے لئے لیا جاتا - اگر مجرم معزز نہ ہوتا تو اُس کا ہاتھ گرم پانی یا تیل میں ڈلوایا جاتا یا اُس سے گرم لوہا اٹھوایا جاتا - اگر اُسے آنچ نہ آتی تو وہ چھوڑ دیا جاتا - اگر آنچ آجاتی تو اُسے سزا دی جاتی تھی - اُس وقت انصاف کی عدالت صرف ایک ہی تھی - لیکن شاہی انصاف نے کئی عدالتیں مقرر کیں جن میں اپیل ہو سکتا ہے - مدّعی کو اور مدعا علیہ کو تحریری اور معقول ثبوت اور شہادت پیش کرنا ہوتی ہے - اکثر کاروبار گواہوں کے سامنے کئے جاتے ہیں - جرائم کی حدود یا تعریفیں مقرر کی جاتی ہیں - اُنکے لئے قوانین بنائے جاتے ہیں - قوانین کی تعلیم دی جاتی ہے - وکیل اور حاکم مقرر کئے جاتے ہیں - دونوں قانون سے واقف ہوتے ہیں - الغرض شاہی انصاف بہتر اور برتر سمجھا جاتا ہے +

شاہزادے کی دعوت

شاہزادہ جان نے قلعۂ لیشبی میں ایک عالیشان اور پُرتکلف دعوت کا سامان کیا۔ یہ قلعہ جس کے اب آثار تک باقی نہیں رہے انگلستان کے ایک امیرالامرا نے بنوایا تھا۔ اور دعوت کے وقت ونچسٹر کے نواب رو جر ڈی کوئنسی کی ملکیت تھا جو اُن ایام میں ارض بیت المقدس کی ہوا کھا رہا تھا۔ شاہزادہ جان نے اس دعوت کو ہر طرح پر شاندار اور بے نظیر بنانے کے لئے کوشش کی ؛

شاہزادہ کے کارکنوں نے دعوت کے شاندار بنانے کے لئے ملک میں سے بہترین چیزیں فراہم کیں۔ اور ہر قسم کا نفیس اور عمدہ سامان بکثرت جمع کیا گیا۔ مہمان بھی ایک بڑی تعداد میں مدعو کئے گئے۔ شاہزادہ نے ضرورتاً اپنے کو ہر دلعزیز بنانے کی غرض سے دعوت میں سیکزن۔ ڈین۔ اور نارمن قوم کے چند مشہور اور عالی مرتبہ خاندان کے لوگوں کو بھی جو اُس نواح میں رہتے تھے مدعو کیا ؛

شاہزادے کی نیت یہ تھی کہ ان مہمانوں کے ساتھ زیادہ خلق و تواضع کا سلوک کیا جاوے۔ اگرچہ اُسکے کارکن اُسکے فائدہ کے خیال سے اپنی معمولی عادات اور خیالات کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ لیکن خود شاہزادے کی ترشروئی اور تلون اُسکے سارے ارادوں میں رخنہ انداز ہوتا تھا ؛

شاہزادہ اپنے تلون کا آئرلینڈ میں اُس وقت کافی سے زیادہ اور خطرناک ثبوت دے چکا تھا جبکہ اُسکے باپ نے اُسے آئرلینڈ کے تاج برطانیہ کی ماتحتی میں آنے کے بعد وہاں کے لوگوں کی ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس موقع پر وہاں کے امرا نے یہ حجت کی کہ اُن میں سے کون سب سے پہلے اظہار وفاداری کے لئے شاہزادہ کے آگے زمین بوسی کرے۔ شاہزادے نے اُن کی تعظیم لینے کی بجگہ اُن کی ڈاڑھیاں پکڑ کر ہلائیں۔ اس سے نفع کی جگہ نقصان ہوا۔ آئرلینڈ کے لوگ انگلستان کے حکمران سے ناخوش ہو گئے۔ ناظرین کو ان باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہئیے تاکہ یہ معلوم کر سکیں کہ شاہزادے نے دعوت کے موقع پر کس چلن کو اختیار کیا ؛

شاہزادے نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ سب مہمانوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے اگرچہ اُس نے نواب سیڈرک اور نواب ایتھلسٹن کو دعوت میں سر آنکھوں پر بٹھایا اور جوں ہی کہ وہ حاضر ہوئے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ لیکن جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ خاتون رووینہ طبیعت ناساز ہونے کے باعث دعوت میں شریک ہونے سے قاصر ہے تو اُسے مایوسی ہوئی۔ جس کا اظہار اُس نے ناخوشی کے پیرایہ میں کیا۔ مزید براں اُس نے ان دونوں کے لباس کا بھی مضحکہ اُڑایا۔ حالانکہ یہ لباس نارمن لباس کے مقابلہ میں زیادہ آرام دہ اور زیادہ قیمتی تھا۔ لیکن اُس زمانہ کے رواج کے خلاف تھا۔ اتنی سی بات پر شاہزادہ اُس کی تحقیر کرنے سے باز نہ رہ سکا +

سامان دعوت جو میز یعنی دسترخوان پر چُنا گیا کافی سے زیادہ تھا۔ وہ مرغن مجرب اور نفیس تھا۔ علاوہ اُن کھانوں کے جو انگلستان میں بہترین خیال کئے جاتے تھے اور شاہی دعوت کے شایاں تھے غیر ملک کے بھی نفیس و لذیذ کھانوں کی بھرمار تھی۔ دیسی بدیسی ہر قسم کی عمدہ عمدہ روح افزا۔ اور نشیلی۔ رنگیلی شرابیں بھی افراط سے مہیا کی گئی تھیں +

نارمن قوم کے لوگ نفیس اور مکلف کھانے تو ضرور کھاتے تھے۔ عمدہ شرابیں بھی استعمال کرتے تھے۔ لیکن ہر بات میں اعتدال اور نفاست کو مدنظر رکھتے تھے۔ اور بسیار خوری اور بسیار نوشی کو بُرا سمجھتے تھے۔ اور سیکزن قوم کا خاصہ اسکے برعکس تھا۔ تاہم شاہزادہ جان اور اُسکے رفیق ان دونوں بُرائیوں سے مبرا نہ تھے +

نارمن قوم کے اُمرا اور سورما سیکزن قوم کے ان دونوں امیروں کی عادات پر چپکے چپکے مضحکہ اُڑاتے رہے۔ اگرچہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو خفیہ سنجیدگی کے ساتھ اشاروں سے یہ بھی جتلاتے رہے کہ کہیں اُن کی اس قسم کی حرکت ظاہر نہ ہو جائے لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ جی بھر کے مضحکہ اُڑانے میں مصروف رہے +

آخر کار دعوت کا خاتمہ ہوا۔ اور جام شراب کو گردش ہوئی۔ ساغر کا دور چلنے لگا لوگ دنگل کی باتوں وغیرہ سے متعلق بیباکی کے ساتھ اور زندہ دلی سے گفتگو کرتے رہے۔ لیکن شاہزادہ فکرمند تھا۔ اگرچہ وہ کبھی کبھی کسی خادم یا رفیق کے اشارے پر

گفتگو میں شریک ہوجاتا اور جام شراب بھی اُڑا جاتا تھا۔ لیکن اُسے یہ معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ اس وقت ہو کیا رہا تھا۔ کیونکہ وہ کسی بڑی فکر میں ڈوبا ہوا تھا +

شاہزادہ ”ہم یہ جام وِلفریڈ ساکن آئیون ہو کے جام صحت کے طور پر نوش کرتے ہیں جس نے اس دنگل میں سب سے زیادہ نام حاصل کیا ہے۔ اور جو اپنے زخموں کے باعث ہماری دعوت میں شریک ہونے سے مجبور رہا۔ سب لوگ اس جام صحت کو نوش کریں اور نواب سیڈرک کو جس کے ایک ایسا لائق اور ہونہار فرزند ہے اس جام کو خاص طور پر نوش کرنا چاہیئے“ +

سیڈرک (جام رکھکر اور کھڑا ہو کر) ”حضور والا۔ میں ایک ایسے ناخلف فرزند کے نام سے جام نوش نہیں کرتا۔ جو میرے حکم کی تحقیر کرتا اور اپنے بزرگوں کے رسوم و رواج اور عادات و اطوار سے دست بردار ہوتا ہے“ +

شاہزادہ (مصنوعی حیرت سے) ”یہ تو ناممکن ہے کہ ایک ایسا بہادر اور دلیر سورما نالائق یا ناخلف یا نافرمانبردار ہو“!

سیڈرک ”حضور انور وِلفریڈ تو ایسا ہی ہے۔ اُس نے صرف آپکے برادر بزرگوار کے اُمرا میں داخل ہونے کی نیت سے میرے غریب خانہ کو خیرباد کہا اور آپ ہی کے برادر کے جلوبرداروں میں رہ کر اُس نے وہ کرتب سیکھے جنہیں آپ ایسی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اُس نے میرے گھر کو میری اجازت بغیر چھوڑا۔ اور وہ بھی شاہ الفریڈ کے زمانہ میں۔ یہ تو سخت سزا کے قابل جرم ہے“ +

شاہزادہ (ہمدردی آمیز لمبا سانس بھر کر) ”افسوس! چونکہ تمہارا صاحبزادہ میرے بھائی کے جلوبرداروں میں سے تھا۔ اس لئے اس بات کا دریافت کرنا غیر ضروری سا ہے کہ اُس نے والدین کی نافرمانبرداری کہاں سے سیکھی“ +

شاہزادہ جان اس موقع پر قصداً اس بات کو نظرانداز کر گیا کہ شاہ ہنری دوم کے بیٹوں میں سے اگرچہ ایک بھی الزام اور نقص سے بری نہ تھا۔ تاہم خود جان اُن میں سب سے بڑھکر تھا۔ کیونکہ وہ احسان فراموشی۔ نافرمانبرداری اور غداری میں مشہور تھا +

شاہزادہ (ایک منٹ کے وقفہ کے بعد) ”میرے خیال میں میرے برادر نے وِلفریڈ

کو آئیون ہو کی جاگیر عطا کی ہے +
سیڈرک "جی ہاں۔ مگر میں اپنے بیٹے سے اس بات پر مطلق شاکی نہیں ہوں کہ اُس نے ایک ایسی جاگیر کو جو اس کے بزرگوں کا آزادی اور خود مختاری کے ساتھ حق تھا دوسرے کا تابع بنکر کیوں قبول کر لیا" +
شاہزادہ "نواب سیڈرک تو ہم آپ کی خوشی کو منظور کرتے ہیں۔ اور اس جاگیر کو ایک ایسے شخص کو عطا کرتے ہیں جس کی شان میں تاج انگلستان کے تابع ہونے سے کوئی فرق نہیں آئیگا" اور سر ریجینالڈ فرنٹ ڈی بف سے مخاطب ہوکر "میں یقین کرتا ہوں کہ اب سے اس جاگیر کو تم سنبھالو گے اور سر ولفریڈ کو اب اپنے پدر بزرگوار کی ناخوشی کا محض ایک مطیع جاگیردار بنکر قائم رکھنے کا موقع ہی نہ ملیگا" +
سر ڈی بف "اگر سیڈرک یا ولفریڈ یا انگلستان کا کوئی بہترین فرزند اس جاگیر کو جو آپ نے مجھے بخشی ہے مجھ سے چھین لے تو حضور مجھے سیکزن سمجھیں اور اس بات میں بخوشی منظور کرونگا" +
سیڈرک (ناخوشی سے) "جناب نواب بہادر جو کوئی بھی آپ کو سیکزن مانیگا وہ آپ کی عزت ایسی کریگا جیسی کے آپ مستحق نہیں ہیں" +
ڈی بف اس کا خود ہی جواب دیتا۔ لیکن شاہزادے کا تلون بھڑک اٹھا اور ڈی بف کی جگہ وہ بول پڑا +
شاہزادہ "فی الواقع اے میرے امیرو اور نوابو نواب سیڈرک نے بالکل سچ کہا اُن کی نسل ہم پر اپنی نسلوں یا پشتوں یا خاندانی شعروں کے اعتبار سے اُسی طرح فوقیت رکھتی ہے جس طرح کہ انکے لمبے لبادے" +
بیلوئسن "یہ سیکزن تو ہمارے سامنے میدان میں اسی طرح دم دبا کر بھاگتے ہیں جیسے کہ ہرن شکاری کتوں کے آگے" +
جھنت صاحب "اُن کی دوڑ حق بجانب ہے۔ آپ کہیں اُن کی اعلےٰ نسل اور اُن کی ستودہ صفات کو نہ بھول جائیں" +
ڈی بریسی "اُن کے اعتدال اور سلیقہ کو" +

گلبرٹ:- "یہ باتیں بھی اور اُن کی بہادری اور دلیری کو بھی۔ جس کے ذریعے سے اُنہوں نے میدان ہیسٹنگز اور دیگر میدانوں میں شہرت و عزت حاصل کی ہے"۔

شاہزادے کے رفیقوں اور درباریوں نے باری باری سے سیڈرک پر طعن و تشنیع کی خوب بوچھاڑ کی۔ جس کے باعث سیڈرک غضبناک ہوگیا۔ اُس کا چہرہ تمتما گیا۔ اور وہ چاروں طرف کو دیکھنے لگا۔ وہ غصے کے مارے سبھوں کو تو ایک ساتھ جواب نہیں دے سکتا تھا۔ اس لئے اُس نے خود شاہزادے کو مخاطب کیا اور ان الفاظ میں "ہمارے بزرگوں کی بیوقوفیاں اور برائیاں چاہے کیسی ہی ہی۔ مگر ایک سیکزن کے ساتھ اس قسم کا سلوک نہیں ہونا چاہئے جس قسم کا کہ آج آپکے دسترخوان پر میرے ساتھ ہوا۔ اور چاہے ہمارے بزرگوں پر میدان ہیسٹنگز میں کیسی ہی آفت آئی اور اُنہوں نے کیسی ہی زک اُٹھائی۔ مگر اُن لوگوں کو تو اپنا مُنہ بند ہی رکھنا چاہئے تھا جنہوں نے آج ہی پھر ایک بار ایک سیکزن کے سامنے مُنہ کی کھائی ہے"۔

شاہزادہ:- "بخدا یہ تو دلدوز مذاق ہے! اے میرے نوابو تم اس مذاق کو کیا سمجھتے ہو؟ ہماری سیکزن رعایا کے افراد ابن الہنی کے دنوں میں دلیر اور بیباک ہو چلے ہیں۔ اے نوابو تم اس بارہ میں کیا کہتے ہو؟ میری رائے میں اب ہمیں اپنے جہازوں میں سوار ہو کر نارمنڈی چلا جانا چاہئے"۔

ڈی بریسی (ہنسکر) "کیا ان سیکزنوں کے خوف سے؟ اجی ان سوٗروں کو نیچا دکھانے کے لئے تو ہمیں ہتیاروں کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ بلکہ شکار کی برچھیوں ہی سے انہیں دبا دیا جائیگا"۔

فرزس:- "اے سورماؤ اور نوابو خاموش"! اور شاہزادے سے "بہتر تو یہ ہے کہ آپ نواب سیڈرک کو یہ یقین دلائیں کہ ان مذاقیہ باتوں سے اُن کی کوئی تحقیر مقصود نہیں ہے۔ ایسی باتیں ایک نووارد کے کانوں کو ضرور بُری لگتی ہونگی"۔

شاہزادہ (خلق کے انداز سے) "تحقیر! میرے خیال سے کسی کو یہ بھی خیال نہ ہوگا کہ میں اپنی موجودگی میں کسی کی تحقیر کرانا چاہتا ہوں۔ یا اس قسم کی اجازت دیتا ہوں۔ دیکھو! چونکہ نواب سیڈرک اپنے فرزند کا جام صحت نوش کرنا نہیں چاہتے

اس لئے میں خود اُن کا جام صحت تجویز کرتا ہوں"
یہ جام نوش کیا گیا۔ حاضرین نے شاہزادے کی تعریف کے نعروں سے مکان سر پر اُٹھا لیا۔ مگر ان باتوں کا اثر سیڈرک کے دل پر نہ ہوا۔ قدرتاً وہ زود فہم نہیں تھا۔ مگر جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اس تملق سے تحقیر کا اثر سیڈرک کے دل سے مٹ جائیگا وہ جانتے تھے کہ اُس کی عقل بہت ہی کم ہے۔ مگر اُس وقت سیڈرک خاموش ہو گیا۔ اور پھر اتھیلسٹین کا جام صحت نوش کیا گیا۔ اس نواب نے آداب بجا لا کر احسانمندی کا اظہار کرنے کے بعد ایک پوری صراحی شراب کی ایک ہی دور میں ختم کر دی۔ اسکے بعد شاہزادہ جو شراب سے ذرا گرم ہو گیا تھا سیڈرک سے مخاطب ہوا۔
شاہزادہ "اب اے نواب ہمیں اپنے سیکسن مہمانوں سے یہ التجا کرنا چاہئے کہ وہ ہمارے خلق کا بدلہ بھی دیں" اور سیڈرک سے "ہاں معزز نواب صاحب کیا ہم یہ التجا کر سکتے ہیں کہ آپ کسی ایسے نارمن کا نام لیں جس کے ذکر سے آپکا دہن کم تر گندہ ہو سکے۔ اور جو کچھ آپ کہیں اُسکی تلخی کو ایک پوری صراحی نوش کر کے دور کر دیں"
ابھی شاہزادے کا جملہ ختم نہ ہونے پایا تھا کہ فرزس کھڑا ہو گیا۔ اور اُس نے سیڈرک کے پس پشت جا کر اُس سے چپکے سے کہا کہ اس وقت اُس نامہربانی کا جو دو قوموں کے درمیان آئی ہے خاتمہ کرنے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ تم خود شاہزادہ جان کا نام لو۔ سیڈرک نے جواب تو نہ دیا۔ بلکہ اُٹھا۔ اور صراحی اونڈیل کر اُس نے شاہزادے کو مخاطب کیا۔
سیڈرک "چونکہ بندگان عالی نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں ایک ایسے نارمن کا نام لوں جو اس دعوت میں یاد کئے جانے کے قابل ہو۔ شاید یہ مشکل ہے۔ کیونکہ وہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک غلام سے اپنے آقا کی تعریف کرنے کے لئے کہا جائے۔ ہاں وہ تو یہ ہے کہ مفتوح سے (فتح کی ساری بُرائیوں سے قطع نظر کر کے) فاتح کی تعریف کرانا ہے۔ تاہم میں ایک نارمن کا نام لینا چاہتا ہوں۔ جو رتبہ اور بہادری دونوں ہی کے اعتبار سے اوّل درجہ رکھتا ہے۔ اور اپنی قوم میں سب سے بہتر اور سب سے شریف ہے۔ اور جو شخص کہ میرے ساتھ اس عالی وقار کی مسلّمہ شہرت کا اقرار

نہ کرے اُسے میں جھوٹا اور بے عزت کہونگا - اور ساری عمر اُسے ایسا ہی سمجھونگا میں اس صراحی کو رچرڈ شیر دل کے نام پر ڈھکلنے لگاتا ہوں"!

شاہزادہ جان کو یہ توقع تھی کہ نواب سیڈرک میرا نام لیگا - جوں ہی کہ شاہزادہ نے اپنے بھائی کا نام سُنا تو چونک پڑا - اُس نے بناوٹ کے ساتھ اور قہراً جبراً جام تو اُٹھایا - مگر لبوں تک لے جاکر فی الفور رکھدیا - یہ اُس نے محض اس بات کے معلوم کرنے کے لئے کیا کہ حاضرین میں کون کیا کرتا ہے - کیونکہ سیڈرک کی تجویز کی مطابقت یا مخالفت کرنا بہت سے حاضرین کے لئے ٹیڑھی کھیر تھی - بعض قدیم طرز کے اور ناتجربہ کار درباریوں نے تو شاہزادہ کی حرکت کی تقلید کی - یعنی ساغر کو لبوں تک لے گئے - مگر فی الفور رکھدیا - جنہوں نے جو شریف طینت تھے فی الفور یہ نعرہ لگایا کہ" شاہ رچرڈ دائم قائم رہے - اور ہم تک جلد واپس آئے" اور بعض نے جن میں ڈی بف اور سورما ٹیمپلر بھی شامل تھے جام کو چھوا تک نہیں - لیکن کسی کو بھی براہ راست یا زبان سے اُس جام صحت کے خلاف کچھ کہنے کی جرات نہ ہوئی جو موجودہ وقت بادشاہ کے لئے تجویز کیا گیا تھا ؂

سیڈرک اس تجویز سے بازی لے گیا - اور اُس نے اپنے مخالفوں کو خوب ہی نیچا دکھایا - اس سے اُسے بڑی خوشی حاصل ہوئی - کوئی ایک منٹ تک اس خوشی کا لطف اُٹھاکر اُس نے اپنے دوست سے کہا کہ" ایتھلسٹن اُٹھو - چلو - آج ہمیں یہاں بڑی دیر لگ گئی - اب تو ہم شاہزادہ جان کے خلق و تواضع کا بدلہ دے چکے جن لوگوں کو ہماری قوم کے بیہودہ اور وحشیانہ اطوار زیادہ معلوم کرنے کا شوق ہو اُنہیں اس شوق کو آج کے بعد ہمارے غریب خانوں تک قدم رنجہ فرماکر پورا کرنا چاہیئے - اس لئے کہ ہم نارمن قوم کے اخلاق اور شاہی دعوتوں کا کافی لطف اُٹھا چکے ہیں" ؂

یہ کہہ کر سیڈرک مکان دعوت سے چل دیا - ایتھلسٹن اُسکے پیچھے ہولیا - اور بہت سے مہمان بھی جو سیکزن نسل سے تھے اور جنہوں نے شاہزادہ جان وغیرہ کی باتوں کو اپنی تحقیر خیال کیا تھا چل دئے - اُن کو جاتے ہوئے دیکھ کر شاہزادے نے کہا کہ" سینٹ ٹامس کی قسم آج تو سیکزن گستے ہم سے بازی لے گئے اور جیت

کے ساتھ گھر گئے"!

مہنت :- "چلئے اب ہم کھاپی اور مبحث بول چکے"۔

ڈی بریسی :- "مہنت صاحب کو آج کسی سے ضرور تو بہ کرانی ہے۔ اسی لئے عجلت میں ہیں"۔

مہنت :- "نواب صاحب یہ بات تو نہیں ہے۔ بلکہ مجھے آج ہی اپنے گھر کا کچھ سفر طے کرنا ہے"۔

شاہزادہ (فرزس سے) :- "اے لو۔ یہ تو جانے لگے۔ یہ تو ڈرپوک ہیں۔ اور سب سے پہلے یہ بزدل مہنت بھاگتا ہے"۔

والڈیمر :- "حضور خوف نہ کریں۔ میں اُسے ایسی باتیں بتاؤنگا کہ وہ مجبوراً ہماری مجلس مشورۃ میں پارک کے مقام پر شریک ہو" اور مہنت سے :- "جناب تقدس مآب مجھے آپ سے علیٰحدگی میں کچھ کہنا ہے"۔

باقی مہمان بھی سوائے اُن کے جو شاہزادے کے خاص حاشیہ برداروں میں تھے جانے لگے۔

شاہزادہ (فرزس کو غضب آلود نگاہوں سے دیکھکر) :- "تو آپ کی رائے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک سیکزن کُتا مجھے میرے ہی گھر پر نیچا دکھا جاے اور صرف میرے بھائی کا نام سُنتے ہی لوگ مجھ سے دُور بھاگنے لگیں جیسے کہ جذامی سے دُور بھاگتے ہیں"؟

فرزس :- "جناب ذرا صبر کریں۔ میں آپکے الزام کو دور کردونگا۔ اور اُس ناعاقبت اندیشانہ بے پروائی کو قابل الزام ٹھیراؤنگا جس نے میری تجویز کو بیکار کردیا اور آپکی راے کو غلط۔ مگر یہ موقع بحث کرنے کا نہیں ہے۔ ڈی بریسی اور میں ابھی ان بزدلوں کے پاس جاتے ہیں اور اُن کو یقین دلاتے ہیں کہ اب وہ اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ پیچھے ہٹنا ناممکن ہے"۔

شاہزادہ ٹہل رہا تھا۔ اور شراب کے اثر سے کسی قدر جوش اور اضطراب میں تھا وہ کہنے لگا کہ "اس میں نفع نہیں۔ یہ تدبیر تو بیکار جائیگی۔ وہ تو دیوار پر کی تحریر کو دیکھ چکے۔ آثار معلوم کر چکے۔ وہ شیر کے پنجے کا نشان ریت پر دیکھ چکے۔ وہ اس کی گرج کو سُن چکے۔ اب تو کسی طرح پر بھی اُن کی دوبارہ ہمت نہیں بندھ سکتی"۔

فرزس (ڈی بریسی سے) :- "خدا کرے کہ کسی طرح خود شاہزادہ کی ہمت پھر بندھ جاے"!

اُسے تو بھائی کا نام سُنتے ہی بخار چڑھتا ہے - ایسے حکمران کے مشیر جو بُرائی اور بھلائی دونوں ہی میں استقلال اور ہمت میں کمی اور پستی کا اظہار کرے بڑے بدنصیب ہیں"!

فرزس کی کوشش شاہزادہ کے حق میں

کبھی کسی مکڑی نے بھی اپنے شکستہ جالے کی درستی کے لئے اس قدر کوشش نہ کی ہوگی جس قدر کہ فرزس نے جان کے منتشر جلو بداروں اور سرداروں کو متحد کرنے اور جان کا طرفدار بنانے کے لئے کی - اُن میں سے چند ہی دل سے جان کے طرفدار ہوئے تھے - مگر ایک کی نگاہ میں بھی جان کی قدر و منزلت نہیں تھی - اس لئے فرزس کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ لوگوں کو موجودہ وقت فوائد یاد دلاکر نئے فواید کی اُمید دلائی - جوان اور وحشی طبع امرا کو اُس نے لوٹ مار کی توقع دلائی - حوصلہ مندوں کو طاقت و اختیار کی - اور لالچیوں کو تزاید دولت دجاگیر کی - کرایہ دار فوج کے سرغناؤں کو نقدی کی فرزس نے علاوہ نقدی کے لمبے چوڑے وعدے بھی کئے - اور پست ہمتوں یا ڈھل مُل یقینوں کو بااراده بنانے کے لئے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا - اُس نے یہ بھی کہا کہ شاہ رچرڈ کی واپسی ایک ناممکن بات ہے - اور اگر ممکن بھی ہو تو تم لوگوں کے پولیٹیکل فواید میں کوئی تغیر نہ ہو سکیگا *

فرزس "اگر رچرڈ واپس آئے بھی تو وہ اپنے حاجتمند اور مفلس مجاہدین صلیب کو اُن لوگوں کی جیبیں خالی کر کے جو اُس کے ہمراہ ارض بیت المقدس میں نہیں گئے مالدار بنانے کے لئے آئیگا جنھوں نے اُس کی غیر حاضری میں کوئی ایسا کام کیا ہے جو یا تو ملک کے قوانین یا تاج کے حقوق کے خلاف ہو نگے - وہ ٹیمپلر اور ہاسپٹل فرقے سے جنھوں نے ارض بیت المقدس کی جنگ وجدل میں فرانس کے شاہ فلپ کو اُس کی ذات پر ترجیح دی انتقام لینے آئیگا - وہ ہر باغی کو ہاں ہر ایسے شخص کو جو اُسکے بھائی شاہزادہ جان کا مددگار رہے سزا دینے کے لئے آئیگا - کیا تم اُس کی طاقت سے خوف کھاتے ہو؟ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ زبردست اور بہادر سورما ہے - لیکن اب شاہ آرتھر کا زمانہ نہیں رہا - جبکہ ایک ہی سورما ایک فوج کا مقابلہ کر سکتا تھا - اگر

فی الواقع رچرڈ واپس آیا تو وہ تنہا ہوگا۔ اور اُسکے ہمراہ نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی رفیق۔ اُسکی بہادر فوج کی ہڈیوں سے فلسطین کی زمین سفید ہو رہی ہے۔ اُسکے چند رفیق جو ولفریڈ کی مانند اس ملک میں واپس آگئے ہیں وہ مفلس اور دل شکستہ ہیں۔ اور تم رچرڈ کے پیدائشی حق کا کیا ذکر کرتے ہو؟ (یہ بات اُس نے اُن لوگوں سے کہی جو اس قسم کا اعتراض کرتے تھے)۔ کیا رچرڈ کا حق ولیم فاتح کے بڑے بیٹے نارمنڈی کے نواب رابرٹ سے بھی فائق تر ہے؟ لیکن باوجود اس حالت اور حیثیت کے ولیم فاتح کے دوسرے اور تیسرے فرزند کو پہلے فرزند پر قوم نے ترجیح دی۔ رابرٹ میں وہ سارے اوصاف تھے جو رچرڈ کی ذات سے منسوب کئے جا سکیں۔ وہ ایک بہادر سورما تھا۔ ایک اچھا لیڈر تھا۔ اپنے دوستوں سے فیاضی کا سلوک کرتا تھا۔ کلیسیا کے ساتھ سخاوت کرتا تھا۔ اور سب سے بڑھکر اُس میں یہ وصف تھا کہ وہ مقدس ہیکل کا مجاہد اور فاتح تھا۔ اس پر بھی وہ قلعۂ کارڈف میں اندھا ہوکر قید رہا اور وہیں مرگیا۔ کیونکہ اُس نے قوم کی مرضی کی مخالفت کی جس کی رائے یہ تھی کہ وہ اُن پر حکومت نہ کرے۔ ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم شاہی نسل کے اُس شاہزادہ کو اپنا فرمانروا منتخب کریں جس میں حکومت کرنے کی اچھی قابلیت ہو" (اس موقع پر اُس نے اپنی غلطی کی اصلاح کرنے کے لئے یہ کہا کہ" اس سے میری مراد یہ ہے کہ ہم ایسے شاہزادے کو منتخب کریں جس کے ذریعے سے امرا کو فائدہ پہنچے۔ یہ ممکن ہے کہ شاہزادہ جان اپنے بھائی رچرڈ سے کمتر درجہ کا ہو۔ لیکن جب یہ دیکھا جائے کہ رچرڈ اس ملک میں انتقام لینے کے لئے تلوار بکف آرہا ہو اور جان انعام اکرام حق۔ دولت اور عزت کا وعدہ کرتا ہو تو اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ازروے عقل دونوں میں سے کون بادشاہ ہونا چاہئے اور کس کو امرا کو مدد دینا چاہیئے"۔

فرزس نے امرا سے اس قسم کی باتیں کہی تھیں۔ بہتوں نے وعدہ کیا کہ وہ یارک کے مقام مجوزہ مجلس شوریٰ میں شریک ہونگے۔ تاکہ عام طور پر شاہزادہ جان کے سر کو تاجپوشی کی زینت و عزت عطا کر سکیں۔ رات بہت جا چکی تھی۔ اور فرزس گو تھکا ماندہ مگر اُمید بھرا ہوا دل لیکر قلعہ ایشبی میں پہنچا۔ جہاں وہ ڈی بریسی سے

ملاقی اور ہمکلام ہوا۔

فرزس (کسی قدر غصہ سے) " یہ کیا بھروپ ہے؟ کیا یہ کھیل کود یا تفریح کا وقت ہونا چاہئے۔ جبکہ ہمارے آقا شاہزادہ جان کی قسمت ساحل فیصلہ کے قریب پہنچ چکی ہو؟ تو میری طرح ان بزدل امرا کے پاس کیوں نہیں گیا جن کا شاہ رچرڈ کا نام ہی سُن کر دم نکلا جاتا ہے"۔

ڈی بریسی " بھئی جس طرح تم اپنے کام میں مصروف رہے اُسی طرح میں اپنے کام میں"۔

فرزس (گرج کر) " میں تو شاہزادہ جان کے کام میں جو ہمارا اور تمہارا دونوں ہی کا آقا اور مربّی ہے لگا رہا"۔

ڈی بریسی " اپنے ترقیِ درجات کے سوا اس قسم کا خیال کرنے کے لئے تیرے پاس شاید کوئی وجہ ہو۔ فرزس ادھر آؤ۔ ہم ایک دوسرے کے حال سے واقف ہیں۔ تیرا مدّعا تو ترقی درجات ہے۔ مگر میرا مقصد عیش و عشرت۔ اس لئے میری اور تیری غرض میں کوسوں کا فرق ہے۔ میری طرح تیرا بھی یہ خیال ہے کہ جان ایک مستقل مزاج بادشاہ ہونے کی صفت نہیں رکھتا۔ اور ایک ہردلعزیز بادشاہ ہونے کی قابلیت بھی نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ گستاخ اور مُنہ پھٹ ہے۔ اور نہ زیادہ عرصے تک حکمرانی کرنے کا وصف رکھتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بزدل اور متلون مزاج ہے۔ البتہ وہ ایسا فرمانروا ضرور ہے جس سے ڈی بریسی اور فرزس کو اپنے لئے ترقی درجات کی توقع ہو سکتی ہے۔ اس لئے تم اُس کی مدد پالیسی یعنی حکمت عملی سے کرتے ہو اور میں اپنی جماعت کی برچھیوں سے"۔

فرزس " یہ تو ایک سبز باغ ہے۔ تو سخت ضرورت کے وقت احمقوں کی سی بات کرتا ہے۔ ایسی ضرورت کے وقت تو اس سوانگ سے کیا مراد رکھتا ہے"؟

ڈی بریسی " میری مراد سیکزن قوم کی بیوی حاصل کرنے کی ہے"۔

فرزس " تو غلطی پر ہے"۔

اس کے بعد دونوں میں اَور بہت سی باتیں ہوئیں۔

فرزس " ارے تجھے اس قسم کی رائے کس نے دی"؟

ڈی برلیسی۔" گلبرٹ نے۔ وہ میری مدد اس کام میں کریگا"۔
فرزس۔" یہ تو ممکن ہے کہ تو اپنی دلربا کو سیکزنوں کے ہاتھوں سے نکال لائے مگر پھر اُس کا گلبرٹ کے پنجہ سے نکال لانا دشوار ہے۔ وہ اپنے شکار کو اپنے قبضے سے نکلنے نہ دیگا"۔
ڈی برلیسی۔" ارے وہ تو ٹمپلر فرقہ سے ہے۔ اس لئے میری آرزو میں رخنہ نہ ڈالیگا۔ اگر وہ اپنے فرقے کا سب سے بڑا سرغنہ ہوتا تو بھی رخنہ نہ ڈال سکتا"۔
فرزس۔" تو کیا کوئی بات بھی تیرے دل سے اس خیال خام کو دُور نہیں کر سکتی میں جانتا ہوں کہ تو طبیعت کا ضدی ہے۔ اور تجھے تیرے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرنا گویا تضیع اوقات ہے۔ مگر ذرا اپنی حماقت کو دل میں دیر تک جگہ نہ دے۔ ذرا وقت اور موقع کو بھی دیکھ"۔
ڈی برلیسی۔" میں کہتا ہوں کہ اُس پری جمال کا حاصل کرنا صرف چند گھنٹوں کا کام ہے اور میں یارک کے مقام پر اپنے بہادر رفیقوں کی اُس تجویز کی تائید کے لئے پہنچ جاؤنگا جسے تو تراشیگا۔ لیکن اب گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں بتا رہی ہیں کہ میرے رفیق باہر کے میدان میں فراہم ہو رہے ہیں۔ اس لئے اب آپکو الوداع کہتا ہوں۔ اب میں ایک خوبرو کو حاصل کرنے کے لئے سچے سورما کی مانند جاتا ہوں"۔
فرزس۔" سچے سورما کی مانند! میں کہتا ہوں کہ ایک احمق ہاں ایک بچے کی مانند جو نہایت ضروری کام کو چھوڑ کر فضول کے لئے جاتا ہو۔ مگر میں تو ایک ایسے شاہزادہ کا اپنی غرض کے لئے ساتھ دیتا ہوں جو ہر طرح پر نالائق ہے۔ اور اس لئے مجھے اُمید ہے کہ وہ میری مدد کریگا"۔

دونوں مدبروں کی باتوں کا ان الفاظ کے ساتھ ہی خاتمہ ہو گیا۔ کیونکہ شاہزادہ جان نے اندر سے آواز دی کہ" فرزس"۔ یہ آواز سنتے ہی فرزس نے ڈی برلیسی کو سلام کیا۔ اور بعجلت تمام اپنے آیندہ فرمانروا کی تعمیل ارشاد کے لئے چل دیا۔

سورما اور زاہد کی جھونپڑی

ناظرین کو یاد ہوگا کہ جنگل کا خاتمہ ایک ایسے سورما کی محنتوں سے ہوا جس سے لوگ واقف نہ تھے۔ جب وہ فتح حاصل کرچکا تو یکایک میدان سے باہر ہوگیا اور جب اُسے انعام کے لئے طلب کیا گیا تو اُس کا سراغ نہ ملا۔ بلکہ جنگل میں ہوکر ایک نزدیک راستہ سے شمالی جانب جاتا ہوا دیکھا گیا۔ اور رات کو راستہ سے دُور ایک مقام میں مقیم ہوا۔ جہاں اُس نے ایک گویئے سے دنگل کا سارا حال سُنا۔ صبح ہوئی اور وہ آگے بڑھا۔ مگر شام تک یارک شایر کے قریب پہنچا۔ جہاں اُسے جنگل میں بے آب و دانہ کے رات گزارنی پڑی۔ اُس نے گھوڑا تو چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور خود زمین پر دراز ہوگیا۔ یہ سورما دوسرے سورماؤں کی مانند کسی سے عشق نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے تنہائی کے عالم میں جیسا کہ عاشق مزاج سورما کسی معشوق کی باتوں کے خیال سے جی بہلاتے ہیں جی بھی نہ بہلا سکا۔ اس لئے پریشانی کے عالم میں اُس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں تو جنگل میں ایک راستہ نظر آیا آفتاب غروب ہوچکا تھا۔ اور کسی ایسے راستہ کے معلوم کرنے کی جو کسی کاشتکار یا جنگل کے نگراں کی جھونپڑی تک پہنچانے کی کوشش رائگاں گئی۔ اُس وقت اُس نے کسی جائے پناہ تک پہنچنے کے لئے گھوڑے کی فراست پر بھروسہ کیا۔

گھوڑے نے یہ معلوم کرکے کہ اب اُسے مجبور نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اُس کی اپنی مرضی پر چھوڑ دیا کان کھڑے کئے اور ایک راستہ اختیار کیا۔ یہ راستہ اگرچہ سورما کے پسند کئے ہوئے راستہ سے علیٰحدہ تھا۔ مگر ایک جائے پناہ کی طرف ضرور جاتا تھا۔ اور اُس پر چل کر گھوڑے نے ذرا ہی دیر میں سورما کو ایک زاہد کی جھونپڑی پر پہنچا دیا۔ جس کے نزدیک ہی چشمہ بہہ رہا تھا اور درخت اُگے ہوئے تھے۔ اور منظر خوب دلفریب تھا۔ سورما نے گھوڑے سے اُتر کر زاہد کے دروازے پر دستک دی۔ اوّل تو جواب دیر میں ملا اور وہ بھی خلافِ اُمید۔

زاہد "چاہے تم کوئی ہو۔ مگر آگے بڑھ جا۔ اور ایک زاہد کی شام کی نماز اور اوراد میں خلل نہ ڈال"۔

سوربا" اے بزرگ ایک رات بھلا ہو سوربا تیرے [illegible] ہے۔ آج رات گزار [illegible] دے گی"

زاہد" بھائی میرے پاس نہ کھانے کو ہے اور نہ گھوڑے کے لئے کچھ سامان خوراک ہے۔ اس لئے آگے جاؤ"

سوربا" لیکن راستہ ملنا دشوار ہے۔ کیونکہ تاریکی کا تسلط ہو چلا ہے۔ آپ اتنا ہی کریں کہ باہر نکل راستہ کو بتا دیں"

زاہد" بھائی اب مجھے زیادہ پریشان نہ کر۔ تیری وجہ سے میرے وظیفہ میں بقدر دو تین تسبیح کے کمی ہو گئی۔ اور میں نے عہد کیا ہے کہ ماہتاب نکلنے سے پہلے پہلے اس قدر تسبیحیں پڑھ لیا کروں"

سوربا۔ اگر اور کچھ نہیں کر سکتے تو صرف یہی بتا دو کہ کون سے راستہ سے جاؤں"

زاہد" راستہ آسانی سے مل جائیگا۔ آگے بڑھکر گھاٹ ملیگا۔ جسے عبور کر کے تم نے سیدھا آگے کو بڑھنا"

سوربا" اے زاہد بے ریا۔ یہ راستہ تو ملنا دشوار ہے۔ یا تو تُو دروازہ کھول ورنہ میں اُسے توڑ ڈالونگا"

زاہد" اگر تو میرے ساتھ سختی کریگا تو تیرے ساتھ بُری ہو گی"

اس وقت سوربا نے کُتوں کے آنے کی آواز سُنی۔ اور یہ سمجھ کر کہ اُنہیں زاہد نے بُلایا ہے۔ دروازہ میں زور سے لات ماری جس سے کواڑ اور چوکھٹ ہلنے لگے۔ زاہد نے کہا کہ" صبر کر۔ ٹھیر۔ میں دروازہ کھولتا ہوں۔ حالانکہ ایسا کرنے میں مجھے کوئی خوشی حاصل نہ ہو گی" یہ کہہ کر زاہد نے دروازہ کھولا۔ وہ ایک مضبوط اور طویل القامت شخص تھا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں مشعل تھی اور دوسرے میں سونٹا۔ دو کُتے اُسکے پاس کھڑے تھے۔ وہ سوربا پر لپکنے کو تھے کہ زاہد نے ڈانٹ دیا۔ اور سوربا کو اندر بُلاتے ہوئے کہا کہ میں نے دروازہ محض لٹیروں کے خیال سے نہیں کھولا تھا۔ جو آجکل اس طرح میں دست درازی کرتے ہیں [illegible] نہ کسی زاہد کو چھوڑتے ہیں اور نہ عابد کو

سورما: مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہاں ڈاکو رہتے ہیں۔ وہ کبھی آپ کے پاس بھی آئے۔ آپ خود قوی الجثہ ہیں۔ اس لئے آپ اُن کا مقابلہ کر سکتے ہیں"۔
زاہد: "وہ کہتے تو مجھے جنگل کے نگران نے اُس وقت تک کے لئے دیئے ہیں جب تک کہ رہزنوں کا ڈر ہے"۔ یہ کہہ کر زاہد نے مشعل ٹانگ دی۔ ایک اسٹول پر الاؤ کے سامنے خود بیٹھ گیا۔ دوسرا اسٹول سورما کی طرف بڑھا دیا۔
سورما: "فرمایئے گھوڑا کہاں باندھوں۔ میں کہاں سوؤں۔ اور میرے کھانے کے لئے کیا ہے"؟ زاہد نے گھوڑے اور سورما کے لئے جگہ بتا دی۔ گھوڑے کے آگے چارہ ڈال دیا۔ سورما کے بستر کے لئے گھاس بچھا دی۔ اور بھنی مٹر کی دو مٹھیاں اور شراب کی جگہ ایک گھڑیا چشمہ کے پانی کی سورما کے آگے رکھ دی۔ سورما نے ٹوپی اور لبادہ اُتار دیا اور زاہد نے سر کا کپڑا دُور کر دیا۔ دونوں ہی قوی الجثہ اور قوی ہیکل اور تن و توش والے نکلے۔ ایک دوسرے کو حیرت کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔
جب سورما ایک مٹھی مٹر چبا چکا تو زاہد سے مخاطب ہوا۔
سورما: "تقدس مآب۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ صرف پانی اور بھنے ہوئے دانوں پر گزارا کرتے ہیں۔ مگر دیکھنے میں ایسے تنومند اور شہ زور ہیں کہ بجار کو بھی پچھاڑ ڈالیں۔ آپ زاہد صورت تو معلوم نہیں ہوتے"۔
زاہد: "سورما صاحب آپکے خیالات دُنیا داروں کے سے ہیں۔ مقدس مریم اور مقدس ڈنسٹن ان دانوں اور اس پانی میں وہ تاثیر پیدا کر سکتے ہیں کہ کسی اور اکل و شرب کی ضرورت نہیں رہتی"۔
سورما: "آپکا اسم مبارک"؟
زاہد: "مجھے کلرک آف کوپمان ہرسٹ، کہتے ہیں۔ لوگ میرے نام کے ساتھ لفظ مقدس یا بزرگ کا بھی لگا دیتے ہیں۔ مگر میں اپنے کو اس کا مستحق نہیں سمجھتا۔ آپکا اسم شریف"؟
سورما: "مجھے لوگ سیاہ سورما کہتے ہیں۔ اور میرے نام کے ساتھ لفظ کاہل کا اضافہ بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ میں شہرت کی آرزو میں بہت جدوجہد کرتا ہوں"۔

سورما کا جواب سنکر زاہد کو ہنسی آگئی جسے وہ ضبط نہ کر سکا۔ اور کہنے لگا کہ "جناب کامل وجود سورما۔ آپ بڑے دانشمند ہیں۔ میرا غریب خانہ آپ کی آسائش کے لائق نہیں کیونکہ آپ دنگلوں اور درباروں کے رہتے ہیں۔ جنگل کا نگراں جب ان کتوں کو میرے پاس چھوڑنے آیا تھا تو وہ کچھ سامان خوراک بھی چھوڑ گیا تھا جو میرے کھانے کے قابل نہیں۔ خدا مجھے ایسی چیزوں سے دُور ہی رکھے"۔

سورما" درست۔ یہ نگراں زندہ دل معلوم ہوتا ہے۔ شاید اُسے آپکو دانے چباتے اور پانی پیتے ہوئے دیکھکر رحم آیا ہوگا۔ اور سامان خوراک دے گیا ہوگا۔ لائیے میں بھی تو دیکھوں کہ وہ کیسی خوراک ہے"؟

زاہد کو سورما کے انداز سے اُس کی نیکدلی کا یقین ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ جلدی سے اُس سامان خوراک کو لے آیا۔ وہ مسلّم کباب تھا۔ سورما نے چھری سنبھالی اور کئی قاشیں اُتار کر نگل گیا۔ اور کہنے لگا کہ "آپ کا مہربان نگراں تو اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ میں فلسطین میں رہ چکا ہوں۔ وہاں دستور ہے کہ میزبان مہمان کو اس بات کا یقین دلانے کے لئے کہ جو کچھ اُس کی تواضع کے لئے رکھا گیا ہے وہ صحت بخش ہے مہمان کا ہم نوالہ بنتا ہے۔ اس لئے آپ بھی آئیے اور شریک ہو جائیے"۔

زاہد" خیر آپ کے شک رفع کرنے کو میں اپنے اصول کو توڑتا ہوں"۔ یہ کہکر اُس نے کباب پر دست دراز کیا۔ اور سورما سے زیادہ کھا گیا۔ اُس وقت سورما نے کہا کہ "آپ کا نگراں جو اس کباب کو چھوڑ گیا ہے وہ کچھ شراب بھی ضرور چھوڑ گیا ہوگا۔ دیکھئے ذرا الماری ٹٹولئے۔ اور میرا خیال درست نکلیگا"۔ سورما کے کہنے کی دیر تھی کہ زاہد اُٹھا اور ایک بڑی صراحی اور دو پیالے لے آیا۔ اور دونوں کو بھر کر ایک سورما کو دیا اور دوسرا یہ کہکر "آپکا جام صحت" ہے غٹ غٹ چڑھا گیا۔ سورما نے جواب میں یہ کہکر "آپکا جام صحت" پیالہ خالی کر دیا۔

سورما" تقدس مآب آپ کا سا تنومند شخص زاہد کی زندگی بسر کرے اور دانے پانی پر یا نگراں کی سخاوت پر گزارہ کرے۔ آپ تو اس قابل ہیں کہ قلعہ میں بیٹھکر حکمرانی کریں۔ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو شکار خوب کھاتا"۔

ہوائی کرہ میں شبنم - کہر - اور بادل

اگر ہم آسمان کی طرف دیکھیں تو کئی نظارے ہماری نگاہوں سے دوچار ہوتے ہیں (۱) بلند سدرس بادلوں کے آسمان کی تہ سے ملتے وقت یا طوفان کی آمد کے وقت پہاڑیوں کے اوپر پانی ہمارے ہوائی کرہ سے الگ ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے - اور سفید ٹکڑے نظر آتے ہیں - یہ بادل ہوتے ہیں (۲) گھاس یا پھول کی پتیوں پر پانی کے قطرے نظر آتے ہیں - یہ شبنم ہوتی ہے - برف کے سے گالے آسمان سے بکھرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں - یہ کہر ہوتا ہے +

دیگر گیسوں کے خلاف پانی کا بخار یا بھاپ ہوائی کرہ میں پہنچ کر کئی شکلیں بدلتا ہے - وہ ۳۲ درجہ فیہرینہیٹ پر منجمد ہوجاتا ہے - ۲۱۲ درجہ پر رقیق - اور اس سے زیادہ درجہ پر گیس - چونکہ ہوائی کرہ ہمیشہ پیاسا رہتا ہے اس لئے پانی سے خواہ وہ منجمد ہو یا رقیق اس کی پیاس بجھانے کے لئے ہمیشہ بھاپ اٹھ کر اوپر کو چڑھتی رہتی ہے - ایک مکعب فیٹ ہوا فیہرینہیٹ مقیاس الحرارت کے مطابق نقطۂ انجماد پر ۲ گرین بھاپ جذب کر سکتی ہے - ۶۰ درجہ حرارت پر ۵½ گرین اور ۸۰ درجہ پر ۱۱ گرین +

جب ہوا زیادہ بھاپ کو جذب نہیں کر سکتی تو وہ تر کہلاتی ہے - اس حالت میں اس سے شبنم پیدا ہوتی ہے - مگر شبنم کا پیدا ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ ہوا پہلے کس قدر تر یا کس قدر گرم تھی - جب وہ بہت گرم و تر ہوتی ہے - تو اس سے بادل اور پھر مینہ بن جاتا ہے - اور بارش گرم ملکوں میں آسانی سے ہوتی ہے - گرم ہوا میں زیادہ نمی جذب ہو جاتی ہے اور ہوا گرم ہی معلوم دیتی ہے - انگلستان میں معمولی نمی ۷۰ فیصدی ہوتی ہے جو زیادہ تر موسم میں ۹۰ فیصدی ہو جاتی ہے - سمندر پر وہ گرم حصوں میں زیادہ ہوتی ہے - اور ریگستانوں اور براعظموں کے اندر وہ ۱۵ فیصدی اور بادلوں کی سطح کے نزدیک جہاں ہوا بالکل تر ہوتی ہے شبنم کی حالت میں شبنم وہ تری ہے جو سطح زمین کے نزدیک اجسام پر جو ہوا کی گردش سے سرد ہو جاتے ہیں

پیدا ہو جاتی ہے۔ اس بات کو پہلے پہل سنہ ۱۷۸۳ء میں ڈاکٹر ولسن نے بتایا جن کا خیال یہ تھا کہ یہ تری ہوا سے حاصل ہوتی ہے۔ اسکے بعد ایڈنبرا کے مسٹر جان ایٹکنس وغیرہ نے بتایا کہ تری کا زیادہ حصہ زمین سے ملتا ہے۔ اور جن پودوں پر وہ جم جاتا ہے وہ ہمیشہ سانس کے ذریعے نمی خارج کرتے رہتے ہیں جو دن میں گرمی کے باعث بھاپ بن جاتی ہے۔ مگر رات کو تری کے باعث شبنم ◆

پالا بھی شبنم ہی ہے جو ہوا میں سردی کے نقطۂ انجماد تک پہنچنے سے پیدا ہوتا ہے۔ کہر بھی شبنم ہے جو پانی یا زمین کے نزدیک سردی سے بنتا ہے۔ بعض وقت وہ زمین سے نکلنے والی حرارت سے جو ہوا کو سرد کر دیتی ہے بنتا ہے بعض اوقات سمندر سے آنے والی گرم و تر ہوا سے۔ بعض مقامات میں وہ ہوا کے بالکل تر ہونے سے سرد زمین میں بنتا ہے۔ مگر یہ دریاؤں کی وادیوں میں بنتا ہے اور اصلی کہر سے مختلف ہوتا ہے۔ سمندر پر کہر گرما میں بنتا ہے اور وہ سمندر کی گرم لہروں کی گرمی خارج ہونے سے جیسا کہ نیوفاؤنڈلینڈ کے نزدیک گلف اسٹریم سے۔

گو بظاہر سب سے اوّل حکیم ارسطوفیس نے بادل کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اُسکا ذکر بائیبل کے صحائف میں بھی موجود ہے۔ سب سے پہلا شخص جس نے بادل کا تجربہ کیا وہ بلاک ہووارڈ تھا۔ یہ سنہ ۱۸۰۳ء کا واقعہ ہے۔ اُس نے بادل کی تین شکلیں قرار دیں۔ اسٹراٹس۔ کوموس۔ سیرس یعنی نچلا۔ درمیانی۔ بلند۔ مگر جدید تحقیقاتوں سے جنکے نتائج ایک اٹلس کی شکل میں سنہ ۱۸۹۴ء میں سویڈن میں شائع کئے گئے یہ تقسیم ناکمل ٹھیرائی گئی۔ بادلوں کی خاصیت دو قرار دی گئیں یعنی تر اور خشک۔ جدید تقسیم یہ ہے:۔ (۱) سطح سمندر سے ۳۰۰۰ فیٹ کی بلندی پر بادل اسٹراٹس کہلاتا ہے۔ اور کہر کی شکل میں ہوتا ہے مگر خشک و تر۔ (۲) ۴۵۰۰ - ۶۰۰۰ فیٹ تک کوموس۔ کوموس نمبس۔ پہلے کی شکل گول ڈھیر کی سی ہوتی ہے۔ اور خاصیت خشک دوسرے کی شکل مینار کی سی۔ خاصیت تر۔ (۳) ۴۵۰۰ - ۲۴۰۰۰ تک کوموس۔ کوموس نمبس شکل اور خاصیت وہی جو اوپر درج ہے۔ (۴) ۲۴۰۰۰ فیٹ تک اسٹراٹوکوموس۔ شکل سیاہ۔ خاصیت خشک۔ (۵) ۶۴۰۰۰ فیٹ تک سیرنمبس شکل

سیاہ مگر منتشر۔ خاصیت تر۔ (۶) ۱۰۰۰۰ سے ۲۱۰۰۰ تک سترو۔ کومولس شکل اون کے گالوں جیسی۔ خاصیت خشک۔ (۷) ۲۷۰۰۰ تک سترد اسٹراٹس۔ سفیدی مائل اور ہالہ کی شکل کی۔ خاصیت تر (۸) ۲۷۰۰۰ تک سترس۔ شکل پردار اور سفید۔ خاصیت خشک۔

لوگوں کا خیال تھا کہ بادل گرم و سرد ہوا کے باہم ملنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بات ڈاکٹر ہٹن ساکن ایڈنبرا اور ڈاکٹر خان بزولڈ کی تحقیقات سے بھی ٹھیک آتری لیکن اُن کی مختلف شکلوں کا ظہور میں آنا مختلف اسباب پر اور سردی اور گرمی کے مختلف درجوں کے باہم ملنے پر۔ مختلف موسموں پر۔ مختلف مقامات کے وقوع پر منحصر ہے۔ ان باتوں کا بیان بالکل بے لطف۔ طویل اور علمی اصطلاحوں سے بھرا ہوا ہے جسے صرف سائنس والے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اس لئے قلم انداز کر دیا گیا۔

ہوائی کُرہ میں مینھ۔ برف اور اولہ

جس طرح بادل بھاپ کے ناکمل طور پر جم جانے سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح مینھ اُسکے پوری طرح جم جانے سے۔ جس کُہر سے مینھ بنتا ہے وہ پانی کے ننھے قطروں سے جس کا قطر $\frac{1}{5000}$ انچ ہوتا ہے بنتا ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ یہ قطرے جبتک اس قدر بڑے نہیں ہو جاتے کہ اُن کا قطر $\frac{1}{100}$ یا $\frac{1}{50}$ انچ ہو جائے تب تک اوپر کو چڑھنے والی ہوا سے معلق لٹکے رہتے ہیں۔ مگر جب اس قدر جسامت تک پہنچ جاتے ہیں تو گرنے لگتے ہیں اور دوسرے قطروں سے مل کر زیادہ بڑے بنتے ہوئے زمین تک آجاتے ہیں۔ جب انجماد کی حالت نقطہ انجماد سے بھی بڑھ جاتی ہے تو مینھ سے برف بن جاتی ہے۔ برف کے ہر ذرے میں رنگوں کی ۶ شعاعیں ہوتی ہیں۔ اولہ گو برف کے ذروں سے نہیں ملتا۔ مگر ہے دراصل وہ پانی کے منجمد قطروں ہی سے بنتا۔ اولے کے طوفان کی گرج کے ساتھ گرنے سے لوگوں کو یہ خیال ہو گیا کہ وہ بجلی سے بنتا ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ طوفان کے وقت مینھ کے قطرے تیزی کے ساتھ اوپر چڑھنے والی ہوا کی لہروں سے بڑی بلندی پر پہنچ کر بالکل جم جاتے اور ٹھوس ہو جاتے ہیں اور ہوا سے گردش کھاتے ہوئے۔ گھٹتے اور بڑھتے ہوئے زمین تک پہنچ جاتے ہیں۔

بعض اوقات بہت بڑے بڑے اولے گر کر فصل اور باغات میوہ کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اس خیال سے کہ اُن کی پیدائش بجلی سے ہوتی ہے لوگ اُنکے روکنے کے لئے لوہے کی چھڑیں مکانات وغیرہ میں لگانے لگے۔ مگر یہ بات غلط ہے۔ اُن پر بھی اولے برسے۔ اولوں کی روک درختوں کے زیادہ تعداد میں لگانے سے ہوتی ہے +

بادلوں کی مانند مینہ یا بارش میدانی مقامات کی نسبت پہاڑی مقامات میں زیادہ ہوتی ہے چنانچہ انگلستان میں زیادہ بارش کمبرلینڈ۔ ویلس اور شمال و مغربی حصے میں ہوتی ہے جہاں پہاڑ ہیں۔ ہندوستان میں مغربی گھاٹ پر۔ بنگال میں خاشیہ کی پہاڑی میں اور کوہستان ہمالیہ میں چیرا پونجی پر۔ اس جگہ دُنیا بھر میں سب سے زیادہ بارش ہوتی ہے +

ہوائی کرہ کے طوفان

ہوا کا ہر طوفان آندھی کہلاتا ہے۔ اس لئے کہ اُس میں ہوا گردش کرتی ہے اور گھوم گھوم کر مرکز کی طرف جاتی ہے۔ پہلے طوفان کا لفظ غیر معمولی طوفان کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ جو خط استوائی ملکوں میں آتے تھے۔ انگریزی زبان میں ہوا کے چھوٹے بڑے طوفانوں کے لئے اب بھی الفاظ ہریکین اور ٹارنیڈو استعمال ہوتے ہیں۔ ٹارنیڈو اُس طوفان کو کہتے ہیں جو سائکلون سے جسامت سبب اور نتیجہ میں نہیں ملتا۔ سائکلون اُس طوفان کو کہتے ہیں جو بڑے قُرص کی مانند ہوتا ہے اور ایک مرکزی رقبہ کے گرد جس پر مقیاس الہوا کا دباؤ مختلف قسم کا ہوتا ہے۔ اُس کا قطر ۲۰ سے ۳ ہزار میل تک ہوتا ہے۔ ٹارنیڈو ہوا کا ایک تنگ ستون ۲۰ سے ۴۰۰ سو میل تک کی چوڑائی کا ہوتا ہے اور بڑی تیز رفتار سے گردش کھاتا ہے۔ اور اوپر کو ایک مرکزی دھرے پر گھومتا ہوا چڑھتا ہے۔ اس باب میں صرف سائکلون نام کے طوفان سے متعلق مختلف باتیں بیان کی جاتی ہیں +

یکم نومبر ۱۸۷۶ء میں بنگال میں وہ بڑا سائکلون واقع ہوا تھا جو باقر گنج کے طوفان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اُس سے انسانوں کی جانوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا تھا۔ اُس سے پیشتر چند دن تک خاموشی اور گرمی رہی۔ بادل دھندلا رہا۔ شام کو اُفق پھولتی رہی۔ یکایک ایک شام کو پانی برسنے اور ہوا زور سے چلنے لگی۔ بجلی کی کڑک۔

بادل کی گرج بہیم اور زوردار تھی۔ صبح کو ہر طرف تباہی کا منظر نظر آیا۔ بیان ہے خلیج بنگال کا پانی دکن شاہباز پور اور نواکھالی کا نشیبی حصہ دیلیے برہمپتر کے دہانے کے نزدیک چڑھ آیا اور ایک لاکھ باشندے پانی میں غرق ہو گئے ۔

۱۸۳۰ء تک سائکلون کی رفتار اور رُخ کا حال بہت کم معلوم تھا۔ لیکن اسی زمانہ کے قریب کئی سائنس دانوں نے "طوفانوں کا قانون" تجربات کے ذریعے بتایا۔ جس کی خاص بات یہ ہے کہ ہوا ہمیشہ ایک دُھری کے گرد اُس رقبہ پر گھومتی ہے جہاں مقیاس الہوا کا دباؤ کم ہوتا ہے۔ گرم ملکوں میں یہ طوفان ۱۰ درجہ طول البلد کے اور خط استوا کے دونوں طرف واقع ہوتا ہے۔ اس قانون کے بننے سے جہازرانوں کا خطرہ بہت کم ہو گیا۔ کیونکہ سفر میں اُنہیں طوفان کا رُخ معلوم ہو جاتا ہے۔ طوفان کی طرف پشت کر کے کھڑے ہونے اور دونوں ہاتھ پھیلانے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ شمالی نصف کرے میں طوفان اُلٹے ہاتھ کی طرف کو چلتا ہے اور جنوبی نصف کرے میں سیدھے ہاتھ کی طرف کو۔ روے زمین کے اور حصوں میں تو اس طوفان کی شناخت ہو جاتی ہے مگر خط استوا کے نزدیک نہیں ہوتی یا مشکل سے ہوتی ہے ۔

اس طوفان کی بابت نیا قاعدہ جو جہازوں کے لئے زیادہ محفوظ ہے یہ ہے کہ ہوا کے رُخ کی طرف جہاز نہ چلایا جاے۔ اور شمالی نصف کرہ میں قطب ستارے کی طرف کو جہاز کا رُخ موڑ دیا جاے اور جنوبی نصف کرہ میں بندرگاہ کی طرف۔ اس سے جہاز طوفان میں نہیں پڑ سکیگا۔

خط استوائی سائکلون زیادہ تر نوشمالی او قیانوس۔ شمالی و جنوبی بحرالکاہل۔ شمالی بحر ہند۔ خلیج بنگالہ اور بحر چین میں آتے اور ٹیفنس کہلاتے ہیں۔ وہ شمالی نصف کرہ کے اندر ماہ ستمبر و اکتوبر میں اور جنوبی نصف کرہ کے اندر ماہ فروری اور مارچ میں واقع ہوتے ہیں۔ اس وقت عالم بالا پر سکون ہوتا ہے۔ ہوا نہیں چلتی اور تر ہوتی ہے۔ بجلی گرج اور بارش اُن کے ساتھ آتی ہے۔ ۵ اکتوبر ۱۸۴۴ء کو جزیرہ کیوبا میں جو طوفان آیا تھا اُس میں تین دن میں ۳۰۷ بلین گھوڑوں کی طاقت صرف ہوئی تھی جیسا کہ سائنس کی جانچ سے معلوم ہوا۔ اگر ۱۰۰ میل قطر اور ایک میل بلند طوفان کا وزن نصف ملین

ایسے جہازوں کی برابر ہو جن میں سے فی جہاز ۲۰ ہزار ٹن وزن رکھتا ہو تو اُسے ۲۰ میل فی گھنٹہ کی حرکت دینے کے لئے کس قدر طاقت کی ضرورت ہوتی ہوگی +

زمین تک پہنچ کر خط استوائی طوفان بالکل فنا ہو جاتے ہیں۔ سائکلون کی اوسط رفتار دُنیا کے مختلف حصّوں میں حسب ذیل ہوتی ہے :۔ ممالک متحدہ امریکہ میں ۲۸ میل فی گھنٹہ۔ شمالی اوقیانوس میں ۱۸ میل۔ یورپ میں ۱۶۔ جزائر غرب الہند میں ۱۴۔ خلیج بنگال اور بحر چین میں ۸ +

سائکلون کے اول نصف حصّے میں سب سے زیادہ دباؤ۔ بادل اور بارش کی سب سے زیادہ مقدار ظاہر ہوتی ہے۔ مگر بعض اوقات طاقت دار طول حیرت انگیز ہوتا ہے چنانچہ ایک عرصہ گزرا کہ ایک سائکلون جاپان سے شروع ہو کر۔ بحر الکاہل۔ امریکہ۔ بحر اوقیانوس اور یورپ سے گزرتا ہوا جزیرہ بالٹک پر ختم ہوا تھا۔ سائکلون سے کئی قسم کی آندھیوں کی ابتدا ہوتی ہے جو خواص کے اعتبار سے مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔ اور اسی لئے مختلف ناموں سے یاد کی جاتی ہیں۔ جو آندھیاں اس طرح پیدا ہوتی ہیں ان کے نام اور مقام یہ ہیں :۔ سروکو۔ اٹلی اور یونان میں۔ لیوبجی اور سولانو اسپین میں۔ لیبٹی مدیرا میں خامسن مصر میں۔ کونہ ہوائی میں۔ برک فیلڈر۔ اسٹریلیا میں۔ فوین سوئٹزرلینڈ میں۔ چینک امریکہ میں۔ ہاٹ نارتھ ویسٹر۔ نیوزیلینڈ میں +

جس طریقہ میں کہ حرارت ہوا سے خارج اور حاصل ہوتی ہے وہ نہایت سادہ ہے ہوا کے چڑھاؤ کے رُخ پر ہوا بادل کی سطح تک پہنچنے کے بعد اوپر کو چڑھتے وقت ہر ۳۰۰ فیٹ کی مسافت طے کر کے ½ درجہ حرارت کا خارج ہو جاتا ہے۔ ہوا کے اتراؤ کے رُخ پر اُترتے وقت ہر ۳۰۰ فیٹ کی مسافت طے کر کے ہوا ½۱ درجہ حرارت حاصل کر لیتی ہے +

ہوائی کرہ میں کی آوازیں

ہم سیّار زمین کے باشندے ہونے کی حیثیت سے ہماری مسرت کا زیادہ تر انحصار آواز پر ہے وہ آواز بے سُرا شور ہی کیوں نہ ہو۔ ایک دُنیا جس میں آدمیوں۔ حیوانوں کی چوں اور گیتوں کی آواز نہ ہونے سے بڑی خاموشی طاری ہو وہ ضرور ناقابل برداشت

ہوگی۔ جملہ قدرتی مظاہر میں سے ہوا ہی ایک ایسا مظہر ہے جس کا خاص طور پر ہوائی کرہ سے تعلق ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں اثیر ہوتا ہے روشنی بھی وہاں جا سکتی ہے چاہے وہ مقام خلا ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن آواز کا وجود ہوا کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ ہوا کی ہر ناگہانی حرکت سے ایک سلسلہ لہروں کا وہیں سے پیدا ہوتا ہے جہاں سے کہ ہوا کو حرکت ہوتی ہے اور وہ اُسی قسم کا ہوتا ہے جس قسم کا پانی کی لہروں کا وہ سلسلہ جو پانی کے اندر پتھر پھینکنے سے پیدا ہوتا ہے۔

دو ٹھوس اجسام کے یکایک باہم ملنے سے آس پاس کی ہوا میں ایک دھکا لگتا ہے جس سے ہوا کی لہروں کا اس قسم کا سلسلہ پیدا ہوتا ہے۔ مگر یہ لہریں پانی کی سطح پر کی لہروں سے ایک خاص بات میں مختلف ہوتی ہیں یعنی کیونکہ پانی کی لہریں تو اُوپر اور نیچے کو حرکت کرتی ہیں مگر ہوا کی لہریں سیدھی اوپر کو۔ ہوا کی لہریں اُسی سمت میں آگے پیچھے کو حرکت کرتی ہیں جس میں کہ ہوا کا رُخ پھر جاتا ہے۔ اس لئے ہوا باری باری سے دب جاتی اور ڈھیلی پڑ جاتی ہے اور ان حالتوں کے مطابق اپنی جائے پیدائش سے چاروں طرف کو حرکت کرتی ہے ہوا کی سنسنی جو اُس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ ایسی لہریں کان سے ملتی ہیں وہ بڑے فاصلہ پر سے پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ لہریں جب انسان کے کان میں داخل ہوتی ہیں تو ایک نازک پردے سے جا کر لگتی ہیں جسکی کھال سخت ہوتی ہے۔ اور اُسے آگے پیچھے کو جنبش دیتی ہیں اس جنبش کی حرکت ہڈیوں کے ایک سلسلہ کے ذریعے جو باہم ذرا ذرا سے فرق سے جُڑی ہوئی ہوتی ہیں آگے پیچھے کو بڑھتی ہے۔ حرکت کی بے قاعدگی تو دُور ہو جاتی ہے اور ہڈیاں لہروں کو ایک قسم کے باجہ کے اندر پہنچا دیتی ہیں جو بہت سے نازک پردوں سے مرکب ہوتا ہے۔ اور جن میں سے ہر پردہ ایک جداگانہ عصب سے ملا ہوتا ہے۔ اس باجہ پر راگ اور گت بجائی جاتی ہیں۔ اور ہمارے دماغ کو اونچے اور نیچے سُر محسوس ہوتے ہیں۔ جو ہم آہنگ بھی ہوتے ہیں اور اوڈھنگ بھی۔ ہم ایسی لہروں کو صرف آوازیں مانتے اور جانتے ہیں۔ جبکہ وہ ایک دوسرے کے بعد فی سیکنڈ ۱۶ اگنی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ یا ۳۸۰۰ گنی سے سست رفتار کے ساتھ دوڑتی ہیں۔ ان حدود کے آگے لہروں کا وجود ہوتا ہے۔ مگر وہ ہمارے کانوں کو سنائی نہیں دیتی ہیں۔ ان آوازوں سے قطع نظر فی سیکنڈ ۱۰۰ اور اونچی فی سیکنڈ ۲ ہزار تک لہریں

پیدا ہوتی ہیں ✦

ساری آوازیں ایک ہی رفتار سے حرکت کرتی ہیں یعنی معمولی ہوائی کرہ میں ۱۱۲۰ فیٹ فی سیکنڈ میں۔ اسی لئے جب ہم بجلی کی چمک کے کوئی پانچ سیکنڈ کے بعد گرج سُنتے ہیں تو اُس وقت گرج ہم سے ایک میل کے فاصلے پر ہوتی ہے ✦

سطح سمندر کے اوپر والی کثیف ہوا آواز کی بہتر حامل ہے۔ مگر پتلی ہوا جو بلندی پر ہو وہ بہتر حامل نہیں ہے۔ آواز نیچے کو اُترنے کی جگہ اوپر کو زیادہ آسانی کے ساتھ چڑھتی ہے۔ اور خشک ہوا کی نسبت تر ہوا کے ذریعے سے ذرا آسانی کے ساتھ حرکت کرتی ہے مسٹر گلیشر نے غبارہ میں جبکہ وہ چار میل کی بلندی پر تھا ایک ٹرین کا شور سُن لیا۔ مگر اس وقت غبارہ بادلوں میں تھا۔ لیکن جب غبارہ سے بادل بہت ہی نیچے تھے تو مسٹر گلیشر کو کوئی آواز نہیں سُنائی دی ✦

آواز کی بازگشت آواز ہوائی کرہ کا ایک عجیب مظہر ہے۔ آخری لفظ جو صفائی سے بولا جائے اُسکی بازگشت کے لئے بازگشت کرنے والی سطح کم از کم ۱۱۰ فیٹ کے فاصلے پر ہونا چاہیئے۔ اسی طرح ایک جملہ کے لئے اس سے دُگنے فاصلے پر۔ گنبد میں مسلسل بازگشت پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اُسکی آخری حرکت آواز سے حرارت کی شکل میں بدل جاتی ہے۔ کچھ کچھ بیضوی شکل کی عمارت میں جس میں ۱۰۰۰ لوگ بیٹھ سکتے ہوں اگر پن کے گرنے سے ایک سرے پر ذرا سی بھی آواز پیدا ہوتی ہے تو وہ دوسرے سرے پر بھی سُنائی دیتی ہے۔ دونوں عمارتوں کی بازگشت کا فرق یہ ہے کہ گنبد میں کی آواز کی لہریں ساری کی ساری ایک ہی نقطہ کی طرف واپس جاتی اور اس لئے ایک دوسرے پر آواز جاری رکھنے کے لئے دباؤ ڈالتی ہیں۔ مگر بیضوی عمارت میں دیواروں کے درمیان بازگشت کے جاری رہنے سے آواز میں کوئی کمی اس لئے نہیں آتی ہے کہ وہ ہر طرف پھیل جاتی ہے ✦

بجلی کی گرج ۳۰ میل اور بھک سے اُڑ جانے والی چیزوں سے پیدا ہونے والی آواز کا شور ۱۰۰ میل یا کچھ زیادہ فاصلہ سے بھی سُنائی دے جاتا ہے۔ اور کوہ آتش فشاں کی دھڑک کا شور تو اور بھی زیادہ دُور سے سُنائی دے جاتا ہے۔ اگر واٹرلو پر توپ چلائی جائے تو آواز دُور میں سُنائی دے جائے۔ اسی طرح ۱۸۸۳ء میں کراکاٹوا کوہ آتش فشاں کی دھڑک

قدیم ایرانیوں کے علوم وفنون

اس مضمون میں ہم کو یہ دکھانا ہے کہ قدیم اہل ایران میں علوم و آداب کی کیا حالت تھی۔ اور چونکہ زبان۔ رسم الخط۔ اور علوم ہی کی تفصیل پر اس بحث کا انحصار ہے اس واسطے ہم بجائے خود ان تینوں اُمور پر الگ الگ عنوان قائم کرکے روشنی ڈالتے ہیں:۔

(۱) ایرانیوں کی زبان

اہل فارس خود اپنے تئیں "ایرانی" کہتے ہیں۔ مگر عام لوگ اُن کو "فارسی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ معمولاً "فارسی" کا لفظ اپنے اصلی مدلول سے بہت ہی زیادہ وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ "فارس" درحقیقت ملک ایران کے ایک چھوٹے سے حصہ کا نام ہے جس کی حدبندی نقشہ میں صاف دکھائی دیتی ہے اور وہ جنوبی سمت "خوستان" اور "کرمان" کے صوبوں کے مابین واقع ہے۔ اہل عرب نے "فارسی" کا لفظ عام اہل ایران کے واسطے استعمال کرلیا حالانکہ وہ اصل میں شمالی حصۂ ایران کے باشندوں کا نام تھا۔ اہل عرب کا یہ نام رکھنا گویا اس واقعہ کا جواب بالمثل تھا کہ ایرانیوں نے سابقہ زمانہ میں جزیرہ نمائے عرب کے تمام باشندوں کا نام عرب رکھدیا تھا حالانکہ اصل میں یہ نام جزیرہ نمائے عرب کے صرف حصۂ شمالی کے باشندوں کا تھا۔

غرض کہ جب ہم اجمالی طور پر اہل فارس سے ایران والوں ہی کو مراد لیں تو انکی تاریخ آرین اقوام کے عہد سے آغاز ہوگی۔ کیونکہ ایرانی اسی نامور قوم کی ایک شاخ ہیں۔ آرین قوم کے عہد سے بعد اور متصل وہ زمانہ پایا جاتا ہے جس میں ایران اور ہندوستان ہر دو ممالک کے رہنے والے ایک ہی قوم کے افراد تھے۔ اور بعد ازاں قدیم اہل ایران کا زمانہ آتا ہے جن کے متفرق کئی ایک قبیلے تھے۔ اور بعدہ اشوریوں کا عصر آتا ہے تا ہے جبکہ ایران کا ملک اہل اشور کے زیر حکومت تھا۔ یعنی دسویں صدی قبل مسیح میں تا

اور یہ وہ زمانہ ہے جس میں "مادی" کی حکومت قائم ہوئی۔ حکومت "مادی" ایرانیوں کی قدیم ترین سلطنت ہے اور اس کا قیام سنہ قبل مسیح میں ہوا تھا۔ پھر اس سلطنت کا خاتمہ ہو چکنے کے بعد سنہ ۵۵۰ قبل مسیح میں کیانی حکومت کی بنیاد پڑنے کے ساتھ اصلی اور حقیقی ایرانی سلطنت کا دور شروع ہوا اور اس ثانوی خاندان حکومت کا چراغ اسکندر اعظم کے ہاتھوں سنہ ۳۳۰ قبل مسیح میں گل ہو گیا۔ سنہ ۳۳۰ قبل مسیح سے سنہ ۲۲۶ بعد مسیح تک ایران میں طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا مگر سنہ ۲۲۶ع میں ساسانی حکومت کی بنیاد پڑی اور یہ سلطنت زمانہ اسلام تک قائم رہتی چلی آئی۔ اہل عرب نے ایران کو سنہ ۶۵۲ع میں فتح کر کے اس سلطنت کا چراغ گل کیا۔ اس زمانہ سے ایران کا ابتدائی اسلامی عہد آغاز ہوتا ہے۔

ایران والوں پر کئی ایک پولیٹکل انقلابات آئے۔ اور ان تبدیلیوں کا اثر انکی زبان پر بھی پڑتا گیا۔ اصل میں ایرانی زبان ہندوستان کی قدیم زبان سنسکرت کے قریب قریب تھی۔ مگر ایرانیوں کے اہل ہند سے الگ ہونے کے بعد زبان کی نوعیت بدلنے لگی۔ ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ حکومت "مادی" کے قیام سے پہلے ایرانی زبان کا کیا حال تھا۔ کیونکہ اشوری حکومت کے عہد میں یا اُس سے قبل ایرانی تواریخ اور زبان پر کیا گزرا۔ اس کی حقیقت اہل تحقیق پر قطعاً عیاں نہیں ہو سکی ہے۔ تاہم بعض دیگر حالات سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ سلطنت اشور کے عہد میں ایرانی زبان کا رنگ ویسا ہی بدل گیا تھا جیسا کہ عربوں کی حکومت کے ایام میں یہ زبان پلٹا کھا گئی۔ چنانچہ جس طرح بعد کے (اسلامی) عہد میں ایرانی زبان میں ہزاروں عربی الفاظ مل جل کر جزو زبان بن گئے ویسے ہی اشوری سلطنت کے عہد میں آرامی اور کلدانی زبانوں کے الفاظ کا کثیر حصہ فارسی زبان میں شامل و داخل ہو گیا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایرانی زبان کی تاریخ نے بھی اس قوم کی تاریخ کی طرح مختلف پلٹے کھائے ہیں اور اس تاریخ کو چار زمانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:-

(۱) پہلی ایرانی زمانہ:- وجود تاریخ کے زمانہ سے قبل آغاز ہوتا ہے جس میں زبان کی ترقی فطری طریقے پر ہوتی رہی اور ایران والوں کے اہل اشور کے ماتحت میں آتے ہی یہ دور ختم ہو گیا۔

(۲) آرامی عہد:- یہ دسویں صدی قبل مسیح میں اہل اشور کے ایرانیوں پر غالب آ جانے کے وقت سے شروع ہوتا اور ۵۵۰ء قبل مسیح یعنی اصلی کیانی سلطنت کے ممالک ایران میں قائم ہونے تک رہتا ہے۔ حکومت مادی کا شمار بھی اسی عہد میں ہے۔ اور اس دور کی زبان یہ امتیاز رکھتی ہے کہ اس زمانہ میں فارسی زبان میں کچھ اشوری اور آرامی زبانوں کے الفاظ داخل ہو گئے تھے۔ اور سامی زبان والوں کے کسی قدر خرافات قصص اور اُن کے رسم و رواج کا اثر بھی ایرانی زبان میں آ گیا تھا۔ یہاں تک کہ علمائے تاریخ کا قول ہے کہ سامی زبان کے اوہام و عادات کا رنگ ایران کے اصلی اور مادی خرافات پر بھی بہت چڑھ گیا تھا۔ علمائے تواریخ کو اس زبان کے آثار دستیاب نہیں ہو سکے مگر اہل ایران نے اپنی دینی کتاب "ژند واستا" اُسی زبان میں یا اُس کے مشابہ کسی اور زبان میں لکھی تھی اور وہ زبان "ژندی" کہلاتی ہے۔

(۳) پہلا فارسی عہد:- حکومت کیانیہ کے زمانہ میں شروع ہوا اور اس عہد کی زبان قدیم فارسی زبان کہلاتی ہے۔ اس زبان کے کئی نمونے مقام "اصطخر" کے بوسیدہ کھنڈروں پر منقوش پائے گئے۔ یہ حروف اور خط "اسفینی" میں کندہ ہیں جو اشوری رسم الخط تھا اور یہ مذکورۂ بالا فارسی زبان ایرانی زبان کی ایک شاخ اور اُس کی بہن ہے مگر یہ زبان ایران کی تمام قوموں کی زبانوں پر ویسی ہی غالب آ گئی جس طرح قبیلۂ قریش کی زبان نے اسلام کے بعد باوجود ایک ہی قبیلہ کی زبان ہونے کے عرب کے دیگر قبائل کی زبانوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔

(۴) ساسانی زمانہ:- یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ۲۲۶ء میں ساسانیوں کی حکومت قائم ہو کر ظہور اسلام کے وقت تک قائم رہی تھی۔ اس دور کی زبان "پہلوی" کہلاتی اور اپنے سے قبل کی زبان سے الفاظ و معانی دونوں کے اعتبار سے اختلاف رکھتی ہے۔ یہی زبان ہے جو ظہور اسلام کے وقت تک عرصے سے ایران کے ملک میں شائع چلی آتی تھی اور اسی میں ایرانیوں کی علمی اور دینی کتابوں کی تدوین ہوا کرتی تھی الخ اسی زبان میں حکومت ساسانی کے آثار اُن کے شہروں کے کھنڈروں اور سکوں اور انگشتریوں اور مرصع زیورات پر منقوش پائے گئے۔ یونان وغیرہ ممالک کی کتابوں کا ترجمہ بھی اسی

زبان میں ہوا اور ابن المقفّع نے کتاب کلیلہ و دمنہ، کتاب مزدک، اور خدائنامہ، فن سیر میں اور آئین نامہ، آداب کبیر اور آداب صغیر۔ دیگر فنون میں اسی زبان سے عربی میں ترجمہ کیں۔ جبلہ بن سالم نے کتاب رستم و اسفندیار، اور کتاب بہرام شوس، کا ترجمہ بھی اسی زبان سے کیا اور الف لیلہ و لیلہ کی اصل ہزار افسانہ کا عربی ترجمہ اور کتاب حالات شاہان فارس وغیرہ کے تراجم بھی اسلامی تمدن کے زمانہ میں اسی زبان سے کیئے گئے۔ پہلوی زبان کو مذکورۂ سابق قدیم فارسی سے امتیاز دینے کے واسطے وسط زمانہ کی فارسی زبان بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ موجودہ فارسی زبان اور قدیم فارسی کے وسط میں واقع تھی۔ پہلوی اور موجودہ فارسی زبان کے مابین فرق صرف یہ ہے کہ آج کل عربی الفاظ بکثرت فارسی زبان میں مل گئے ہیں اور ظہور اسلام کے بعد سے برابر یہ سلسلہ جاری چلا آتا ہے خصوصاً حکومت بنی عباس کے زمانہ میں جبکہ اہل ایران ہی اس سلطنت کے ہر صیغہ میں کارکن نظر آتے تھے اور علم، پالیٹکس، و لٹریچر ہر ایک میں فارس والوں ہی کی تعداد بڑھی رہتی تھی فارسی زبان نے عربی الفاظ کا وافر ذخیرہ اپنے اندر داخل کر لیا اور خالص پہلوی زبان بتدریج فنا ہوتے ہوتے آخرکار بول چال میں متروک ہو گئی اور صرف کتابوں میں منحصر رہی وہ بھی زردشتی مذہب کی دینی کتابوں میں کیونکہ اس مذہب کے پابند زبانِ پہلوی کو اپنی مقدس دینی زبان مانتے اور یہ خیال دینی کتابوں کا اسی زبان میں لکھنا اور مرتب کرنا افضل جانتے ہیں۔ آتش پرست فارسیوں کا یہ خیال کچھ قابل تعجب نہیں کیونکہ بعض قوموں نے اپنے قدیم رسم الخط اور کتابت کے حروف کو متبرک مانا ہے مصر کے قدیم دینی علماء صوری ہیروغلیفی حروف کو اس قدر مقدس مانتے تھے کہ آسانی سے لکھے جانے والے ڈیموطیقی حروف کا رواج ہونے کے باوجود وہ جب کوئی دینی عبارت یا دعا یا مذہبی یادگار نقش کرنا چاہتے تو ہیروغلیفی ہی خط میں کرتے تھے غرضکہ فارسی زبان دراصل چار زبانیں قرار پائی ہیں (۱) مادی زبان اور اس سے قبل کی زبان۔ اس زبان کی تاریخ نامعلوم ہے (۲) زبانِ ژندواستا یعنی دینی کتابوں کی زبان اور اس زبان میں بجز ژندواستا کے اور کوئی کتاب لکھی ہی نہیں گئی (۳) قدیم فارسی زبان۔ اس زبان کے آثار میں صرف چند دینی واقعات

کے کتبے پتھروں پر کندہ پائے گئے ہیں۔ یہ کتبے حروف "اسفینی" میں لکھے ہوئے "فرسبولیس" میں برآمد ہوئے تھے۔ (۴) پہلوی۔ حکومت ساسانیہ کی درباری زبان اور قرونِ وسطےٰ کی بول چال اسی پر منحصر تھی۔ اور ان چاروں زبانوں کے بعد پانچواں درجہ موجودہ فارسی زبان کا ہے جس میں اہل فارس آجکل بات چیت اور اظہار مدعا کرتے ہیں۔ اور اس کی بہت سی شاخیں ہیں جن میں زیادہ مشہور فروع یہ ہیں:۔ افغانی، بلوچستانی، کردی، پامیری، اور اوستنی،

(۲) ایرانیوں کے علوم

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں ایرانی اہل ہند کی طرح آرین نسل سے ہیں۔ انہوں نے قبل مسیح علیہ السلام یونانیوں پر ایک ایسے لشکر جرار کے ساتھ چڑھائی کی تھی کہ آج باوجودیکہ وسط ایشیا سے بحیرۂ ابیض تک نقل وحرکت اور دوسری آسانیوں کے دُنیا کی بڑی سی بڑی طاقت کے لئے دوسرے ملک میں فوج کی اتنی کثیر تعداد لے جانا ممکن نہیں ہے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اب سے بیس بائیس صدی پیشتر ایرانیوں کی تہذیب کا کیا عالم تھا۔ جو قوم اس قدر طاقتور ہو وہ لازمی طور پر علم وتہذیب سے عاری نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ ایرانیوں کے اندر بھی اسباب تمدن کے لئے فطری استعداد موجود تھی۔ وہ نہایت ذکی وعقیل تھے۔ اگرچہ انکے اس زمانہ کے اشعار کے نمونے ہم تک بہت ہی کم پہنچے ہیں۔ تاہم یہ یقینی ہے کہ وہ اپنے بھائی اہل ہند کی مثل۔ جنہوں نے مہابھارت میں کمال نظم دکھایا ہے۔ شعرگوئی پر بخوبی قادر تھے۔ بابل اور اشور کی وراثت اور یونان کی آمد ورفت اور اہل ہند کے ساتھ میل جول کی وجہ سے انہیں دیگر علوم مثل طبیعیات۔ ریاضیات اور نجوم وغیرہ میں بھی دخل تھا۔ وہ فن کتابت سے بھی واقف تھے۔ اور پہلوی زبان میں درختوں کی چھالوں پر لکھا کرتے تھے۔ اس رائے کی تائید اس تاریخی واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب سکندر اعظم نے فارس پر حملہ کر کے اس کے پایہ تخت اصطخر کو فتح کیا تو منجملہ دوسری چیزوں کے کتابوں کا بھی بہت بڑا ذخیرہ اس کے ہاتھ لگا تھا۔ جس کو وہ مصر لے گیا۔ اور اس طرح علم طب۔ نجوم اور طبیعیات کے خزانے۔ جو ایرانیوں نے اہل ہند اور اہل چین سے حاصل کئے تھے۔

مصر میں پہنچ گئے۔ جہاں ان کا ترجمہ یونانی اور قبطی زبانوں میں کیا گیا +

اوائل چوتھی صدی ہجری میں ایران کے بعض مقامات پر سنگین الماریوں کے اندر ایسی کتابیں دستیاب ہوئیں جو قدیم فارسی زبان میں رومی اور کلدانی علم نجوم پر لکھی گئی تھیں مورخ ابن ندیم کا قول ہے کہ یہ کتابیں ایران کے علم دوست بادشاہ طہورث نے بارش وغیرہ کے خوف سے پتھر کی الماریوں میں رکھوا دی تھیں۔ ان کے علاوہ اور کتابیں بھی ملیں جن کو کوئی پڑھ نہیں سکا +

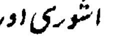
تیسری صدی عیسوی کے وسط (یعنی شاہ ساپور اردشیر کے عہد تک) جو فارسی علوم عام طور پر مروج اور شائع تھے وہ بعض اشعار اور تاریخ اور عقائد دین کی کتابوں سے زیادہ نہ تھے۔ لیکن ساپور اور سلطنت روم کے مابین جنگ ہوئی جس میں ساپور کامیاب ہوا۔ اور قیدیوں کی کثیر تعداد اپنے ساتھ لایا۔ اور ان سے ایک شہر آباد کیا۔ جس کا نام "جندیساپور" رکھا۔ اور ان لوگوں سے یونان کے علوم کو فارسی میں ترجمہ کرایا۔ اور روم کے شہروں کو سفیر بھیجکر وہاں سے فلسفہ کی کتابیں منگائیں۔ ان کو فارسی میں ترجمہ کرایا اور لوگوں کو ان کی نقل کرنے اور پڑھنے کا حکم دیا +

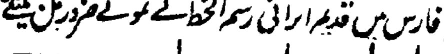
جس زمانہ میں ملک نوشیروان عادل (۵۳۱-۵۷۹ء) فارس کے تخت سلطنت پر متمکن تھا ایرانیوں کے لئے تحصیل علم و فلسفہ کا ایک نیا میدان کھلا ہوا تھا۔ اس وقت سلطنت رومی کا فرمانروا گسٹینین تھا جس نے بت پرستوں کے فلسفہ کی تعلیم موقوف کر دی تھی۔ اور ان کی ہیکلوں اور مدارس کو بند کر دیا تھا۔ پس لوگ اس کے ظلم سے بھاگنے لگے۔ کچھ نوشیرواں کی پناہ میں بھی آئے۔ جن کی اس نے بہت تکریم و مدارات کی۔ اور ان کو فارسی زبان میں منطق، طب اور فلسفہ کی کتابوں کے ترجمہ اور تالیف کا حکم دیا۔ اور لوگوں کو ان علوم کے مطالعہ اور تحصیل کی ترغیب دی۔ اور مامون رشید اعظم کی طرح نوشیرواں نے بھی علمی مباحث کے لئے مجلس مناظرہ قائم کی +

نوشیرواں نے اسی پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ ہندوستان کے علوم کو بھی اپنی زبان میں لیا۔ اور جندیساپور میں ایک شفاخانہ قائم کیا۔ جہاں ہندی اور یونانی طب کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔ اور اس طرح گویا ہندی اور یونانی طب کا نچوڑ فارسی میں آ گیا +

غرضکہ قدیم ایرانی فلسفہ۔ طب ۔ ادب ۔ شعر۔ نجوم میں خاص شہرت اور مہارت رکھتے تھے ۔ جس کو نوشیروان عادل کے عہد میں کامل فروغ حاصل ہوا ۔ اور کچھ شک نہیں کہ علم کو عدل و آزادی ہی کے سایہ میں فروغ حاصل ہو سکتا ہے +

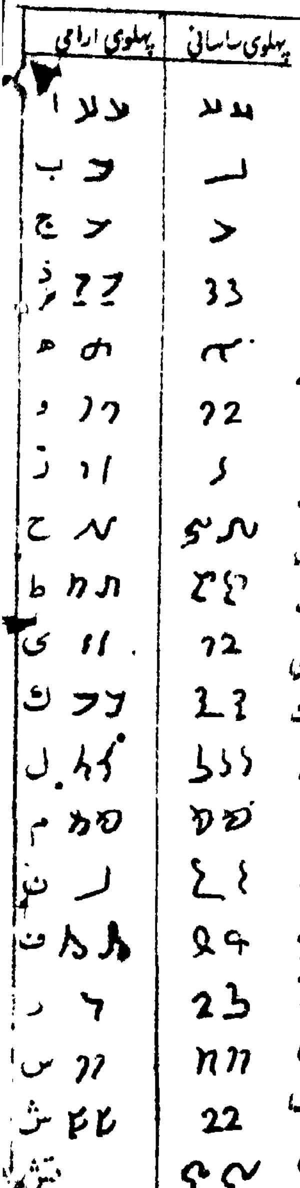
(۳) قدیم ایرانیوں کا رسم الخط

ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ قدیم ایرانی "اصلی ایرانی عہد" میں کونسا رسم الخط برتتے تھے ۔ یا یہ کہ وہ لکھتے بھی تھے یا نہیں لیکن "عہد آرامی" کے ابتدائی حصہ میں یعنی دس سے ساتویں صدی قبل مسیح تک چونکہ ایرانی اشوریوں کے زیر حکومت تھے اور "عہد آرامی" کے دوسرے حصہ میں یعنی وسط چھٹی صدی قبل مسیح تک وہ میڈیا والوں کے ماتحت تھے ۔ اس لئے قیاس چاہتا ہے کہ قدیم ایرانی ضرور لکھنا جانتے ہونگے ۔ کیونکہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک قوم جو خود بھی دولتمند ہو (اور پھر ایک ایسی دولتمند قوم کی وارث ہو جو لکھنا جانتی اور جسکے اندر کتابوں اور علم و صنعت کا رواج ہو) اور اس کی لغت مدون نہ ہوئی ہو غالب گمان یہ ہے کہ اس زمانہ میں ایرانی "میکانی" حروف لکھتے تھے ۔ کیونکہ اس وقت اشوری اور بابلی زبانیں انہی حروف میں لکھی جاتی تھیں ۔ اور آج بھی مابین النہرین اور دوسرے مقامات پر یہ رسم خط پایا جاتا ہے ۔ ان حروف کا نمونہ یہ ہے  مستشرقوں کو امید ہے کہ عراق یا فارس میں قدیم ایرانی رسم الخط کے نمونے ضرور مل جائینگے ۔

آرامی حروف کی شکل یہ ہے :- 

جس آرامی رسم الخط کو اہل بابل اور اشور کام میں لاتے تھے اور جس کو اہل فارس نے اختیار کیا تھا وہ فونیشیا کے رسم الخط سے نکلی تھی ۔ اسی خط کو ایرانی تاریخوں کے لکھنے میں استعمال کرتے تھے ۔ اور اگرچہ اب تک اس خط کے متعلق ہمیں زیادہ واقفیت حاصل نہیں ہوئی ۔ تاہم یہ یقینی ہے کہ یہی خط اس خط کی اصل ہے جو اس وقت بھی ہند و فارس میں رائج ہے +

کیانی سلطنت کے عروج کے زمانے میں تاریخوں اور آثار کی تدوین میں



دہی پیکانی یا اشوری خط برتا جاتا تھا۔ اصطخر کے کھنڈروں میں اس کے نمونے اب تک دیکھے جاتے ہیں اور ۲۴ صدیاں گزرنے پر بھی حروف کی شکل و صورت بدستور قائم ہے جسے دیکھکر سیاح دنگ رہ جاتے ہیں ان آثار قدیمہ کی عبارت میں چار سو الفاظ ہیں ۔

دولت ساسانیہ کے زمانہ میں کتابت اُن حروف میں ہوتی تھی جو کتب مقدسہ کے لئے مخصوص تھے یعنی ژندی ۔ اس ابجد میں ۳۰ حروف ساکن اور ۱۱ متحرک ہیں ۔ اس وقت پہلوی حروف بھی تحریر کے کام میں لائے جاتے تھے ۔ ژندی اور پہلوی دونوں قسم کے حروف آرامی خط سے مختلف ہیں ۔ پہلوی حروف کی بڑی بڑی دو قسمیں ہیں ۔ پہلوی ساسانی اور پہلوی آرامی ان کے علاوہ پہلوی حروف کی اور بھی شکلیں ہیں جو مختلف اغراض کے لئے کام میں آتی ہیں ۔ یا اختلاف زمانہ سے بدل گئی ہیں مثلاً سکوں پر جو حروف کندہ ہیں وہ ان حروف سے مختلف ہیں جو درختوں کی چھالوں پر لکھے جاتے تھے ۔ اور یہ حروف بھی کتابوں کے حروف سے جدا ہیں ۔ اور اصطخر کے آثار قدیمہ میں جو کتبے برآمد ہوتے ہیں ان کے حروف وہ ہیں جن میں کتابیں لکھی جاتی تھیں ۔ اور لڑائی کے زمانہ میں ایرانی سردار عربی سرداروں کو جنگی اطلاعیں لکھتے تھے ۔ قدیم عربوں کے ایران میں رسوخ پانے کے بعد سے ان حروف کی شکل بدل گئی اور عربی حروف نے رواج پایا ۔ اگرچہ زردشت کے پیرو دینی کتابیں اُنہی قدیم حروف میں لکھتے ہیں ۔ کیونکہ وہ ان حروف کو دین کا ایک جزو سمجھتے ہیں ۔

(از الہلال) م

تاریخ یورپ

آسٹریہ ہنگری

پرشیا کی فوجیں بسرکردگی جنرل مولٹکی سنہ ۱۸۶۶ء میں بوہیمیا ہی کے راستہ سے آئی تھیں۔ اور اُسی کی حدود کے اندر مشہور "جنگ ہفت سالہ" کا فیصلہ ہوا۔ اس موقع پر یہ بتا دینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بوہیمیا گویا موسیقی کی سرزمین ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے بغیر تعلیم پائے گاتے ہیں اور باجے بجاتے ہیں۔ سچ ہے "مچھلی کے جائے کن ترائے" یہاں کے گویے کل وسط یورپ میں مشہور ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ پانچ پانچ چھ چھ آدمیوں کا گروہ بنا کر شہر بہ شہر اور ملک بملک گاتے پڑے پھرا کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو "خانہ بدوش مغنی" کا لقب دیا گیا ہے۔

گیلیشیا اب روی لیتھا کا چوتھا شاہی علاقہ ہے۔ اس میں "سلاؤ" قوم کے لوگ آباد ہیں۔ ایک زمانہ میں گیلیشیا قدیم سلطنت پولینڈ کا ایک جز تھی۔ اس کے دو دریا بہت مشہور ہیں۔ ایک تو "وسچولا" جو شمال کی طرف جاکر بحیرہ بالٹک میں گرتا ہے۔ قدیم سلطنت پولینڈ کا پایہ تخت وارسا اسی دریا پر واقع ہے۔ اور اب بھی روس کے بڑے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ دوسرا دریا "نیسٹر" ہے جو بمقام اڈیسہ بحیرۂ اسود میں گرتا ہے۔ دریائے نیسٹر کے کنارے اپنی چراگاہوں کے لئے مشہور ہیں۔ یہاں گھاس اتنی لمبی ہوتی ہے کہ مویشی اس کے اندر بالکل غائب ہو جاتے ہیں۔ لیمبرگ گیلیشیا کا ایک بڑا شہر ہے۔ اسکے چاروں طرف پہاڑیاں ہیں۔ تجارت بہت بڑھی ہوئی ہے۔ سال میں ایک بار بہت بڑا میلا لگتا ہے۔ جسے "تین بادشاہوں کا میلا" کہتے ہیں۔ بازار چھ ہفتے تک لگا رہتا ہے۔ روسی تاجر یہاں سائبیریا کی سمور کثرت سے لاتے ہیں۔ اور لوٹتے ہوئے برتن اور گیلیشیا کا سوتی سامان لے جاتے ہیں۔ پولینڈ اور گیلیشیا کا غلہ لیمبرگ ہی میں آکر جمع ہوتا ہے۔

اور کشتیوں میں لا کر نیسٹر کے راستہ سے بحیرہ اسود کے روسی بندرگاہ اوڈیسہ کو جاتا ہے ٭
بوکووینا ایں روی لیتھا کا پانچواں شاہی علاقہ ہے۔ اسے گیلیشیا ہی کا ایک حصہ سمجھنا چاہیئے۔ صدر مقام اس کا زرنوویچ ہے ٭

آسٹرین سیلیشیا چھٹا علاقہ ہے۔ اور پولینڈ کا یہ بھی ایک حصہ تھا۔ روس۔ آسٹریا۔ اور پرشیا آپ آپ کو اسے لینے کے خواہشمند تھے۔ اور انہوں نے اس غرض کے لئے باہم اتحاد کر رکھا تھا۔ اور اس اتحاد کو انہوں نے "مقدس اتحاد" کے نام سے موسوم کیا تھا۔ کیونکہ جب لوگوں کے خود اپنے افعال ناپاک ہوتے ہیں تو وہ ایسے ناموں سے بہت خوش ہوا کرتے ہیں۔ یہی حال سیلیشیا والوں کا تھا۔ مگر ان تینوں ملکوں کا اتحاد قائم نہ رہ سکا۔ اور سیلیشیا کو "کریکو کی ریپبلک" کے نام سے آزاد کر دیا گیا۔ مگر آخر میں آسٹریا کو اس پر قبضہ کرنے میں کامیابی ہوئی۔ اس کا صدر مقام کریکو دریائے وسچولا پر واقع اور نہایت عجیب شہر ہے۔ جو ایک شاداب اور زرخیز علاقہ کے ٹھیک وسط میں تعمیر کیا گیا ہے۔ پولینڈ کے بادشاہوں کی رسم تاج پوشی یہیں ادا ہوتی تھی۔ ویول نامی ایک پہاڑی پر وہ قلعہ ہے جسے پولینڈ کی سلطنت کے بانی شاہ کریکس نے تعمیر کیا تھا ٭

نامور سائنس داں نکولس کوپرنیکس کریکو ہی کے قریب ایک مقام پر پیدا ہوا تھا اس نے زمین کے اپنے محور پر اور سورج کے گرد گھومنے کا مسئلہ دریافت کیا تھا۔ اس دریافت کی وجہ سے مارٹن لوتھر نے جو سائنس سے بہت زیادہ واقف نہ تھا اُسے "مغرور احمق" بتایا تھا۔ کوپرنیکس کی بابت کہا گیا ہے کہ "اگرچہ اس کا کام ناقص تھا۔ لیکن دنیا میں اب تک جو سائنس کی دریافتیں ہوئی ہیں ان سب میں بڑا تھا" ٭

ساتویں شاہی علاقہ موریویا میں بھی سلاو قوم آباد ہے۔ کہتے ہیں کہ شارلیمین کے زمانہ میں اس سلطنت کی حدود بحیرہ بالٹک سے بحیرہ ایڈریاٹک تک پھیلی ہوئی تھیں لیکن اگر یہ روایت درست ہے تو یہ امر یقینی ہے کہ سلطنت عرصہ تک قائم نہیں رہی یہ علاقہ زرخیز اور بڑی بڑی صنعتوں کے لئے مشہور ہے۔ اس کا صدر مقام برن ہے جس طرح پیرس کا قیدخانہ "باسٹل" دنیا بھر میں مشہور ہے اسی طرح برن میں بھی ایک

بہت بڑا سرکاری قید خانہ اسپالبرگ نامی ہے ٭

آسٹریا آٹھواں اور سالز برگ نواں علاقہ ہے۔ یہ دونوں برفستانی مقامات ہیں۔ مہینوں لگاتار برفباری ہوتی رہتی ہے۔ اور لوگ گھروں میں مقید بیٹھے رہتے ہیں آسٹریا کا صدر مقام شہر گراز ہے۔ دریائے اینز جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے سالز برگ ہی سے نکلتا ہے۔ اسکے صدر مقام کا نام بھی سالز برگ ہی ہے۔ اسکے عظیم الشان دروازہ کی یہ ایک خصوصیت ہے کہ وہ زندہ چٹان سے کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ یعنی پتھروں کے ٹکڑوں کو چن کر دروازہ تعمیر نہیں کیا۔ بلکہ پہاڑ ہی کو کاٹ کر راستہ نکال لیا ہے ٭

دسواں علاقہ ٹائرول ہے۔ اس کا صدر مقام انسبرک دریائے ان پر واقع ہے جو ڈینیوب میں جا کر گرتا ہے۔ ٹائرول بوجہ اپنی خوشنمائی اور زرخیزی کے "آسٹرین سوئٹزرلینڈ" کہلاتا ہے۔ باشندوں کے اطوار و عادات میں سوئٹزرلینڈ اور آسٹریا دونوں ملکوں کے لوگوں کی خصوصیات شامل ہیں۔ وہ سوئٹزرلینڈ والوں کی طرح نہایت آزادی پسند اور آزاد منش ہیں۔ اور آسٹریا والوں کی طرح خلیق ہیں۔ وہ انتہا درجہ کے محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں۔ دن نکلنے سے سورج چھپنے تک کام میں مصروف رہتے ہیں۔ اگر پہاڑ کے شگاف میں بھی قابل زراعت اراضی دیکھ پائیں تو اُسے بھی نہیں چھوڑتے۔ رسیوں کے ذریعے سے نیچے اُتر جاتے ہیں اور ذرا نہیں ڈرتے۔ جاڑوں کے موسم میں جب برفباری ہوتی ہے اور وہ مکان سے باہر نہیں نکل سکتے تو ان کا گھر مصروفیت کے لحاظ سے گویا شہد کی مکھی کا چھتا ہوتا ہے۔ جہاں عورتیں کاتتی اور مرد چوب تراشی میں مشغول رہتے ہیں۔ کناری پرندوں کو سدھانا ان کا خاص پیشہ ہے۔ زن و بچہ میں بہادری اور حب الوطنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ جرمنی کی ریاست بیویریا نے ایک مرتبہ فرانسیسیوں کی امداد سے ٹائرول پر حملہ کیا۔ چونکہ راستے دشوار گزار تھے حملہ آوروں کو کسی واقف حال رہبر کی ضرورت پڑی۔ لیکن باوجود ہر قسم کے لالچ دینے کے حملہ آوروں کو ٹائرول کا ایک شخص بھی رہبری کے کام کے لئے نہ ملا۔ آخر جب لڑائی ہوئی تو بیوی اور شوہر بیٹی اور باپ پہلو بہ پہلو لڑے۔ اور اس طرح کم و بیش ۱۵۰۰ سو بہادر عورتوں نے وطن پر اپنی جان قربان کر دی۔ اہل ٹائرول کی زبان جرمن ہے ٭

گیارھواں اور بارھواں صوبہ علی الترتیب کارنتھیا اور کارنیولا ہیں۔ یہ دونوں بھی برفستانی خطے ہیں۔ انگلستان کے مشہور شاعر گولڈ اسمتھ نے اسی کارنتھیا کی نسبت کہا ہے کہ "کج خلق باشندگان کارنتھیا بے خانماں مسافر کو اپنے گھر میں پناہ نہیں دیتے بلکہ اُسے دیکھکر دروازہ بند کرلیتے ہیں"۔ بعض مقامات پر پہاڑوں کے غاروں کے اندر ہوکر راستہ ہے۔ بعض اس قسم کے راستے چار چار میل لمبے ہیں۔ کارنیولا کے کسان بڑے جفاکش اور مضبوط ہوتے ہیں۔ وہ ننگے پاؤں ننگے بدن برف میں بے تکلف چلتے پھرتے رہتے ہیں ٭

اسٹریا صوبجات ایں روی لیتھا کا تیرھواں علاقہ ہے۔ جو وینس کے ٹھیک مقابلہ میں بحیرۂ ایڈریٹک کے شمال مشرقی گوشہ پر واقع ہے۔ اسٹریا آسٹریا کا بحری صوبہ ہے۔ آسٹریا کے پاس صرف تین بڑے بندرگاہ ہیں۔ ٹریسٹ۔ پولا اور فیوم اور یہ تینوں اسٹریا میں ہیں۔ ساحل ایڈریٹک پر بعض چھوٹے چھوٹے اور بندرگاہ بھی ہیں۔ مگر ان میں سے قابل ذکر کوئی نہیں ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ بعض لوگ فیوم کو ہنگری کے متعلق بتلاتے ہیں۔ بجالیکہ ہنگری بالکل اندرونی حصۂ ملک میں واقع ہے اور فیوم اور ہنگری کے درمیان ایک سو میل طویل علاقہ حائل ہے۔ ٹریسٹ اور پولا آسٹریا کے بحری اسٹیشن ہیں۔ آسٹریا کے پاس بیڑہ تو چھوٹا سا ہے۔ مگر بہت اچھا ہے۔ چودھواں صوبہ ڈلمیشیا ہے جسکے مغرب میں بحیرۂ ایڈریٹک اور مشرق میں سلسلۂ کوہ ڈنارک ایلپس واقع ہے۔ اور آسٹریا کے سابق ترکی صوبوں بوسینیا اور ہرزیگونیا سے جُدا کرتا ہے۔ ڈلمیشیا کا ساحل بالکل ناروے کے ساحل کی طرح ہے۔ یعنی ڈلمیشیا کے ساحل پر بھی ایک سرے سے دوسرے سرے تک جزیروں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ ان میں بعض جزیرے بڑے ہیں۔ از انجملہ ایک جزیرہ لیسینیا ہے جس کا طول ۴۴ اور عرض ۶ میل ہے۔ یہ جزیرے سمندر کی طرف سے حملہ کرنیوالوں کے لئے گویا نہایت مضبوط باڑھ ہیں۔ ساحل کے ناہموار ہونے کی وجہ سے جو خلیجیں پیدا ہوگئی ہیں وہ جہازوں کے ٹھیرنے کے لئے اچھے مقام ہیں۔ مگر ساحل پر بہت سے پہاڑ اور چٹانیں ہونے کی وجہ سے یہ مقامات عمدہ بندرگاہوں کا کام نہیں دے سکتے

[illegible] کا عمدہ انتظام کرتا ہے - ساحل پر ماہی گیری اور دُرہ داری بہت کثرت ہوتی ہے - آبادی سلاو ہے - ایک زمانہ میں یہ صوبہ وینس والوں کے قبضہ میں تھا - اور یہاں بڑے بڑے شہر، قصبات، دیہات کثرت سے تھے مگر اب سب کھنڈر پڑے ہیں - صرف چند دیہ باقی رہ گئے ہیں +

ٹرکی کے حال میں آپ پڑھ چکے ہونگے کہ ہرزیگونیا اور بوسینیا ٹرکی سے نکال کر آسٹریا کو دیئے گئے ہیں - آسٹریا نے یہاں عمدہ انتظام کیا ہے - سڑکیں نکالی ہیں - پولس قائم کی ہے اور عدالتیں بٹھائی ہیں +

آسٹریا والوں کے اطوار نہایت دلکش ہیں - آئرلینڈ اور فرانس کے باشندے اپنی شائستگی کیلئے یورپ بھر میں مشہور ہیں - مگر آسٹریا والوں میں ایک خاص بات ہے جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ آسٹریا کا دریا ڈینیوب یورپ کے تمام دریاؤں سے زیادہ خوبصورت ہے - اور اِسی نے ان کے اطوار و عادات پر اثر ڈالا ہو +

ہنگری

صوبجات آں روی لیتھا یہ ہیں :-

(۱) قدیم سلطنت ہنگری (۳) قروشیا

(۲) ٹرانسلوینیا (۴) اسکلیوونیا

مذکورہ بالا چار صوبوں میں سے آخری تین صوبے بھی ہنگری کی سلطنت میں شامل تھے جو نہایت طاقتور اور وسیع تھی +

موجودہ سلطنت آسٹریا ہنگری میں ہنگری سب سے بڑا اور نہایت ضروری عنصر ہے - ابتدا میں یہ صوبہ خاندان ہیپسبرگ کے قبضہ میں شادی کے ذریعے آیا تھا - آسٹریا کے ایک ڈیوک نے شاہ ہنگری کی لڑکی سے شادی کر لی اور اس رشتہ کی وجہ سے آسٹریا پر بھی قبضہ کر لیا - مگر اس ڈیوک کے جانشین ایسے نالائق نکلے کہ ہنگری والوں نے ماتھیس کارون نامی ایک شخص کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا - بعدیں انہوں نے خاندان ہیپسبرگ ہی کے ایک رکن کو بادشاہ بنایا - کیونکہ اس زمانہ

تے ترکوں کے مقابلہ میں آسٹریا کی مدد کی تھی۔ اس وقت سے ہنگری کا حصہ آسٹریا کے ساتھ برابر ملحق چلا آتا ہے۔

ہنگری کا اکثر حصہ نہایت خوش منظر اور دل فریب ہے۔ اراضی اعلےٰ درجہ کی زرخیز حاصل ہے۔ دیہات خوبصورت ہیں۔ جن میں تندرست اور عمدہ رنگ روپ کے لوگ آباد ہیں۔ جا بجا سبزہ لہلہاتا ہے۔ جن پر سایہ دار اور چھتنارے درخت کھڑے ہوئے ہیں۔ اور صاف سڑکیں ایک سرے سے دوسرے سرے تک نکل چلی گئی ہیں۔ جن کے دونوں طرف کا منظر گزرنے والے کے دل پر عجیب فرحت بخش اثر پیدا کرتا ہے۔ یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔

بعض حصے ریگستانی ہیں جہاں اکثر خاک اُڑا کرتی ہے۔ اور راہرو کو اگر موت کا ڈر نہیں ہوتا تو تکلیف کا اندیشہ تو ضرور ہوتا ہے۔ دوسرے حصوں میں دلدلی زمینیں کثرت سے ہیں۔ جن سے مضر صحت بخارات ہمیشہ خارج ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں نشیبی زمینیں بھی ہیں جہاں ہمیشہ پانی بھرا رہتا ہے۔ اور سوائے مینڈکوں کے ٹرانے کے کوئی آواز نہیں سنائی دیتی۔ یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے۔

ہنگری کا سب سے بڑا دریا تھیس جو ڈینیوب میں گرتا ہے یورپ کے تمام دریاؤں سے زیادہ آہستہ رو اور خم دار ہے۔ دریا کے دونوں طرف میلوں تک زمین ایسی دلدلی ہے کہ اس پر پل تعمیر نہیں ہو سکتے۔ دریا کا طول ۵ سو میل ہے لیکن ان ۵ سو میلوں میں صرف چند مقام ایسے ہیں جہاں سے توپ خانہ گزر سکتا ہے۔

سلسلۂ کوہ کارپیتھین جو ہنگری صوبہ رومانیہ کے مابین واقع ہے اس میں کل چند ہی راستے ہیں جن کو آسٹریا نے نہایت مستحکم کر رکھا ہے۔ اور اس طرح مشرقی ہنگری یورپ کے مستحکم ترین فوجی مقامات میں سے ہے۔

ہنگری کا صدر مقام بڈاپسٹ موقع اور خوشنمائی کے لحاظ سے دنیا کے اعلےٰ درجہ کے شہروں میں ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ قدیم شہر بڈا ڈینیوب کے غربی کنارے پر ہے اور پسٹ شہر مشرقی کنارے پر۔ ان دونوں حصوں کے درمیان ایک نہایت خوشنما پل ہے۔ یہ شہر ڈیڑھ سو سال تک ترکوں کے قبضے میں رہا تھا مگر انھوں نے

اس میں کسی قسم کی توسیع ہو نہیں سکتی تھی۔
ہنگری کے شمالی وسطی حصہ میں دریائے تھیس پر شہر توکے واقع ہے۔ اس کے قرب و جوار میں یورپین انگوروں کی بہترین قسم پیدا ہوتی ہے۔ اور دنیا کی بہترین اور گراں ترین شراب توکے میں کشید ہوتی ہے۔ ۴۰ میل تک انگوری انگور کی بیلیں پھیلی ہوئی ہیں۔ توکے کے انگوروں کی اس قدر احتیاط کی جاتی ہے کہ بجائے خوشے توڑنے کے انگور ایک ایک کر کے چنے جاتے ہیں۔ توکے کی شراب کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ اور سب سے گھٹیا قسم بھی اور ملکوں کی اعلیٰ درجہ کی شراب سے بہتر ہوتی ہے۔ جس ملک کی مصنوعات کی باہر اتنی مانگ ہو وہ بہت جلد دولتمند ہو سکتا ہے ہنگری کئی حیثیت سے نہایت متمول ملک ہے۔ اور اگر اس کو جنگ اور فوجی اخراجات سے نجات مل جائے تو وہ اپنی برابر والے دنیا کے تمام ملکوں سے زیادہ مالدار ہو جائے۔
جس زمانہ میں ہنگری کی سلطنت قائم تھی اس کے ماتحت علاقے بحیرہ ایڈریاٹک سے بحیرہ اسود تک پھیلے ہوئے تھے۔ بدنصیبی سے اسکے پاس کوئی بندرگاہ نہیں ہے۔ اور فیوم جسے ہنگری کا بندرگاہ سمجھا جاتا ہے اسکی کیفیت اوپر بیان کی جا چکی ہے۔

تاریخ بابل

اہل بابل کا نظام تعلیم

کتب خانے رفاہ عام کے واسطے جاری تھے۔ اور ان سے ہر کوئی مستفید ہو سکتا تھا۔ اسر بنی پال کے اعلانات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نینوہ کا کتب خانہ عوام کے استفادہ اور صرف کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ اور اسے ہر طرح سے ترقی دی گئی تھی۔ لائبریرین (مہتمم کتب خانہ) کا عہدہ اُس زمانہ میں عزت و حرمت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ بابل میں جو کتب خانے ابتدا میں قائم ہوئے تھے ان میں سے ایک [illegible] شاہی تھا [illegible] سے متعلق تھا [illegible] میں [illegible] نہیں [illegible]

عمدہ بہت اعلے تھا اور مشاہرہ بھی معقول تھا۔ اس زمانہ میں ہر بڑے کتب خانہ میں بہت سے منشی اور کاتب رکھے جاتے تھے۔ جن کا کام کتابوں کی نقل اور کتابت کرنا تھا۔ اس قسم کے کام کو باحسن وجوہ سرانجام دینے کے لئے بسا ضروری تھا کہ کتب خانہ کا منتظم اعلے انتظامی قابلیت رکھتا ہو +

اہل بابل کا ایک حصۂ کثیر نوشت و خواند سے با بہرہ تھا۔ معاہدہ کی لوحیں طرح طرح کے شکستہ میں لکھی ہوئی پائی جاتی ہیں۔ جن میں سے بعض کی طرز تحریر ایسی بیہودہ اور مغلق ہے۔ جیسی کہ آجکل کے بعض خطوط میں پائی جاتی ہے۔ جو ڈاک خانہ سے ہو کر گزرتے ہیں۔ ضابطہ کے کاغذات یعنی الواح پر چند گواہوں کے دستخط ہوتے تھے۔ اور ان میں سے بہت سے اپنا نام لکھنا جانتے تھے۔ لیکن جو شخص اپنے نام کے دستخط کرنے کے ناقابل تھا۔ اس کا نام محرر لکھدیا کرتا تھا۔ اور اسکے نیچے اسکے ناخن کا نشان خشت پر لگا یا جاتا تھا۔ اور اسے قانوناً درست سمجھا جاتا تھا۔ مگر اسوریہ میں تعلیم کا رواج ایسا عام نہ تھا جیسا بابل میں تھا۔ تعلیم کا چرچا صرف طبقۂ اعلے کے افراد۔ اور علم پیشہ (جن میں اہل تجارت بھی شامل تھے) اور منشیوں تک محدود تھا۔ گمان غالب ہے کہ تغلت پلیسر سوم (۷۴۵-۷۲۷ قبل مسیح) کے زمانہ سے قبل صرف منشی لوگ ہی ایسے تھے جو نوشت و خواند کا اکتساب کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اسوریہ سے جو کتبے اور خشتی کتابیں دستیاب ہوتی ہیں۔ ان میں ایسے انواع و اقسام کے رسم الخط نہیں پائے جاتے۔ جن کی گوناگونی اور کثرت کی وجہ سے بابل کے کتبے اور خشتی کتب کی عبارت پڑھکر معنی خیزی میں اس قدر سخت دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اسوریہ کے عمال کا خط صاف تھا۔ ہر افسر کی تحریر خصوصیات سے لبریز نہ تھی۔ بلکہ سب کا ڈھنگ یکساں تھا۔ اور وہ طرز صدیوں تک بلا تغیر رائج رہی +

تعلیم کے فوائد مرد و عورت دونوں کو مساوی حاصل تھے۔ یہ امر بابل کی معاہدہ کی لوحوں سے عیاں ہے۔ مقدمات میں مرد و عورت فریقین ہوا کرتے تھے تجارتی معاہدوں میں عورتیں اور مرد حصہ دار ہوتے تھے۔ اور حسب ضرورت اپنے اپنے نام کے دستخط کرتے تھے۔ زمانہ قدیم کے اہل بابل عورتوں کو مشاغل زندگی سے

محروم اور خارج نہیں رکھتے تھے۔ جیسے کہ چند ایشیائی اقوام اس وقت کرتی ہیں گمان کیا جاتا ہے کہ لڑکے لڑکیاں ایک ہی مدرسہ میں تعلیم حاصل کیا کرتی تھیں۔

قرائن سے پایا جاتا ہے کہ بچوں کی تعلیم بہت چھوٹی عمر میں شروع ہو جاتی تھی میخی حروف تہجی اور اکاوی زبان جو اسکے پس پردہ تھی۔ یاد کرنے کا بار اس قدر گراں تھا کہ ان کا اکتساب بہت چھوٹی عمر میں شروع ہو جاتا تھا۔ اکاوی زبان کی کتاب کا ایک جزو برآمد ہوا ہے اور یہ وہ کتاب تھی۔ جو چھوٹے چھوٹے بچوں کی تدریس کے لئے مقرر تھی۔ اس میں جہلا کا قصہ پایا جاتا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کی تعلیم پانچ چھ برس میں شروع ہو جاتی ہو گی۔ وہ قصہ یہ ہے کہ ایک بچہ بازار میں پڑا پایا گیا اور وہ کتوں اور کوؤں کے منہ کا لقمہ ہونے سے بچا پایا گیا۔ بعد ازاں بادشاہ نے اُسے گود میں لے لیا۔ پھر وہ بچہ آنسپ یعنی نبی کے پاس بھیجا گیا۔ جس نے اُس کے پاؤں کے تلوں پر اپنی مہر لگا دی۔ بعد میں اسے ایک دائی کے حوالہ کیا گیا۔ جس نے اس کی پرورش کا تین سال کے لئے ذمہ لیا۔ اِس طرح کچھ مدت تک وہ بچہ پرورش پاتا رہا۔ یہ قصہ صرف اتنا ہی ہے۔ اگر اس کے باقی اجزا بھی ہوتے۔ تو ان سے اس کی تعلیم کا حال بھی ظاہر ہو جاتا۔ اور اس سے بابلی بچوں کے ایام طالب علمی کی حالت پر کچھ روشنی پڑ جاتی۔

بانیہمہ ہمیں جس قدر معلوم ہے۔ اس سے ہم بآسانی یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ مغربی ایشیا کی سلطنتوں میں تعلیم کا چرچا کسی طرح کم نہ تھا۔ مصر کی طرح بابل میں بھی نوشت و خواند کا وسیع رواج تھا۔ گو اسوریہ کی بابت یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کتابیں تصنیف ہو کر لکھی جاتی تھیں۔ جن کے پڑھنے والے ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ اس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ قدیم کے اہل مشرق نوشت و خواند سے نابلد نہ تھے۔ بلکہ اُس زمانہ کے متمدن مشرقیوں میں علوم و فنون کا ایسا چرچا تھا۔ جیسا آجکل مہذب دُنیا میں دیکھا جاتا ہے۔ تعصب۔ بے انصافی اور جہالت سے جو تنقیدی خیالات اس کی بابت قائم کئے گئے ہیں اُس وسیع علم کی روشنی میں جو ہمیں اب قدیم زمانہ کے طرز معاشرت کی بابت حاصل ہوا ہے۔ اُن کا نامیں قطع و برید ہونی چاہئے۔

ملک کنعان میں بنی اسرائیل سے قریب چار سو برس پہلے قومیں آباد تھیں۔ جو متمدن تھیں

سے باہرہ تھیں اور ان کے پاس کتابوں کے بڑے بڑے ذخائر بکثرت موجود تھے۔ قرائن کی بنا پر یہ امر باور کیا جا سکتا ہے۔ کہ بنی اسرائیل اپنے ہمسایوں کی شائستگی سے ایک حد تک متاثر ہو گئے تھے۔ اور اس سے انکے علمی مشاغل کو بہت کچھ تحریک پہنچی تھی۔ اب ہمیں بخوبی معلوم ہو گیا ہے کہ اہل مصر و اہل بابل نہ صرف حضرت داؤد اور حضرت سلیمان ہی کے زمانہ میں لکھنے پڑھنے سے آشنا تھے۔ بلکہ وہ صدیوں پیشتر اس فن میں ماہر تھے۔ اگر یہ قومیں اس فن سے آشنا تھیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ ان کے ہمسایہ یہودی لوگ نوشت و خواند سے نابلد رہیں؟ اگر عہد عتیق کی تاریخی شہادت کو کوئی شخص باطل اور غیر معتبر ثابت کرنا ہی چاہے۔ تو دیگر دلائل سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر یہ دعوے کرنا کہ جس زمانہ میں وہ تحریر ہوا تھا اس وقت لکھنے پڑھنے کے نام سے لوگ محض بیگانہ تھے۔ سخت جہالت و نادانی ہے اور یہ دعوے نہایت لغو اور سخت لچر ہے۔

شادی اور موت کی رسوم

یہ ہنوز اچھی طرح ثابت نہیں ہوا ہے۔ کہ اہل بابل اور اسوریہ میں کثرت ازدواج کا کہاں تک رواج تھا۔ مگر اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ متمول اور ذی اقتدار اشخاص ایک سے زیادہ بیویاں کرتے تھے۔ مگر ایک بیوی کو اور سب پر فوقیت حاصل ہوتی تھی۔ اور اسکی اولاد جہاں تک معلوم ہو سکا ہے۔ جائز تصور ہوتی تھی۔ مگر عوام الناس ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی توفیق نہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ آج کل بھی اہل مشرق کے درمیان دیکھنے میں آتا ہے۔ معاہدہ کی بہت سی تختیوں سے جو شادی سے متعلق ہیں۔ یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ایک گھرانہ میں صرف دو شخص سرگروہ تسلیم ہوتے تھے۔ اور ایک مرد کی صرف ایک بیوی ہوتی تھی۔ علاوہ بریں اہل بابل کے درمیان جو رتبہ عورت ذات کو حاصل تھا۔ وہ رواج کثرت ازدواج کے منافی تھا۔ ملک بابل کی سرحدوں پر جو عرب خانہ بدوش قبائل رہا کرتے تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ مرد کو ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کا حق حاصل ہے۔ مگر مہذب بابلی لوگ اس کے حق میں نہ تھے۔ اور نہ اسکے سائق تھے۔

گو ملک بابل کثرت ازدواج سے عام طور پر پاک تھا۔ مگر حرم رکھنے کا رواج ایسا ہی

وسیع تھا۔ جیسا کہ فلسطان کے باشندوں میں تھا۔ مگر اس کے متعلق سخت سزائیں بھی مقرر تھیں جن کا اثر عورت کے لئے سخت بُرا تھا۔ جو آدمی اپنے سے ادنے طبقہ کی عورت سے شادی کرتا تھا۔ اسے کسی قسم کا جہیز نہ ملتا تھا۔ اگر وہ اسے علیحدہ کرتا۔ تو اسے ایک معتدبہ رقم بطور تاوان عورت کے حوالہ کرنی پڑتی۔ جس پر وہ بسر اوقات کرتی تھی۔ اگر عورت اپنے شوہر کے ساتھ کسی قسم کی بے وفائی کرتی تو اسے سزائے موت ملتی تھی۔ ایک شخص بنواخی ازین کی بابت جو بنوکد نضر کے زمانہ میں تھا۔ یہ قصہ ہے۔ کہ اس نے ایک عورت سے شادی کی۔ اور معاہدہ نکاح میں یہ قرار داد ہوئی۔ کہ اگر مرد اسے طلاق دیکر دوسری سے شادی کرلے۔ تو وہ عورت کو چالیس پونڈ یعنی (۶۰۰ روپے) بطور مدد دے۔ برعکس اسکے اگر عورت بدکاری اور حرام کاری کی مرتکب ہو تو "شمشیر آہنی" کے ساتھ اس کا سر تن سے جدا کیا جائے۔ عام طور پر شادی کے وقت والدین اپنی بیٹی کو جہیز دیا کرتے تھے۔ جس کی اصل غرض مال و متاع کے معاملہ میں اسے شوہر سے آزاد بنانا تھا۔ اس طریقہ سے وہ اپنے شوہر کے جور و جفا سے مامون رہتی تھی۔ اور وہ بھی ناکافی وجوہ پر اسے طلاق دینے کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ کیونکہ جب بیوی کو طلاق دیا جاتا۔ تو شوہر کو وہ تمام مال جو اسکی بیوی کے جہیز میں آتا تھا۔ اس کے حوالے کرنا پڑتا تھا۔ جسے لیکر یا تو وہ اپنے والدین کے گھر چلی جاتی تھی۔ یا جداگانہ طور پر اپنا گھر بار بنا کر آرام سے رہتی تھی۔

والدین اپنی بیٹی کو شادی کے وقت چند غلام۔ کچھ نقدی اور گھر کی ضروریات کا سامان دیا کرتے تھے۔ غلاموں کی قیمت مقرر ہوتی تھی۔ اور وہ نقدی کے ایک جزو کی برابر شمار ہوتے تھے۔ جو پہلے سے اس کے لئے مقرر ہوجاتا تھا۔ مثلاً کبھی کبھی ایک لونڈی ایک نقرئی مانہ رقت روپے کی برابر سکہ) کی دو تہائی کے بدلے جہیز میں لیجاتی تھی۔ جب جہیز لڑکی کے ہمراہ نہ بھیجا جاتا۔ تو دولہا اس کی ادائگی کی کفالت اپنے ذمہ لے لیا کرتا تھا۔

اگر لڑکی کا والد زندہ ہوتا تو وہ جہیز دیا کرتا۔ اگر وہ نہ ہوتا۔ یا اگر لڑکی کی ماں طلاق یافتہ ہوتی۔ اور اپنے جہیز کی جائداد پر آزادانہ طور پر زندگی بسر کرتی۔ تو جہیز کی چیزیں ماں دیا کرتی تھی۔ ایسی حالت میں لڑکی سے شادی کرنے کی اجازت بھی

مطلقہ ماں سے لی جاتی تھی اور اسی کو جہیز دینا پڑتا تھا +
شوہر کی وفات کے بعد اگر اس کی بیوی عقدثانی کر لیتی۔ تو بھی جہیز کی تمام اشیا اسی کے قبضہ میں رہتی تھیں۔ لیکن ماں کے انتقال کے بعد اس کے جہیز کا دو تہائی حصہ اس کی پہلی شادی کے بچوں کو ملتا تھا۔ اور صرف ایک تہائی حصہ دوسری شادی کے بچوں میں تقسیم ہوتا۔ اسکے متعلق ایک قانون مروج تھا۔ جس کا مقصد یہ تھا۔ کہ دوسری شادی کے بچوں کو باپ کی جائداد کا تیسرا حصہ ورثہ میں ملے۔ اور دو تہائی حصہ پہلی بیوی کے بچوں میں منقسم ہو۔ جہیز کے علاوہ عورت دیگر قسم کی جائداد کی مالک بھی ہو سکتی تھی۔ اگر اسکے والدین اسے کچھ مال وصیت کر جائیں۔ یا شوہر اسے کچھ مال ومتاع دے تو وہ جائز طور پر اس کی مالک ہو سکتی تھی۔ جب وہ مر جاتی تھی۔ تو اس کی اس قسم کی جائداد بھی جہیز میں شمار ہو کر وارثوں میں برابر برابر بٹ جاتی تھی۔ اور اس کی عین حیات میں اس کا مال جہیز میں شامل ہو کر اسی کا مال متصور ہوتا تھا۔ نبوکدنضر کے عہد سلطنت کے چونتیسویں سال کا ہمیں ایک قصہ ملتا ہے اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کی شادی کے وقت یہ شرط پیش کی تھی۔ کہ داماد کے والد کے قرضخواہ میری بیٹی کے جہیز یا اس کی جائداد پر کسی قسم کا دعوے نہیں کر سکتے۔ اگر صرف جہیز کا وعدہ ہی وعدہ ہو۔ اور مال لڑکی کے حوالہ نہ کیا گیا ہو۔ اور اگر اس کے بعد خسر زیر بار ہو جائے۔ یا مالی مشکلات میں الجھ گیا ہو۔ تو ایسی حالت میں داماد جہیز کے مال کے ایک نسبتی حصہ ہی کا دعوے کر سکتا تھا۔ اگر شادی ہونے سے پیشتر ہی لڑکی کا باپ مر جائے۔ تو اسکے وارث اور جانشین کو جہیز دینا پڑتا تھا۔ اگر بیوی بے اولاد مر جاتی۔ تو جہیز کا مال ومتاع اس کے والدین کے قبضہ میں چلا جاتا۔ بہت کم حالتوں میں دولھا کو اپنے ہاتھ کے سوا کوئی اور چیز دولھن کی نذر کرنی پڑتی تھی۔ بعض حالتوں میں دولھن غلاموں کی طرح زر نقد دے کر خریدنی پڑتی تھی۔ ایسی حالت میں کسی قسم کا جہیز نہیں ملتا تھا۔ ایک شخص دگل ابی نامی نے ایک عورت مسماۃ خاماتہ کی بیٹی سے شادی کی اسے ڈیڑھ مانہ نقرئی اور ایک غلام سا اس کی نذر کرنا پڑا۔ اور یہ شرط ٹھہری "اگر تم دوسری شادی کرو تو میری لڑکی کو ایک مانہ نقرئی دیکر میرے گھر واپس بھیج دینا"۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دلھن نے

اچھے سے اونے اترتبہ کی صورت سے شادی کی تھی۔ اور جب تک وہ اسکے پاس رہی وہ بحیثیت غلام رہی۔ اس کے پاس کسی قسم کی جائداد نہ تھی۔ لیکن دوسری شادی کرنے پر پہلی شادی فسخ اور بیوی کو طلاق مل جاتا تھا۔ یہ امر قابل غور ہے اور دلچسپی سے لبریز ہے۔ ان مثالوں سے عیاں ہوگیا ہوگا۔ کہ اہل بابل کے درمیان کثرت ازدواج کا رواج بہت ہی کم تھا۔ قریب رشتہ میں شادی جائز تھی۔ ایک شخص کے حال سے پایا جاتا ہے کہ اس نے اپنی برادرزادی سے شادی کی تھی۔ کمبیسیس کے زمانہ میں ایک آدمی نے اپنی سگی بہن سے شادی کی تھی۔ جو ایک ہی ماں باپ کی اولاد سے تھے۔ شاید اس میں ایرانیوں کی ایک مشہور رسم کی تقلید کی گئی ہو۔

شادی ایک نیم مذہبی رسم تھی۔ دولھا دلھن شادی کی رسم کے وقت دیوتاؤں سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ تاکہ ان کی زندگی خوشی و خرمی سے گزرے۔ وہ پروہت کے سامنے ایک معاہدہ پر دستخط کرتے تھے۔ علاوہ ازیں شادی ایک قسم کا معاہدہ بھی تھا۔ اسے قانوناً جائز کرنے کی غرض سے ضابطہ کی صورت میں لکھا جاتا تھا۔ اور اسکی تصدیق ہوتی تھی۔ اور چند گواہوں کے دستخط بھی ثبت ہوتے تھے۔ اس پر تاریخ دی جاتی تھی اور اس کی رجسٹری ہوتی تھی۔ جب مال و متاع بیوی کے نام پر ہوتا تھا تو اسے کئی قسم کے اختیارات بھی حاصل ہوجاتے تھے۔ وہ اپنے شوہر کے بغیر جو چاہتی۔ اپنی جائداد کے متعلق کرسکتی تھی۔ کاروبار میں دوسروں کے ساتھ شرکت کرسکتی تھی۔ اپنا روپیہ تجارت میں لگا سکتی تھی۔ اور اپنے نام سے عدالتوں میں مقدمات چلا سکتی تھی۔ بہت سے کاغذات اور دستاویز برآمد ہوئے ہیں۔ جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عورتیں خود کو مردوں کی ہمسر سمجھ کر غلاموں کی خرید و فروخت کرتی تھیں۔ بعض اور قرائن سے بھی پایا جاتا ہے کہ میاں بیوی یا بھائی بہن مل کر زمین جائداد کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ اور وہ انکی مشترکہ ملک تصور ہوتی تھی۔ نبونید اس کے عہد سلطنت کے آٹھویں سال میں ایک آدمی اور اس کی بہن نے اپنی ایرانی باندی مع اسکے شیرخوار بچہ کے تینتالیس روپے کو فروخت کی اور اسکے چار سال بعد ۔۔۔ میاں بیوی نے ۔۔۔ قرض لیا اور ۔۔۔ کا سود ادا کرنے کا دونوں نے مل کر وعدہ کیا۔ ۔۔۔

شخص نے اپنی جائداد باضابطہ طور پر اپنی بیٹی کے نام انتقال کر دی۔ اور یہ شرط کی کہ جب تک میں جیتا رہوں۔ میں اسے اپنی مرضی کے مطابق کام میں لا سکتا ہوں۔ اور لڑکی نے یہ عہد کیا کہ جب تک میرا باپ زندہ ہے۔ میں اس کی نگہداشت کرونگی اور اس کے حوائج زندگی بہم پہنچاتی رہونگی۔ وہ کسی چیز کا محتاج نہ رہیگا۔ اور اُسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی*

کفایت شعاری

سپاہیوں نے میدان کارزار میں بھی اپنی دور اندیشی اور جزرسی کا ثبوت دیا ہے جب ۱۸۹۹-۱۹۰۰ء میں جنگ ٹرنسوال جاری تھی تو بحری و بری سپاہیوں نے اکہتر ہزار پونڈ ڈاک خانہ کی معرفت اپنے اپنے اعزا و اقربا کو بھیجے تھے اور صیغہ کارنہائے جنگی کے سپاہیوں نے ۳۵ ہزار پونڈ پس انداز کئے تھے۔ سکوٹری میں منی آرڈر کا رواج ہونے سے ایک سال پہلے مس نائٹ انگیل کے پاس سپاہیوں کا اندوختہ بطور امانت موجود رہتا تھا۔ مس موصوفہ نے دیکھا کہ سپاہی اپنے ذاتی آرام و آسائش پر لات مار کر اپنے عزیزوں اور نیز اپنی آئندہ کی بہبودی کا ہر طرح سے سامان کرتے ہیں۔ ہفتہ میں ایک دفعہ سہ پہر کے وقت ان کا روپیہ وصول کر کے انگلستان کو روانہ کرنے میں مصروف رہتی تھیں۔ اس طرح ہزاروں روپے ان کے ہاتھوں سے گذرے جو سپاہیوں کی کفایت شعاری سے جمع ہوتے تھے۔ اور لندن کے ایک صاحب نے وہ روپے اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ کے دور افتادہ گوشوں میں سپاہیوں کے وارثین کو پہنچائے۔ اس سے اس امر کی بھی شہادت ملی۔ کہ تمام مقامات میں گورنمنٹ ڈاک خانہ کے حسن انتظام پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ جتنے منی آرڈر بھیجے گئے تھے۔ سوا ایک کے باقی سب اصل وارثوں کے پاس پہنچ گئے تھے۔

ایک اور امر قابل غور ہے۔ ہندوستان سے کوئی ایسی رپورٹ نہیں آئی

جس کے پاس معقول رقم نہ ہو۔ سنہ ۱۸۵۷ء میں غدر کے بعد بھی ہزار پونڈ ان سپاہیوں کے حساب میں انگلستان کو بھیجے گئے تھے جو زخمی یا بیمار ہو گئے تھے۔ علاوہ ازیں رجمنٹوں کے حساب میں ۴۹۹۴۰ پونڈ فوجی بنکوں میں جمع تھے جن میں سے بڑی رقم ۳۴ ویں پلٹن کی تھی جو ۹۷۱۰ پونڈ تھی۔ پلٹن نمبر ۳۵ نے جو چھوٹے لاک کے ہمراہ معرکہ لکھنؤ میں شریک ہوئی تھی ۴۰۰۰ پونڈ۔ پلٹن نمبر ۳۲ نے جس نے زیر کمان انگلس لکھنؤ کو باغیوں سے بڑی جوانمردی سے بچایا تھا ۵۲۴۳ پونڈ بچائے تھے۔ پلٹن نمبر ۸۶- نمبر ۱۰ اکی آول ٹبالین اور ڈراگون نمبر ۹ نے جو رقوم پس انداز کی تھیں۔ ان سے ان کی پیش بینی اور جز رسی عیاں ہوتی ہے۔ اور بحیثیت سپاہی اور سمجھدار مردوں کے ان کی نیکنامی اور انکے احساس خودداری پر روشنی پڑتی ہے +

سپاہی لوگ اپنا تمام روپیہ سیونگ بنکوں ہی میں جمع کرتے ہیں۔ اگر سیونگ بنک انکی پہنچ کے اندر ہو تو وہ وہاں بھی روپیہ جمع کر دیتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے۔ کہ لندن میں جو سپاہی تعینات ہیں۔ وہ اپنا روپیہ فوجی بنکوں کی بجائے عام سیونگ بنکوں میں جمع کرتے ہیں۔ ایک سپاہی سے اسکی وجہ دریافت کی گئی تو اس نے جواب دیا "میں نہیں چاہتا۔ کہ ہمارے سارجنٹ کو یہ معلوم ہو۔ کہ میں روپیہ جمع کرتا ہوں"۔ علاوہ اس کے دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ سپاہی نہیں چاہتے۔ کہ ان کی رجمنٹ کے باقی سپاہیوں کو یہ معلوم ہو کہ ہم روپیہ جمع کرتے ہیں۔ کیونکہ فضول خرچ سپاہی مسرف کاریگروں کی طرح اپنی کمائی اڑا کر اپنے جز رس آشناؤں سے روپیہ اُدھار مانگنا ایک قسم کا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے معمولی کاریگر لوگ اپنا روپیہ سیونگ بنکوں میں جمع نہیں کراتے۔ وہ نہیں چاہتے کہ انکے آقا کو اس بات کا پتہ لگے کہ ہم سیونگ بنک میں روپیہ جمع کرتے ہیں۔ انکا خیال یہ ہے کہ اگر ہمارے آقا کو ہمارے روپیہ پس انداز کرنے کا علم ہو گیا تو اجرت میں تخفیف ہو جائیگی۔ سیلڈ رگ شائر کے ایک قصبہ میں ایک مزدور نے سیونگ بنک میں روپیہ جمع کرنے کا قصد کیا۔ مگر اس کا ڈائرکٹر اس کا آقا تھا۔ وہ بنک کے دروازے پر بیٹھکر دیکھتا رہتا۔ کہ آیا اس کا آقا باہر چلا گیا یا نہیں۔ جب کئی ہفتے کے بعد اسے اس امر کا یقین ہو گیا۔ تو اپنا روپیہ جمع کرا دیا +

جنھیں کے کا کن جو روپیہ پس انداز کرتے ہیں۔ وہ سیونگ بنک میں اپنے نام سے
نہیں۔ بلکہ کسی دوسرے کے نام سے روپیہ جمع کرتے تھے جسکی معقول وجہ یہ تھی۔
انکے بعض آقا سیونگ بنکوں کے خلاف تھے۔ مالکوں کو یہ اندیشہ تھا۔ اگر مزدور روپیہ
جمع کرتے رہے۔ تو وہ اضافہ اجرت کا مطالبہ پیش کرکے جب چاہینگے ہڑتال کر دینگے
اور اپنے اندوختہ پر گزران کرینگے۔ لیکن مالکان کارخانجات کو یہ بات نہیں سوجھتی کہ
جو مزدور سیونگ بنک میں روپیہ جمع کرتے ہیں۔ اُن کے باقاعدہ کام کرنے اور انکی حاضر رہنے
کی بہترین ضمانت اُن کا جمع شدہ روپیہ ہے۔ مسٹر بیکر انسپکٹر کارخانجات کا خیال یہ ہے
"ہڑتال کرنے کی حماقت اس امر سے ظاہر ہوتی ہے کہ اس کا سرغنہ کبھی کوئی آسودہ
حال کاریگر نہیں ہوتا"۔

بلسٹن کے ایک مجسٹریٹ کا جس کا تعلق کسی کارخانہ سے نہیں ہے۔ یہ بیان
ہے "میں نے ایک مزدور کو سیونگ بنک میں روپیہ جمع کرنے کی ترغیب و تحریص
دی۔ اُس نے میری صلاح پر عمل پیرا ہونے میں بڑی ہچکچاہٹ ظاہر کی۔ مگر اخیر
میں ایک ادنے رقم سیونگ بنک میں جمع کر دی۔ میں نے ہر طرح سے اُسکی حوصلہ افزائی
کی۔ اور اس کی ہمت بندھائی۔ کہ تم نے بہت عمدہ طرز اختیار کی ہے۔ ہوتے ہوتے
اُس کا اندوختہ بہت ہو گیا۔ پانچ برس کے بعد اُس نے اپنا تمام روپیہ نکال لیا۔ ایک
قطعہ اراضی خرید کر اُس پر مکان بنا لیا۔ میری رائے یہ ہے۔ اگر میں اسے سمجھا بجھا کر
سیونگ بنک میں روپیہ جمع کرنے پر آمادہ نہ کرتا۔ تو وہ اپنا روپیہ ضیافتوں۔ کلب ا۔
انجمن اہل حرفہ کے چندوں میں صرف کر دیتا۔ اب اس آدمی کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔
وہ اچھی حیثیت کا آدمی بن گیا ہے۔ وہ ہماری طرح ہر ایک بات سمجھتا اور محسوس
کرتا ہے۔ وہ اوروں کو بھی اپنی نظیر پر چلنے کی ترغیب دیگا"۔

جو کچھ ہم نے کہا ہے۔ اس سے یہ عیاں ہو جائیگا۔ کہ عمدہ روزی کمانے والے
کاریگروں کی قابلیت کی نسبت کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ ایک معقول رقم بچا سکتے ہیں۔
جب وہ کسی مقصد کو انجام دینے کی دل میں ٹھان لیتے ہیں۔ تو وہ بلا وقت روپیہ
بہم پہنچا لیتے ہیں۔ ایک مرتبہ لنکاشائر کے ایک قصبہ کے کاریگروں نے ...

کفایت شعاری

کسی دوسرے قصبے کے مزدوروں کی دستگیری کے لئے جنہوں نے ہڑتال کر دی تھی جمع کر دئے تھے۔ مگر ایسے موقع پر جب کسی جگہ ہڑتال نہ ہو۔ کاریگر لوگ اپنی آئندہ کی فلاح کے لئے کیوں اسی قدر روپیہ پس انداز نہیں کرتے؟ بہت سے کاریگر اسی مقصد کو مدنظر رکھکر روپیہ جمع کرتے رہتے ہیں۔ جو کام ایک مزدور کرتا ہے۔ وہ دوسرے بھی کر سکتے ہیں۔ ایک زرعی ضلع میں ایک کارخانہ ہے۔ جہاں کلیں وغیرہ بنتی ہیں۔ وہاں فضولخرچیوں کی ترغیبیں بہت تھوڑی ہیں۔ اس کارخانہ کے تمام کاریگر طبعاً بڑے جُزرس اور کفایت شعار ہو گئے ہیں۔ ہر ایک کا کچھ نہ کچھ روپیہ جمع ہے۔ انکے دوسو پونڈ سے لیکر پانچسو پونڈ کی رقوم جمع ہیں ۔

کارخانوں میں کام کرنے والے کاریگروں کے لئے اگر وہ چاہیں۔ پانچ دس شلنگ فی ہفتہ معمولی اخراجات ادا کرنے کے بعد بآسانی بچا سکتے ہیں۔ اور یہ نام نہاد رقم چند سال کے بعد بڑھتے بڑھتے بہت بڑی ہو جائیگی۔ تھوڑے عرصے کا ذکر ہے کہ قصبہ ڈالٹن وارویک ایک کاریگر نے اپنا اندوختہ بنک سے نکالا۔ اور چند مکانات خرید لئے۔ اور اب یہ مکانات اس کی جائداد بن گئے ہیں۔ اسی قصبہ اور اسکے قرب وجوار کے قصبات میں رہنے والے بہت سے کاریگر اپنے اپنے گھر تعمیر کرانے میں مصروف ہیں۔ بعضوں نے اُس روپیہ سے جو انجمن عمارات کے پاس بطور چندہ جمع کرایا تھا۔ اور بعض نے اپنی کمائی کے روپیہ سے جو اُنھوں نے سیونگ بنکوں میں جمع کر رکھا تھا ۔

بریڈفرڈ کے سیونگ بنک میں ایک دفعہ ایک خوش پوش کاریگر روپیہ جمع کرانے کو گیا۔ اُس وقت اس کا حساب اسّی پونڈ تک پہنچ گیا تھا۔ اُس نے منیجر بنک سے بیان کیا کہ اسے کس طرح بنک میں روپیہ جمع کرنے کی ترغیب ہوئی تھی۔ بقول اسکے وہ شرابی تھا۔ ایک روز اتفاق سے اپنی بیوی کی بنک کے حساب کی کتاب پڑی دیکھ پائی جس میں اسکے نام کے بیس پونڈ مندرج تھے۔ اسنے دل میں کہا "میں تو روپیہ اُڑا رہا ہوں اور وہ جمع کرتی ہے۔ اگر ہم دونوں جمع کرتے رہیں تو کتنی بڑی رقم ہو جائیگی"! اسی وقت اُس نے مے نوشی ترک کر دی۔ اور تھوڑے عرصہ میں ایک ذی عزت اور آسودہ حال کاریگر بن گیا۔ اس نے سیونگ بنک کے منیجر سے کہا "میں جو کچھ ہوں اس کے لئے اپنی

نیک بخت بیوی کے نیک نمونہ اور نیز سیونگ بنک کا مرہون احسان ہوں "*

جب معقول تنخواہ پانے والے کاریگر جیسے اوپر مذکور ہوا ہے۔ معقول روپیہ بچا سکتے ہیں۔ تو انہیں رفتہ رفتہ سخت کام ترک کرتے رہنا چاہئیے۔ اور انجام کار بڑھاپے میں جاکر مقابلہ اور جہد الحیات کے معرکہ سے بالکل کنارہ کش ہو جانا چاہئیے۔ ان کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ نوجوانوں کے لئے میدان خالی کر دیں۔ اور اس بات کو گوارا نہ کریں کہ ادنےٰ اُجرت کے مقابلہ میں زک اُٹھائیں۔ اور اپنی رسوائی روا رکھیں۔ ساٹھ برس کی عمر میں انسان کے قوائے جسمانی بیکار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ وہ اس سے پہلے پہلے اپنی پیرانہ سالی کی آزادانہ پرورش کا خاطر خواہ اہتمام کرلیں۔ ایسے آدمیوں کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ جو عالم شباب میں اپنی بڑھاپے کی گزران کا بندوبست کر لیتے ہیں۔ وہ اوروں کے لئے ایک عمدہ نمونہ قائم کر چکے ہیں۔ جو کام ایک انسان کر سکتا ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ دوسرے انجام نہ دے سکیں *

پینی بنک

پینی بنکوں سے جو فائدہ غریب ترین گروہوں کو پہنچا ہے۔ اس سے یہ عیاں ہوگیا ہے کہ جز رسی کے وسائل بہم پہنچانے سے عوام کو کس قدر فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ تیس برس ہوئے۔ گریناک میں پہلے پہل پینی بنک کھولا گیا تھا۔ اور وہ سیونگ بنک کی ایک شاخ تھا۔ اسکے بانی مسٹر جے۔ ایم۔ اسکاٹ کی غرض یہ تھی۔ کہ جو غریب آدمی شلنگ سے کم رقم جمع کرنا چاہیں۔ وہ پینی بنک میں جمع کرا سکیں (سیونگ بنک میں شلنگ سے کمتر رقم جمع نہیں ہو سکتی تھی) ایک سال کے اندر گریناک کے بنک میں ۵۰۰۰ پونڈ پانچ ہزار آدمیوں نے جمع کرا دئے۔ پھر نیک نہاد مسٹر کونکٹ نے جو لندن کے مشرقی حصہ میں پادری تھے۔ ایک پینی بنک جاری کیا جس سے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ ایک سال کے اندر اندر روپیہ جمع کرنے والوں کی مجموعی تعداد ۱۴۵۱۳ آدمیوں تک پہنچ گئی۔ جمع کرنیوالوں کی تعداد دو ہزار تک محدود رکھی گئی تھی۔ درخواستیں اس قدر آئی تھیں کہ بہت سے آدمیوں کو انتظار کرنا پڑا۔ تب جاکر روپیہ جمع کرنے کا موقع ملا۔ مسٹر کونکٹ نے کہا "بعض لوگ

مکان کا کرایہ جمع کرتے ہیں۔ بعض کپڑوں کے لئے اور بعض اپنے لڑکوں کو کسی کا شاگرد بٹھلانے کا خرچ دینے کے لئے جمع کرتے ہیں۔ اور کئی مقاصد سے بھی لوگ روپیہ جمع کرتے ہیں۔ میں ہر ایک رقم خود واپس کرتا ہوں جس سے مجھے روپیہ بنک سے نکالنے کی اصل وجہ معلوم ہوجاتی ہے۔ بعض مرتبہ بیماری۔ بعض مرتبہ اور قسم کی تکلیف۔ اور بعض مرتبہ دیگر اسباب ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں پینی بنک بڑے بڑے سیونگ بنکوں کی پرورش اور دستگیری کے باعث ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب رقم مقررہ زائد ہوتی ہے تو روپیہ جمع کرنے والے کو بڑے بنک کی طرف رجوع ہونا پڑتا ہے۔ بہت سے آدمی جو ابتدا میں فی ہفتہ ایک پینی جمع کرایا کرتے تھے۔ اب اس سے کہیں زیادہ بڑی رقم جمع کرنے کے قابل ہوگئے ہیں ٭

پیرش کے پادری کا اخلاقی اثر اس سے زیادہ دانشمندی سے کبھی صرف نہیں ہوا ہوگا۔ جن لوگوں کی مسٹر کونگٹ نے دستگیری کی۔ اُن میں سے سب کے سب گرجا جانے والے نہ تھے۔ مگر ان کی جسمانی حالت سنوار کر انکے مجلسی مذاق میں ایک قسم کی شستگی اور رفعت پیدا ہوگئی۔ اور اسکے ساتھ ہی اُن لوگوں کے دلوں میں مذہبی جوش پیدا ہوگیا۔ حالانکہ اُن میں سے بہت سے آدمی ان باتوں سے محض بیگانہ تھے۔ مسٹر چارلس۔ ڈبلیو۔ سائکس جو ہڈرس فیلڈ بنکنگ کمپنی کے خزانچی تھے۔ انکی نیک کوششوں سے اس تحریک کو بہت تقویت اور ترقی پہنچی۔ انہوں نے اس بات کی سعی کی کہ کاریگروں کی وسیع انجمنوں کے سلسلہ میں پینی بنک بھی جاری ہوں۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ نوجوان کاریگروں کو عالم جوانی میں کفایت شعاری کی اہمیت جتانا خود ان کے لئے بہت مفید ہے۔ اور سوسائٹی کو بھی اس سے بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ حالانکہ کتابیں رٹلانے سے انہیں کوئی بڑا فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ مسٹر سائکس نے یہ دیکھا۔ کہ کاریگر لوگوں کی پسینہ کی کمائی لغویات میں اُڑ جاتی ہے۔ اور یہ ایک بڑی قباحت ہے جس کا تدارک اور استیصال ضروری ہے۔ صاحب ممدوح کا یہ بھی خیال تھا کہ جس قدر زیادہ ایک کاریگر کماتا ہے۔ اسی قدر زیادہ اس کا گھرانا تنگدست اور خستہ حال دیکھا جاتا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں۔ جو اپنی موجودہ شرح اجرت سے خوش نہیں ہیں۔ اور اس لئے بہت

خطرناک ہیں۔ یہ لوگ پاک اور رفعت انگیز علم میں کس طرح دلچسپی لے سکتے ہیں" ان لوگوں کا اسراف وکھانے کی غرض سے حسب ذیل نظیر پیش کی۔ "ویسٹ رائڈنگ کے ایک مشہور مالک کارخانہ نے جسکی مشینیں پچیس برس سے برابر چلتی رہتی ہیں۔ چند روز ہوئے موجودہ شرح اُجرت کی نظرثانی اور اسکا مقابلہ چند سال کی اُجرتوں سے جو کاریگروں کو ملتی تھیں کیا۔ اس سے اسے معلوم ہوا کہ جوں جوں مشینوں میں ترقی ہوتی گئی۔ ویسے اُجرت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ اس کے کارخانہ میں جو کاریگر کاتنے اور بُننے والی مشینوں پر کام کرتے ہیں۔ وہ تقریباً ستائیس شلنگ فی ہفتہ کماتے ہیں۔ بعض کاریگروں کے بچے یا بیویاں بھی اسی کارخانہ میں کام کرتی ہیں۔ ان کی کل سالانہ آمدنی سو ڈیڑھ سو پونڈ تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے چند آدمیوں کے گھروں کی اندرونی حالت دیکھی گئی۔ بہت غلیظ اور آرام وآسائش کے تمام سامان سے معرّا پائے گئے۔ جس سے دیکھنے والے کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے۔ آمدنی کے اضافہ کے ساتھ ناعاقبت اندیشی اور فضولخرچی میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ سیونگ بنکوں اور انجمن عمارات کے وجود سے کسی نے مستفید ہونے کی کوشش نہیں کی۔ اسی کارخانہ میں بعض ایسے آدمی بھی دیکھنے میں آئے ہیں۔ جنکی تنخواہ اوروں سے زائد نہیں ہے۔ مگر ان کے گھروں میں آرام وآسائش کے سامان نظر آتے ہیں۔ اور اُنہوں نے کچھ سرمایہ بھی جمع کرلیا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں۔ بریڈفرڈ کے ایک دریادل مالک کارخانہ نے ایک موقع پر سات سو آدمیوں کا حساب بنک کے ساتھ کھولا اور ہر ایک کے لئے تھوڑا تھوڑا روپیہ اپنی طرف سے جمع کردیا۔ مگر نتیجہ ایسا نکلا جس سے ہمت بندھے۔ فی الفور وہ رقم بنک سے نکال لی۔ صرف چند آدمی ایسے نکلے جنکا حساب بنک کے ساتھ رہا"۔

مسٹر سائکس نے یہ تجویز بھی پیش کی۔ کہ کاریگروں کی انجمن کو ایک سیونگ بنک کی کمیٹی مقرر کرنی چاہئے۔ جو ہر ہفتہ ممبران انجمن اور دیگروں کی رقوم وصول کرکے جمع کیا کرے۔ "اگر ہر ایک انجمن اس قسم کا کام کرے۔ اور ان کی غریبانہ حالت میں دلچسپی لے۔ ہمدردی اور دوستی کی روش اختیار کرکے انہیں راہ راست پر ڈالے۔ اور انکی جزرسی کی عادت قائم کردے۔ تو اس سے کیسے دل خوش کن نتائج نکل سکتے ہیں! جب ایک مرتبہ عادت

اور خود داری کی راہ پر ان کے قدم جا پڑے۔ نوجوان کاریگروں کے دلوں میں یہ خیال راسخ ہوتا جائیگا۔ کہ ہماری روز افزوں ترقی اور شخصی خوبیوں پر ہماری مجلسی بہبود و سود کا سارا دارومدار ہے +

کھیل کُود

دوڑنے کا طریقہ

ٹورنامنٹوں میں عموماً تین قسم کی دوڑیں ہوتی ہیں۔ ایک تو سو گز کی۔ دوسری پاؤ میل اور تیسری لمبی دوڑ جو ایک سے زیادہ میلوں کی ہوتی ہے ہم ترتیب وار ان کا ذکر کرینگے +

سو گز کی دوڑ

ٹورنامنٹ میں دوڑنے اور سب پر گوئے سبقت لے جانے کے خواہشمندوں کو خواہ ان کی دوڑ لمبی ہو یا چھوٹی۔ سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی رگوں اور پٹھوں میں ایسی پھرتی اور چستی پیدا کریں۔ جیسی کہ بھاری گولہ اُٹھا کر فاصلہ پر پھینکنے کے لئے درکار ہے۔ سب سے آسان ترکیب یہ ہے کہ انسان مشق کرے۔ لیکن اس کے متعلق بھی غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں مثلاً سو گز کی دوڑنے والے خیال کرتے ہیں کہ اگر لگاتار سو گز تک دوڑنے کی مشق کرتے رہیں تو مطلب برآری ہو جائیگی۔ مگر مشق کرنے سے پیشتر ٹانگ۔ پشت اور شانوں کے پٹھوں کی کام کرنے کی قوت بڑھانی چاہیئے۔ جو چھ ماہ سے قبل حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے حاصل کرنے کا یہ طریقہ ہے۔ کہ جہاں تک ہو سکے۔ پیادہ پا چلنے کی خوب مشق کرو۔ اور آدھ میل تک دوڑنے کی کوشش کرو۔ اور ڈمبل کی ایکسرسائز کرو۔ بعض اُستاد مشق کے شروع میں بھاری بھاری جوتے پہننے کی ہدایت کرتے ہیں جن سے پٹھوں میں مستعدی اور پھرتی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس سے کئی نقصان

بھی پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ مثلاً دوڑنے میں جھداپن پیدا ہوجاتا ہے۔ دوڑ کے ابتدائی پندرہ بیس گز میں بہت طاقت اور پھرتی کی ضرورت ہے۔ اور اسی جگہ بہت سا وقت بھی ضائع ہوجاتا ہے۔ اگر رگوں کو تیزی سے دوڑنے کے قابل نہ بنایا گیا ہو۔ انگلینڈ کے ایک مشہور دوڑنے والے کا ابتدائی طریقہ مشق حسب ذیل تھا:- وہ ہر روز صبح وشام ایک یا دو پونڈ کے ڈمبلوں کی ورزش کرتا تھا۔ ورزش کے وقت بازوؤں کو اسی طرح حرکت دیتا تھا۔ جس طرح دوڑ میں دی جاتی ہے۔ بازو سخت مگر کہنی کے قریب قدرے جھکا ہوا رہنا چاہیئے۔ اور اسے آگے پیچھے جھٹکانا چاہیئے۔ اس حرکت کا پہلو اور ٹانگ پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ بازو کا اگلا حصہ جسم کے سامنے سے گزریگا۔ پہلو کے ساتھ نہیں۔ اس سے قدم میں غضب کی پھرتی پیدا ہوجاتی ہے۔ مگر بازو کی سختی میں کوئی فرق پیدا نہیں ہونا چاہیئے۔ اس طریقہ سے پسلیوں اور کندھوں کے پٹھے بھی مضبوط ہوجاتے ہیں۔ جس کا اندازہ ناتجربہ کار بالکل نہیں کرسکتے۔ جو لوگ سو گز کی دوڑ میں بازی لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ایک خاص قسم کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ مگر سب کا الگ الگ ہوتا ہے۔ لیکن جس کا اُوپر ذکر ہوا ہے۔ وہ سیدھا اکڑ کر نہیں۔ بلکہ جھک کر دوڑا کرتا تھا۔ بعض آدمی پہلے دس پندرہ گز تک تو ایسے دوڑتے ہیں۔ گویا تیز قدم پیادہ پا جا رہے ہیں۔ مگر اپنے دھڑ کا سارا بوجھ آگے کو ڈال دیتے ہیں۔

لیکن شروع میں کس طرح دوڑنا چاہیئے۔ عمدہ دوڑنے والے آدمی پہلے پانچ یا دس گز کا فاصلہ بہت ہی اچھے وقت میں طے کرلیتے ہیں۔ اور اسی فاصلے کو طے کرنے کے لئے مشق کی ضرورت ہے۔ دوڑنا بھی ایک قسم کی کشتی لڑنا ہے۔ جس میں جسم کے ہر ایک پٹھے سے کام لیا جاتا ہے۔ پاؤں زمین پر زور کے ساتھ پڑتے ہیں۔ ٹانگ کو اُٹھا کر سیدھا کرنے کی بھی مہلت نہیں ملتی۔ اس کے لئے سب سے پہلے ایسی طاقت کی ضرورت ہے جو زائل نہ ہوتی ہو۔ جتنے بڑے بڑے دوڑنے والے ہیں۔ وہ یہی صلاح دیتے ہیں کہ دوڑتے وقت ڈگیں لمبی لمبی نہیں ہونی چاہئیں۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو۔ قدم چھوٹے چھوٹے ہوں۔ مشہور دوڑنے والے کہتے ہیں کہ چھ فٹ کی ڈگ کافی ہوتی ہے ٭

پاؤ میل کی دوڑ اس سے پہلے سو گز کی دوڑ میں بازی لے جانے کا طریقہ بیان کیا گیا

ہے۔ اب اس حصے آگے پاؤ میل کی بازی کا ذکر کیا جائیگا۔ ان تینوں قسم کی بازیوں میں دوڑنے کے مختلف طریقے ہیں۔ پاؤ کی دوڑ کے لئے لازمی ہے۔ کہ دوڑنے والا لمبی لمبی ڈگ بھرنے کی عادت ڈالے۔ اس دوڑ میں جو چار سو چالیس گز کی ہوتی ہے۔ پچاس سکنڈ کے اندر اندر فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ جو شخص سو گز کی دوڑ میں خوب مشاق ہو۔ وہ پاؤ میل کی دوڑ میں بآسانی کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس دوڑ میں تیز روی کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ سو گز کی دوڑ میں کامیاب ہونے والا آدمی شاذ ہی پاؤ میل کی دوڑ میں کامیاب ہوتا ہے۔ اس لئے اس بات کی ضرورت ہے۔ کہ اس کے لئے جداگانہ طور پر کوشش کی جائے۔ ماٹرز امریکہ کا باشندہ پاؤ میل کی دوڑ میں ماہر تھا۔ وہ ۴۹ سیکنڈ میں اس فاصلہ کو طے کیا کرتا تھا۔ اُس نے دوڑنے کے طریقے میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اس شخص کی ٹانگیں نسبتاً لمبی لمبی تھیں۔ وہ کہتا تھا کہ دوڑ کے شروع میں اسی قدر تیزی سے کام لینا چاہئے۔ جس قدر سو گز کی دوڑ میں لیا جاتا ہے۔ رفتار دھیمی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب دوڑ شروع ہو جائے۔ تو پھر حتے الوسع تیزی رفتار بڑھاتے رہنا چاہئے۔ پاؤ میل کی دوڑ میں بازی لے جانے والوں کا دوڑنے کا طریقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ بعضوں کا وہی ڈھنگ ہے جو سو گز دوڑنے والوں کا ہے۔ صرف رفتار کی تیزی بڑھانے کی ضرورت مزید ہوتی ہے۔ بعضے لمبی لمبی ڈگیں بھرتے ہیں۔ جو چھ اور آٹھ فیٹ کے درمیان ہوتی ہیں۔ دھڑ کا بوجھ آگے کی طرف ڈالنا پڑتا ہے۔ بعض آدمی سیدھے دوڑتے ہیں۔ بدن نہیں جھکاتے۔ بعض لوگ رانوں کو عجب ڈھنگ سے آگے کو نکال کر زور سے بھاگتے ہیں۔ بعض چھوٹی ٹانگوں والے آدمی قلانچیں بھی بھرتے ہیں۔ اور کامیاب ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایک بات پر سب متفق ہیں۔ وہ یہ کہ ٹانگوں کے پٹھوں میں طاقت ہونی چاہئے اور ڈگیں لمبی لمبی بھرنا چاہئے۔

لمبی دوڑ اخیر میں ہم دوڑ کی تیسری قسم کا ذکر کرتے ہیں۔ اس سے مراد میلوں کی دوڑ۔ یعنی ایک دم چند میل کا فاصلہ بڑی تیزی سے دوڑ کر طے کرنا اسکی مشق کچے راستوں یا کھیتوں میں کرنا چاہئے۔ مگر صاف راستہ یا ہموار میدان میں

دوڑنے میں بہت آسانی ہوتی ہے۔ حالانکہ کھیتوں اور غیر مسطح زمین پر کسی قدر دقت پیش آتی ہے۔ آجکل کے مشہور دوڑنے والے آدمیوں کا یہ خیال ہے۔ اور وہ اس پر عمل پر بھی کرتے ہیں۔ راستہ پر موسم گرما میں اور کھیتوں یا کھلے میدانوں میں موسم سرما میں دوڑتے ہیں۔ اس سے ان کی مشق کو نفع کثیر پہنچتا ہے۔ مگر بعضوں کا خیال ہے کہ کھیتوں میں دوڑنے سے راستہ پر دوڑنے کا ڈھنگ برباد ہو جاتا ہے۔ آکسفورڈ اور کیمبرج کے دوڑنے والوں نے اس امر کا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔ لمبی دوڑوں میں جیتنے والوں کی تعداد وہاں سے بہت تھوڑی نکلی ہے۔ مگر گزشتہ دس بارہ سال کی دوڑوں میں جس قدر آدمی کامیاب ہوتے رہے ہیں۔ ان میں سے بہت سے کھیتوں میں دوڑنے والے بھی تھے۔ جو ایک میل یا چار یا دس میل کی دوڑوں میں اول نکلے ہیں۔ بیکن کیمبرج کی ایک لمبی دوڑ میں ایک مشہور دوڑنے والا تھا۔ اُس نے کئی بازیاں جیتی تھیں۔ اس کے دوڑنے کا یہ ڈھنگ تھا۔ کہ وہ پہلے ڈُلکی چال جاتا تھا۔ اور پھر اخیر میں ایسی تیزی سے جیسے سو گز کی دوڑ میں دوڑتے ہیں۔ اُس کا دوڑنے کا ڈھنگ غضب کا تھا +

لمبی دوڑ میں دوڑنے والے آدمی ہمیشہ لمبی لمبی ڈگیں بھرتے اور چھلانگیں مارتے ہیں۔ بعضے بہت لمبی قلانچیں بھرتے ہیں۔ کیونکہ جس قدر بڑی ڈگ ہوگی۔ اُسی قدر دوڑنے والے کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور وہ بازی میں آگے بڑھ جاتا ہے۔ لمبی دوڑ کی نسبت یہ خیال رکھنا چاہئیے کہ آدمی بلا تکان دوڑے۔ اور ایسے طور پر نہ دوڑے کہ تھک کر چور ہو جاوے۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئیے۔ اس سے دوڑنے کے ڈھنگ میں خوبی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر اس پر عبور حاصل ہو جاوے تو دوڑتے وقت اگر ڈگ میں ایک انچ اضافہ کر لو۔ تو دس میل کے بعد بہت فرق پیدا ہو جائیگا۔ دوسری قابل غور بات پاؤں کا انگوٹھا ہے جسکے سہارے پر اکثر آدمی دوڑتے ہیں۔ چھوٹی دوڑوں میں انگوٹھے کے بل دوڑنا مفید ہے۔ مگر دس میل کی دوڑ میں ایڑی کو زمین پر لگائے بغیر دوڑنا ممکن نہیں ہے۔ ۳ یا ۴ میل کی دوڑوں میں شروع میں انگوٹھے کے بل دوڑنا چاہئیے۔ پھر ایڑی

سے کام لینا چاہیئے۔ صرف آخری چکر میں انگوٹھے یعنی پنجہ کے بل دوڑنا چاہیئے۔ اس میں کلام نہیں۔ کہ عجلت اور تیزی کے لیئے پنجہ پر کے بل دوڑنا بہت مفید ہوتا ہے۔ مگر ہمارے خیال میں سب سے بہتر یہ بات ہے کہ دوڑ کے درمیان میں جاکر ایڑی سے کام لینا ازبس مفید ہے۔ کیونکہ پنجہ کے پٹھے سنسنانے کے بعد سخت کام کے قابل ہو جاتے ہیں۔ لمبی دوڑوں میں پنڈلی کے پٹھوں سے کام لینا بہت مفید ہے۔ اگر تم پیادہ پا تیز تیز قدم جاؤ۔ تو معلوم ہو جائیگا کہ ان پٹھوں سے کس طرح کام لیا جاتا ہے۔ اگر دوڑتے وقت گھٹنے کو اوپر اُٹھاؤ۔ تو ڈگ کی لمبائی بڑھ جائیگی۔ لمبی دوڑوں میں اس سے بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ جب قدم اُٹھاؤ۔ تو بدن کو آگے کی طرف جھکاؤ۔ اس سے دوڑنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ بعض لوگ دوڑتے وقت بدن کو پیچھے کی طرف جھکاتے ہیں۔ مگر اس سے قوت ضائع ہو جاتی ہے۔ انگوٹھے آگے کی طرف نکلے رہنے چاہئیں۔ بازو پہلوؤں کے ساتھ گھومتے رہنے چاہئیں۔ نہ سینہ کے آر پار۔ اور نہ باہر کی طرف پھیلنے چاہئیں۔ اس سے جسم کی طاقت زائل ہو جاتی ہے۔ اگر مخالف ہوا ہو۔ تو سر آگے کی طرف جھکا لینا چاہیئے مگر پیچھے کی طرف نہیں ؞

شروع میں ایک آدھ میل تک دوڑنا چاہیئے۔ اگر اس کے بعد تکان محسوس نہ ہو تو چہل قدمی کرو۔ بعض لوگ ایک روز دوڑتے اور دوسرے دن چہل قدمی کرتے ہیں۔ اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ورزش ہونی چاہیئے۔ مشق کرتے وقت رفتار کا سب سے زیادہ خیال رکھنا چاہیئے۔ ابتدا میں تیزی سے جاؤ۔ درمیان میں آہستہ اور اخیر میں بہت عجلت سے۔ اگر درمیان میں ٹانگوں کو قدرے آرام نصیب نہ ہو تو اخیر تک دوڑنے میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکیگی ؞

زلزلہ

جن لوگوں کے مزاج میں فلسفیت ذرا بھی نہیں چھو ٹی گئی۔ اُن کا قول ہے کہ جس ملک میں انسان گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور منہیات اور معصیات سے محترز نہیں رہتے۔ تو قہر ربانی اُن پر اس طرح نازل ہوتا ہے۔ کہ زمین کپکپانے اور لرزنے لگتی ہے۔ جس کو عام اصطلاح میں زلزلہ یا بھونچال کہتے ہیں۔ اگر ایسے لوگوں سے زلزلہ کے اسباب کی کیفیت پوچھی جاے۔ تو ایسی عجیب وغریب باتیں سُناتے ہیں کہ بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ کوئی تو کہتا ہے کہ زمین گناہوں کی کثرت دیکھکر جب خوف خدا سے کانپتی ہے تو زلزلہ آتا ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ کہ جس گائے نے زمین کو اپنے سینگ پر اُٹھایا ہے۔ جب وہ سینگ بدلانے لگتی ہے تو زمین میں لرزہ پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ تو اقوال جہلا کے ہیں۔ اور بدقسمتی سے ان کی تعداد اس وقت ملک میں بہت زیادہ ہے۔ مگر اس کے متعلق علماے فرنگ نے جو تحقیقات کی ہے۔ اور زلزلہ کے جو اسباب بتائے ہیں۔ وہ ہر طرح قرین قیاس ہیں۔ منجملہ دیگر اسباب کے چند یہ ہیں:۔

کسی قسم کے اجزاے ارضیہ کبریتیہ وغیرہ جوش کھاکر اُن سے ابخرے پیدا ہوتے ہیں۔ اور وہ ابخرات محتبسہ باہر نکلنے کے واسطے متحرک ہوتے ہیں۔ جبکہ زمین کی کثافت کی وجہ سے اُس کے مجاری اور منافذ مسدود ہو جاتے ہیں اور وہ بخارات نہیں نکل سکتے۔ تو ناچار اُن کی حرکت اور جنبش سے زمین میں زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حکماے فرنگ کے تجربہ میں آیا ہے۔ کہ اگر آٹھ سیر لوہ چون اور آٹھ سیر گندھک پانی میں مخلوط کرکے اس کو ایسا سڑائیں کہ اُس میں خمیر اُٹھ آوے۔ بعدہ اُس خمیر کو زمین میں مدفون کریں تو دس گھنٹے کے عرصہ میں وہ اس قدر جوش میں آویگا کہ زمین شق ہوجائیگی اور لرزنے لگیگی۔ اور اُس مقام سے شعلہ نکل پڑیگا۔ اسی طرح زمین میں گندھک اور شورے کے بخارات بھی باعث اشتعال اور جنبش ارض

ہوجاتے ہیں۔ شاید بعض لوگوں کو استعجاب ہوگا کہ زمین کے اندر آگ کہاں سے آئی۔ مگر یہ اصلا مقام حیرت نہیں۔ علمائے یگانہ اور حکمائے فرزانہ نے اس کو بدلائل قطعیہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ زمین کے اندر حضرت خالق اشیاء نے ایسی چیزیں بکثرت مخلوق کی ہیں۔ جو بوجہ من الوجوہ مشتعل ہو جائیں۔ اور اشتعال کا سبب وہ حرکت شدید ہے۔ جو بخارات میں طلب خروج کے لئے حادث ہوتی ہے۔ جس قدر سبب اشتعال خفیف ہوتا ہے۔ اسی قدر حرکت زلزلہ خفیف ہوتی ہے۔ اور اس کی جنبش قریب قریب ویسی معلوم ہوتی ہے جیسے جہاز یا اگن بوٹ کے بیٹھنے والوں کو اُن کی حرکت محسوس ہوتی ہے۔ اکثر اوقات زلزلہ ایک طرفۃ العین میں موقوف ہو جاتا ہے۔ کبھی علی الاتصال کئی گھنٹوں بلکہ دنوں تک رہتا ہے۔ اس کے صدمہ سے مکانات شق ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اکثر جلد بنیاد سے گر پڑتے ہیں۔ اور اشیائے مُرتبہ تہ و بالا ہوجاتی ہیں۔ غرضکہ جب کبھی زلزلہ آتا ہے۔ تو زمین تھوڑی بہت تڑق جاتی ہے۔ وہاں سے

زور سے نکل پڑتی ہیں۔ اور اس قوت سے باہم اس قدر زور سے ٹکر کھاتی ہیں کہ زمین ہل جاتی ہے۔ جب شورہ اور گندھک وغیرہ کے اجزا کو کسی وجہ سے زمین کے اندر غلیان پیدا ہوتا ہے۔ تو شعلے ہر چہار طرف سے معتدبہ خروج ہوتے ہیں۔ اگر اس کے زور سے زمین شق ہوگئی یا زمین کے کسی اور منفذ سے شعلہ نکل گیا۔ تو فبہا۔ ورنہ زمین کسی قدر مرتفع ہو جاتی ہے۔ اور کوہ آتش فشاں کے دہانہ سے شعلہ نکل جاتا ہے۔ اگر مقدار اجزا بکثرت نہ ہوئی۔ تو فقط زمین ہی متحرک اور متزلزل ہوگی۔ کوہ آتش فشاں کے ذریعہ سے شعلہ نکلیگا حرارت کی وجہ سے اجزائے رقیق ہو کر کسی منفذ سے خارج ہو جائینگے۔ مسٹر ہانٹ ہبر اور لارڈ ڈبلا میو کا مقولہ ہے۔ کہ اسباب زلزلہ میں آگ اور پانی جزو اعظم ہیں بدون ان کے بغیر حدوث زلزلہ غیر ممکن ہے کیونکہ رطوبت میں جب تک حرارت [illegible] تب تک تولید بخارات نہ ہوگی ۔

جب زمین میں بخارات جوش کھاتے ہیں۔ [illegible]

زرّین ملک کی تلاش - جس میں جنوبی امریکہ کے حالات ایک ناول کے پیرایہ میں نہایت دلچسپ طور سے بیان ہوئے ہیں - قیمت ۸ر +

میرے رہنے کا گھر - جسم انسانی کا دلچسپ حال باتصویر - قیمت ۲ر +

ننھے ننھے لوگ - کیڑے مکوڑوں کا دلچسپ حال باتصویر - قیمت ۲ر +

سورج چاند ستارے - علم ہیئت کے متعلق ایک مبسوط اور جامع کتاب جس میں اس وقت تک کی تمام نئی دریافتوں کا حال درج ہے - اجسام فلکی کے حالات نہایت سادگی کے ساتھ اور پُرلطف پیرایہ میں درج ہیں - باتصویر - قیمت ۸ر +

علم الارض - جس میں طبقات زمین کی ساخت وغیرہ کا مفصل حال درج ہے - یہ علم جیالوجی کا پہلا ابتدائی رسالہ ہے جو اُردو زبان میں شائع ہوا ہے - باتصویر - قیمت ۸ر +

تاریخ روم - جس میں رومۃ الکبریٰ کے عروج و زوال و طرز حکومت کا مفصل حال درج ہے - قیمت ۱۲ر +

خصلت - اسمائلز صاحب کی مشہور کتاب کیرکٹر کا ترجمہ - قیمت عہ؍ +

اصول تجارت - جس میں آجکل کی تجارت کے متعلق مفصل اصول و طریق کا حال درج ہے جن کا جاننا ہر ایک سوداگری پیشہ آدمی کو ضرور ہے - قیمت ۸ر +

لڑکوں کا رہنما - اس کتاب میں اُن خرابیوں کا ذکر ہے جن میں مبتلا ہو کر لڑکے اپنی صحت جسمانی اور قوائے عقلی کو خراب کر لیتے ہیں - اور اُن سے بچنے کی تدابیر و ہدایات بیان کی گئی ہیں - نہایت مفید کتاب ہے - قیمت ۸ر +

نوجوانوں کا رہنما - اس کتاب میں کم عمری کی شادی اور زناشوئی کے تعلقات اور جوانی کی بیہودگیوں اور غلط کاریوں کا جن سے جوانوں کی صحت جسمانی اور قوائے عقلی خراب ہو جاتے ہیں مرقع کھینچکر اُن سے بچنے کی تدابیر و ہدایات درج کی گئی ہیں نہایت مفید کتاب ہے - قیمت عہ +

شوہر کا رہنما - تعلقات زناشوئی کے متعلق ہدایتیں - قیمت عہ؍ +

صفائی کی ضرورت کے متعلق ہدایات - قیمت ۳ پائی +

بچوں کی پرورش کے متعلق ہدایات قیمت ۳ پائی +

فیض بخش سٹیم پریس پشاور شہر میں سکرٹری صاحب پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور کے لئے چھاپا گیا

ترقی

ایک علمی اخلاقی تمدنی ادبی مجلسی تاریخی اور صنعتی

مضامین کا ماہوار رسالہ

قیمت سالانہ دو روپیہ آٹھ آنہ مع محصول ڈاک پیشگی یا بذریعہ ویلیو ایبل

جلد ۷	لاہور - دسمبر ۱۹۰۸ء	نمبر ۱۲

فہرست مضامین

ترقی کی فیاضی
یعنی جیب گھڑیوں کا انعام

ذرا سے کام سے بے دام - بے زحمت اور بے الزام انعام ملتا ہے۔ واقعی خریداروں کے لئے ایک مژدہ ہے۔ ہاتھوں ہاتھ لینے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ اور وہ کام بھی جسکے صلہ میں یہ گھڑیاں پریزنٹ کی جائینگی بہت مشکل نہیں ہے۔ ذراسی کوشش درکار ہے۔ چھہ نئے خریداروں کے نام اور ان کا سالانہ چندہ روانہ کردو اور گھڑی جیب میں ڈال کر رفتار زمانہ کے ڈھنگ سے فائدہ اُٹھاؤ۔ اور گھڑیاں بھی کیا ہیں سونے کی ڈبیاں ہیں۔ اگر کوئی زیور زیب تن کا باعث ہوسکتا ہے تو وہ زیور یہ گھڑیاں ہیں۔ سونے کا پانی پھرا ہوا ہے۔ گارنٹی کی ہوئی ہے۔ امریکہ کے سب سے لائق گھڑی ساز کو آرڈر جاچکا ہے۔ چند دن میں آجائینگی۔ جو پہلے آئے وہی پائے کا زمانہ ہے۔ دیر نہ کرو۔ چھہ نئے خریداروں کے نام مع زرِ چندہ روانہ کردو۔ اور گھڑی فوراً لے لو۔ اِس ہاتھ دو اور اُس ہاتھ لو کا سودا ہے۔ یکم جنوری سنہ ۱۹۰۹ء کے بعد جو نام بھیجے جائینگے۔ اُن کے لئے یہ انعام دیا جاے گا

مُفت ہے مُفت - لے لو

ترقی

لاہور- بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۸ء

ایڈیٹوریل نوٹس } ناظرین ترقی کو کرسمس مبارک ہو +

ناظرین ترقی کو نیا سال بھی مبارک ہو +

ترقی کی مفید اور فیض رسان زندگی کا چھٹا سال بھی اس نمبر کے ساتھ رخصت ہوتا ہے۔ اس سال بھی ترقی نے جس قدر علمی خدمت ملک کی کی ہے وہ اپنی نوعیت اور مقدار کے اعتبار سے اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ اور ہمیں یہ معلوم کرکے بیحد مسرت ہوتی ہے۔ کہ ترقی کی خدمات کو اس سال بھی اہل ملک نے بیحد پسند کیا۔ اس کی جو کچھ قدر دانی اور امداد اہل ملک نے کی اس کے لئے ہم اُن کے تہ دل سے ممنون ہیں +

ماہ جنوری ۱۹۰۹ء سے ترقی اپنی زندگی کے ساتویں سال میں قدم رکھیگا اور جیسا کہ ہمیں قوی اُمید اور یقین واثق ہے ۱۹۰۹ء میں بھی وہ اپنی علمی خدمات کے ذریعے سے اہل ہند کو نفع پہنچانے کا باعث ہوگا۔ اور جہاں تک توقع کی جاسکتی ہے آئندہ سال وہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر خدمت کرسکیگا جسقدر کہ وہ ابتک کرتا رہا ہے۔ خدا ہمیں اس خدمت کی توفیق عنایت کرے اور ہماری خدمات اہل ملک کے لئے مفید ثابت ہوں۔ ان باتوں کے خیال سے ہم اپنے ناظرین اور نیز دیگر اصحاب سے جو علوم و فنون کے دلدادہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہندوستان ان باتوں میں روز افزوں ترقی کرتا رہے توقع رکھتے ہیں کہ اپنے اس بہی خواہ ملک کی زیادہ قدردانی کا ثبوت دینے سے باز نہ رہینگے +

یہ امر مسلمہ ہے کہ ترقی سال بہ سال میدان علوم وفنون میں اپنے ہمعصروں اور ہم معاونوں سے چار قدم آگے ہی نظر آیا - اور جس قدر خدمت کہ اُس نے ایک سال کی اُس سے ڈیوڑھی یا دگنی دوسرے سال - اور اُس سے بھی ڈیوڑھی یا دگنی تیسرے سال اور علیٰ ہذا - گویا ہر سال اہل ملک کو معراج ترقی کی طرف لے جاتا رہا - اس اُصول کے مطابق ہمیں اُمید ہے کہ آیندہ سال بھی ترقی اس سال کی نسبت زیادہ خدمت کریگا - اس خدمت سے متعلق پروگرام مناسب وقت پر شائع ہو جائیگا ❊

اگرچہ ترقی کی زندگی کے ۷ سال کامل گزر گئے - اور اُس نے ان سالوں میں اہل ملک کی خدمت بھی حتی الوسع بہت زیادہ کی - یہاں تک اُردو زبان کو مالا مال کرنے میں کوئی کوشش اُٹھا نہیں رکھی - تاریخ قدیم وجدید - علوم قدیم وجدید - فنون - اخلاق - افسانے - سائنس کی باتیں وغیرہ وغیرہ - ان سب پر مقبول عام مضامین لکھے اور شائع کئے - اور اُس کی خدمت کی ایک مناسب حد تک پبلک نے قدر کی - اور گورنمنٹ نے بھی وہ قدر کی جو آج تک کسی دوسرے رسالہ کو نصیب نہیں ہوئی ہوگی - لیکن اُس کی جس قدر امداد اور قدردانی پبلک اور خصوصاً اُردو دان پبلک کو کرنا چاہئے تھی وہ نہیں کی گئی - اگر یہ بات ہوتی تو آج ترقی کی اشاعت کئی ہزار ہو جاتی ❊

ترقی کی بابت ایک نہایت ضروری بات جو قابل اظہار ہے یہ ہے کہ انگریزی زبان کا ابھی ملک میں اس قدر رواج نہیں ہوا کہ ہر شخص اُس کے ذریعہ سے علوم وفنون سے فائدہ اُٹھا سکے - لیکن اُردو زبان ملک کے ایک بڑے حصہ پر حاوی ہے - اس لئے اگر اُسکے ذریعے سے علوم وفنون کی اشاعت کی جائے تو بہت کم عرصہ میں بہت زیادہ لوگوں کو نفع پہنچ سکتا ہے - جاپان نے جو حیرت انگیز ترقی ۳۰ - ۳۲ سال میں کی اُس کا راز یہی تھا کہ دُنیا بھر کے علوم وفنون کو اپنی زبان میں ترجمہ - تالیف اور تصنیف کے ذریعے کھینچ لائے - ترقی بھی اس اصول کا پابند رہا ہے - اور رہیگا - اور اُسکی گزشتہ خدمات اس بات کا یقین دلانے کے لئے کافی سے زیادہ شہادت دے سکتی ہیں - اس لحاظ سے بھی ترقی اُردو دان پبلک کی خاص توجہ اور قدردانی کا مستحق ہے - اُسکی قدردانی کرنا گویا اپنی مدد آپ کرنا ہے ❊

دلچسپ علمی خبریں اور ایجادیں

ڈاکٹر ای۔ ٹی۔ برٹن لکھتے ہیں کہ مجھے وجع مفاصل کا مرض ہوگیا۔ اور میں نے اس کے دور کرنے کے لئے بڑی کوشش کی۔ لیکن ذرا بھی فائدہ نہ ہوا۔ میں بڑی مشکل سے تھوڑی دور چل سکتا تھا۔ اور جتنی دور جاتا اس میں کئی بار ٹھیرنا پڑتا تھا۔ لیکن جب ایک دن میں نے شہد کی چند مکھیوں سے ورم شدہ جوڑوں پر ڈنک لگوائے تو تکلیف کم ہوگئی اور آسانی سے چلنے پھرنے لگا۔ اور ۲۵ سال کا مرض صرف ۴۰ دن کے اندر بالکل جاتا رہا۔

ڈاکٹر ڈبلیو۔ ڈی۔ لینگی نے تجربات کے بعد رائے قائم کی ہے کہ سل یا دق کا علاج دھوپ کے ذریعے سے ہو سکتا ہے۔ مریض کو غسل دیکر دھوپ میں بٹھا دیا جائے اور آہستہ آہستہ دھوپ تاپنے دیا جائے۔ اس دھوپ سے جسم کے اندر حرارت پیدا ہوتی ہے اور یہی حرارت مرض کو دور کر دیتی ہے۔

ایک ماہر اور تجربہ کار محقق نے مدت دراز کی کوشش کے بعد یہ امر معلوم کیا ہے کہ مشرقی یورپ میں مغربی یورپ کی نسبت تعداد پیدائش زیادہ ہے۔ لیکن سب سے زیادہ تعداد روس میں ہے۔ چنانچہ وہاں بچے فرانس کی نسبت دگنی تعداد میں پیدا ہوتے ہیں۔ فرانس کے مغربی حصے اور نارمنڈی میں سال بھر میں ہزار آدمیوں کے ہاں صرف ۱۵ بچے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر روس میں فی ہزار ۵۰ بچے پیدا ہوتے ہیں۔

ممالک متحدہ امریکہ کے مقام نیویارک میں یہ تجربہ کیا گیا کہ ادنیٰ حیوانات میں کون سا حیوان زیادہ دباؤ اور بوجھ سہار سکتا ہے۔ چنانچہ مینڈک ایسا حیوان ثابت ہوا۔ اسے مٹی کے ایک لوندے کے بیچ میں بٹھا کر شکنجہ میں رکھا گیا اور ۱۱ سو پونڈ کا وزن اس پر ڈال کر دبا دیا گیا۔ مگر جب شکنجہ کھولا تو اس کے مطلق ضرر نہیں آیا تھا۔ وہ پھدک کر بھاگ گیا۔

عجیب رسم۔ نیاگرہ میں ایک عجیب رسم یہ ہے کہ جو جوان مرد شادی کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے مکانوں کے چھپروں میں بانس کی خشک شاخوں کا ایک گچھا لٹکا دیتے ہیں

جو ہوا سے ہل ہل کر ایک قسم کی آواز پیدا کرتا ہے ۔ جو جوان لڑکیاں رکھتے ہیں وہ اپنی لڑکیوں کو اُس کے مکان پر لاتے ہیں ۔ اور جس لڑکی کو وہ پسند کر لیتا ہے اُس سے اُسکی شادی ہو جاتی ہے ؛

بچوّں کی غذا ۔ اخبار ہیلتھ چھوٹے بچوں کی سب سے عمدہ غذا دودھ قرار دیتا ہے تازہ دودھ لیکر اُبال لیا جائے ۔ اور اُسے مقررہ اوقات میں آہستہ آہستہ بوتل کے ذریعے سے پلایا جائے ۔ لیکن بوتل اُسکے مُنہ سے نہ لگی رہے ۔ اور نہ ہر دفعہ رونے کے وقت اُسے دودھ دیا جائے ۔ بوتل کو گرم پانی سے صاف کرنے کے بعد اُس میں دودھ بھرا جائے ؛

اخبار برٹش میڈیکل جرنل لکھتا ہے کہ ڈاکٹروں کو خاص خاص امراض کا شکار ہونا پڑتا ہے ۔ چنانچہ اعصابی کمزوری ۔ ناک اور حلق کے امراض ۔ دماغ کے امراض ۔ یہ ڈاکٹروں کے خاص امراض ہیں ؛

امریکہ میں سب سے پہلا اخبار بوسٹن میں ۵ ستمبر ۱۶۹۰ء کو جاری کیا گیا تھا ۔ اُس کا نام " پبلک اوکرینسیز" تھا ۔ ایک ہی نمبر نکلنے کے بعد حکماً بند کیا گیا ۔ اب اُس کی صرف ایک کاپی موجود ہے جو لندن کے " پبلک ریکارڈ آفس" میں ہے ؛

جو لوگ دماغی شکایات میں مبتلا ہوں اُنہیں باجہ سُننے سے نفع ہوتا ہے ۔ یورپ کے اکثر شفاخانوں میں ایسے مریضوں کے لئے ہر وقت باجہ بجتا رہتا ہے ۔ اور تجربات شاہد ہیں کہ مریضوں کو جلد تر صحت ہو جاتی ہے ؛

بدہضمی ایک ایسا مرض ہے جس میں آجکل زیادہ تر لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں ایک ڈاکٹر نے اخبار ہیلتھ کے ذریعے یہ رائے دی ہے کہ بدہضمی میں کوئی دوا نہیں کھانا چاہئے ۔ کیونکہ اس سے اکثر نفع کی جگہ نقصان اس لئے ہوتا ہے کہ معدہ کی ٹھیک حالت دریافت نہیں ہو سکتی ۔ البتہ ذیل کا مرکب استعمال کرانے سے ہر حالت میں فائدہ ہوتا ہے :-
دو انڈوں کی سفیدی کو تھوڑے پانی میں حل کر لو ۔ پھر اس میں شکر حل کر لو ۔ اور ذرا سی ترشی ملاؤ

شناخت ۔ جن لوگوں کی ناک زیادہ سُرخ ہو وہ یا تو شرابی ہوتے یا چاء کثرت سے پیتے ہیں ۔ یا بدہضمی یا تپاک قلب میں مبتلا ہوتے ہیں یا اُن کے جسم میں خون آہستہ آہستہ گردش کرتا ہے ؛

تاریخ پالیٹکس

سلطنت اور قوانین سازی

وحشی اقوام میں قانون کا خیال تک نہ تھا۔ مگر اوّل اوّل یہ خیال بعد کی شکل میں قبائل میں پیدا ہوا۔ لیکن رسم و رواج کی صورت میں۔ ایک شخص کے ساتھ اُسکے فرقہ یا قبیلہ کی رسوم کے مطابق سلوک کیا جاتا تھا۔ لیکن مہذب سوسائٹی نے قومی یا ملکی قوانین کی بنیاد ڈالی۔ اور ایک قوم کے ایک شخص کے ساتھ چاہے وہ کہیں رہے اُسکے ساتھ ملکی یا قومی قوانین کا سلوک کیا جائے۔ ابتدا میں قانون ذاتی تھا اور صرف ایک گاؤں کے یا ایک نواب کے یا ایک شہر کے باشندوں کے ساتھ وابستہ تھا۔ مگر بعد میں یہ بات مفقود ہوگئی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک مقام کے قوانین کا تعلق صرف اُس مقام کے باشندوں تک محدود تھا۔ یورپ میں تو دسویں صدی تک قوانین مقامی حیثیت میں رہے۔ اس وقت فرانس کے قوانین سے مراد اُسکے کسی خاص مقام کے قوانین ہوتے تھے۔ اور جرمنی کے قوانین اُسکے کسی خاص شہر کے قوانین۔ اور علیٰ ہذا۔ اور گزشتہ صدی کے اخیر تک فرانس۔ جرمنی۔ اسپین اور دیگر ممالک یورپ کے قوانین اسی شکل میں رہے۔ انگلستان میں ابتک دیہاتوں کے قوانین جو مرسوم ہیں اب تک پائے جاتے ہیں۔ اور عام قوانین میں اُن کا بڑا لحاظ کیا جاتا ہے۔ قوانین کو عام بنانے میں ان چار باتوں نے بہت مدد دی۔

(۱) امثلہ۔ قرون وسطیٰ کی ابتدا ہی سے لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین جاری رہے۔ اور یورپ کے سارے ملکوں میں اُن کا رواج رہا۔ گو اُن کی تاریخیں مختلف ہیں لیکن اُن کا مخرج ایک ہی ہے۔ یعنی یہ بادشاہی کا قائم ہونا اور بادشاہ کا لوگوں کے قوانین سے واقفیت پیدا کرنا۔ فاتح بادشاہوں نے بہت سی حالت میں مفتوحہ رعایا کے قوانین کی عزت کی مگر کسی حالت میں بھی اُن کو مٹایا نہیں۔ جو قوانین ضبط تحریر میں نہ آئے ہوں وہ بدل جاتے ہیں لیکن غیر محسوس طریقہ میں۔ مگر تحریری قوانین اس طریقہ میں نہیں بدل سکتے۔ کسی رسم یا قانون کے "تحریری" ہونے سے اُسکی وقعت بڑھ جاتی تھی۔ اور ضرورت کے وقت اُسے سلسلہ ملانا جاتا تھا

(۲) قانونی عدالتیں ۔ سلطنتوں کے حاکم متنازعات کو ایمانداری سے طے کرتے تھے اور مقامی رسوم کے مطابق ۔ لیکن اس میں انہیں ادنےٰ اختلافات پریشان کرتے تھے ۔ اس لئے انہوں نے ان میں تطابق پیدا کرنے کے لئے کوشش کی ۔ اور صلاح و مشورہ سے اس مقصد کو پورا کیا ۔ اور ایک سلطنت کے لئے سارے قوانین عام اور مشترک ہو گئے ۔ لیکن اس میں اگر کسی خاص مقام پر کوئی خاص فسخ نہ ہونے کے قابل رسم جاری تھی تو اُسے جاری رہنے دیا گیا ۔

(۳) فرض ممکنات ۔ اس سے مراد وہ فرائض یا باتیں ہیں جو ممکن ہو سکتی ہیں اُن کے ذریعے سے ایک شخص کی ایک چیز دوسرے شخص کے نام منتقل ہو سکتی ہے ۔

(۴) قوانین سازی ۔ جن ملکوں میں ترقی کی رفتار تیز ہوتی ہے ۔ ان میں نئے دستور یا رسوم جلد جلد پیدا ہوتی رہتی ہیں ۔ اور اس لئے اُن پر حاوی ہونے کے لئے کسی نئے طریقہ کی ضرورت پڑتی ہے ۔ اس لئے پولیٹیکل قائم مقامی کی ضرورت پڑتی ہے ۔ اس لئے لوگ اپنے قائم مقام تجویز کرتے ہیں جن کے ذریعے عام قوانین بنائے جاتے ہیں ۔ پولیٹیکل قائم مقامی کے بارے میں دو رائیاں ہیں ۔ ایک یہ کہ قائم مقام اپنے انتخاب کرنے والوں کے پیغامبر ہوتے ہیں ۔ اور اُن کا حکم ماننا قائم مقاموں پر قانوناً نہیں تو اخلاقاً ضرور واجب ہوتا ہے ۔ دوسری رائے یہ ہے کہ انتخاب کرنے والے اپنے قائم مقام کو بالکل مختارِ کل کر دیتے ہیں اور اُسے اُس کی مرضی کے مطابق کام انجام دینے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں ۔ لیکن بعض رائیاں اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ قائم مقاموں کے ذریعے سے انتخاب کنندے اپنی خواہش کا اظہار کر دیتے ہیں ۔

وحشی اقوام میں مشترکہ ذمہ واری کا دستور تھا ۔ مثلاً الف نے ب کو قتل کر دیا تو الف کے سارے رشتہ دار ذمہ وار قتل ہوتے تھے ۔ الف نے جو معمار ہے ب کا مکان بنایا ۔ مگر وہ گر گیا ۔ اس لئے الف کے سارے ہم پیشہ اُسکے ذمہ وار ہوتے تھے ۔ سلطنت نے اس خیال سے کام لیا ۔ اگر سرکاری سڑک پر کوئی شخص قتل کیا گیا تو ہردگرد کے تین گاؤں کے باشندوں سے یا تو قاتل لیا گیا یا قتل کا تاوان ۔ کسی کی مویشی چوری گئیں ۔ اور اُن کے پاؤں کے نشان کا سراغ ایک خاص گاؤں تک لگ گیا تو اُس گاؤں سے چور لیا گیا یا تاوان ۔ یہ تاوان گاؤں یا گاؤں کے سارے لوگوں کو برابر برابر تعداد میں دینا پڑتا تھا ۔ لیکن اس میں دقت ہوتی تھی ۔ اس لئے سلطنت ایک

حاکم بہکر گاؤں کے دو دولتمندوں کو گرفتار کرلیتی اور روپیہ لیکر رہا کردیتی تھی۔ اس لئے مختلف مقامات میں سیلف گورنمنٹ کا رواج ہوا۔ اور اس طریقہ میں بہت سے خراج لوگوں پر عائد کئے گئے لیکن جب تجارت کو ترقی ہوئی تو ایک قومی مجلس یعنی پارلیمنٹ مقرر کی گئی۔ مگر ابتدا میں یہ مجلس قائم مقام کے طور پر نہیں ہوتی تھیں کیونکہ اس میں نواب۔ اعلےٰ درجہ کے دینی پیشوا وغیرہ شریک ہوتے تھے۔ سلطنت کے کاروبار ایک شاہی عدالت کرتی تھی جسکے حکام بادشاہ کے مشیر ہوتے اور ہر وقت اُسکے پاس رہتے تھے۔ جب کوئی اہم کام انجام دیا جاتا تو اعلےٰ درجہ کے ممبران پارلیمنٹ بلائے جاتے تھے۔ دینی پیشوا رفتہ رفتہ بہت مالدار ہوگئے۔ خاص کر عیسائی ممالک میں جہاں کلیسائیں دولت حاصل کرنے کے ذرائع رکھتی تھیں سلطنت ضرورت کے وقت اُن سے روپیہ لیتی تھی اس لئے دینی پیشواؤں کا اقتدار پارلیمنٹ میں بڑھ گیا۔ زمینداروں کے قائم مقام بھی پارلیمنٹ میں ہوتے تھے۔ لیکن وہ زمینداروں میں سے نہیں بلکہ نوابوں یا سورماؤں میں سے۔ لیکن بعد میں دیہاتی شریک کئے گئے اور دستکار بھی۔ اور اس طرح پارلیمنٹ مکمل ہوگئی۔ لیکن اسکی دو خامیاں تھیں یہ تھیں (۱) وہ ہر دلعزیز نہ تھی۔ کیونکہ کاؤنٹیاں اُس سے اس لئے نفرت کرتی تھیں کہ اُن کو اپنے ممبروں کو معاوضہ دینا ہوتا تھا۔ دینی پیشوا اس لئے نفرت کرتے تھے کہ وہ دُنیوی حکم کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اور ممبروں کو منتخب کرنے والے مقامات اس لئے نفرت کرتے تھے کہ اُن کو محصول زیادہ مقدار میں دینا پڑتا تھا۔ خود ممبران پارلیمنٹ اس لئے نفرت کرتے تھے کہ وہ اپنے منتخب کرنے والے شہروں پر زیادہ ٹیکس کی منظوری کی رائے نہیں دیتے تھے۔ (۲) پارلیمنٹ کا منشا ابتدا میں صرف روپیہ کی منظوری دینا تھا۔ بادشاہ کے مشیر خاص نواب ہوتے تھے۔ لیکن دینی پیشواؤں اور دیگر ممبروں کو اس قسم کی عزت حاصل نہ تھی۔

نئی طرز کی پارلیمنٹ۔ اگر پارلیمنٹ میں قائم مقام بھیجنے والے مقامات مشورہ نہیں دے سکتے تھے تو حقوق کے لئے درخواستیں ضرور کر سکتے تھے۔ پس درخواستیں زیادہ تعداد میں آنے لگیں اور بادشاہ روپیہ دیکر اُن کو خاص خاص حقوق کے لئے منظوری دینے لگا۔ یہ درخواستیں دو قسم کی تھیں۔ ایک تو ذاتی فوائد سے متعلق تھیں۔ مثلاً خاص اشخاص کی بخشش یا خاص شکایت کی ملنے لگی۔ دوسری رسوم کے انفساخ اور تنسیخ کے لئے۔ مگر دونوں کی منظوری سے قباحتیں پیدا ہوتی تھیں۔ اُن کی منظوری یا نامنظوری ہی قوانین کہلاتے تھے۔ بادشاہ کو قوانین بنانے اور

انتظام کرنے کا حق حاصل تھا۔ وہ سرحد پر فوج مقرر کر سکتا تھا۔ اندرون ملک کے امن کے لئے پولس یا فوج مقرر کر سکتا تھا۔ بعض چیزوں کو ملک میں آنے سے روک سکتا تھا اور بعض کو جانے سے۔ اُن پر محصول لگا سکتا تھا۔ حکام کے فرائض مقرر کر سکتا تھا۔ ان سب باتوں کا نام قوانین سازی ہے۔ رفتہ رفتہ اس کام میں بادشاہ کی رائے کی جگہ عام لوگوں کی رائے کو غلبہ حاصل ہو گیا۔ گو ابتدا میں کثرت رائے کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ اُس نے یہ وقعت حاصل کر لی۔ اور اسی کے مطابق جو فریق ملک میں زبردست ہوتا ہے اُسی کے ہاتھ میں عنان حکومت ہوتی ہے۔

ممبروں کا انتخاب۔ اوّل اوّل اس کے لئے کوئی جنگ یا جد و جہد نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ جن لوگوں کو سرکاری حکام قابل سمجھتے تھے اُن کو پارلیمنٹ کا ممبر مقرر کر دیتے تھے۔ لیکن بعد میں اُن کا انتخاب لوگوں کی مرضی پر موقوف رکھا گیا۔ اور اس طریقہ میں ملکی فریقوں کو اپنی طاقت بڑھانے کا موقع مل گیا۔ الغرض یہ کہ موجودہ پولٹیکل کاروبار کی تین خاص باتیں ہیں (۱) پولٹیکل قائم مقامی (۲) کثرت رائے کا فیصلہ (۳) فریق بندی۔ جو لوکل گورنمنٹ اور سنٹرل گورنمنٹ دونوں ہی میں خاص اثر رکھتی ہیں اور مقاصد کے انجام دینے کا ذریعہ اور کل سمجھی جاتی ہیں۔ نہ کہ خود مقاصد۔

سلطنت اور انتظام سلطنت

یہ مضمون بہت اہم ہے۔ اگرچہ سلطنت کو انصاف کرنے اور قوانین بنانے میں فتح نصیب ہو گئی۔ لیکن انتظام میں کامل فتح نصیب نہیں ہو سکی۔ بہت کم لوگوں کی رائے تو یہ ہے کہ جج کی عدالتیں اور قوانین بنانے والی کونسلیں مفید ہونگی۔ لیکن زیادہ تر کی رائے یہ ہے کہ خانگی امور مذہبی باتوں اور صنعتی ضرورتوں کے انتظام میں گورنمنٹ کی دست اندازی مُضر ہو گی۔ اس لئے اُسے کم کیا جائے۔ اس لئے اب یہ بتایا جائیگا کہ سلطنت نے موجودہ طریق انتظام کیونکر حاصل کیا؟

سلطنت کا ابتدائی خاصہ۔ ابتدا میں سلطنت ایک فوجی جماعت تھی۔ اور دراصل اُس کی چھوٹی سی جماعت جس میں جنگجو لوگ اور حکام شریک تھے۔ لوگوں کو اپنی اطاعت کے لئے مجبور کرتی رہی۔ لیکن رفتہ رفتہ اور پولٹیکل قائم مقامی کے ذریعے سے اُس نے اُن لوگوں کو جن پر وہ حکمران تھی اپنا ہم خیال اور ساتھی بنایا۔ کیونکہ جب تک لوگوں کو انتظام سلطنت میں دخل حاصل نہیں ہوتا تب تک وہ سلطنت کے شریک نہیں کئے جا سکتے۔ ابتدا ہی سے سلطنت

اندرونی امن اور بیرونی امن کا کام لیکر اُٹھی ۔اس لئے اُسے انتظام کا کام کرنا پڑا +

رسل و رسائل کے ذرائع - اگرچہ سڑکوں اور پلوں سے اب آمد و رفت اور تجارت کا کام لیا جاتا ہے ۔لیکن ابتدا میں وہ فوج کی نقل وحرکت کے لئے بنائے گئے تھے ۔اور اُنکی نگرانی اور انتظام گورنمنٹ کے ذمہ تھا +

چوکیاں - ڈاک خانہ ۔چوکیاں ۔تار برقی اور ریل (انگلستان میں تو اب ریلوں کا انتظام گورنمنٹ نہیں کرتی) اب اگرچہ عام لوگوں کے کام میں آتی ہیں ۔لیکن ابتدا میں وہ فوجی نقل وحرکت کے لئے قائم کی گئی تھیں +

پولس - ملک کے اندر امن قائم رکھنے ۔بازاروں ۔میلوں ۔تماشہ گاہوں ۔سراؤں اور غیر ملک کے لوگوں کے انتظام کے لئے پولس قائم کی گئی ۔ حالانکہ اب پولس کا ایک فرض انصاف میں سہولت اور آسانی پیدا کرنا بھی سمجھا جاتا ہے +

محاصل ملکی - امن اور ترتیب قائم رکھنے کے لئے سلطنت کو محاصل کی فکر ہوئی ۔ اور اُس کے لئے اوزان ۔ناپ تول ۔قیمتوں ۔اوصاف اور سکوں کی ضرورت پڑی ۔کیونکہ ابتدا میں جب اجناس میں محصول ادا کیا جاتا تھا تو اُس کے لئے اوزان مقرر کئے گئے ۔اور رفتہ رفتہ اجناس کی جگہ سکے مقرر کردئے گئے ۔جن کے بنانے کا اجارہ گورنمنٹ کو حاصل رہا +

پیشے ۔سلطنت ایک جماعت ہے ۔اور اگر وہ اپنے لوگوں کی بہبودی کی فکر نہ کرے تو وہ بیکار ہے ۔اس لئے اُس نے لوگوں کی سلامتی کے علاوہ اُنکے گزارے میں بھی آسانی پیدا کی ۔اور محنت مزدوری اور پیشوں کے لئے قوانین بنائے ۔غلامی کو دُور کیا ۔اور مزدوری پیشہ لوگوں کی مالی حالت کو ترقی دی ۔اور پیشہ وروں کی جماعتیں اور حقوق مقرر کئے ۔ مگر ان کو بعد میں توڑا گیا ۔کیونکہ تجارتی ضروریات اُن کے خلاف تھیں ۔ اور تجارتی انجمنوں کی بنیاد لوگوں کو قائم کرنے کے موقعے ملے +

غربا کے لئے قوانین - اگرچہ براہ راست سلطنت نے افلاس پیدا نہیں کیا ۔ لیکن اُس نے دیہاتی طرز انتظام ۔پنچایت ۔راہب خانہ اور پیشہ وروں کی جماعتوں کو تباہ کیا ۔ اس سے ان لوگوں کی معاش کی فکر کرنا پڑی ۔ اور غربا کے لئے قوانین بنانے پڑے ۔ سنٹرل اور صوبوں کی گورنمنٹ اُن کی صرف نگرانی کرتی ہے ۔ اور مقامی حکام اُن کا انتظام کرتے

ہیں اور قوانین سازی میں مدد دیتے ہیں ●

حوادث ناگہانی - ان حوادث کا انتظام کرنے سے بھی انتظام سلطنت میں آسانی اور عمدگی پیدا ہوتی ہے - اس لئے وبائے طاعون - ہیضہ وغیرہ کے گھٹانے کے لئے جن سے اہل ملک پر آفات آتی ہیں محکمہ حفظ صحت قائم کیا گیا ●

انتظام ملک میں نئی بات - پولیٹیکل قائم مقامی کی ترقی کے ساتھ ساتھ جہاں حکام کے ذریعے ملک کے انتظام کی ابتدا ہوئی - وہاں رفتہ رفتہ یہ انتظام عام لوگوں کی آواز سے ہونے لگا - اور اس کا حسن وقبح انتخاب اور اخبارات کے ذریعے ظاہر کیا جانے لگا - اور یوں حکام کا زور گھٹ گیا - الغرض یہ کہ سلطنت دراصل قوم ہے جو سرکاری مقاصد کی گاڑی چلاتی ہے اس لئے اس کا فعل بے ضرر ہے - مگر اس سچی بات کے متعلق کئی غلط فہمیاں بھی ہیں (۱) موجودہ حالات کے مطابق بھی سلطنت اور قوم ایک نہیں ہیں کیونکہ جہاں "یونیورسل سفریج" کا سوال ہے وہاں سارے لوگوں کی آواز انتظام میں شامل نہیں - مثلاً عورتوں کی آواز (۲) انتظام میں لوگوں کو دخل نہیں - حالانکہ قوانین سازی میں ہے - گویا قانون انسان کو بالغ اور انتظام نابالغ قرار دیتا ہے (۳) انتظام سلطنت کارآمد اور موثر ہونا چاہیے - اگرچہ اعلیٰ درجہ کے حکام میں یہ صفات پائی جاتی ہوں لیکن ادنٰے درجہ کے حکام میں نہیں پائی جاتی ہیں - تاہم تعلیم اور اخلاق کی ترقی کے ساتھ ان کی ترقی کی امید ہے - عام لوگ انتظام نہیں کر سکتے کیونکہ وہ بعض باتوں کو انجام دینے سے پس وپیش کرتے ہیں - لیکن حکام کر سکتے ہیں - وہ تو مقررہ قوانین پر عمل کرنے اور کرانے والے ہوتے ہیں ●

پولیٹیکل سوسائٹی کی اقسام

سلطنتوں کی قدیم درجہ بندی - ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ جب تک یہ درجہ بندی ارسطو کی رائے کے مطابق مانی جاتی تھی - یعنی شاہی حکومت - نوابی - جمہوری - لیکن اب یہ درجہ بندی غلط اور نامکمل ثابت ہوئی ہے - کیونکہ کوئی سلطنت اسوقت تک بہتر نہیں سمجھی جاسکتی جب تک کہ وہ اسباب زمانہ کا ساتھ نہ دے سکے ●

ایک ہی سا اصول - سلطنت خواہ کسی قسم کی ہو لیکن تمام سلطنتوں کا اصل ایک ہی ہے کہ اس میں حکمرانی کا مرکز کوئی نہ کوئی ضرور ہوگا - البتہ حکمرانی مختلف قسم کی ہو سکتی ہے

وہ ایک ہی شخص کے ہاتھ میں ہوگی جیسے کہ روس میں ایسی سلطنت شخصی یا مطلق العنان کہلاتی ہے یا مختلف لوگوں کے ہاتھوں میں جیسے کہ انگلستان کے لارڈ۔ کامنز اور بادشاہ ہیں۔ ایسی سلطنت باضابطہ یا کانسٹی ٹیوشنل کہلاتی ہے۔ ان حکمرانیوں کے اخلاقی اور علمی نام بھی ہیں۔ مثلاً اوٹوکریٹک یعنی خود مختار۔ کانسٹی ٹیوشنل یا قانونی۔ موروثی جس کے حکمران ایک ہی خاندان سے لئے جاتے ہوں۔ جمہوری جس میں موروثی حکومت نہ ہو۔ بلکہ جس کو اہل ملک چاہیں اور مناسب سمجھیں انتخاب کے ذریعے سے ایک مدت کے لئے حکمران بنادیں۔ معمولی حکمران غیر معمولی حکمران بھی ہوتے۔ معمولی سے مراد یہ ہے کہ بادشاہ ہمیشہ۔ بذات خود حکومت کرتا ہے۔ غیر معمولی سے مراد یہ ہے کہ بادشاہ کو حکومت کے لئے اور لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تحریری حکومت جسکے قوانین ضبط تحریر میں لائے جاتے ہوں غیر تحریری جسکے قوانین ضبط تحریر میں نہ لائے جاتے ہوں۔ تحریری حکومت سب سے پہلے انگلستان میں قائم کی گئی جسکی تقلید یورپ کے دیگر ملکوں نے بھی کی ✦

مقامی حکومت ۔ حکومت ایک معنی میں دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک سنٹرل۔ دوسرے لوکل۔ سنٹرل حکومت سے مراد یہ ہے کہ ایک بادشاہ یا فاتح نے بزور شمشیر بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں یا سلطنتوں کو فتح کرکے اپنا تابع کرلیا ہو۔ اس قسم کی حکومت فرانس اور اٹلی کی ہے۔ اس میں ایک خاص مرکز حکومت سے تمام مقامی کاروبار اور انتظام انجام دیا جاتا ہے۔ مگر مقامی حکومت میں یہ بات نہیں ہوتی۔ بلکہ صوبوں یا ضلعوں کے حکام وہیں سے چنے جاتے اور سنٹرل گورنمنٹ انکی نگرانی تو کرتی ہے۔ مگر ان کے کام میں اس وقت تک دخل نہیں دیتی جب تک کہ وہ ملکی قوانین کی پیروی کرتے ہیں۔ مقامی باشندے انتظام حکومت میں دخل رکھتے ہیں ایس قسم کی حکومت انگلستان میں ہے ✦

مخلوط سلطنت ۔ انکو متحدہ سلطنت بھی کہتے ہیں۔ اس قسم کی سلطنت کی بنیاد سوئٹزرلینڈ نے ڈالی اور تقلید ممالک امریکہ اور جرمنی نے کی۔ اس معاہدہ کے نئے اصول کو حکمرانی میں داخل کیا گیا اسکے داخل ہونے کے اسباب کئی ہیں جن میں سب سے زبردست فوجی اقتدار ہے۔ دوسرا سبب ارادہ ہے۔ فوجی اقتدار نے جرمنی کی ریاستوں میں اتحاد پیدا کیا اور ارادہ نے ممالک متحدہ امریکہ کی ریاستوں میں پیدا کیا لیکن اس اصول سے اتحاد کی بنیاد پڑتی ہے نہ کہ وحدت کی۔ متحدہ سلطنتیں خود مختار ہوتی ہیں مگر ایک خاص نظام حکومت کی تابع۔ یہ اتحاد کئی قسم کا ہوتا ہے (۱) اصلی اتحاد یہ اتحاد ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے اور دو سلطنتوں میں جسکی رو سے دونوں کا فرمانروا تو ایک ہی ہوتا ہے۔ مگر دونوں کا نظام حکومت جدا جدا

شلاً ناروے اور سویڈن کا اتحاد - یا ایک ملک کا شاہی خاندان معزول ہوجاتا ہے اور اپنے اس دوسرے ملک کے لئے ایک ہی بادشاہ تسلیم کرلیتا ہے۔ شلاً انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کا اتحاد - (۲) عہد و پیمان دو یا زیادہ ریاستوں کا ایک اعلےٰ مرکز اختیار کے تابع ہوجاتا ہے - اس مرکز کو امور خارجہ کا اختیار ہوتا ہے - ایسا اتحاد جرمنی کی ریاستوں کا ہے۔ لیکن متحدہ ریاستوں کا نظام حکومت جُدا جُدا ہوتا ہے اور مرکز اختیار کا اختیار اُن پر کم ہوتا ہے - یہ اتحاد عارضی اور مدامی دونوں ہی قسم کا ہوتا ہے (۳) مشروط اتحاد - جس میں مرکزی حکومت کو فوجی اور ملکی قوانین کے علاوہ جوڈیشل قوانین بنانے کا بھی اختیار حاصل ہوتا ہے - اس قسم کا اتحاد ممالک متحدہ امریکہ - کناڈا - اور آسٹریلیا کی ریاستوں کا ہے - اس اتحاد کی خاص باتیں یہ ہیں - (الف) تحریری نظام حکومت تاکہ ریاستوں میں جھگڑا نہ ہونے پائے (ب) اختیارات کی تقسیم - جو سنٹرل گورنمنٹ اور ریاستوں کی گورنمنٹوں کے درمیان ہو (س) اعلےٰ عدالت جسے ریاستوں کو قابو میں لانے اور نظام حکومت میں دخل دینے کا اختیار حاصل ہو اس قسم کی متحدہ سلطنتوں میں کئی بڑے نقائص ہوتے ہیں ✦

دو اور قسم کی سلطنتیں (۱) کامن لا (۲) پریروگیٹو ✦ (۱) اس میں تمام باشندے خواہ حاکم ہوں یا نہ ہوں قانوناً مساوی رتبہ رکھتے ہیں - اور ایک ہی سے قوانین اور ایک ہی سی عدالتوں میں اُن کا انصاف کیا جاتا ہے - (۲) اس میں صرف کئی قسم کے حقوق رکھنے والی جماعتیں ہی ہوتی ہیں بلکہ سرکاری حکام کی اعلےٰ جماعت کلاً یا جزواً معمولی عدالہائے انصاف کے عملدرآمد سے بری ہوتی ہے

(۱) اس میں انگریزی بولنے والی جماعتیں شامل ہیں (۲) اس میں باقی کل مہذب دُنیا شامل ہے ✦

(۱) اس میں مساوی رُتبہ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ حکام وہ کام نہیں کرسکتے جو پرائیویٹ لوگوں کے کرنے سے ناجائز ہوتا - اسکے حکام ہر روز مجرموں کو قید کرتے - قرض کی عوض جائداد وغیرہ قرق کرتے - مشتبہ مکانات کی تلاشی لیتے - اُسکے خصائص یہ ہیں (الف) ان باتوں کو کوئی سرکاری حاکم بلاجائز اختیارات کے نہیں کرسکتا - (ب) اُسکے فعل کی بازپرس اور سزا بھی عام لوگوں کی بازپرس اور سزا کی مانند ہوتی ہے اور ایک ہی عدالت میں کی جاتی ہے - (۲) اس سلطنت کو "خاص حقوق والی" کہتے ہیں - اسکے حکام بلاجائز اختیار کے بھی ایسے کام کرتے ہیں جن میں سلطنت کا نفع ہوتا ہے - انکے افعال کی بازپرس معمولی عدالتوں سے اور بلامنظوری اعلےٰ حکام کے نہیں ہوسکتی ✦

مختلف سلطنتوں کا فرق - اسکے اسباب مختلف ہیں - شلاً انگلستان میں انتظامی پہلو سے

زاہد۔ ان باتوں سے درگذرو۔ اگر میں بادشاہ کے شکار میں خیانت کروں تو ضرور قید میں جاؤں۔ یہ جانشہ زاہداں بھی نہ بچا سکے ؟

سورما۔ حضرت اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو رات کو جبکہ نگراں خراٹے لیتے ہوتے ضرور شکار مارتا ؟

زاہد۔ نیک سورما ان باتوں کو جانے دو۔ اب جو کچھ ملا ہے اس کی نسبت اتنا ہی سمجھ لو کہ خدا نے دیا ہے۔ یہ دریافت کرنا عبث ہے کہ وہ کیسے اور کہاں سے آیا۔ اب جام بھرو اور اڑاجاؤ ؟

سورما۔ بخدا آپ مجھے خود چھان بین کا شوق دلاتے ہیں۔ آپ تو عجیب زاہد ہیں۔ ایسا زاہد میں نے تو کبھی نہیں دیکھا۔ میں رخصت ہونے سے پیشتر آپ کا کچھ اور حال معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ آپکی دھمکیاں اس شخص پر کارگر نہیں ہو سکتیں جو خطرات کا متلاشی ہو ؟

زاہد۔ میں آپ کا جام صحت دوبارہ پیتا ہوں۔ اگر آپ میرے مقابلے میں آئیں تو ایسا نیچا دکھاؤں کہ سال بھر پڑے رہیں ؟

سورما نے پوچھا کہ آپ کے پاس کون کون سے ہتیار ہیں۔ تو زاہد نے لاکر سامنے رکھدئیے۔ سورما نے کہا کہ ان میں سے ایک ہتیار سے تو میں آپ کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو سکتا ہوں۔ زاہد نے جواب دیا کہ تم میرے مہمان ہو اس لئے میں اس بات کو پسند نہیں کرتا۔ آؤ۔ جام شراب پیو۔ اور پھر گائیں بجائیں اور لطف اٹھائیں ؟

سورما اور راہب کی صحبت سرود

باوجود زندہ دل راہب کی تجویز کے جس کے ساتھ کہ مہمان نے بخوشی اتفاق کیا اسے یہ مشکل معلوم ہوا کہ بربط کو راگ سے ہم آہنگ کر سکے ؟

سورما۔ میرے خیال سے بربط میں ایک تار کی کمی ہے اور باقی تاروں سے کسی قدر ٹھیک کام نہیں لیا گیا ؟

راہب "خوب۔ کیا تو اسے سمجھ گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو اس فن کا اُستاد ہے۔ مگر یہ سب شراب کا فتور ہے۔ میں نے ایلڈن اے ڈیل جیسے مطرب سے بھی کہا تھا کہ اگر وہ ساتویں جام کے بعد بربط کو چھیڑیگا تو بربط کو خراب کر دیگا۔ لیکن اُس نے اس بات کو نہ مانا۔ دوست میں تمہارا جام صحت نوش کرتا ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ جام شراب کو غٹ غٹ چڑھا گیا ٭

اتنی دیر میں سورما نے تاروں کو ملا لیا۔ اور اُن کو چھیڑ کر راہب سے پوچھا کہ جناب آپ کونسا راگ پسند کرتے ہیں۔ راہب نے کہا کہ بھئی کوئی انگریزی راگ بجاؤ۔ میں تو اسی کو پسند کرتا ہوں۔ سورما نے کہا کہ بہت اچھا۔ سنیئے میں ایک راگ بجاتا ہوں۔ جسے ایک سیکزن جنگجو نے ارض مقدس میں گایا تھا۔ الغرض یہ کہ سورما نے راگ چھیڑا اور ثابت کر دیا کہ اگرچہ وہ فن موسیقی کا ماہر نہ بھی سہی تاہم اُسے اس فن سے کافی واقفیت تھی۔ اُس نے بربط کو اس انداز سے بجایا کہ کبھی تو اُس میں جوش پیدا کر دیا اور کبھی تال وسر۔ اور اس سے راگ کا لطف دوبالا ہوگیا ٭

سورما نے جو غزل بجائی تھی وہ نہایت پُر درد تھی۔ اُس کا مُدعا یہ تھا کہ ایک سورما جو ارض مقدس سے صلیبی جنگ کا خاتمہ ہونے کے بعد اپنے ملک میں واپس آیا وہ اپنی معشوقہ کے مکان کے تلے آکر ٹھیر گیا۔ اور ایک غزل کے پیرایہ میں اپنی بہادری اور محبت کا اظہار کرکے اس بات کا خواہاں ہوا کہ اُسے مکان کے اندر جگہ دی جائے۔ اس غزل کے ایک شعر کا مطلب یہ تھا کہ :-

"اے نازنین۔ اے ماہ پارہ۔ تجھے خوش ہونا چاہیئے کہ تیرا دلدادہ سورما ارض مقدس سے واپس آگیا۔ اُس کے پاس نہ دولت ہے اور نہ اُسے دولت کی ضرورت ہے۔ اُس کے پاس تو جنگ کے اسلحہ اور ایک عمدہ راہوار ہے۔ ایک ایسی تلوار اور ایسی برچھی ہے جس سے وہ دشمن کو ہرا سکتا اور اُس کا خون کر سکتا ہے یہی اُس کی فتحمندی کے نشان ہیں" ٭

جب تک سورما بربط پر غزل گاتا رہا راہب آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا۔ مگر ہمہ تن گوش سماعت سے سُنتا رہا۔ گاہے گاہے وہ انگلیوں کو حرکت دے کر تال بجانے لگتا

اور جہاں کہیں سورما کی آواز پنچم کا کام نہیں دیتی تھی وہاں خود اُس کا ہم آہنگ ہو جاتا تھا۔ القصہ یہ سورما نے غزل ختم کی۔ اور راہب نے اُس کی بڑی تعریف کی۔ اس کے بعد راہب نے سورما کا ایک اور جام صحت نوش کیا اور بربط لے کر پرانی طرز کا ایک انگریزی گیت بجانا شروع کیا جس میں ایک راہب کے اوصاف بیان کئے گئے تھے۔ آپ نے گیت تو انوکھا گایا اور خوب عمدہ طرح گایا۔ اُس میں اپنے فرقہ کی تعریف کا خاتمہ کر دیا۔ سورما نے مذاقیہ پیرایہ میں راہب پر طنز بھی کئے۔ راہب نے اُن کا جواب اُسی پیرایہ میں دیا۔ اور دونوں میں خوب دل لگی رہی۔ اور کئی اور گیت گائے گئے۔ جو اُس وقت بند ہوئے جبکہ کسی نے دروازے پر آکر دستک دی ❖

سیڈرک کا سفر

جب سیڈرک نے اپنے بیٹے کو دنگل ایشبی میں بیہوش گرتے ہوئے دیکھا تو اس نے نوکروں سے کہا کہ اُس کی حفاظت اور خدمت کرو اور اُسے ایشبی کے قلعہ میں پہنچا دو۔ اگرچہ سیڈرک کا دل تو بیٹے کی مصیبت پر دُکھا۔ لیکن اُس نے اُسے اپنا فرزند اس لئے تسلیم نہ کرنا چاہا کہ وہ اُسے عاق کر چکا تھا۔ سیڈرک کا خادم اوسوالڈ وغیرہ اس فکر میں تھے کہ ذرا بھیڑ چھنٹے اور وہ اُسے ایشبی لے جائیں۔ لیکن بھیڑ کم ہوتے ہی آئیون ہو ندار و تھا۔ اوسوالڈ نے چاروں طرف دیکھا۔ مگر آئیون ہو کا پتہ نہ تھا۔ وہ جگہ ضرور موجود تھی جہاں کہ وہ غش کھا کر گرا تھا۔ آئیون ہو کا غائب ہو جانا ایسا ہی معلوم دیا کہ گویا اُسے پریاں اُٹھا کر لے گئیں۔ اوسوالڈ حیران کھڑا تھا کہ اُسے گرتھ نظر آیا۔ اُسے ہمراہ لیکر اُس نے تفتیش شروع کی تو معلوم ہوا کہ ایک شخص اُسے پالکی میں ڈال کر دنگل کے باہر لے گیا۔ مگر اس سے زیادہ کچھ پتہ نہ لگا۔ اس لئے اوسوالڈ مع گرتھ کے اپنے آقا کے پاس گیا۔ اگرچہ نواب سیڈرک اپنے فرزند کی بابت بیحد مضطرب و بیقرار تھا۔ کیونکہ باوجود اس کوشش کے کہ سیڈرک نے اُسے عاق کر دیا تھا اُس نے اپنا حق خود ہی ثابت کر دیا۔ لیکن جونہی کہ سیڈرک کو یہ معلوم ہوا کہ وہ ایسے لوگوں کے پاس ہے جو اُس کی حفاظت اور خدمت دل و جان سے کر سکتے

دوں ہی طیش میں آکر کہنے لگا کہ "جان اُس کا جی چاہے جائے۔ وہی لوگ اُسکی خدمت اور تیمارداری کریں جن کی خاطر اُس نے زخم کھائے ہیں۔ وہ اس قابل ہے کہ نارمن قوم کے فن حرب کے جوہر دکھائے نہ کہ اس قابل انگریزی میراث اور نسل کی عزت و آبرو قائم رکھے"۔

روینہ:" اگر بزرگوں کی عزت قائم رکھنے کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ انسان عقلمند ہو۔ نیک رائے دینے والا ہو۔ بہادر ہو۔ سورماؤں میں سورما ہو حلیموں میں حلیم تو میں سوائے اُسکے باپ کی آواز کے اور کسی آواز سے واقف نہیں ہوں جو کہ اس بارہ میں ——"۔

سیڈرک:" روینہ تم خاموش رہو۔ اس بارہ میں میں تمہاری رائے سننا نہیں چاہتا۔ جاؤ شاہزادہ صاحب کی دعوت میں چلنے کا سامان کرو۔ جہاں ہم غیر معمولی عزت سے بلائے گئے ہیں۔ ہاں ایسی عزت اور خلق سے جو جنگ ہیسٹنگز کے وقت سے اب تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ وہاں میں ضرور جاؤنگا۔ چاہے یہ جانا ان مغرور نارمنوں کو محض یہ دکھلانے ہی کے لئے کیوں نہ ہو کہ ایک فرزند جو بہادر سے بہادر نارمنوں کو شکست دے سکتا ہے اُس کی مصیبت کا ایک سیکزن کے دل پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا"۔

روینہ:" کیا میں وہاں نہ جاؤں۔ میں آپ سے یہ التجا کرتی ہوں کہ ذرا ہوشیار رہئے۔ مبادا جس بات کو آپ بہادری اور ہمت سمجھتے ہیں وہ کہیں دل کی سنگینی نہ ثابت ہو"۔

سیڈرک:" تو اے ناشکر گزار خاتون تو گھر پر رہ۔ تیرا دل سنگین اور سخت ہے جو ایک مظلوم قوم کی بھلائی کو ایک احمقانہ اور ناواجب محبت کی خاطر قربان کر سکتا ہے۔ میں نواب ایتھیلسٹن کو تلاش کرتا ہوں اور اُسے ہمراہ لیکر شاہزادہ جان کی دعوت میں جاتا ہوں"۔

سیڈرک دعوت میں گیا جسکے مفصل حالات بیان ہو چکے ہیں۔ اور وہاں سے واپس آکر اُس نے اول بار گرتھ کو دیکھا۔ چونکہ دعوت سے وہ خوش نہیں آیا

تھا۔ بلکہ سنجیدہ اور غضبناک۔ اس لئے اُسے کسی نہ کسی پر غصہ نکالنے کے لئے حیلہ چاہئیے تھا۔ پس گرتھ کو دیکھتے ہی گرج کر کہنے لگا کہ "بیڑیاں! بیڑیاں! اوسوالڈ! ہنڈی برٹ! او کتو! اے بدمعاشو! اس بدمعاش کو بیڑیاں کیوں نہیں پہنائیں"؟

کسی نے عذر نہ کیا اور گرتھ کو ایک تسمہ سے باندھ دیا۔ گرتھ نے بھی زبان نہ ہلائی۔ مگر آقا کی طرف نفرت بھری نگاہوں سے دیکھ کر یہ ضرور کہا کہ "یہ اس بات کی سزا ہے کہ میں اپنے گوشت اور خون کی نسبت اپنے آقا کے گوشت اور خون (فرزند) کو زیادہ پیار کرتا ہوں"۔

سیڈرک :۔ "گھوڑے پر سوار ہو جائیے اور چلئے"۔

ایتھیلسٹن :۔ "واقعی اب وقت ہو گیا۔ اگر ہم تیز قدمی سے نہ چلے تو مہنت والتھیوف نے جو سامان 'شب کے کھانے' کا کیا ہو گا وہ بیکار جائیگا"۔

گھوڑوں میں ایڑ لگائی گئی۔ اور اُن کو شتہ گام چلایا گیا۔ اور جلد تر راہب کے ہاں جا پہنچے۔ راہب خود بھی سیکزن نسل سے تھا۔ اُس نے دونوں سیکزن نوابوں کو سر آنکھوں پر جگہ دی۔ اور خوب تواضع کی۔ بہت رات گئے تک کھانا پینا رہا۔ صبح کو دونوں نوابوں نے راہب کے ساتھ ناشتہ کھا کر واپسی کی ٹھیرائی۔

جوں ہی سیڈرک اور اُسکے ہمراہی گھوڑوں پر سوار ہو کر راہب خانہ کے صحن سے باہر نکلے تو ایک بدشگونی ہوئی۔ جو یہ تھی کہ ایک پتلا دُبلا سیاہ کُتا اُن کو دیکھ کر بھونکنے لگا۔ اور جب جماعت آگے بڑھی تو بھونکتا ہوا اُس کے پیچھے ہو لیا۔ اور ادھر اُدھر کودنے اور پُھدکنے لگا۔

ایتھیلسٹن :۔ "نواب صاحب میں اس ناچ کو پسند نہیں کرتا"۔

سیڈرک :۔ "میں خود بھی اُسے پسند نہیں کرتا"۔

ایتھیلسٹن :۔ "میرے خیال سے بہتر یہ ہے کہ ہم واپس جا کر راہب خانہ میں ٹھیریں اور سہ پہر کو واپسی کی ٹھیرائیں۔ جب راستہ کو کاٹ کر ایک راہب۔ ایک خرگوش۔ یا ایک کُتا بھونکتا ہوا نکل جائے تو اُس وقت تک سفر نہیں کرنا چاہئیے جب تک کہ دوسرے وقت کا کھانا نہ کھا لیا جائے"۔

واضح رہے کہ اُس زمانہ کے سیکزن بڑے ہی وہمی ہوتے تھے۔ اور بہت سی باتوں کو شگون بد خیال کرتے تھے۔ اسی لئے ایتھیلسٹن نے واپسی کی رائے دی تھی لیکن سیڈرک نے کچھ پرواہ نہیں کی۔

سیڈرک "میاں چلو بھی۔ پہلے ہی دن بہت چڑھ گیا ہے۔ اور دن کے باقی حصہ میں ہمارا سفر بمشکل ختم ہوگا۔ یہ کتا تو بھگوڑے گرتھ کا لینڈی معلوم ہوتا ہے۔ جو اپنے مفرور آقا کی مانند بیکار رہے"۔ دراصل کتا گرتھ ہی کا تھا۔ اور اُس کا نام فینگس تھا۔ وہ گرتھ کی تلاش میں وہاں تک جا پہنچا تھا۔

جواب دیکر سیڈرک نے گھوڑے میں ایڑ لگائی اور اپنی برچھی سے کتے پر وار کیا۔ کتا زخمی ہوکر چیختا ہوا بھاگ گیا۔ گرتھ بھی مشکیں بندھا ہوا سیڈرک کے ہمراہ تھا۔ اُسے بڑا غصہ آیا۔ اور ومبہ سے کہنے لگا کہ تو آقا سے کہہ دے کہ میں اب اُسکی خدمت سے دست بردار ہوتا ہوں۔ چاہے وہ میرا سر اُڑا دے۔ لیکن میں اب اُسکی خدمت نہیں کرنے والا۔ ومبہ نے جواب دیا کہ تجھ احمق کا پیغام میں تو نہیں لے جا سکتا۔ اُس نے کتے کو قصداً زخمی نہیں کیا۔ بلکہ اُسے ڈرانے کے لئے برچھی چلائی تھی۔ گرتھ بولا کہ کتا تو درکنار رہا۔ اگر وہ مجھے بھی برچھی کا نشانہ بنائے تو بھی میں اُس کی خدمت اب نہیں کرونگا۔ کل اُس نے اپنے بیٹے کو جس سے مجھے محبت ہے خاک و خون میں دیکھا۔ مگر اُسکی پرواہ نہ کی۔ آج اُس نے کتے کو جو مجھے عزیز ہے مار ڈالا ہوتا۔ اب تو یار خاں اُسکے پاس ٹکنے والے نہیں۔ یہ کہہ کر گرتھ نے خاموشی اختیار کی۔ اور ومبہ نے اُسے مہر خاموشی توڑنے کے لئے بہت سی ظرافت بگھاری۔ لیکن وہ چپ سادھے ہی رہا۔

ادھر تو گرتھ اور ومبہ میں یہ باتیں ہوئیں اور اُدھر سیڈرک اور ایتھیلسٹن میں بہت سی باتیں ہوتی رہیں جن میں سے خاص یہ تھی کہ خانہ جنگی میں جو عنقریب ہونیوالی تھی سیکزن قوم خود مختار ہو جائیگی۔ سیڈرک اپنی قوم کی آزادی۔ خود مختاری اور بہبودی کا دل سے خواہاں تھا۔ لیکن ان باتوں کے حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ سیکزن قوم میں سے ایک ایسا پیشوا چنا جائے جس کی رگوں میں شاہی خاندان کا خون ہو۔ سیڈرک اس بارہ میں ایتھیلسٹن سے کمتر درجہ رکھتا تھا۔ اور چاہتا

تھا کہ روونیہ جس کا وہ اتالیق تھا اور جو الفریڈ کی نسل سے تھی ایتھیلسٹن سے شادی کرلے اور اس طرح ایتھیلسٹن جس میں بہت سے اوصاف تھے سیکزن قوم کا سلسلہ سرغنہ مان لیا جائے لیکن اس ارادہ میں اُسے کامیابی حاصل ہونا مشکل تھی۔ کیونکہ روونیہ اگرچہ سیڈرک کی نگرانی میں تھی لیکن بڑی خودمختار طبیعت رکھتی تھی۔ وہ ایتھیلسٹن سے شادی کرنا نہیں چاہتی تھی۔ بلکہ سیڈرک کے فرزند ولفریڈ (آئیون ہو) سے +

سیڈرک دل سے چاہتا تھا کہ روونیہ اُسکے بیٹے آئیون ہو کی طرف سے خیال اُٹھالے۔ اُسے بیٹے کی بہتری منظور نہ تھی۔ بلکہ اپنی قوم کی۔ وہ تو یہ چاہتا تھا کہ قومی سرغنہ ایسا ہو جسے ساری قوم مان لے۔ اور آئیون ہو میں یہ وصف نہیں تھا۔ تاہم روونیہ اس خیال کی مخالف تھی۔ اُس نے صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ گو ایتھیلسٹن سے شادی کرنے میں وہ مالک تاج و تخت تک ہوسکتی ہے۔ لیکن وہ ایتھیلسٹن پر آئیون ہو کو ترجیح دیتی تھی۔ اور اُسکے ساتھ شادی نہ ہونے کی حالت میں وہ راہبانہ کی زندگی کو ایتھیلسٹن کے ساتھ شادی کرنے پر ترجیح دینے کے لئے آمادہ تھی +

سیڈرک نے اپنی دلی مراد کو بارآور بنانے کے لئے اپنے فرزند کو عاق کر دیا لیکن ایشبی کے دنگل میں جس کا ذکر ہو چکا آئیون ہو کے آنے اور سورمائی دکھانے سے اُس کا نخل مراد بے ثمر رہا جاتا تھا۔ اس لئے اُسے اس بات کی چینٹک ہو گئی کہ وہ روونیہ اور ایتھیلسٹن کی شادی جلد تر کرا دے اور اپنی قوم کی آزادی کی بنیاد ڈال دے ایتھیلسٹن اگرچہ خطرے سے نہیں ڈرتا تھا۔ تاہم اُسے اپنی طرف سے مول لینا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اگرچہ وہ جانتا تھا کہ وہ قوم کا پیشوا بننے کا حقدار ہے لیکن جب اس حق کے اظہار کرنے کا موقع آیا تو وہ ثابت قدم نہ نکلا۔ اور اس طرح سیڈرک کو مایوسی کا سامنا ہونے لگا۔ ان وجوہات سے سیڈرک کا سفر گنجینۂ تفکرات ثابت ہوا۔ دوپہر کے قریب وہ ایتھیلسٹن کے مشورے سے ایک چشمہ کے قریب جنگل میں سایہ دار درختوں کے تلے مع جماعت کے ٹھہر گیا۔ اور کچھ کھانا وغیرہ کھایا +

سیڈرک وغیرہ گرفتار کر لئے گئے

سیڈرک اور اسکی جماعت چلا چل گھنے جنگل کے اندر گھسے ہی تھی کہ ابھی [illegible]

میں راہزنوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ راہزن سیکزن نسل کے کسان اور آزاد جنگلی تھے مگر نورمن
جنگل کے اثر سے مفلس ہو کر لوٹ مار پر اُتر آئے تھے۔ سیڈرک کو اُن سے کوئی خوف نہ تھا۔
کیونکہ اوّل تو وہ اُن کی قوم میں سردار تھا۔ دوسرے اُسکے ہمراہ علاوہ گرتھ اور وم‍بہ کے دس
جوان اَور تھے۔ جوں ہی سیڈرک مع جماعت کے جنگل کے اندر جارہا تھا تو کسی نے مدد
کے لئے آواز دی۔ وہ اُس جگہ گیا جہاں سے آواز آتی تھی۔ تو دیکھا کہ ایک پالکی زمین پر
رکھی ہوئی ہے۔ ایک جوان یہودن اُسکے پاس بیٹھی ہے۔ اور ایک بوڑھا یہودی مایوسی
کے ساتھ ہاتھ مل رہا ہے +

دریافت کرنے پر یہودی نے کہا کہ میرا نام اسحاق ہے۔ میں نے یارک جانے کے
لئے پالکی کرایہ کی تھی۔ یہاں پہنچ کر پالکی بردار مع گھوڑوں اور خچروں کے راہزنوں کے
خوف سے بھاگ گئے اور اب میں اور میری بیٹی نہ تو واپس جاسکتے ہیں اور نہ اپنی جان
بچا سکتے ہیں۔ آپ براہ نوازش ہمیں اپنے محفوظ بدرقہ کے ساتھ چلنے کی اجازت دیدیں +

اتھیلسٹن "اے کُتے کیا تجھے یاد نہیں کہ تو نے جنگل میں ہمارے ساتھ کیا سلوک
کیا؟ تجھ پر چاہے کچھ ہی گزرے۔ مگر ہم سے نہ مدد مانگ اور نہ ہمارے ساتھ چل۔ تو
جو دُنیا کو لوٹتا ہے۔ اگر راہزن تجھے لوٹ لیں تو اچھا ہوگا" +

سیڈرک "نہیں بھائی۔ ان کی مدد کے لئے دو سوار چھوڑ دو جو انہیں نزدیک کے کسی
گاؤں تک پہنچادیں۔ ہمارے آٹھ جوان اور ہم دونوں مل کر تو بہت سے راہزنوں کے
مار سکتے ہیں" +

رووینہ نے بھی سیڈرک کی تجویز کی تائید کی۔ ربقہ یہودن اُٹھ کر رووینہ کے
پاس پہنچی اور زمین نیاز چوم کر کہنے لگی کہ ہمیں اپنی جان کی فکر نہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ
عیسائیوں کے ہاں ہمارا لوٹ لینا یا قتل کرنا کوئی گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ ہمیں تو اس بیمار
کا خیال ہے۔ جو بہتوں کو عزیز ہے۔ اور تمہیں تو سب سے زیادہ۔ اگر اُس پر آفت آگئی تو
تادم مرگ میری درخواست نامنظور کرنے پر تمہاری زندگی تلخ رہیگی" رووینہ نے کہا کہ
یہودی بوڑھا اور کمزور ہے۔ یہودن جوان اور کنواری۔ اور اُن کا دوست بیمار و مجبور ہے
اس لئے اُنکو ہمراہ لے چلنا مناسب ہے۔ سیڈرک نے اس بات کو بہت پسند کیا +

یہودی۔ یہودن وغیرہ کو ہمراہ لیکر شیفلڈ روانہ ہوا۔ مگر جونہی کہ وہ ایک چشمہ کو عبور کر رہا تھا تو چاروں طرف سے راہزن اُن پر حملہ آور ہو گئے۔ اور انجام یہ ہوا کہ سیڈرک۔ اتھیلسٹن۔ روونیہ اور ربقہ اور سارے ساتھی گرفتار کر لئے گئے صرف وسبہ نکل کر بھاگ گیا۔ اور کسی طرح گرتھ بھی +

گرتھ ” بتا کون کون گرفتار کر لئے گئے ؟

وسبہ ” سب ہی کر لئے گئے “ +

گرتھ ” اب تو سیڈرک کی رہائی کی فکر کرو “ +

وسبہ ” مگر تجھے کیا پڑی۔ تو تو اُس کی نوکری چھوڑ چکا ہے “ +

گرتھ ” یہ تو اُس وقت ممکن تھا جبکہ وہ خوش نصیب تھا۔ مگر اب نہیں۔ کیونکہ وہ مصیبت میں ہے۔ آ۔ میرے ساتھ آ “ +

دونوں میں باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ لوکسلے بھی جو کسی طرح نکل آیا تھا اُنکے پاس آ پہنچا۔ وہ بھیس بدل کر گرتھ اور وسبہ کو ایک جگہ کھڑا کر گیا۔ اور کہہ گیا کہ میں ابھی آتا ہوں۔ وہ چند ہی منٹ میں واپس آ گیا۔ اور دونوں پر ظاہر کر دیا کہ میں حملہ آوروں کا بھید لے آیا۔ وہ ڈی بف وغیرہ لوگ تھے۔ آؤ۔ اب ہم اُنکے چھڑانے کی فکر کریں۔ تینوں اس پر متفق ہو کر چل دئے +

راہب اور سورما کی امداد

تین گھنٹہ تک جنگل کے پیچدار راستوں سے گزرتے ہوئے سیڈرک کے تینوں ملازم جنگل کے باہر ایک درخت کے نزدیک جا پہنچے جسکے تلے چار پانچ تیر انداز سو رہے تھے اور ایک پہرہ دے رہا تھا۔ آنے والوں کے قدموں کی آہٹ سے اُس نے سوتے ہوؤں کو جگا دیا اور سب کمانوں میں تیر لگا کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن آنے والوں کو پہچان کر خاموش ہو گئے۔ لوکسلے نے اُن سے چند ساتھیوں کی بابت دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں۔ اور جواب پا کر اُس نے کہا کہ تم جاؤ اور جس قدر لوگ مل سکتے ہیں انہیں فراہم کر لاؤ۔ اور ڈی بف کے قلعے کی طرف چلو اور دیکھو کہ

ایک جماعت رہزنوں کی کچھ قیدیوں کو ہمراہ لئے جا رہی ہے اُسے دیکھو کہاں جاتی ہے۔ حکم پلتے ہی سب روانہ ہو گئے۔ اسکے بعد لوکسلے مع اپنے رفیقوں کے راہب کے مسکن پر پہنچا اور دستک دی۔ راہب نے شراب وکباب وغیرہ جلدی سے چھپا دئے اور اندر سے کہا کہ "تم کون ہو؟ تم میری عبادت اور ریاضت میں کیوں مخل ہوتے ہو۔ جاؤ اپنی راہ لو"

لوکسلے "میں ہوں لوکسلے۔ جلد دروازہ کھولو"

لوکسلے (راہب کے دروازہ کھولتے ہی)" تقدس مآب یہ آپ کا دوست کون ہے"؟

راہب "میرے ہی فرقہ سے ہے"

لوکسلے "اچھا تو آپ محفل سرود برخاست کریں اور ہمارے ساتھ چلیں۔ ہم کو اس وقت اپنے لوگوں سے ہر ایک کی ضرورت ہے۔ خواہ وہ کسی رنگ میں ہو۔ آج تم نے شراب خوب ہی پی ہے۔ تمہارے دوست کا نام کیا ہے"؟ اور سورما کو علیحدہ لیجا کر "مجھے معلوم ہے کہ آپ وہی صاحب ہیں دنگل میں جن کے سر فتح کا سہرہ رہا تھا"

سورما "اگر آپ نے پہچان بھی لیا تو کیا ہوا"

لوکسلے "تو میں آپ کو ایک مصیبت زدہ فریق کی حمایت پر آمادہ کرونگا"

سورما "یہ تو میرا فرض ہے۔ جس سے میں ہٹ نہیں سکتا"

لوکسلے "یہ درست ہے۔ مگر میری خاطر سے آپ انگریز کا فرض ادا کریں۔ کیونکہ جس کام کے لئے میں آپ کی حمایت چاہتا ہوں وہ انگلستان کے فرزند کا فرض ہے۔ رہزنوں کے ایک گروہ نے جو بھیس بدلے ہوئے تھا ایک بڑے معزز انگریز یعنی نواب سیڈرک اُسکے دوست نواب اتھیلسٹن اور خاتون روینہ کو راہ میں گرفتار کر لیا۔ اور اُنہیں قلعہ ٹارکوئل اسٹون کو لے گئے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اُن کی رہائی میں آپ ہمیں مدد دیں"

سورما "یہ تو میرا فرض ہے۔ لیکن آپ جو امداد مانگتے ہیں کون ہیں"؟

لوکسلے "میں اپنے ملک کا ایک خیر خواہ ہوں۔ آپ سر دست اتنی ہی بات پر اکتفا کریں میں اگر ایک بار وعدہ دے چکا تو اس سے پھرنے والا نہیں"

سورما "مجھے آپ کی طرف سے اطمینان ہے۔ لیکن بہتر ہے کہ ہم اور آپ یکدھر

کے زیادہ واقف ہو جائیں ✦

اتنے ہی میں راہب ایک جنگجو کے لباس میں حاضر ہو۔ وہ مسلح تھا۔ اس پر لوکسلے نے اُس سے دریافت کیا کہ تم اس قدر ہوش میں ہو کہ کام دے سکو۔ راہب نے کہا کہ گو سر چکرا رہا ہے اور ٹانگیں لڑکھڑا رہی ہیں۔ لیکن ذرا ہی دیر میں سب کام دینے کے قابل ہو جائینگی۔ یہ کہکر راہب چشمہ پر پہنچا۔ اور ہاتھ منہ دھوکر اور سر جھکا کر فرشتہ کو دھتا بتاتا آیا ✦

سورما "کیا نواب ڈی بعث نے شاہی راستہ میں آکر شاہی رعایا کو گرفتار کر لیا ہے۔ کیا وہ رہزن یا ظالم ہو گیا ہے"؟

لوکسلے "ظالم تو وہ ہمیشہ سے ہے" ✦

راہب "میں جانتا ہوں کہ وہ اس قدر بے ایمان ہے جسقدر کہ رہزن ہوتے ہیں" ✦

لوکسلے "راہب صاحب خاموش! اب آپ رہبری کریں" ✦

سیڈرک وغیرہ قیدخانہ میں

ادھر تو سیڈرک کے خیر خواہ اُس کی رہائی کی فکریں کر رہے تھے اور اُدھر اُسکے گرفتار کرنے والے اُسے مقام مقصود کی طرف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں گرفتار کرنے والوں میں ذیل کی گفتگو ہوئی :-

ٹیمپلر۔ ڈی بریسی اب تو جا اور اس راز کے دوسرے حصے کو انجام دینے کے قابل اپنے کو بنا۔ کیونکہ تجھے ایک سورما کا کام کرنا ہوگا" ✦

ڈی بریسی "میں اس پر غور کر چکا ہوں۔ میں تم کو قلعہ کے اندر پہنچا کر الگ ہو جاؤنگا۔ اور ایک اور ہی بھیس میں روونیا کے پاس پہنچونگا" ✦

ٹیمپلر "تو نے یہ ارادہ کیوں کیا"؟

ڈی بریسی "ایک اور مقصد سے۔ اور شبہ سے بچنے کے لئے" ✦

ٹیمپلر "تیکی! سچی بات یہ ہے کہ میں آپ کی حور لقا کی پروا نہیں کرتا۔ بلکہ ایک اور ہی مہ جبین کی" ✦

ڈی بریسی " کیا خادمہ کی "؟

ٹیمپلر " نہیں۔ بلکہ یہودن کی۔ اگر میں اُس کی خواہش کروں تو کیا بُرائی ہے؟ کون میری مخالفت کرسکتا ہے "

ڈی بریسی " کوئی نہیں۔ بشرطیکہ تیرا پیشہ اور پاکدامنی کا عہد تجھے اسکی اجازت دے سکے "

ٹیمپلر " میرے فرقہ کے سردار نے اجازت دیدی ہے۔ بھلا جس شخص نے تین سو مسلمانوں کو قتل کیا ہو اُسے ذرا ذرا سی بے عنوانیوں کی پرواہ نہیں کرنا چاہیئے۔ جیسے کہ اقرار کے وقت ایک دیہاتی جوان عورت اپنی بدذاتیوں کی پرواہ نہیں کرتی "

ڈی بریسی " تو جانے اور تیرا کام۔ لیکن تو یہودن کو نہیں چاہتا۔ بلکہ اُسکے باپ کی دولت کو "

ٹیمپلر " میں تو دونوں ہی کو چاہتا ہوں۔ دولت سے متمتع ہونے کے لئے مجھے نصف دولت ڈی بف کو دینا پڑیگی۔ وہ مفت میں اپنے قلعہ سے ہمیں کام لینے نہ دیگا۔ اب تو اپنے معاملہ کی فکر کر "

ڈی بریسی " میں روینہ کے پاس سے نہ ہٹونگا "

سیڈرک اپنے گرفتار کرنے والوں کو اپنا طرفدار بنانے کی فکر کرتا رہا۔ اُس نے اُن سے کہا کہ " تم انگریز ہو۔ نہ کہ نارمن۔ پھر کیوں اپنی قوم کے لوگوں پر دست درازکرتے ہو۔ میں نے تمہیں بارہا پناہ دی ہے۔ تمہاری مدد کی ہے۔ پھر تم مجھ پر کیوں سختی کرتے ہو "؟ لیکن اُنہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ اُسے ڈی بف کے قلعہ کے سامنے پہنچا دیا جو بظاہر نہ تو شاندار تھا اور نہ مضبوط۔ مگر چونکہ ڈی بف کو اپنے ہمسائیوں سے معرکے پیش آتے رہتے تھے اس لئے اُس نے اُس میں اضافہ کرکے زیادہ مضبوط کر لیا تھا۔ قلعہ نظر آتے ہی سیڈرک سمجھ گیا کہ اُس پر کیسی مصیبت نازل ہوئی۔ اور اُس نے گرفتار کرنے والوں سے کہا کہ " اب تو بتاؤ تو سہی تم ہماری جان کے خواہاں ہو یا مال کے؟ اگر میں سیڈرک اپنے ملک کو بچا نہیں سکتا تو اُسکے لئے جان تو دے سکتا ہوں۔ اپنے آقا سے کہہ دو کہ وہ ہم پر جو ظلم کرنا چاہے کرے مگر خاتون روینہ کو عزت سے گھر جانے دے۔ کیونکہ وہ عورت ہے اور اُس کا تعلق ہماری ان اغراض سے کچھ نہیں "

القصہ سیڈرک وغیرہ قلعہ کے اندر پہنچا دیئے گئے۔ اور روینہ کو اُن سے الگ کرکے

دوسرے مکان میں رکھا گیا۔ رینفرکو اسکے باپ سے جدا کر دیا گیا۔ روونیہ کے پاس اُس کی خادمہ کو بھی نہ رہنے دیا گیا۔ پھر ملازموں کی تلاشی لیکر ان کو ایک اور مکان میں بند کر دیا گیا۔

سیڈرک (ایتھیلسٹن سے) "جس کمرے میں ہم بند ہیں کبھی اس میں ہمارے بزرگ بڑے جاہ و جلال سے بیٹھا کرتے تھے۔ چنانچہ بدنصیب شاہ ہیرلڈ نے اپنے باغی بھائی ٹوسٹگ اور اسکے دوست شاہ ناروے کے خلاف فوجکشی کا ارادہ کیا تو اسی کمرے میں ہیرلڈ کو ایک بڑی دعوت نارکوئل ولف کینگ نے دی تھی۔ اس دعوت میں ٹوسٹگ کا قاصد پیغام لیکر آیا تھا۔ مگر افسوس کہ آج تو اور میں دونوں ہی اس کمرے میں قید ہیں"۔

اسکے بعد سیڈرک اور اور قسم کے رنجیدہ خیالات میں مصروف ہو گیا۔ ابھی وہ ان خیالات کی گرفت سے نکلنے نہیں پایا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا۔ اور چند لوگ لبادہ پہنے اور نقاب ڈالے ہوئے کھانے پینے کا سامان لیکر آئے۔

سیڈرک "یہ کیا ڈھکوسلا ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم یہ نہیں جانتے کہ ہم کس کے قلعہ میں ہیں اور کس کے قبضہ میں؟ ہم ان باتوں سے خوب اچھی طرح واقف ہیں۔ اپنے آقا ڈی بف سے کہہ دو کہ ہمیں اپنے قید کئے جانے کی غرض سوائے اسکے اور کوئی نہیں معلوم پڑتی کہ وہ ہم سے کچھ مال و زر حاصل کرے۔ وہ تاوان بتلائے اور ہم ادا کر دینگے۔ بشرطیکہ تاوان کی مقدار ہماری قدرت میں ہو گی"۔ اس کا خادموں نے جواب نہ دیا۔

ایتھیلسٹن "اور ڈی بف سے میری طرف سے یہ کہہ دو کہ میں اُس سے طاقت آزمائی کی خواہش رکھتا ہوں۔ اگر وہ بہادر اور صادق سورما ہے تو اُسے اس خواہش کے رد کرنے کی جرأت نہ ہو گی"۔

خادم "اچھا آپ کا پیغام میں ڈی بف کو پہنچا دونگا۔ اب آپ کھانا کھائیں اور مجھے رخصت دیں"۔

ابھی یہ دونوں معزز قیدی کھانا کھا رہے تھے کہ قلعہ کے دروازے پر سے نرسنگھے کے پھونکے جانے کی آواز نے اُن کو چوکنا کر دیا۔ دونوں کھانا چھوڑ کر کھڑکیوں پر گئے مگر وہاں سے سوائے قلعہ کے صحن کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ یہ آواز نہایت اہم ثابت ہوئی۔ کیونکہ اسکے ساتھ ہی خود قلعہ کے اندر ایک ہلچل پڑ گئی۔

یہودی سے تاوان طلب کرنا

سیڈرک اور اتھیلسٹن کو تھوڑی دیر کے لئے تنہا چھوڑ کر ہم اسحاق یہودی کا حال بیان کرتے ہیں۔ اس بیچارے کو ایک ایسے قید خانہ میں ڈال دیا گیا جس کا فرش بہت ہی نیچا اور بیحد نم تھا۔ اور جس میں روشنی صرف دو روشندانوں سے آتی تھی مگر اس قدر کم کہ دوپہر کے وقت بھی بہت ہی کم اُجالا ہوسکتا تھا۔ اور سہ پہر کو تو بالکل تاریکی کا غلبہ ہوجاتا تھا۔ دیواروں کی کھونٹیوں پر بیڑیاں وغیرہ ٹنگی ہوئی تھیں۔ اور ایک بیڑی میں تو کسی مظلوم کی ہڈیاں بھی جکڑی ہوئی تھیں۔ اس قید خانہ کی ہیبت ناک حالت سے سورماؤں کا زہرہ آب ہوسکتا تھا لیکن بوڑھا یہودی جو اپنی زندگی میں بارہا اس قسم کی سختیاں جھیل چکا تھا۔ اور جسکے قومی خصائص میں برداشت کی زیادہ قوت بھی داخل تھی مطلق نہ گھبرایا۔ بلکہ اپنا لبادہ سمیٹ کر اس پر بیٹھ گیا۔ اور ڈاڑھی اور سر کے بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کرنے کے بعد خاموش بیٹھ گیا۔ جب اس حالت میں اُسے تین گھنٹے گزر گئے تو دو مسلمان خادم آئے اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ اُن کے بعد میں خود ڈی بف داخل ہوا۔ اور قہر آلودہ نگاہوں سے اسحاق کو دیکھنے لگا۔ اسحاق اس قدر خوفزدہ ہوا کہ نہ اٹھ کر سلام کرسکا۔ نہ جگہ سے ہل سکا بلکہ گوشہ میں سکڑ کر رہ گیا۔ اور اُس کی پھٹی ہوئی آنکھیں اور کھلا منہ ڈی بف کی طرف لگ گئے۔ ڈی بف کے اشارہ سے ایک خادم ترازو اور باٹ اندر رکھ گیا۔

ڈی بف۔ او ملعون کتے۔ ان چیزوں کو دیکھ اور تاوان میں ایک ہزار پونڈ چاندی دے۔"

اسحاق "میری تو کیا حقیقت ہے۔ میری ساری قوم اس قدر تاوان نہیں دے سکتی۔ کسی نے اس قدر دولت دیکھی بھی ہے"؟

ڈی بف "میں خوب سمجھتا ہوں۔ اگر چاندی پوری مقدار میں نہیں ہے تو ہر چھ پونڈ چاندی کے عوض ایک مارک سونا ہی سہی"۔

اسحاق "میرے پاس اس قدر دولت نہیں۔ اور میرا مارنا گویا کتے کے خون سے ہاتھ بھرنا ہے۔ بیچ کہتا ہوں"۔

ڈی بف "قسم کی ضرورت نہیں۔ دیکھ ان سلاخوں کو گرم کرا کر اُن پر تجھے برہنہ لٹایا جائیگا۔ ایک خادم نیچے سے آگ جلاتا رہیگا اور دوسرا تجھ پر تیل چھڑکتا رہیگا۔ گویا تیرا کباب بنایا جائیگا۔ یہ نہ سمجھ کر میں تجھے دھمکاتا یا ڈراتا ہوں۔ بلکہ سچی بات کہہ رہا ہوں"۔ یہ کہہ کر اُس نے خادموں کو اشارہ کیا جن میں سے ایک تو دھونکنی سے کوئلے دہکانے اور سلاخیں گرم کرنے لگا۔ اور دوسرے نے یہودی کے کپڑے اُتار ڈالے۔ اسحاق نے ڈی بف کی طرف دیکھا۔ مگر اُسکے چہرے پر رحم کے آثار مطلق نہ پائے۔ پھر اُس نے سلاخوں کی طرف دیکھا اور کہا کہ "اچھا میں ایک ہزار پونڈ چاندی دیدونگا۔ گو میرے پاس نہیں ہے مگر اپنی قوم کے لوگوں سے بھیک مانگ کر لے آؤنگا۔ بتاؤ کب تک اور کس جگہ یہ رقم داخل کردوں"؟

ڈی بف۔ "اسی قید خانہ میں۔ تاوان لئے بغیر تو میں تجھے یہاں سے قدم باہر نہیں رکھنے دونگا"۔

اسحاق۔ "اس کی ضمانت کیا کہ تاوان دیکر رہائی مل جائیگی"؟

ڈی بف۔ "ایک نارمن نواب کی زبان"۔

اسحاق۔ "تو میرے ساتھ اُن لوگوں کو بھی رہا کردو جنہوں نے میری خاطر اس مصیبت کا منہ دیکھا"۔

ڈی بف۔ "تو اپنی فکر کر۔ اُن کا تاوان تو اَور طریقہ میں لیا جائیگا"۔

اسحاق۔ "اچھا تو میری بیٹی ربقہ کو میرے ہمراہ جانے دو۔ اور میں واپس آکر روپیہ دیدونگا"۔

ڈی بف۔ "اُسے تو میں نے گلبرٹ سورملے کے حوالے کنیز کے طور پر کردیا"۔ یہ سُن کر اسحاق نے پچھاڑ کھائی۔ اور فرش پر لوٹنے لگا۔ اور ڈی بف کے پاؤں پکڑ لئے۔

اسحاق۔ "تم جس قدر روپیہ چاہو سے لو۔ لیکن میری ربقہ کو آبرو سے واپس کردو۔ وہ میری اکلوتی اولاد ہے۔ اُسکے بغیر میری زندگی خراب ہو جائیگی"۔

ڈی بف۔ "اگر پہلے سے مجھے معلوم ہوتا تو واپس کردیتا۔ اب کچھ نہیں کرسکتا۔ تاہم آگے چل کر واپس دلادونگا۔ وہ اب تو ٹمپلر کے پاس ہے۔ جہاں وہ آبرو

اور با امن رہیگی"۔

اسحاق (بے قراری سے) "یہ ٹیمپلرز تو عورتوں کو بے آبرو کئے بغیر چھوڑتے ہی نہیں"۔

ڈی بف "کافر کے گئے تو ایک دینی پیشوا پر شک کرتا ہے۔ اگر رہائی کی شرط قبول نہیں کرتا تو ابھی کباب کیا جائیگا"۔

اسحاق (مایوسی سے) "رہزن۔ بدمعاش۔ چاہے کباب کر ڈال۔ چاہے کسی اور طرح ہلاک کر دے۔ لیکن میں اُس وقت تک ایک پیسہ بھی نہ دونگا جب تک کہ میری بیٹی رہا نہ کی جائیگی"۔

ڈی بف (خادموں سے)۔ "اچھا اسے کباب کر ہی ڈالو"۔ نوکر نعمیل ظلم کرنے ہی کو تھے کہ بگل کی آواز پے درپے سنائی دی۔ جو ڈی بف کو طلب کر رہی اور کسی خطرے کا اعلان دے رہی تھی۔ اس لئے وہ یہودی کو چھوڑ کر مع نوکروں کے وہاں سے چلا گیا۔

ڈی بریسی اور رووینہ کی گفتگو

کمرہ جس میں رووینہ کو رکھا گیا بھدی طرز پر آراستہ تھا۔ اور دراصل ڈی بف کی بیگم کے لئے بنوایا گیا تھا۔ لیکن اُسکے مرنے کے بعد سے بے پرداخت پڑا رہا۔ اس لئے وہ رووینہ جیسی عالی مرتبہ خاتون کے لائق نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد قرارداد کے مطابق سورما ڈی بریسی اُس کمرے میں پہنچا۔ اُس وقت وہ اپنے طبقہ کا لباس فاخرہ پہنے ہوئے تھا۔ اُس نے ٹوپی اُتار کر رووینہ کو سلام کیا اور رووینہ کو بیٹھ جانے کے لئے اشارہ کیا۔ مگر اُس نے اشارہ ہی میں انکار کر دیا۔ اور کہنے لگی کہ "اگر آپ جیلر ہیں تو قیدی کا آپ کے سامنے کھڑا رہنا ہی بہتر ہے۔ ہاں اُس وقت تک تو ضرور جبتک کہ اُسے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اُس کا انجام کیا ہوگا"۔

ڈی بریسی "افسوس خاتون۔ میں جیلر نہیں۔ بلکہ آپ کا پھلنے والا ہوں۔ میں تو آپ کی چشم سخن گو سے اس امر کا متوقع ہوں کہ مجھے یہ اشارہ ملے کہ میرا انجام کیا ہوگا"۔

رووینہ "میں آپ کو نہیں جانتی۔ اور آپ کی یہ بے تکلفی گویا رہزنی کی مطابق ہے"۔

کل کرۂ زمین کے پہلے حصے تک سنائی دے گئی تھی۔ یہ ۲۷ اگست کا واقعہ ہے۔ اس روز ہر مقیاس الہوا میں اس دھڑک کی آواز یا شور کا ایک نقش پیدا ہو گیا تھا۔ اس شور کی لہریں بھی اتنی تیز رفتاری کے ساتھ حرکت کرتی تھیں جن کے ساتھ کہ آوازوں کی لہریں اور ان کو روئے زمین کا ایک چکر لگانے میں ۳۶ گھنٹے لگتے تھے۔ یہ شور ایک طرف تو بحر ہند میں روڈریجوز پر یعنی ۳ ہزار میل کے فاصلے پر سنائی دیتا تھا۔ جہاں تک وہ ۴ گھنٹے میں پہنچا تھا۔ اور دوسری طرف ایلس اسپرنگ پر جو آسٹریلیا کے عین بیچوں بیچ میں واقع ہے*

ہوائی کرے کی رنگتیں اور کیفیتیں

نیوٹن نے یہ اصول قائم کیا تھا کہ انتشار شعاع کا مسئلہ درست ہے۔ اس لئے کہ وہ ایک روشنی ہے جو چھوٹے چھوٹے ذرّوں کے منتشر ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر ہیوگنس۔ یولر۔ ینگ اور فرینسل نے اس اصول کو غلط ٹھیرا کر یہ مسئلہ ایجاد کیا کہ روشنی حرارت اور مختلف رنگوں کے ظہور کا باعث ایتھر کی لہریں ہیں۔ جو ہماری نگاہوں سے دوچار ہوتی ہیں۔ اگر منشور میں روشنی کا مشاہدہ کیا جائے تو کوئی رنگ ایک نقطۂ شعاعی کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔ چونکہ ان کا بیان ناظرین کی سمجھ کے قابل نہیں ہے۔ اور علاوہ طویل ہونے کے اصطلاحات سے بھرا ہوا ہے۔ اس لئے اُسے نظر انداز کر دیا گیا۔ جو صاحب اس سے واقف ہونا چاہیں وہ سائنس کی کتابیں ملاحظہ کریں یا "علوم طبیعیہ کی تاریخ" حصہ اول و دوم مطبوعہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور کو ملاحظہ فرمائیں۔ جس میں روشنی سے متعلق تمام باتوں کو اختصار مگر نہایت سادہ پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے*

غروب آفتاب کے بعد کی روشنی جو مغرب میں نظر آتی ہے۔ یا طلوع سے پیشتر کی روشنی جو مشرق میں نمودار ہوتی ہے۔ شفق۔ یا بادلوں کی مختلف رنگتیں یہ سب ایتھر کی موجیں ہیں۔ آفتاب کے قرص کی روشنی بھی یہی موجیں بتائی جاتی ہیں۔ آسمان کا ہالہ بھی ان لہروں سے پیدا ہوتا ہے۔ سراب کا بھی ان ہی سے ظہور ہوتا ہے۔ قوس قزح جو آسمان پر جلوہ گر ہوتی ہے ایتھر ہی کا کرشمہ ہے۔ دلدل اور زمین پر جو لاثانی روشنی نظر آتی ہے وہ بھی ایتھر ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ قطب شمالی کی طرف جو روشنی نظر آتی ہے

وہ ایتھر کی موجوں کا ظہور ہے۔ مگر یہ ساری باتیں "علم مناظر و مرایا" سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور دُور بین۔ منشور اور دیگر آلات کے ذریعے سے ٹھیک طور پر مشاہدہ میں آسکتی ہیں۔

ہوائی کُرہ کی دیگر باتیں

ہوائی کُرہ سے متعلق دیگر باتیں یہ ہیں:-

بگولے۔ بخارات کا ستون۔ ہوا کا طوفان۔ اور مینہ کا طوفان۔ بگولے علاوہ بڑے بڑے طوفانوں کے جو ہوا سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہوا اَور شکلوں میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ بگولے جو موسم گرما میں نمودار ہوتے ہیں اور خاک کی ایک گردش کرتے ہوئے ستون کی صورت میں اوپر کو چڑھتے ہیں۔ وہ بھی ہوا ہی کے ظہور ہیں۔

سموم۔ جو گرم ہوا ہوتی ہے اور جسے ہندوستان میں لُو کہتے ہیں وہ ریگستان عرب کی ایک خاص ہوا ہے۔ وہ ایک قسم کا بگولہ ہے۔ اُسے مختلف ملکوں میں مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ مثلاً ارجنٹائن میں پامپیرو کے نام سے۔ اور سمندر کے خط استوائی حصوں میں "آرچڈ اسکوئل" اور "بلز آئی اسکوئل" کے نام سے۔

جب بگولے تیز اور زبردست ہوتے ہیں تو "ہوا کا طوفان" کہلاتے ہیں۔ ہندوستان میں ایسا طوفان ۲۶ مارچ ۱۸۸۶ء کو آیا تھا۔ ضلع برہمپتر میں اس طوفان کے گزر جانے کے بعد ایک مُردہ گائے زمین سے ۳۰ فیٹ کی بلندی پر موضع آلدہ کے ایک درخت کی شاخوں میں پھنسی ہوئی پائی گئی۔ اس سے اس طوفان کی طاقت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

۴ جون ۱۸۷۷ء کو امریکہ کے ضلع الی نوئس میں مینفورڈ سٹیشن کا گرجا جو کہ کارل پر بنا ہوا تھا اس طوفان کے زور سے اُڑ کر ۱۵ میل کے فاصلے پر پہنچ گیا۔ اسی طرح ماہ جون ۱۸۹۶ء میں سینٹ لوئی کے مقام پر ایک "گاڑی زمین سے اُوپر اُٹھ کر طوفان کے ساتھ ۱۰ گز کے فاصلے پر جاکر زمین پر بکھر گئی۔

جب اس طوفان کا اندرونی حصہ حرکت کرتا ہے تو جو چیز بھی سامنے آجاتی ہے اُسے تباہ کر دیتا ہے۔ اس طوفان میں خشک ہوا اوپر کو چڑھتی اور پھیٹ جاتی ہے۔ اُس کی جگہ پر کرنے کے لئے ارد گرد کی ہوا دوڑتی ہے۔ اور اس طرح اُس کی گردش شروع ہوجاتی ہے۔

مگر جو ملک ہے تو طوفان تھوڑی ہی دیر تک رہتا ہے لیکن اگر ہوا تر ہے تو زیادہ دیر تک۔ فقرت فتھے نے جو ممالک متحدہ امریکہ کے محکمہ جنگی بحری میں ملازم ہیں انہوں نے اندازہ کیا تھا کہ ایسے طوفان ایک گھنٹے میں ۵۰۰ میل پہنچ سکتے ہیں اور فی مربع فیٹ ۲۵۰ پونڈ کا دباؤ رکھتے ہیں +

بخارات کا ستون - ہوا کی حرکت ایک اور شکل میں بھی نمودار ہوتی ہے جسے انگریزی زبان کی اصطلاح میں میٹیریولاجیکل ٹواٗنشامیٹ کہتے ہیں - جب کوئی بگولہ اس شکل میں آجاتا ہے تو ہوا کا ستون پتلی ہوا ہونے کے باعث سرد ہوجاتا ہے اور اس میں سے بھاپ یا بخارات نمودار ہوتے ہیں - اس کا نام اصطلاح میں بخارات کا ستون ہے - یہ ایک قسم کا ہلکا طوفان ہے جو ہوا کی گردش سے پیدا ہوتا ہے - لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ستون سمندر کے بخارات سے پیدا ہوتا ہے - مگر ان کا خیال غلط ہے ۱۷۵۳ء میں بنجمن فرینکلن نے اس ستون کی نسبت یہ صحیح رائے قائم کی تھی کہ: "اگرچہ ستون بادل سے گرتا یا اس کی طرف چڑھتا ہوا نظر آتا ہے لیکن جن چیزوں سے وہ مرکب ہوتا ہے وہ ہر وقت اوپر کو چڑھتی رہتی ہیں کیونکہ ایک خط مستقیم میں نیچے کی طرف کو منجمد ہوجاتی ہے بہ نسبت اس کے کہ خود بخارات اوپر کو ایک خط منحنی میں چڑھتے ہوں" +

یہ ستون زیادہ تر تو گرم ملکوں میں دن کے وقت پیدا ہوتے ہیں - وہ دھوپ کے نیچے ہوتے ہیں یعنی اوس سے پیدا ہوا کرتے ہیں +

مینھ کے طوفان - یہ گرم و تر ہوا سے پیدا ہوتے ہیں - جو اوپر کو چڑھتی ہو - لیکن اُنکے ستون کی چوڑائی زیادہ ہوتی ہے - اور ان کا مجموعی فعل مجتمع اور سخت اور تند ہوتا ہے اوّل تو دیکھنے والے کو کیومولو اسٹراٹس بادل کی ایک تہ عام طور پر مغربی بادلوں میں سہ پہر کے وقت نظر آتی ہے - جو رفتہ رفتہ بڑھ جاتی ہے - اُنکی وسعت ۱۰ سے لیکر ۵۰ میل تک طوفان کی شکل میں نمودار ہوتی ہے - اُن کے نمودار ہونے کے چند ہی گھنٹے بعد بجلی کی کڑک اور بادل کی گرج نمودار ہوتی ہے - اُن کا اوپر کا حصہ بھرا ہوا ہوتا ہے مگر نچلا حصہ ہموار اور خالی ہے سب نچلے حصے میں ایک پردہ مینھ کی بوندوں کا ہوتا ہے - یہ طوفان ۲۰ سے ۵۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت کرتا ہے - یہ طوفان دو قسم کے ہوتے ہیں - ایک تو گرم ملکوں [illegible]

عمل عالم بالا میں وقوع ہوتے ہیں۔ دوسرے ہوا کے طوفانوں سے متعلق جنوبی اور مشرقی ممالک میں شدید ہوتے ہیں۔ مگر دونوں ہی گرم و تر ہوا کے اوپر چڑھنے سے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کے تو کسی خاص مقام میں پیدا ہوتے ہیں۔ دوسری قسم کے ایک مقام سے دوسرے میں چلے جاتے ہیں پہلی قسم میں بادل مسلسل ہوتا ہے۔ جو ۱۰۰۰ فیٹ کی سطح سے ۳۰ ہزار فیٹ تک بلند ہوتا ہے جب اُسکا اوپر کو چڑھنا بند ہو جاتا ہے تو وہ چاروں سمت کو پھیل جاتا ہے۔ مگر اُن میں جو بجلی نمودار ہوتی ہے اُسکا صحیح سبب اس وقت دریافت نہیں ہوسکا۔ ان طوفانوں کی نچلی سطح سے پانی کی بوندیں برسنے لگتی ہیں۔ چونکہ یہ طوفان موسم گرما میں آتے ہیں اور اُن سے بجلی پیدا ہو کر گرتی ہے اِس لئے اِس بجلی سے بہت سی جانیں بھی ضائع جاتی ہیں۔ امریکہ میں تو اپریل سے لیکر ستمبر تک ۲۵۰ آدمی اس بجلی سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ بجلی مختلف قسم کی ہوتی ہے بعض اوقات وہ چاروں طرف کو پھیل کر ایک بادل سے دوسرے تک پہنچ جاتی ہے۔ بعض اوقات وہ بادل کی نچلی تہ میں نمودار ہوتی ہے۔ بجلی کی گرج اُسی شکل سے پیدا ہوتی ہے جس شکل سے کہ گیس کے پھیلنے اور یکا یک پھٹنے سے +

بجلی مختلف اوقات میں مختلف شکلوں میں مختلف ملکوں میں نمودار ہوتی ہے اور دیکھنے میں عجیب و غریب کرشمے نگاہوں سے دوچار ہوتے ہیں +

ہوائی کرہ میں اُڑان وغیرہ

اگرچہ زمین سے متعلق تو انسانوں نے بہت سی باتیں اب سے مدتوں پہلے جان لی تھیں لیکن ہوا سے متعلق باتیں اب سے تھوڑے ہی دن پہلے معلوم ہوئی ہیں اور وہ بھی غباروں کی مدد سے جس قسم کے غباروں سے یہ بات حاصل کی گئی اُن کی ابتدا اب سے صرف ۱۰۰ سال پہلے ہوئی تھی۔ سب سے پہلے لختن برگ جو گوٹنجن کا رہنے والا تھا۔ اُس نے ۱۷۸۲ء میں بکری کی کھال کا ایک چھوٹا سا غبارہ بنایا تھا۔ اور اُسے اوکسیجن سے بھر کر ہوا میں چڑھایا تھا۔ ان ہی ایام میں ایک اطالین تاس کاوالو نے صابون کے بلبلوں کو اوکسیجن سے بھر کر ہوا میں تجربہ کیا۔ مگر اُس کا تجربہ مکمل ہونے سے پیشتر ہی فرانس میں مونٹ گولفیر نے بھاپ کو ریشمی تھیلے میں بھر کر ہوا میں چڑھایا اور اس طرح گرم ہوا کے غباروں کا رواج ہوا۔

جبکہ ۲۱ نومبر ۱۷۸۳ء میں پلاٹر ڈی روزئر ایک غبارے میں آسمان کی طرف چڑھا تھا اس غبارے میں معمولی کوئلہ کی گیس استعمال کی گئی جو ابتک استعمال کی جاتی ہے۔ اسکے بعد ۱۷۸۵ء میں بلانچرڈ نے ایک غبارے میں سوار ہو کر انگلش چینل کو عبور کیا۔ اس وقت سے باقاعدہ طور پر غباروں کا رواج ہوا۔ حالانکہ ابتدا میں اس تجربہ میں کئی جانیں ضائع گئیں مگر تجربات جاری رہے +

غباروں کی مدد سے تجربہ کرنے والے ہوا میں گھنٹوں معلق رہے۔ اور سفر بھی کرتے رہے۔ انہوں نے خشکی اور تری دونوں جگہ کی ہوا میں تجربے کئے۔ آخرکار غبارہ کی شکل کی کلیں جو آسمان پر مختلف چیزوں کے زور سے چڑھائی جاتی ہیں اور مختلف لوگوں نے بنائی ہیں استعمال کی گئیں +

غباروں اور کلوں کے معلق رکھنے کا وہی اصول ہے جسکے مطابق کہ ہوا میں پتنگ معلق رہتی ہے۔ اور اڑتی بھی ہے۔ لیکن پروفیسر لینگلے نے اس کام میں ایک اور اضافہ کیا۔ اور غباروں اور کلوں کے معلق رکھنے اور اڑانے اور چلانے کا اصول ہی قرار دیا جو پرندوں کے معلق رہنے اور اڑنے کا ہے۔ ان چیزوں کے تجربات مختلف قسم کی ہواؤں میں کئے گئے +

مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر اور مختلف لوگوں کے بنائے ہوئے غبارے اور کلیں جو مختلف شکل کی تھیں اور مختلف چیزوں کے اثر سے اڑائی اور چڑھائی جاتی تھیں عالم بالا کی طرف پہنچائی گئیں اور مختلف بلندیوں تک گئیں اور ان کے ذریعے ہوا کے چلنے ہونے۔ گردش کرنے۔ اس کی سردی۔ اس کی خشکی۔ اس کی لطافت۔ اور اس کی کثافت وغیرہ معلوم کی گئی۔ اور اس میں معلق رہنے اور سفر کرنے سے متعلق متعدد اصول ایجاد کئے گئے +

ان طریقوں سے ٹوٹنے والے تاروں سے متعلق بھی کئی نئی باتیں معلوم کی گئیں اور نہ صرف ہوا کے علم میں۔ بلکہ ستاروں وغیرہ کے علم اور فن جنگ میں بھی اور نیز حرکت و حرارت۔ جہازرانی اور ہوا کے ذریعے کلوں کے چلانے کے علم میں نئی نئی باتوں اور اصول کا اضافہ ہوتا گیا۔ اگر ان باتوں پر قلم اٹھایا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے +

ہوا سے چلنے والی کلیں ہوا کی حرکت سے قوت پیدا کرتی ہیں۔ ان کلوں سے آٹا پستا ہے۔ پانی اوپر کو اٹھایا جاتا ہے۔ جہاز چلائے جاتے ہیں اور آبپاشی بھی

کی جاتی ہے۔ ان کا رواج امریکہ اور آسٹریلیا میں کثرت سے ہے۔ ہوا سے چلنے والے ایک پہیے میں جس کا قطر ۲۰ فیٹ ہو پانچ گھنٹے میں اس ہوا کے ذریعے سے جو گھنٹے بھر میں ۲۰ امیل چلتی ہے۔ پانچ گھوڑوں کی طاقت پیدا کی جا سکتی ہے ہوا کے ذریعے آج کل بہت سے کام انجام دئے جاتے ہیں۔ اس کا اندازہ دشوار ہے۔ لیکن انگلستان کے ۴۰ ہزار جہازوں میں سے ۳۰ ہزار ہوا ہی کے ذریعے سے کام دیتے اور چلتے ہیں +

ہوائی کرہ میں زندگی

ہوا سے متعلق نہایت ضروری امر یہ ہے کہ اُس پر جانداروں اور غیر جانداروں کی پرورش صحت اور زندگی کا ایک بڑی حد تک دارومدار ہے۔ موسم۔ آب و ہوا۔ امراض۔ حفظ صحت۔ زراعت وغیرہ سے ہوا کا بڑا تعلق ہے۔ زراعت کا سوال جو ہوا سے متعلق ہے ذرا پیچیدہ سا ہے۔ مگر زندگی۔ صحت اور امراض کا تعلق عالمگیر ہے۔ اس لئے اُس سے متعلق باتوں پر قلم اُٹھایا جاتا ہے۔ ذیل کے اعداد و شمار سے ظاہر ہوگا کہ امراض کا ہوا سے کیا تعلق ہے +

مرض	زیادتی	کمی
انٹرک فیور	ماہ ستمبر	ماہ مئی و جون
چیچک	جنوری تا مئی	ستمبر و اکتوبر
گلسوئے	جون و دسمبر	مارچ و اکتوبر
سُرخ بخار	اکتوبر و نومبر	مارچ تا مئی

ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امراض پر موسم اور آب و ہوا کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اُن کے ذریعے سے اُن میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ علاوہ ان باتوں کے کسی خاص مقام کی ہوا انسانوں اور حیوانوں کی صحت پر بڑا اثر پیدا کرتی ہے +

لوگ تبدیل ہوا کو جایا کرتے ہیں۔ اس سے اُن کی صحت میں ترقی ہوتی ہے۔ شہروں کی ہوا میں ریت کے ذرے بکثرت ہوتے ہیں۔ مگر دیہات کی ہوا میں نہیں ہوتے۔ مزید برآں شہروں کی ہوا غلیظ ہوتی ہے۔ مگر دیہات کی ہوا صاف ایسی طرح

بلند مقامات اور پہاڑوں کی ہوا بھی صاف۔ پاک اور صحت بخش ہوتی ہے۔ جن مقامات پر نباتات پانی کے اندر گل اور سڑ جاتی ہوں وہاں ملیریا پیدا ہوتا ہے۔ سطح زمین کے نزدیک کی ہوا خراب ہونے کے باعث امراض پیدا کرتی ہے۔ مگر اُس سے اُوپر کی ہوا امراض کو روکتی ہے۔ بہت سی حالتوں میں ہوا کے ذریعے سے اجرام ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں ✤

عام طور پر ہوا صحت اور زندگی کی معاون ہے۔ جس قدر زیادہ صاف اور تازہ ہوا سانس لینے کے لئے ملتی ہے اُسی قدر زیادہ جسم کے اندر کا زہریلا ہو کر جسم سے خارج ہو جاتا اور جسم کو نقصان سے بچاتا ہے۔ ہوا کی مقدار اور نوعیت پر موسمی تغیرات اور کوائف منحصر ہیں۔ ٹمپریچر۔ بارش۔ خشکی۔ دھوپ۔ آندھیاں۔ طوفان۔ تری وغیرہ پر ہوا کا بڑا اثر ہوتا ہے ✤

مختلف قسم کی ہواؤں میں رہنے سے انسان کے چلن اور صحت میں مختلف مفید اور غیر مفید باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ہوا کی گرمی اور تری کے سبب سے اُن گرم ملکوں میں جو سمندر کے کنارے واقع ہیں لوگ اعصابی کمزوری کا شکار رہتے رہتے ہیں۔ وسطی ہندوستان اور عرب کی خشک اور گرم ہوا سے جنگجوئی اور دلیری پیدا ہوتی ہے۔ اور ملائم اور سرد اور معتدل ہوا سے لوگوں کے جسمانی اور عقلی قوے ترقی کرتے ہیں۔ موسم گرم۔ سرد۔ معتدل اور نہایت گرم یا سرد ہوتے ہیں۔ وہ خشک اور تر بھی ہوتے ہیں۔ اگرچہ سائنس دانوں نے موسموں اور دُنیا کے موسمی طبقوں کی درجہ بندی کر دی ہے۔ لیکن وہ اب غلط ثابت ہوئی۔ وہ یہ ہے کہ ایک حار طبقہ۔ دو معتدل طبقے۔ دو سرد طبقے۔ لیکن ان میں سے بھی ایک ایک میں کئی کئی چھوٹے طبقات ہوا کی سردی گرمی۔ اعتدال اور خشکی کے لحاظ سے کئے جا سکتے ہیں۔

کسی مقام کی آب و ہوا کے معلوم کرنے کے لئے ان باتوں کا جاننا ضروری ہے (۱) اُس مقام کا طول البلد (۲) اُس مقام کا نصف کرہ۔ جنوبی نصف کرہ میں ٹمپریچر میں تبدیلی بہت ہی کم ہوتی ہے۔ مگر شمالی میں زیادہ تر اور جلد جلد۔ (۳) بڑے بر اعظموں میں مقام کا مقام وقوع۔ فرضاً مغرب یا مشرق۔ اگر کوئی مقام مشرقی بر اعظم میں ہے تو اُس میں ٹمپریچر میں روزمرہ اور موسم میں تبدیلی برابر ہوتی رہتی ہے (۴) مقام کی حالت

بحرِ اعظم، سمندر اور ساحل سمندر کے اعتبار سے۔ ان سے کم پھر اور تری اور خشکی میں متواتر تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں (۵) بلندی سطح سمندر سے۔ خواہ وہ جزیرہ کی حیثیت سے ہو یا بر اعظم کی۔ اوّل الذکر حالت میں موسم معتدل ہوتا ہے۔ اور آخر الذکر میں انتہائی (۶) مقام وقوع۔ نواحی۔ اس سے پہاڑی سلسلوں کے اعتبار سے اور ہوا کے چلنے کے رُخ کے اعتبار سے بھی موسم میں تغیرات واقع ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مقام ہوا کے رُخ پر ہے تو وہاں بارش ۵۰ انچ سالانہ تک ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر اس رُخ پر نہیں ہے تو وہاں بارش صرف ۲۰ سے لیکر ۳۰ انچ سالانہ تک ہوتی ہے (۷) مقام وقوع۔ اس سے چلنے والی معمولی ہواؤں تجارتی ہواؤں یا مانسون وغیرہ کے اعتبار سے موسمی تغیرات کا ظہور ہوتا ہے (۸) سمندری لہریں۔ اگر کوئی مقام ساحل سمندر سے نزدیک ہے اور اس میں سمندری لہروں کا اثر پڑتا ہے تو وہاں بھی موسمی تغیرات میں ایک غیر معمولی ظہور ہوتا ہے (۹) نواحی ملک۔ اس کا بھی کسی خاص مقام کی آب و ہوا پر اثر پڑتا ہے (۱۰) مقام وقوع۔ اس سے گرم ملکوں اور قطبین کے نزدیک والے ملکوں میں بارش کے ہونے اور ہواؤں کے چلنے کے اصول میں فرق پڑتا رہتا ہے۔

موسموں کے حالات

قسم موسم	مقامات	بیان
(۱) خطِ استوائی موسم۔ طول البلد صفر سے ۱۰ درجہ تک	جیتولہ۔ کولمبو۔ سنگاپور۔ کانما	گرم تر۔ یکساں۔ خوشگوار
(۲) گرم۔ طول البلد ۱۰ سے ۲۳ درجہ تک		
(الف) بحری	کلکتہ۔ ہانگ کانگ	نمبر۱ کی مانند۔ مگر یکسانیت اور خوشگواری میں کمتر
(ب) اندرونی	لاہور۔ دہلی۔ مانڈلے۔ ٹمبکٹو	گرم۔ خشک۔ انتہائی۔ معیاروں میں ناگوار
(۳) نیم گرم۔ طول البلد ۲۳-۳۵ یا ۴۰ درجہ تک	ریویرا۔ سینٹ کالیفورنیہ۔ کیپ کالونی جنوبی آسٹریلیا	معتدل اور خشک۔ بجد خوشگوار
(۴) معتدل (الف) شمالی طول البلد ۴۵-۶۰ درجہ تک	انگلستان۔ یورپ۔ ممالک متحدہ امریکہ۔ وسطی سائبیریہ۔ چین	سرد۔ تر۔ یکساں سمندر کے نزدیک خشک اور انتہائی اندرون ملک میں
(ب) جنوبی عرض البلد ۴۰-۵۰ درجہ تک	نیوزیلینڈ۔ تسمانیہ	سرد۔ تر۔ یکساں۔ اور دنیا میں سب سے زیادہ خوشگوار
(۵) قطبی طول البلد ۶۰ درجہ	شمالی سائبیریہ۔ گرین لینڈ	سرد اور معتدل خشک۔ اندرون ملک میں انتہائی۔

خلا میں کیا ہے ؟

آفرینش آدم کے وقت سے لیکر آج تک انسان گنبد فلک کی طرف جس میں ساون بھادوں یا دسمبر کی راتوں کو لکھوکھا جگمگاتے اور درخشاں تارے نظر آتے ہیں۔ حیرت اور تعجب سے دیکھتا چلا آیا ہے۔ جن لوگوں کو قدرت نے فکرمند دل و دماغ عطا کیا ہے۔ ان کے دل میں بار ہا یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ" آسمان یعنی خلا میں کیا ہے"؟ ہر زمانہ اور ہر ملک کے لوگوں کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوا ہے۔ جس کا جواب اُن زمانوں اور اُن ملکوں کے تمدن کی ترقی کے درجہ اور نیز عامیانہ خیال کے مطابق دیا گیا ہے۔ اور وہ جواب کیا تھا؟ اسکی تشریح کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ ہم صرف سائنس جدید کے جواب پر غور کرکے اسے ہدیۂ ناظرین کرینگے۔ سائنس کہتا ہے کہ خلا شہاب ثاقب سے بھرا ہوا ہے۔ بظاہر یہ خیال اُن لوگوں کو بالکل انوکھا اور بعید از قیاس معلوم ہوگا۔ جو رات کو ٹوٹتے ہوئے تاروں کی بابت بہت محدود واقفیت رکھتے ہیں۔ یا وہ صرف صاف اندھیری راتوں میں خلا کے درمیان ایک براق چمکدار شے ایک طرف سے دوسری طرف بڑی تیزی کے ساتھ جاتے اور چند سکنڈ کے اندر اندر غائب ہوتے دیکھتے ہیں۔ مگر بڑے بڑے سائنس دانوں نے مدت کے مشاہدہ کے بعد ہمارے سامنے یہ مسئلہ ایک خاص صورت میں پیش کردیا ہے جس کی تائید میں بہت سے زبردست دلائل پیش کئے جاتے ہیں ؛

جو امور شہاب ثاقب کی نسبت معلوم ہوئے ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں :-

(اوّل) شہاب ثاقب اس قدر بیشمار ہیں۔ کہ جن لوگوں نے صاف اندھیری راتوں میں ان کا مشاہدہ نہ کیا ہو۔ وہ ان کی تعداد کا اندازہ ہی نہیں کرسکتے۔ جن ہیئت دانوں نے برسوں تک مشاہدہ کیا ہے اور اپنے مشاہدات برابر قلمبند کرتے چلے آئے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک ہی مقام پر اندھیری رات کو جب مطلع بالکل صاف ہو۔ چودہ شہاب ثاقب فی گھنٹہ نظر آتے ہیں گویا روے زمین پر ہر شب کو دو کروڑ تارے

ٹوٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں - مگر جو تارے خلا میں گشت لگاتے پھرتے ہیں انکے شمار کے مقابلہ میں مذکورہ بالا تعداد بالکل کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی - جن تاروں کو ہم ٹوٹتے دیکھتے ہیں - ان کے محور طریق الشمس سے منطبق نہیں ہوتے جس خط سے کرۂ ارض آفتاب کے اردگرد چکر لگاتی ہے - اس سے یا نظام شمسی سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے - ہمارا کرۂ ارض خلا میں گھومنے والے جن شہاب ثاقبوں سے ہزاروں لاکھوں مرتبہ دوچار ہوتا ہے - ان کا سالانہ شمار سات ہزار ملین ہے - اور ان کی کل تعداد علم ہندسہ کے اعداد ظاہر کرنے میں بالکل قاصر ہیں - علاوہ بریں آفتاب مع نظام شمسی کے بیس میل فی ثانیہ کی رفتار کے ساتھ خلا میں چلتا ہے - اور اس طرح ہمیں عالم کے نئے خطوں میں چھ سو ملین میل سالانہ کے حساب سے کھینچ لیے جاتا ہے - باوجود اس کے بھی شہاب ثاقب ہر جگہ پائے جاتے ہیں - فرض کرو کہ ہر ایک شہاب ثاقب جداگانہ طور پر بہت ننھا ہو - اور اس کا وزن اوسطاً اونس کا ایک اونے حصہ ہو - وہ تاروں کے سلسلہ میں بقول ماہرین علم ہیئت ہر ایک دوسرے سے دو دو سو میل کے فاصلے پر ہوں - تو ان کے مادہ کی مجموعی مقدار خلا میں اس قدر ہوگی کہ اس کا اندازہ ہی وہم و قیاس سے بعید ہوگا +

دوم - شہاب ثاقبوں کا کرۂ ارض سے کوئی سروکار نہیں ہے - اور نہ وہ کرۂ ہوا کے زیریں حصہ میں گردش کرتے ہیں - بلکہ ان کا تعلق اجرام فلکی سے ہے - وہ اپنے محوروں پر گھومتے ہیں - ان کی رفتار ستاروں اور دمدار تاروں کی رفتار کی برابر ہے - جو کم از کم دس اور زیادہ سے زیادہ پچاس میل اور اوسطاً تیس میل فی ثانیہ ہے حالانکہ زمین اپنے محور پر آفتاب کے اردگرد اٹھارہ میل فی سکنڈ کے حساب سے گردش کرتی ہے +

سوم - ٹوٹتے تاروں کے اجزائے ترکیبی کئی قسم کے ہیں - بہتوں میں چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں - جو کرۂ ہوا کے درمیان سے گزرتے وقت ایک دوسرے سے ٹکرا کر آتش پذیر ہو جاتے ہیں - اور سطح زمین پر پہنچنے سے پیشتر ہی بخارات کی صورت اختیار کرکے غائب ہو جاتے ہیں - بعض بڑے بڑے شہاب ثاقب بھی ہوتے ہیں -

وہ کرۂ ہوا سے گزرتے وقت کسی قدر آتش پذیر ہوتے ہیں۔ اور زمین پر پتھر یا دھات کے بڑے بڑے ڈھیلوں کی شکل میں آگرتے ہیں +

چہارم۔ خلا کے ہر حصہ میں ان کی تعداد مساوی نہیں ہوتی۔ بلکہ کہیں انکے بڑے بڑے جھرمٹ ہوتے ہیں۔ اور کہیں صرف متعدد ہوتے ہیں۔ اور بعض وقت ان کے بڑے بڑے حلقے بن جاتے اور آفتاب کے اردگرد گردش کرتے ہیں۔ گاہے گاہے زمین کا محور ان کے سلسلہ میں رخنہ انداز ہوجاتا ہے۔ جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے تارے ٹوٹتے اور بڑی بھاور دکھلاتے ہیں۔ اور یہ اچنبھا ماہ اگست اور نومبر میں دیکھنے میں آتا ہے +

پنجم۔ ان کا تعلق دمدار ستاروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں جو عظیم الشان دُنبالہ نمودار ہوا تھا۔ اس کی بابت شیاپریلی کہتا ہے کہ اُس سال کے ماہ اگست میں شہاب ثاقبوں کے جو جھرمٹ بکثرت نظر آتے تھے۔ وہ اس کے محور سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ ان ہر دو قسم کے تاروں کے تعلقات باہمی تین اَور دُنبالوں کی حالت سے بھی واضح ہوچکے ہیں۔ عام طور پر یہ امر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ دمدار ستارے اُن شہاب ثاقبوں کے اتحاد و اجتماع سے بنتے ہیں جو ایک دوسرے سے رگڑ کھا کر بے انتہا گرم ہو جاتے ہیں اور کثرت حرارت سے ان کے اجزاے ترکیبی میں انتشار پیدا ہوجاتا ہے +

ششم۔ جو بڑے بڑے شہاب ثاقب زمین پر گرتے ہیں۔ انکے اجزاے ترکیبی کو دیکھکر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ بالعموم ان کے اندر اسی قسم کا مادہ ہوتا ہے جو آتش فشانوں کی تہ سے نکل کر باہر آتا ہے۔ بہرصورت ان میں دو قسم کا مادہ پایا جاتا ہے۔ بعض قسم کے شہاب ثاقب کے اندر قدرتی خام لوہا ہوتا ہے۔ جو نکل (کانسہ) کے ساتھ مخلوط حالت میں پایا جاتا ہے۔ اور بعض میں پتھریلا مادہ ہوتا ہے۔ اور وہ سلی کان اور میگ نیسیم کا مرکب ہوتا ہے۔ ایک ایسی قسم کے شہاب ثاقب بھی ہوتے ہیں۔ جن کے اندر ہر دو قسم کے مرکبات پائے جاتے ہیں۔ ان کے سنگلاخ حصے سخت ٹکر لگنے اور ہولناک صدمہ کھانے سے شکستہ ہوکر لوہے میں بٹ دیکھے گئے

ہیں۔ جو سخت حرارت سے بہت نرم ہوجاتا ہے۔ متذکرۂ بالا امور مشاہدہ بلاواسطہ کے وسیلے سے دریافت کیے گئے ہیں۔ اور ہمارے علم الیقین کا اسی جگہ خاتمہ بالخیر ہوجاتا ہے۔ تفتیش مزید میں ہیں سپکٹروسکوپ کو اپنا ہادی بنانا پڑتا ہے۔ یہ آلہ بہت ہی حیرت انگیز ہے۔ اسکے وسیلہ سے ہم تمام منور و درخشاں اجسام کی روشنی کا تجزا کرکے معلوم کرسکتے ہیں۔ کہ ان کے اجزاے ترکیبی کیا ہیں۔ خواہ وہ ہم سے کتنے فاصلے پر ہوں۔ اور ان کی مادی ترکیب خواہ کیسی ہی پیچیدہ ہو۔ اس آلہ سے سب کچھ معلوم ہوجاتا ہے۔ اس کے وسیلہ سے ہم بتلاسکتے ہیں۔ کہ جن اجسام کی روشنی ہمارے پاس آتی ہے آیا وہ گیس کے ہیں یا سیال یا ٹھوس ہیں۔ آیا ان کی روشنی جبلی اور اندرونی ہے۔ یا کسی بڑے خارجی جسم کی روشنی کا عکس ہے اور نیز یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے آیا اجرام فلکی و منور اجسام کا مادہ ترکیبی ایسا ہے۔ جو کرۂ ارض پر پایا جاتا ہے۔ یا کسی اور ہی قسم کا ہے جس سے ہم ناآشنا ہیں۔ سپکٹروسکوپ کے ذریعے سے۔ جو دریافتیں کی گئی ہیں ان کے وسیلے سے یہ امر قائم کیا گیا ہے کہ آفتاب اور ہر قسم کے تاروں اور شہاب ثاقبوں کے اجزاے ترکیبی وہی ہیں۔ جو کرۂ ارض کے اجسام میں پائے جاتے ہیں۔ اور اب یہ مسلم ہوگیا ہے کہ ارض و سما میں ایک ہی قسم کا مادہ محیط ہے اور یہ کہ مادہ عالمگیر صورت رکھتا ہے۔

مشہور عالم علم ہیئت سرنارمن لاکئیر کے تجربات سے سپکٹروسکوپ کی دریافتوں میں اضافہ کثیر ہوگیا ہے۔ جیساکہ اُن کے۔ اُس مضمون سے ظاہر ہے جو چند برس ہوئے اُنہوں نے انگلستان کی رائل سوسائٹی کے سامنے پڑھا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ اسپکٹرا (وہ رنگ جو اندھیرے میں شعاع ڈالنے سے دکھائی دیتے ہیں) معین نہیں ہیں۔ بلکہ دباؤ۔ اور حرارت کے درجہ کے مطابق تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اور اُن اجسام کو مؤثر کرتے رہتے ہیں۔ جن سے سپکٹرا خارج ہوتے ہیں مثلاً جب کوئی دُنبالہ آفتاب کے قریب ہوتا ہے اور اسکے اجزاے ترکیبی متصل ہوتے ہیں۔ تو آفتاب کی گرمی سے اس کا سپکٹرا بہت مختلف ہوتا ہے۔ اور جب وہی دمدار تارہ آفتاب سے دُور ہوتا ہے۔ تو اس کا اسپکٹرا اور ہی قسم کا ہوتا ہے۔

سنہ ۱۸۸۲ء میں ایک عظیم الشان دمدار تارہ نمودار ہوا تھا۔ جب وہ سورج کے قریب ترین نقطہ پر تھا۔ تو اُس کے کئی اسپکٹرا اسی قسم کے تھے۔ جو تجربہ گاہ (لیبوریٹری) میں سوڈیم۔ آئرن۔ اور میگنیشیم کو سخت حرارت دینے سے حاصل ہوتے تھے۔ جوں جوں وہ تارہ آفتاب سے دُور ہوتا گیا۔ اسکے اسپکٹرا معدوم ہوتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ سنہ ۱۸۸۶ء کے دمدار تارہ میں جب وہ آخری مرتبہ دیکھا گیا۔ تو سوائے میگنیشیم کے رنگ کے باقی سب غائب ہو گئے تھے۔ کاربن بھی جو ذی اعضا جانداروں کے اجسام میں ایسا اہم جزو ہے۔ دباؤ اور درجہ حرارت کے ساتھ ساتھ دمدار تاروں کے اسپکٹرا میں پیدا اور ناپید ہوتا رہتا ہے۔

سر نارمن لاکئیر نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انواع و اقسام کے اسپکٹرا جو آفتاب۔ نظام شمسی۔ ستاروں۔ سحاب۔ دُنبالوں۔ اور شہاب ثاقبوں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ وہ زمین پر گرے ہوئے شہاب ثاقبوں سے بھی لیبوریٹریوں میں تجربہ کر کے پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ صرف سیریئس ایسے بعض ستارے ہیں جن کا ٹمپریچر آفتاب کی حرارت سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ اور کسی قسم کی برقی قوت کے وسیلے سے ایسی سخت حرارت پیدا نہیں ہو سکتی۔ ان کے اسپکٹرا حاصل نہیں ہو سکتے۔ اب ہم "میٹریٹ تھیوری" یعنی یہ قیاسی مسئلہ کہ خلا میں شہاب ثاقب پائے جاتے ہیں۔ بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ خلا میں شہاب ثاقبوں کا شمار بے قیاس ہے۔ اور یہ کہ وہ کشش اتصال سے لمبی لمبی قطاروں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ان کی باہمی رگڑ سے اس قدر حرارت پیدا ہوتی ہے کہ اس سے ہم اپنی حسب منشا کام لے سکتے ہیں۔ دو اجسام کی رگڑ سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے۔ وہ مکینکل فورس (کام کرنے والی طاقت) کی متبدل اینرجی (قوت) ہے۔ یہ قوت اور اس سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے۔ وہ مقدار رفتار کے ربع عمود کے ساتھ بڑھتی ہے۔ مثلاً اگر کسی گرم ملک میں طوفان باد سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلے۔ جس سے درخت جڑوں سے اکھڑ کر گر پڑیں۔ اور مکانات ہم سطح زمین ہو جائیں اگر ہوا کی وہی مقدار شہاب ثاقبوں کی معمولی رفتار یعنی ½ ۳۳ میل فی ثانیہ کی رفتار سے چلے تو اس کی قوت چودہ کروڑ چالیس لاکھ گنا زیادہ ہوگی۔ جب ڈائنامیٹ کی کوئی چیز پھٹتی ہے۔ تو (گیس ہوا کی نسبت بہت لطیف ہوتی ہے) ایسا ہولناک دھماکا

ہوتا ہے کہ جیسے دُخانی ہتوڑے کی خوفناک ضرب آہرن پر پڑنے سے ہوتی ہے۔اس سے ہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔کہ ٹوٹنے تارے کیوں فی الفور جل اُٹھتے۔اور کرۂ ہوا کے بالائی طبقہ کی لطیف تر ہوا میں کیوں جلد تر غائب ہوجاتے ہیں۔خلا میں ان کی آپس کی ٹکروں سے جس قدر حرارت پیدا ہوسکتی ہے اس کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے۔فرض کرو تخلیق عالم کی ابتدا میں خلا بیشمار چھوٹے چھوٹے شہاب ثاقبوں سے بھرا ہوا تھا جن کے اجزا مادہ کے دو تین ابتدائی عناصر پر مشتمل تھے۔اور یہ تارے چاروں طرف بڑی تیزی سے گردش کرتے پھرتے تھے۔جو بعدازاں آپس میں اتصال پذیر ہوکر بڑی بڑی لمبی قطاروں میں نمایاں ہونے اور ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔جس سے ایک ایسا مادہ پیدا ہوا۔جسے ہر قسم کے اجرام فلکی کی ترکیب کا بُنیادی اصول قرار دے سکتے ہیں۔اسکے وسیلے سے آفتاب۔نظام شمسی۔ستارے۔سیارے اور انکے چاند۔سحاب اور دمدار تارے ترکیب پذیر ہوکر عالم وجود میں آتے ہیں۔کمزور اتصال سے شہاب ثاقبوں کے جو جھرمٹ بنتے ہیں، وہ آپس میں نہیں ٹکراتے۔اور ان سے حرارت پیدا نہیں ہوتی۔اس لئے ان کے طفیل سے سحاب اور دُنبالے (کامٹ) پیدا ہوجاتے ہیں۔جب شہاب ثاقبوں کے دو جھرمٹوں کی آپس میں ٹکر لگتی ہے۔تو سیریئس[1] ایسے سیارے (آفتاب) نمودار ہوتے ہیں۔جن میں حرارت اور روشنی ایسی بے انتہا ہوتی ہے۔کہ اس کے سامنے آفتاب بھی گرد ہوجاتا ہے۔لیکن جب یہ سیارے اخراج حرارت سے سرد ہوکر سُکڑ جاتے ہیں تو وہ ستاروں کے دوسرے مرحلہ میں منتقل ہوجاتے ہیں۔جن میں سے ہمارا آفتاب ایک ہے (اور ایسے آفتاب غیر محدود و خلا میں بیحد و حساب ہیں۔کہکشاں ہی میں دو کروڑ آفتاب ہمارے آفتاب ایسے ہیں)۔گو اس میں حرارت اور روشنی بہت ہی کثرت سے ہے۔مگر اخراج حرارت سے اس قدر خنک ہوگیا ہے کہ ابتدائی عناصر مل کر دوسرے درجہ کے تارے بن سکتے ہیں۔اور اسپکٹروسکوپ سے انہیں بخوبی طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔اس سے یہ معلوم ہوجائیگا کہ

[1] آسمان میں ایک ایسے ستارے ہیں کہ وہ بے انتہا حرارت اور روشنی کے مرکز سمجھے جاتے ہیں سیرئیس کی حرارت اور روشنی کی سختی آفتاب سے ہزاروں گنا بڑھی ہوئی ہے۔ (ع۔آر۔آر)

ان ستاروں کے اندر وہی مادہ موجود ہے۔ اور وہی مرکبات وہاں پائے جاتے ہیں۔ جن سے ہم اہلِ زمین بخوبی آشنا ہیں۔ اور جو ہر روز ہمارے مشاہدہ میں آتے ہیں۔ اخراجِ حرارت کے عمل سے سیرئیس ایسے نہایت ہی گرم سیارے سرد ہوتے جاتے ہیں۔ کثرتِ حرارت کے اثر سے ان کی رنگت پہلے سفید ہوتی ہے۔ پھر سُرخ ہو جاتی ہے۔ ہوتے ہوتے وہ بالکل بیجان اور سرد ہو جاتے ہیں۔ روشنی اور حرارت کا ذخیرہ ختم ہو جانے سے ان کی رنگت سیاہی مائل ہو جاتی ہے۔ اور وہ جل کر بجھے ہوئے آفتابوں کے زمرہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ کہ اس قسم کے اجرام فلکی ہمیشہ کے لئے مُردہ ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ان کے از سرِ نو زیست پذیر ہونے کا بے انتہا وقت کے دوران میں سخت احتمال ہے۔ صرف ان کے آپس میں ٹکرانے ہی کی دیر ہے۔ جہاں ایک عظیم ٹکر لگی۔ ان کی تمام قوت عود کر آتی ہے۔ حرارت اور روشنی کا دَور شروع ہو جاتا ہے اور وہ سیارے (آفتاب) از سرِ نو اوّل درجہ کے آفتابوں کی طرح زندگی شروع کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر کرول نے "سٹیلر ایوولیوشن" (ارتقاے ستاری) میں یہ بیان کیا ہے۔ کہ ایک لا انتہا زمانہ تک بیشمار سیاہ ستارے یا ایسے اجسام جن میں حرارت اور روشنی کا ایک ذرہ بھی نہیں ہے غیر محدود خلا میں ہر جانب گردش کرتے چلے آتے ہیں۔ اور ان کی رفتار بہت ہی اعلےٰ ہے۔ گاہے گاہے وہ ایک دوسرے سے ٹکر کھا جاتے ہیں۔ جس سے ایسی سخت حرارت پیدا ہوتی ہے۔ کہ اس سے ستاری مادہ کا تمام انبار آتش پذیر ہو کر درخشاں گیس بن جاتی ہے اور اس کے سالمات علیٰحدہ ہونے ہیں۔ صرف ایسے ٹکڑے پگھلنے سے باز رہتے ہیں جو یکلخت پھٹنے والی گیس کے پیدا ہوتے ہی ٹوٹ کر خلا میں جا گرتے ہیں۔ فی الواقع خلا میں اب تک سیاہ ٹھوس ستارے گشت کرتے پھرتے ہیں اور اُنکے وجود کا ثبوت ستارگان مرئی کے اجزاے ترکیبی سے مل سکتا ہے۔ ان ستاروں میں درجہ حرارت مختلف قسم کا پایا جاتا ہے۔ بعضوں میں انتہا درجہ کی سخت حرارت پائی جاتی ہے۔ جیسے کہ سیرئیس میں دیکھی گئی ہے۔ اور بعضوں میں بہت کم ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی رنگت مدھم سُرخ ہے۔ جیسا کہ آلڈبارن ہے۔ آفتاب انکے

بین بین ہے۔ اور ماہتاب ایک مُردہ ستارے کا نمونہ ہے جو اپنی ادنےٰ جسامت کے باعث بہت جلد ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ وہاں سے حرارت اور روشنی غائب ہے اس لئے وہاں کوئی جاندار نہیں ہے۔ چاند کی جو روشنی زمین پر آتی ہے وہ اس کی اپنی روشنی نہیں ہے۔ بلکہ آفتاب کی شعاعوں کو منعکس کرتا ہے۔ بہت سے سُرخ ستارے جو آسمان پر صاف اندھیری راتوں میں جگمگاتے ہوئے نظر آتے ہیں چند قرون کے بعد وہ بھی چاند کی طرح سرد اور بیجان ہو جائینگے۔ بشرطیکہ قانون قدرت کے عمل میں کوئی نقص واقع نہ ہونے پائے۔ جب تک قانون حرکت عالم میں موجود ہے۔ ان ستاروں کی رفتار سرد ہونے کے بعد بھی بدستور جاری رہیگی۔ جو اس وقت چار سو میل فی گھنٹہ ہے۔ متحرک اجسام خود بخود اپنی حرکت کا رُخ نہیں بدل سکتے۔ بلکہ اپنے اپنے محوروں پر گردش کرتے رہتے ہیں (بہت سے ستارے ایک گول حلقہ کے اندر اپنے ہمسائیوں کی کشش سے اثر پذیر ہو کر گھومتے ہیں) اور بعض ایسے بھی ہیں۔ جو ایک خط مستقیم میں حرکت کرتے ہیں ؛

آسمان میں جو اننے بیشمار اجرام مختلف اطراف و جوانب میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ وہ آپس میں وقتاً فوقتاً ایک دوسرے سے ٹکراتے بھی ضرور ہونگے۔ ان کے تصادم سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے۔ وہ صرف اس متحرک قوت کا نام ہے جس کے وسیلہ سے اجرام فلکی خلا میں گردش کرتے ہیں۔ اور وہ حرارت ایسی تیز ہوتی ہے۔ کہ اس کے اثر سے نئے نئے آفتاب اور سحاب عالم وجود میں آسکتے ہیں اور جس قدر مظاہر فی الحقیقت نظام شمسی کے کرّہ میں دیکھنے میں آتے ہیں۔ وہ بھی اسی حرارت کے سبب سے ظہور پذیر ہوتے ہیں ؛

علاوہ بریں ان سیاہ اجسام کے وجود کا مشاہدۂ بلا واسطہ سے ثبوت بہم پہنچ چکا ہے۔ یہ امر واقع ہے اور بہتوں کے دیکھنے میں آچکا ہے۔ کہ صدہا من وزنی سنگین ٹکڑے آسمان سے آئے دن سطح زمین پر گرتے رہتے ہیں۔ جس سے مذکورہ بالا قیاس کو زبردست تقویت پہنچتی ہے۔ مزید براں یہ بھی ایک امر مسلّم ہے کہ بعض وقت درخشاں ستارے جو اپنی درخشانی میں اوّل درجہ کے ستاروں پر فائق ہوتے ہیں

آناً فاناً شعلہ پذیر ہو کر آہستہ آہستہ نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں ۔ جس کی وجہ مسئلہ تصادم (امپیکٹ تھیوری :- اس سے یہ مراد ہے کہ اجرام فلکی کے تصادم باہمی سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے ۔ اس کے اثر سے شہاب ثاقب گرتے ہیں) ہے ۔ حالانکہ مسئلہ سحابی (نیبولی تھیوری) یا کوئی دوسرا قیاس جو صرف کشش ثقل کے اثر سے سحابی بخارات کے منجمد ہونے کے تصور پر مبنی ہو ۔ ان مظاہر ادی کے وقوع پذیر ہونے کی وجہ نہیں ہو سکتا ۔ پھر ستاروں کی تبدیل صورت کے ظہورات ہیں ۔ جن کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہونی چاہیئے ۔ اور وہ یہی قرار دی جا سکتی ہے کہ جن ستاروں میں تغیر دیکھنے میں آتا ہے ۔ وہ کبھی کبھی شہابی مادہ کی دلدار روؤں سے گزرتے ہیں جس سے ان کے نور میں اضافہ بیش ہو جاتا ہے ۔ اور بعض روؤں میں تاریک اجرام جا پھنستے ہیں ۔ جو ہمارے اور ستاروں کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں ۔ زمانۂ حال کے ہیئت دانوں کے خیال کا میلان یہ ہے کہ تاریک تارے روشن ستاروں سے بہت زائد ہیں ۔ بعض بعض حالتوں میں ہم ان کالے تاروں سے اس قدر واقف ہو گئے ہیں کہ ان کی جسامت ناپ لی گئی ہے ۔ اور ان کا وزن بھی دریافت کر لیا گیا ہے ۔ دُنبالوں اور سحابوں کی ترکیب بھی جو اسپکٹروسکوپ کے ذریعے سے دیکھنے میں آئی ہے ۔ مسئلہ تصادم کے ذریعہ سے بخوبی بتائی جا سکتی ہے ۔ حالانکہ مسئلہ سحاب اس کی حقیقت بیان کرنے میں قاصر ہے ۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مؤخر الذکر مسئلہ ایسا محدود ہے کہ اس کے وسیلے سے دُنبالوں ۔ شہابوں اور دیگر مظاہر فلکی کی نسبت کوئی امر معقولیت کے ساتھ بیان نہیں کیا جا سکتا ۔ مثلاً مادہ کے ٹکڑے کیوں آسمان میں ادھر سے اُدھر گھومتے نظر آتے ہیں ۔ کبھی کبھی رَوؤں میں ۔ اور کبھی پریشان حالت میں ۔ کبھی وہ سحاب کی صورت اختیار کر لیتے ہیں ۔ کبھی وہ نہایت عجلت کے ساتھ ایک دوسرے کے قریب سے گزرتے ہیں جن کا نظام شمسی یا کسی دیگر نظام فلکی سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا؟ ان سب سوالات کا ایک معقول جواب صرف مسئلہ تصادم دینے کے قابل ہے ۔ نظام سیارگان کے حدود کے اندر اندر ایسے بہت سے امور ہیں ۔ جو مسئلہ انقباض سے

نہیں۔ بلکہ اول الذکر مسئلہ کے وسیلے سے سلجھائے جا سکتے ہیں۔ مثلاً ان میں سے ایک یہ امر ہے کہ کئی سیاروں اور ان کے چاندوں کے گردشی محوروں کے جھکاؤ ہیں جو اس خط کی طرف ہے جس کے اندر داخل ہو کر وہ آفتاب وغیرہ کے گرد گھومتے ہیں۔ بہت بڑا فرق دیکھنے میں آتا ہے مگر بالآخر لاپ لیس کے مسئلہ اور مسئلہ تصادم میں کوئی حقیقی تناقض نہیں ہے۔ موخر الذکر مسئلہ عالم کی تاریخ کے ابتدائی مرحلہ پر عائد ہوتا ہے۔ اور اس کے رو سے یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ سماوی مادہ یا گیس کا ایک ذخیرہ ہے۔ جس میں حرارت بکثرت پائی جاتی ہے۔ اور وہ اجرام فلکی کے تصادم باہمی سے قائم رہتی ہے۔ حالانکہ مسئلہ سحاب کے رو سے ہم تولید حرارت کی کوئی معقول وجہ قرار نہیں دے سکتے۔ مگر لاپ لیس کا گمان ہے کہ اس گیس کا ایک حصۂ عظیم کسی اور صورت میں تبدیل ہو جائیگا۔ یعنی قانون کشش کے اثر سے اس میں انقباض پیدا ہوگا اور اس کے بعد اس میں گرداب واقع ہوگا۔ ایزک نیوٹن کے قانون کشش ثقل کا اس قدر شہرہ ہے۔ اور اس نے ایسی فتوحات حاصل کرلی ہیں۔ کہ اسی کو سب چیزوں کی علت اور بنیادی قانون تصور کر لیا گیا ہے۔ مگر جوں جوں علم میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ ویسے ہی بہت سی باتیں جو تحقیقی معلوم ہوتی ہیں۔ غیر یقینی اور ناقابل یقین ہوتی جاتی ہیں۔ جو مسائل تھوڑا عرصہ پیشتر بہت سادے معلوم ہو رہے تھے۔ اب بہت پیچیدار بن گئے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ عالم میں حرکت کی بہت سی صورتیں اور انرجی (قوت) کے ظہورات نظر آ رہے ہیں۔ مثلاً مفرور ستارے۔ شہاب ثاقبوں کا عالم۔ سالمات اور ذرات کی حرکات۔ ارضیات کے حقائق غیر مشکوک کے لئے یہ ضروری ہے کہ آفتاب کی حرارت کے قیام کا ایک زمانہ قرار دیا جاوے۔ قانون کشش اور مسئلہ سحاب کے وسیلہ سے اس قدر فائدہ ضرور ہوا کہ مظاہر عالم ایک لاتغیر قانون کے تابع سمجھے گئے۔ مگر مسئلہ تصادم تاریخ عالم کے ایک ابتدائی مرحلہ میں آغاز پذیر ہوتا ہے۔ اور ہمیں ازلیت اور بے پایانی کے حدود کی طرف ایک قدم آگے پہنچاتا ہے۔ اگر عالم ستارگان ایک ہی دفعہ ایک مقررہ وقت کے اندر اندر ظہور پذیر نہیں ہوا ہے

بلکہ کئی قرون کے دوران میں بنا ہے یعنی ستارے عالم وجود میں آتے اور بگڑتے رہے۔ اور پھر ان کی تجدید کا سلسلہ جاری رہا جس سے نہ آغاز کا اور نہ اختتام کا پتہ لگ سکے۔ تو واقعی زندگی کی حدنگاہ بہت وسیع ہوگئی ہے +

مگر مذکورۂ بالا بیان سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ مسئلہ تصادم سے بعید از فہم اور غیر معلوم اشیا کی ہستی کی حقیقت ہم پر آشکارا ہو جائیگی۔ لو فرضنا اگر یہ تاریک آفتاب فی الواقع ہوں۔ اور وہ حقائق ہیئیات فلکی کا حصہ ہوں۔ تو بھی وہ آخری حقائق نہیں قرار دئے جا سکتے۔ ان کا وجود مادہ کا مرکب ہے۔ اور مادہ کے اجزائے ترکیبی سالمات ہیں جو ذرات کا مجموعہ ہیں۔ جو ٹکڑے آسمان سے آ کر زمین پر گرتے ہیں۔ اور جو کچھ اسپکٹروسکوپ سے ظاہر ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ شہابی مادہ کی ترکیب میں ایسے اجزا بھی ہیں۔ جو اس زمین کے اجزائے ترکیبی کے چند ابتدائی عناصر سے مشابہ ہیں۔ آسمان سے گرے ہوئے پتھروں میں ہیڈروجن۔ نائٹروجن سلفر (گندھک) آئرن (آہن) نکل (کانسا) کیلسیم۔ سلی کن اور آلومینم وغیرہ کے اجزا پائے جاتے ہیں۔ ان عناصر کے وجود کی علامات ستاروں۔ سحاب۔ شہاب ثاقبوں۔ اور دُنبالوں میں پائی جاتی ہیں۔ مگر ان کی کثرت یا قلت کا انحصار درجہ حرارت اور دباؤ پر موقوف ہے۔ مگر سالمات کیا چیز ہیں؟ کیمسٹری کے ماہر بیان کرتے ہیں کہ اس وقت تک کل ۸۰ مفرد عناصر دریافت ہو چکے ہیں۔ جو قطعی اور آخری قرار دئے جاتے ہیں اور ایسے ہیں کہ ان کا تجزیہ ممکن العمل نہیں ہے۔ لیکن کوئی آدمی یہ نہیں تصور کر سکتا کہ یہ آخری امر یعنی حقیقت ہے۔ اور نیز کہ ابتدائی مادہ ۸۰ لاتجزا عناصر کا مرکب ہے۔ عقل اس دلیل کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے کہ ائٹریم زیرکونیم۔ اور گیلیئم جو چند نادر معدنیات کے مرکبات سمجھے جاتے ہیں۔ اس سائنس کی ترقی اور تحقیقات کی راہ میں غیر مغلوب دشواریاں حائل کرتے ہیں۔ جس کے ذریعہ سے کوہستان آلپس کی بلندیاں ماپی گئی ہیں۔ ستاروں کا وزن کیا گیا ہے اور روشنی کی شعاعوں کو ناپا گیا ہے +

اسی غرض سے لگاتار یہ سعی ہو رہی ہے کہ سالمات کی تخفیف کر کے صرف

ایک مفرد عنصر۔ اور ایک وسیع الاثر قانون قرار دیا جاے۔ ہنوز اس مسئلہ کی گتھی نہیں سُلجھی ہے۔ مگر سائنس کے محقق اس کے ہر پہلو پر دماغ سوزی کر رہے ہیں۔ کوئی دن جاتا ہے کہ یہ معمہ حل ہوجائیگا۔ تھوڑا عرصہ ہوا۔ ایک کیمسٹری کے ماہر نے یہ دعوے پیش کیا تھا۔ کہ ہیڈروجن ہی ابتدائی اور مفرد عنصر ہے۔ کیونکہ اس کا وزن سب سے ہلکا ہے۔ اس کے متعلق یہ امر قابل غور ہے کہ دیگر عناصر مفرد کے ایک بڑے حصہ کا وزن فرداً فرداً ہیڈروجن کے چند سالمات کے مجموعہ کی برابر ہوگا۔ نہایت گرم ستاروں میں بھی ہیڈروجن کے تاریک خطوط دیکھے گئے ہیں۔ اور وہاں دیگر عناصر کے مرکبات کے وجود کا کوئی گمان نہیں ہوسکتا۔ اس ہیڈروجن تھیوری (یعنی یہ کہ ہیڈروجن ایک مفرد عنصر واحد ہے جس سے دیگر عناصر مرکب ہوئے ہیں) کا بانی پراؤٹ تھا۔ اس کے ذریعہ سے صرف عارضی سُلجھاؤ اس عظیم معمہ کا حاصل ہوا تھا۔ مابعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ ہیڈروجن کے سالمہ کے اجزا بن سکتے ہیں کیونکہ پراؤٹ کے طریقہ وزنِ سالمات میں کچھ غلطی واقع ہوئی تھی۔ سر ولیم کروکس نے یہ راے ظاہر کی تھی کہ ہیلیم جو ہیڈروجن کے سالمہ سے بھی ہلکی ہے اس کے آدھے حصہ کی برابر ہوگی اور یہی شے ابتدائی مفرد عنصر ہوگی۔ جسکی ترکیب سے باقی عناصر بنتے ہیں +

فی الحقیقت یہ امر ظاہر تھا۔ کہ عناصر کے درمیان ایک قسم کا تعلق ہے۔ روسی کیمسٹ منڈلجیف نے یہ امر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر معلوم عناصر کے سالمات کے وزن کو ترتیب وار رکھا جاے۔ تو اس سے ایک قسم کا قانون دَوری (پیریاڈیکل لا) ظاہر ہوگا۔ یعنی سالمات کے دیگر خواص یعنی حرارت نوعی۔ اتصال۔ قلت مقدار وغیرہ ان کے وزن کے ساتھ ساتھ ایک خاص حد تک بڑھتے ہیں۔ وہ بعد میں پھر اپنی اصل حالت پر آجاتے ہیں۔ خواص میں پھر فرق پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح تبدیلات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے کہ ہم موسمی تغیرات کا مقیاس الہوا میں دیکھتے ہیں۔ مگر فرق یہ ہوتا ہے کہ سالمات ایک قانون کے تابع ہوکر ایسی گردش کرتے ہیں جو عناصر ایک ہی قسم کے خواص رکھتے ہیں۔ ان میں یہ تبدیلیاں مقررہ اوقات کے

بعد واقع ہوتی ہیں۔ اس قانون کی نوعیت ہنوز منکشف نہیں ہوئی ہے۔ مگر یہ ایسا یقینی ہے کہ اس کے طفیل منڈلیف نے تین نئے عناصر دریافت ہونے کی پیشگوئی کردی تھی اور وہ صحیح ثابت ہوچکی ہے +

ان امور سے یہ ظاہر ہوا۔ کہ جن عناصر کو ہم مفرد سمجھتے ہیں۔ وہ حقیقت میں مفرد نہیں ہیں۔ بلکہ کسی اور سالمہ کے مرکبات ہیں۔ جو مادہ کا ابتدائی عنصر ہوگا۔ مگر یہ سوال پوچھا جائیگا کہ یہ عناصر کہاں ترکیب پذیر ہوتے ہیں؟ سرولیم کروکس کہتے ہیں۔ وہ عالم کے باہر بنتے ہیں۔ خواہ وہ کہیں بنتے ہوں۔ مگر جب وہ بڑے بڑے ستاروں کے مرکز میں قوت پذیر ہوتے ہیں تو ان کی اصل صورت برباد ہوجاتی ہے +

سالمات کی ترکیب کی بابت دیر سے ایک تھیوری مروج چلی آتی تھی جس کے بانی کیلون اور ہیلم ہولٹز تھے۔ اس کی رو سے یہ مانا جاتا تھا کہ سالمات ایک بالکل سیال مادہ کا جو خلا میں محیط ہے۔ گردش کرنے والے حلقے ہیں۔ اس کا نام مسئلہ گرداب یا حلقہ تھا۔ تمباکو کے دھوئیں کو دیکھو۔ جو منہ سے نکل کر ہوا میں چکر کھاتا ہوا نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے۔ جس وقت اس کا حلقہ منہ کے قریب ہی ہو۔ اس وقت چاقو لیکر جلدی سے اسے کاٹ دو۔ پھر تم دیکھوگے۔ کہ وہ ایک دوسرے سے ٹکرا کر کیسے دور دور بھاگتے ہیں۔ بہت سی باتوں میں اس دھوئیں کے حلقے سالمات سے مشابہ ہیں۔ علم ریاضی کے ذریعے سے سالمات کے حلقوں کو بآسانی ثابت کیا جاسکتا ہے۔ دوسرا بڑا مسئلہ ترکیب سالمات کی بابت ڈاکٹر لارمر کا تھا۔ جس کی رو سے سالمہ کو ایتھر کے خط میں میلان مرکز تصور کیا جاتا ہے۔ مگر عالمان طبیعیات اور کیمسٹری کی تازہ ترین تحقیقات سے تفتیش کی راہ کھل گئی ہے۔ جس سے اس مشکل مسئلہ کا سلجھاؤ جلد آسان ہوجائیگا۔ اب ہمارے پاس ایسے ثبوت بہم پہنچ گئے ہیں۔ جس سے اُمید بندھ چلی ہے۔ برقی تجربات میں دیکھا گیا ہے کہ سالمہ سے اور قسم کے ریزے اُترتے ہیں۔ علاوہ بریں جب ریڈیم دریافت ہوئی تھی۔ اور مادہ کی دوسری قسم کی صورتوں میں ریڈیم کا عمل کمتر نمایاں صورت میں دیکھا گیا تھا۔ تو صاف ظاہر ہوگیا تھا کہ ہمارے سامنے انتشار سالمہ کے ثبوت موجود ہیں۔ سالمہ سے جو ننھے ننھے ریزے الگ ہوتے معلوم ہوتے

وہ برق کے ننھے ذرات جنہیں الکٹرون (Electrons) کہتے ہیں مشابہ پائے گئے۔ اب یہ قیاس غالب نظر آتا ہے کہ تمام وزندار اجسام کے سالمات انہیں الکٹرون سے مرکب ہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ہیڈروجن کا ایک سالمہ ہزار الکٹرونوں کے برابر ہے۔ الکٹرون نہایت ہی ادنےٰ ذرہ ہوتا ہے اور وہ معمولی سالمہ کے قطر کے ایک لاکھ ویں حصہ کی برابر ہوتا ہے۔ تواء کا گردش نظام انہی الکٹرونوں سے بنتا ہے۔ وہ کبھی کبھی جھرُمٹ سے باہر نکل کر آوارہ پھرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ ریڈیم کی رَدوں میں دیکھا گیا ہے۔ اب بلا تامل اور بلا چون وچرا یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے۔ کہ الکٹرون ہی حقیقی سالمہ ہے۔ اور آخری ذرہ اسی کو قرار دینا چاہیئے۔ جسکی ترکیب سے عالم کے باقی عناصر بنتے ہیں۔ مگر یہ قیاس بھی غیر یقینی سا ہے۔ اور واقعات معلومہ کی موجودگی میں اس قسم کے قیاسات قائم کرنا درست نہیں ہے۔ یہ آیندہ زمانہ میں جاکر معلوم ہوگا کہ یہ الکٹرون (برقی ننھے ذرات) فی الحقیقت کیا ہیں۔ ایتھر سے ان کا کیا واسطہ ہے۔ کس طرح عناصر کیمیائی ترکیب پذیر ہوتے ہیں۔ سویڈن کے ایک مشہور کیمسٹ نے یہ قیاس پیش کیا ہے۔ کہ شہاب ثاقب جنہیں عالم کی عظیم الشان عمارت کی اینٹیں قرار دیتے ہیں۔ الکٹرون سے جو ستاروں سے نکل کر خلا میں اُڑتے ہیں۔ مل کر بنتے ہیں۔ اگر فی الواقع اس عالم کا قیاس درست ہو تو ہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ عالم کی حرکت دائمی سے کیا مراد ہے۔ مگر ان مسائل پر قبل از وقت رائے لگانا مناسب نہیں ہے ؞

اس سے ظاہر ہو جائیگا کہ مسئلہ سالمات اور مادہ کی آخری ترکیب کا معمہ جلد حل ہو جائیگا اور ایک خاص صورت اختیار کرلیگا۔ مگر ہنوز حل نہیں ہوا۔ بلکہ زمانہ مستقبل میں سلجھ جائیگا۔ گزشتہ نصف صدی بالخصوص گزشتہ چند سالوں میں جو ترقی اور سعی اس مسئلہ کے حل کرنے میں کی گئی ہے۔ اس سے یہ اُمید لگائی جاسکتی ہے۔ کہ آنے والے زمانہ کا نیوٹن ثانی اس گتھی کو سُلجھا دیگا اور ایک ایسا قانون دریافت کرلیگا۔ جو اُن تمام واقعات پر جو عالم کے اتحاد اور ارتقا کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ حاوی ہو جائیگا ؞

لیکن جب سائنس اس معمہ لاینحل کے حل میں کامیابی حاصل کریگا۔ تو بھی یہ سوال بدستور اور اُسی طرح صورت میں قائم رہیگا کہ مادہ کہاں سے آیا۔ اور قوت کس منبع سے پیدا ہوئی ؟ ؟

تاریخ یورپ

آسٹریا ہنگری

ویانا سے دو نہایت عمدہ سڑکیں کروشیا ہوتی ہوئی ہنگری کو نکل جاتی ہیں۔ ان کے نام "کیرولائن روڈ" اور "لودو ویکا روڈ" ہیں۔ اس کے دریا ڈینیوب۔ ڈریو۔ تھیس اور میروس سب کے سب ایسے ہیں جن میں کشتیاں چل سکتی ہیں۔ اس سے اندرون ملک کی آمد و رفت میں بڑی سہولت ہوتی ہے۔

ہنگری والے "ملکہ" کے لقب سے بڑے بیزار ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی عورت تخت پر بیٹھ جاتی ہے تو وہ اُسے بھی "شاہ" ہی کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے میری اور میریا تریزا کو ملکہ نہیں کہتے بلکہ "شاہ میری" اور "شاہ میریا تریزا" کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہاں امرا و عمائد کو بڑی قوت و فوائد حاصل ہیں۔ اہل ہنگری "ہنز" کی نسل سے ہیں جو ایک ایشیائی قوم ہے۔ اور جس نے شارلیمین کے عہد سے قبل ملک کو فتح کیا تھا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو "میگیار" کہتے ہیں۔ نہایت مغرور مگر بڑی خوبیوں کے لوگ ہیں۔ ان کی زبان نہایت شیریں بتائی جاتی ہے۔ ہنگری کی آبادی مختلف قوموں سے مرکب ہے جن میں سے "سلاوز" آبادی کا سب سے ضروری عنصر ہیں۔ ہنگری والے بڑے بانکے شہسوار ہوتے ہیں۔ لفظ "ہزر" جو لائٹ کیولری کے لئے یورپ میں مستعمل ہوتا ہے ہنگیرین لفظ ہے۔ جس کے معنی بیسویں کے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ہنگری میں کیولری یعنی سپاہ فوج کے لئے ہر بیسواں آدمی لے لیا جاتا تھا۔ ہنگری کے ۱۸۴۹ء والے اعلان آزادی میں لکھا ہوا ہے کہ "ہنگری اور ٹرانسلوینیا مع اپنے مقبوضات اور باجگزار علاقوں کے سلطنت آسٹریا سے ملحق نہیں ہیں۔ بلکہ جدا اور خود مختار سلطنت ہیں"۔ یہی وجہ ہے کہ ہنگری مع اپنے ماتحت علاقوں کے جدا چار صوبوں پر منقسم تھا اور ۱۸۶۷ء میں شہنشاہ آسٹریا کو "شاہ ہنگری" کا بھی لقب ملا تھا۔ ہنگری کے چار

صوبے رقبہ اور اہمیت میں ایں روے لیتھا کے ۸ صوبوں کے تقریباً برابر ہیں۔ ان میں سے ٹرانسلوینیا دوسرا صوبہ ہے جو تاریخ میں بہت مشہور ہے۔ شاہ لیمین کے عہد سے قبل یہاں کشت وخون کا بازار بہت گرم رہتا تھا۔ ٹرانسلوینیا کے معنی ہیں "ماوراے جنگلات"؛ اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ٹرانسلوینیا۔ ہنگری سے کوہ پیر ہینز کے جنگلات کی دوسری جانب واقع ہے۔ چونکہ اس صوبہ میں سات مستحکم قلعے ہیں اس نسبت سے آسٹریا والے اُسے "سیبن برگن" یعنی "سات قلعے" کہتے ہیں۔ یہ پہاڑی علاقہ ہے اور جنگلات کثرت سے ہیں۔ ارد گرد بھی اونچے اونچے پہاڑ کھڑے ہوئے ہیں۔ جن میں سے بعض ہمیشہ برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔ معدنیات اس میں اس کثرت سے ہیں کہ یہاں کی شراب تک میں معدنی شے کا سا ذائقہ ہوتا ہے۔ یہاں کا نمک یورپ بھر میں استعمال ہوتا ہے۔ اس میں چار پانچ مختلف قومیں آباد ہیں جن کی زبان بھی جُدا ہے اور ایک زمانہ میں یہ ٹرکی کے ماتحت تھا۔ اس کا صدر مقام ہرمنسٹٹ ہے ؂

کروشیا بھی ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ مگر اس میں زرخیز وادیاں بھی ہیں اور معدنی پیداوار عمدہ ہوتا ہے۔ سنگ مرمر یہاں اس افراط سے ہوتا ہے کہ "لیوسیا روڈ" پر جس قدر چھوٹے بڑے پل ہیں ان کی دیواریں سنگ مرمر ہی کی ہیں۔ اس کے دریا سیو اور ڈرایو دونوں قابل جہازرانی ہیں۔ ایک اور چھوٹا سا دریا ہے جس سے ۳۴ پن چکیاں چلتی ہیں۔ کروشیا کے اکثر حصہ میں ہوائیں اس قدر تیز و تند چلتی ہیں کہ زمین کی گرد تک اُڑا کر لے جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے ان زمینوں پر زراعت نہیں ہو سکتی۔ البتہ محفوظ وادیوں میں کچھ زراعت ہوتی ہے۔ بعض علاقوں کے کاشتکار آلو کی زراعت کے لئے قانوناً مجبور ہیں۔ بعض علاقوں میں کاشتکاروں سے پچیس پچیس میوہ دار درخت ہر سال لگوائے جاتے ہیں۔ جس کی خلاف ورزی کے لئے ۲۵ ضرب چوب کی سزا مقرر ہے۔ اسی سبب سے یہاں کے پھل مشہور ہیں۔ آبادی بہت گنجان ہے جنگلات میں عمدہ لکڑی ہے۔ مگر بہت کم کام میں لائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ دریاؤں کا رخ ایسا واقع ہوا ہے کہ ان کے ذریعے سے لکڑی کارخانجات جہازسازی

تک نہیں پہنچائی جاسکتی ✦

کیرولینا اور ریڈوویکا کے علاوہ یہاں ایک اور سڑک ہے جسکا نام "جوسفینارڈ" ہے۔ یہ تینوں سڑکیں انجنیری کی فتح کا دلچسپ نمونہ ہیں۔ یہاں بھیڑیوں کی بڑی کثرت ہے۔ اور مویشیوں وغیرہ کی خاص طور پر حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ کروشیا کا صدر مقام اگرام دریائے سیو پر واقع ہے۔ کروشیا کے باشندے مخلوط نسل کے ہیں۔ مگر زیادہ تر سلاو ہیں ✦

سلیوونیا چوتھا صوبہ ہے۔ مگر کل رقبہ میں پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔ جو دریائے سیو اور ڈریو کے متوازی چلے گئے ہیں۔ سیو بلغراد پر جاکر دریائے ڈینیوب میں گرتا ہے۔ اور وہیں سلیوونیا کی حد ختم ہوکر سرویا کا علاقہ شروع ہوجاتا ہے جو کسی زمانہ میں روس کے "چھوٹے دوستوں" میں سے تھا۔ باشندے سلیوونیا کے اکثر سلاو۔ ترکوں کے عروج کے زمانہ میں جہاں کہیں ترکوں کی سرحد آسٹرین سرحد سے ملتی تھی وہیں آسٹریا کی جانب سے کچھ زمین حد فاصل قرار دی جاتی تھی اور اسے "فوجی سرحد" کہتے تھے۔ یہ "فوجی سرحد" بحیرہ ایڈریاٹک سے روسی سرحد تک چلی گئی تھی اور سلیوونیا کا اکثر حصہ اس میں آگیا تھا۔ مگر اب وہ پھر سلیوونیا میں شامل ہوگیا ہے۔ کیونکہ اب ترکی اور آسٹرین علاقوں کے مابین روس کے "چھوٹے دوست" سرویا۔ رومانیا اور بلغاریا حائل ہوگئے ہیں۔ فوجی سرحد کے کل باشندے زراعت پیشہ ہوتے تھے اور بجائے لگان کے کاشتکار فوجی خدمت انجام دیتے تھے۔ یہ لگان بڑی سختی سے لگایا جاتا تھا۔ یعنی ہر متنفس کو فوجی خدمت انجام دینی ہوتی تھی۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر فوجی چوکیاں تھیں۔ اور پاسبانی کے مینار بنے ہوئے تھے۔ تاکہ فوراً خطرہ کی اطلاع دے سکیں۔ ان فوجی سرحدوں کا انتظام بھی فوجی افسروں کے سپرد ہوتا تھا۔ آبادیوں کا "رجمنٹ" تھا۔ جیسے "پیٹروارڈن کی رجمنٹ" "وزیٹک کی رجمنٹ" وغیرہ وغیرہ۔ رات کے وقت سنتری ایک دوسرے سے اتنے فاصلے پر کھڑے کئے جاتے تھے کہ ایک چلاکر بولے تو دوسرا سن لے۔ رات کے وقت کوئی آدمی سرحد کے قریب چل پھر نہ سکتا تھا۔ نہ سنتری اپنی جگہ سے ہل سکتا تھا۔ یہ

انتظام امن اور جنگ دونوں زمانوں میں قائم رہتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں کی کس قدر ہیبت چھائی ہوئی تھی۔ کوہ کارپیتھین کے سلسلہ نے ہنگری (مع ٹرانسلوینیا) کے اکثر حصہ کے لئے نہایت مستحکم سرحد قائم کر دی ہے۔ پہاڑ کی چوٹیاں نہایت بلند ہیں۔ اور یہ خوبی ہے کہ اندر (ہنگری) کی جانب ڈھلوان اور باہر کی طرف سے عمودی ہیں۔ اس نے ہنگری کے لئے اپنی حفاظت بہت کچھ آسان کر دی ہے۔ ۹ سو میل کے طول میں صرف ۱۱ مقام ایسے ہیں جہاں سے گزر سکتے ہیں اور یہ درے جو قدرتی طور پر پہلے ہی سے مضبوط تھے اب مصنوعی طور پر اور بھی زیادہ مستحکم کر دئے گئے ہیں۔ خوفناک ترک انہی دروں سے گزر کر حملہ آور ہوا کرتے تھے مگر اب توپوں کے ذریعے سے انہیں ناقابل گزر بنا دیا گیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے پہاڑوں کا یہ سلسلہ دور تک نہیں گیا۔ ورنہ اس وقت آسٹریا ہنگری کو روس و جرمنی سے مطلق خطرہ نہ ہوتا۔ ممکن ہے کہ ہنگری کا بلغراد اور سالونیکا پر قبضہ ہو جائے تو پھر بحیرہ ایجین اور بحیرہ ایڈریاٹک کے ساحلی سلسلے کو بھی آسٹریا ہنگری اپنے تحت میں کر لے +

خاتمہ۔ اگر آسٹریا کے ابتدائی شہنشاہ اپنی قوت کو جنوب مشرقی یورپ ہی کے مقبوضات پر مجتمع رکھتے تو آسٹریا کی سلطنت غالباً اب سے بہت زیادہ قوی ہوتی۔ لیکن بجائے اس کے وہ یورپ کے دیگر متفرق مقبوضات کی دُھن میں پڑ کر اپنی قوت کو فرانس کے ساتھ مقابلہ میں زائل کرتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نپولین سے لڑنے کے لئے انہیں مجبور ہونا پڑا +

آسٹریا ہنگری کی حالت ابھی قابل اطمینان نہیں ہے۔ آسٹریا اور ہنگری کے مابین اتحاد کو موجودہ شہنشاہ فرانسس جوزف نے اگرچہ بہت مستحکم کر رکھا ہے لیکن ظاہر ہے کہ فرانسس جوزف نوجوان آدمی نہیں ہے۔ آسٹریا ہنگری نہ صرف خود متضاد عناصر سے مرکب ہے۔ بلکہ حدود پر بھی اس کا مختلف قوتوں کے پڑوسیوں سے سابقہ ہے۔ اور یہ دونوں علامتیں ضعف کی ہیں۔ آسٹریا کے پڑوسی ہیں:۔ اٹلی۔ سوئٹزرلینڈ۔ جرمنی۔ روس۔ اور دو روس کے چھوٹے دوست رومانیا

اور سرویا - اور کچھ حصہ ٹرکی خاص کا - اگرچہ ان میں سے اکثر خود ایسے کمزور ہیں کہ آسٹریا پر حملہ نہیں کر سکتے لیکن دوسری بڑی طاقتیں اگر چاہیں تو انہیں اپنے ساتھ ملا سکتی ہیں - آسٹریا کے مختلف علاقوں خصوصاً ہنگری میں آزاد ہونے کا خیال بڑھتا جاتا ہے - اور ان سب پر طرہ یہ کہ اتحاد ثلثہ میں آسٹریا بھی شامل ہوگئی ہے بجائیکہ یہ اتحاد اٹلی کے لئے مہلک ثابت ہو چکا ہے - یہ اتحاد صرف جرمنی کے لئے مفید ہے - اور آسٹریا کے لئے ذرا بھی مفید نہیں ہے - جس کا ثبوت یہ ہے کہ جرمنی نے خفیہ طور پر روس سے جدا بھی اتحاد کر رکھا ہے - تعجب ہے کہ آسٹرین وزرا اس اتحاد کے لئے کیسے آمادہ ہوگئے - کیونکہ جرمنی نے دراصل روس کے حملہ کے خوف سے آسٹریا کو اپنے ساتھ شامل کیا ہے - حالانکہ روس و جرمنی کے مابین جنگ ہونے کی صورت میں گویا آسٹریا کی عمر بڑھ جاتی - آسٹریا روس کے چھوٹے دوستوں میں سے بعض کو ہضم کرکے بحیرہ ایجین تک پہنچ سکتی ہے - اور اس نے بوسینیا اور ہرزی گوبنیا میں چونکہ اعلےٰ درجے کا کام کیا ہے - اس سے ممکن ہے کہ اُسے بحیرہ ایجین تک پہنچنے میں آسانی ہو - اگر آسٹریا کے پاس بلغراد ہو (جو چار بڑے دریاؤں یعنی سیو - ڈریو - ڈینیوب اور تھیس کے مقام اجتماع کے قریب واقع ہے) اور اس کو ہنگری سے سالونیکا تک کے علاقہ کا صدر مقام بنا دیا جاے تو نہایت موزوں ہوگا - سالونیکا اور ٹریسٹ دو اور بندرگاہ آسٹریا کے پاس ہوجائینگے - وادی موراوا اور وادی وارڈر سے ریل گزر جائیگی - اور کوہ بلقان کے اندر سے زمین دوز راہ نکال دی جائیگی - مگر بلغراد کے صدر مقام ہونے سے ویانا کی عظمت ضرور گھٹ جائیگی - اس کے لئے جنگ کرنی پڑے تو نقصان جان و مال بہت زیادہ نہ ہوگا - لیکن باوجود اس کے اصل سلطنت کے ساتھ ان علاقوں کا اتحاد غیر ممکن ہے - کیونکہ اس قسم کے اتحاد کے عناصر ہی مفقود ہیں ⁂

کفایت شعاری

مسٹر سائکس کی سودمند نصیحت رائگاں نہیں گئی۔ یکے بعد دیگرے تمام انسٹی ٹیوشنوں نے اس تجویز پر عملدرآمد شروع کر دیا۔ یارک شائر کے کاریگروں کی تمام بڑی بڑی انجمنوں کے متعلق تھوڑے ہی عرصہ میں آزمائشی سیونگ بنک کھل گئے۔ ہڈرس فیلڈ۔ ہیلی فکس۔ بریڈ فرڈ۔ لیڈز اور یارک میں جو بنک قائم ہوئے تھے۔ ان میں ہر طرح سے امید افزا کامیابی ہوئی۔ ہیلی فکس میں جو پینی بنک کھلے تھے۔ ان میں ایک بڑا اور سب کا صدر تھا اور سات اس کے ماتحت تھے۔ اس کے ممبروں کی ہر سال تعداد بڑھتی رہی۔ اور جمع شدہ رقوم کا اوسط بھی بڑھتا گیا۔ بریڈ فرڈ میں چودہ پینی بنک قائم ہوئے تھے۔ "جب لوگ چھوٹے چھوٹے بنکوں میں روپیہ جمع کرنے کے عادی ہو گئے۔ تو انکا حساب سیونگ بنکوں میں منتقل ہو گیا۔ خاص گلاسگو اور قرب وجوار میں چھتیس پینی بنک کھلے تھے۔ کاریگروں کی انجمنوں کی کمیٹی نے اپنی سالانہ رپورٹ میں بیان کیا۔ یہ بنک" ان ادنے ادنے رقوم کے اندھا دھند خرچ کا انسداد کرنے کے واسطے کھولے گئے ہیں۔ جس سے اسراف بیجا۔ تضیع زر اور ناعاقبت اندیشی کی عادت راسخ ہو جاتی ہے"۔ کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں اس بات پر بھی بڑا زور دیا کہ پینی بنکوں کی فیض رسانی کو وسیع کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کی ہر طرح سے سرپرستی اور دستگیری کی جائے۔ جو پینی بنک قصبہ فارن ہم میں قائم کیا گیا تھا۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس کے ڈیڑھ سو باقاعدہ روپیہ جمع کرنے والوں کا حساب مقامی سیونگ بنک میں منتقل کیا گیا۔ جمع شدہ روپیہ کا دو تہائی حصہ سال کے اندر اندر نکال لیا جاتا ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پینی بنک میں زیادہ تر چھوٹی چھوٹی رقمیں حفاظت کے خیال سے جمع کرائی جاتی ہیں۔ اور جب خاص ضرورت مثلاً کرایہ مکان۔ کپڑے۔ سامان خانہ داری۔ ڈاکٹر کی فیس پیش آتی ہے تو نکالی جاتی ہیں۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ پینی بنک غربا کی ہمسائی کے کام دیتے ہیں۔ جہاں

ان کا روپیہ بحفاظت جمع رہتا ہے۔ بہت سے آدمی جو رقوم جمع کرتے ہیں۔ وہ بالعموم چھ پنس (چھ آنے) سے زائد نہیں ہوتی ہیں۔ اور اوسطاً ایک شلنگ ہوتی ہیں۔ جمع کرنے والے زیادہ تر محنت مزدوری کرنے والے طبقہ سے ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے کثیر تعداد ایسی ہے جو اپنی کمائی کسی بنک میں جمع کرنے کی عادی نہیں ہوتی۔ پادری کلارک صاحب متوطن ڈربی نے جو ان مفید انسٹی ٹیوشنوں کی توسیع میں گہری دلچسپی لیتے تھے بیان کیا ہے۔ کہ ڈربی کے پینی بنک میں جو روپیہ جمع ہے اس کا دسواں حصہ پیسوں پر مشتمل تھا۔ اور باقی ماندہ تین پینی اور چار پینی سکوں میں تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پینی بنک سے ایسے لوگ مستفید ہوتے ہیں جن کی آمدنی بہت محدود ہوتی ہے۔ اور اعلےٰ اجرت پانے والے کاریگروں سے انکی استطاعت بہت کمتر ہوتی ہے۔ اگر روپیہ ان کی جیب میں پڑا رہے تو وہ سب قریب کے شراب خانہ میں جا کر اڑا دیتے ہیں۔ جب قصبہ پٹنی میں ایک پینی بنک کھولا گیا اور اوّل سال کے آخر میں جمع شدہ روپیہ کا حساب کیا گیا تو ایک بورہ کش نے جو بنک کی منتظم کمیٹی کا ممبر تھا۔ کہا "اس کے معنی یہ ہیں کہ تیس ہزار پنٹ بٹر کے نہیں پئے گئے"۔

یارک شائر کے ایک پینی بنک میں ایک بڈھا جو پیرش کی خیرات حاصل کیا کرتا تھا۔ ادھنیاں جمع کیا کرتا تھا۔ جب کافی روپیہ ہو جاتا تو کوٹ وغیرہ خرید لیا کرتا۔ اور لوگ گھنٹے جن میں ہفتہ میں ایک مرتبہ چابی دی جاتی ہے۔ یا کوئی باجا خریدنے یا سیر کرنے کے لئے روپیہ جمع کیا کرتے تھے۔

پینی بنکوں کے سب سے زیادہ سرپرست لڑکے ہیں۔ اور ان کی یہ عادت بہت امید افزا ہے۔ کیونکہ لڑکوں ہی سے مرد بنتے ہیں۔ ہڈرس فیلڈ میں دیکھا گیا ہے کہ کارخانوں کے لڑکے اجرت پاتے ہی ٹولیاں باندھکر پینی بنکوں میں جاتے اور ادھنیاں یا اکنیاں جمع کراتے ہیں۔ جس کی تحریک یا تو رشک سے یا دوسروں کے نمونہ سے ہوتی ہے۔ یہ لڑکے مختلف اغراض کے لئے روپیہ جمع کرتے ہیں۔ بعض اوزار۔ کوئی جیبی گھڑی۔ اور کوئی مفید مطلب کتاب خریدنے کے واسطے جمع کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ شام کے وقت ایک لڑکا سیونگ بنک سے ڈیڑھ پونڈ (ساڑھے بائیں روپے) نکالنے کو گیا مگر پینی سیونگ

کا قاعدہ یہ ہے کہ بیس شلنگ سے زائد رقم نکالنے کے لئے ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دینا ضروری ہے۔ خزانچی نے عذر کیا۔" بات یہ ہے۔ میری ماں مکان کا کرایہ ادا نہیں کرسکتی اس لئے اسے میں ادا کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ جب تک میرے پاس کچھ جمع ہے وہ اسے دیا جائیگا؟" ایک اور نوجوان پینی بنک میں بیس پونڈ کی رقم نکالنے گیا۔ کیونکہ وہ اپنے بھائی کو جو فوج میں بھرتی ہوگیا تھا چھڑانا چاہتا تھا۔ لڑکے نے کہا" میرا بھائی فوج میں بھرتی ہوگیا ہے۔ میری ماں کو اس سے سخت رنج پہنچا ہے۔ اگر وہ واپس نہ آئے تو ماں دل شکستہ ہوکر مرجائیگی۔ اور میں یہ بات کسی طرح گوارا نہیں کرسکتا"۔

یہ انسٹی ٹیوشن مختلف طریقوں سے لوگوں کی دستگیری اور مدد کا وسیلہ ثابت ہوتے ہیں۔ اس سے نوجوان قرض سے محفوظ رہتے اور اپنی ضروریات بآسانی بہم پہنچاتے ہیں۔ اور جب کبھی کوئی سخت خانگی ضرورت پیش آتی ہے تو اُس وقت وہ اپنی فیاضی دکھانے کے قابل ہوجاتے ہیں۔ لاوارث بچوں کے اسکولوں میں یہ ایک قابل تعریف بات دیکھی جاتی ہے کہ انکے ساتھ ایک پینی بنک ملحق ہوتا ہے۔ تاکہ لڑکوں کو جُز رسی وغیرہ کی عادتیں سکھائی جائیں۔ جن کے وہ بدرجہ غایت محتاج ہوتے ہیں ایک سال کے اندر لاوارث بچوں کے اسکولوں کی انجمن کے طلبا نے ۸۸۰ پونڈ جمع کئے تھے۔ کل ۲۵۶۳۷ رقوم تھے۔ اگر لاوارث اور گرے پڑے بچوں کے اسکولوں کے طلبا اتنا روپیہ جمع کرتے ہیں۔ تو انگلستان کے بڑی اجرت پانے والے کاریگر کیا کچھ نہ کرسکینگے۔ عوام کے درمیان جزرسی کی عادت پیدا کرنے کے اعتبار سے پینی بنکوں کی یہ بھی بڑی خصوصیت ہے کہ جب لڑکے لڑکیاں ہر ہفتہ سیونگ بنکوں میں پینی جمع کرتی ہیں۔ تو ان کے والدین بھی ان کے نیک نمونہ سے متاثر ہوتے ہیں۔ ایک لڑکا ہفتوں تک پنس جمع کرتا رہتا ہے اور اپنی پاس بک اپنے گھر لیجاتا ہے کہ بنک کے حساب کے رجسٹروں میں ایک خاص کھاتہ اس کے لئے مخصوص ہے جہاں اس کے آنے باقاعدہ طور پر درج ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں تاریخ بھی درج ہوتی ہے۔ جمع شدہ روپیہ پر ڈھائی فیصدی کے حساب سے سود دیا جاتا ہے۔ جب چاہو روپیہ لے لو۔ بشرطیکہ بیس شلنگ سے زائد نہ ہو۔ اگر اس سے

زیادہ ہو تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر رقم واپس لی جا سکتی ہے۔

پاس بک ایک ننھی سی تاریخ ہے۔ جو لڑکے کے بھائی بہنوں اور نیز والدین کی دلچسپی متحرک کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہ اسے "سمجھدار لڑکا" خیال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ بڑا ہوشیار اور دُور اندیش ہے۔ اگر اس کا باپ کوئی فہمیدہ اور دانا آدمی ہے۔ تو وہ طبعاً خیال کریگا کہ اگر میرا لڑکا ایسا قابل تعریف کام کر سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ میں نہ کر سکوں؟ چنانچہ ہفتہ کے روز اُجرت بٹنے پر جب اس کا بیٹا بنک میں تین آنہ جمع کرنے کو جاتا ہے تو باپ ایک شلنگ جمع کریگا۔

اسی طرح ایک نیک عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر اسے قائم رکھا جائے۔ تو تھوڑے ہی عرصہ میں گھر بار پر بہت نیک اثر پیدا ہوتا ہے۔ سمجھدار ماں ایسی عمدہ عادت کا نیک اثر جو گھر میں ہوتا ہے۔ فوراً پہچان لیتی ہے۔ اور جب چھوٹے بچے بڑے ہو کر کمانا شروع کرتے ہیں۔ تو وہ انہیں اپنے بڑے بھائی کے نمونہ کی تقلید کی تاکید کرتی ہے۔ بعض مرتبہ وہ خود انگلی پکڑ کر انہیں پینی بنک میں لے جاتی ہے۔ اور ان کا روپیہ جمع کرا دیتی ہے۔ ایسی باتوں میں عورتوں کا اثر مردوں سے زیادہ دیرپا ہوتا ہے۔ اور جہاں وہ اپنے اثر سے کام لیتی ہیں۔ وہاں استمراری فائدہ ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ شام کے وقت ایک ہٹا کٹا لوہار بریڈ فرڈ کے سیونگ بنک میں گیا۔ اس کے ساتھ تین بچے بھی تھے۔ ایک کو اُس نے گود میں اُٹھا رکھا تھا۔ اُس نے بچوں کے حساب کی کتابیں کھڑکی کے دروازے پر رکھ دیں۔ اور دس شلنگ بھی رکھ دئے جو ان تینوں کے نام سے جمع ہوتے تھے اس سے پیشتر اس کی بیوی یہ کام انجام دیا کرتی تھی۔ گود لئے ہوئے بچہ کو چھاتی سے لگا کر کہا "ان بیچاروں کی ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ جو کچھ مجھ سے ہو سکتا ہے۔ میں ان کے واسطے کرونگا" اس کے بعد جب بنک میں روپیہ جمع کرنے کو آتا۔ تو ان بچوں کو اپنے ساتھ لایا کرتا تھا۔

انگریزی زبان میں یہ ایک پرانی ضرب المثل ہے "جو آدمی خوشحال ہونا چاہتا ہے۔ اسے پہلے اپنی بیوی سے درخواست کرنی چاہئے"۔ صرف یہی

نہیں کہ بیوی اپنے شوہر کی فارغ البالی میں کوئی رُکاوٹ نہ پیدا کرے۔ بلکہ یہ کہ خود اس کی دستگیری کر کے اسے خوشحال بنائے۔ درحقیقت "حقیقی مددگار" اور مونس وغمخوار نہیں ہو سکتی۔ جو خانگی آسائش کے لئے اسی قدر ضروری ہے جسقدر اس آدمی کے لئے جو خاندان کی پرورش کا ذمہ اٹھاتا ہے۔ عورت اُس اخلاقی کرۂ ہوا کی اعلےٰ ہستی ہے جس میں آدمی بچپن سے رہتا سہتا اور نشوونما پاتا ہے۔ اُس زندگی پر اس کا بہت ہی گہرا اثر پڑتا ہے جو عالم شباب میں بسر کی جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عنان مرد کے ہاتھ میں ہوتی ہے مگر عورت ہی اسے یہ بتاتی ہے۔ کہ کس طرف اس کا رُخ ہونا چاہیئے۔ فرانس کے مشہور فلاسفر کا یہ مقولہ صحیح معلوم ہوتا ہے "مرد کو جیسا عورت بناتی ہے۔ وہ بن جاتا ہے"۔

تھوڑے عرصے کا ذکر ہے کہ مسٹر سائکس نے ایک خوش پوش کاریگر کو درجۂ دوم میں سفر کرتے دیکھا۔ جو تعطیلات کے دوران میں شفیلڈ سے گلاسگو اپنی ماں سے ملنے جا رہا تھا۔ مسٹر سائکس نے کہا "میں یہ دیکھکر خوش ہوں کہ آپ ایسے مقصد سے اتنی دور جا رہے ہیں"۔ کاریگر نے کہا "میں بھی خوش قسمتی سے اس قابل ہوں کہ اتنا لمبا سفر اختیار کرنے کی استطاعت رکھتا ہوں"۔ مسٹر سائکس نے بدل کر کہا۔ "جو کاریگر آپ کے ساتھ کارخانہ میں کام کرتے ہیں ان میں سے کیا بہت سے ایسے ہیں جو روپیہ بچاتے ہیں"۔ کاریگر "نہیں جناب! فیصدی دو ایسے آدمی ہونگے جو سیونگ بنک میں روپیہ جمع کرتے ہیں۔ کاریگر اپنا روپیہ شراب خانوں میں اُڑاتے ہیں"۔ مسٹر سائکس "آپ کب سے روپیہ بچانے لگے ہیں"؟ کاریگر نے ایک ننھے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا "جب میں اُس بچہ کی برابر تھا۔ سب سے پہلے میں نے پینی بنک میں روپیہ جمع کرنا شروع کیا تھا۔ اور اُس وقت سے برابر جمع کرتا چلا آیا ہوں"۔

تاریخ بابل

شادی و موت کی رسوم

کمب سیس کے عہد کے پانچویں سال ایک عورت سپترہ کے سورج دیوتا کے مندر کے مہنت کے پاس گئی۔ اور اپنے تین لڑکے اس کے سپرد کئے۔ تاکہ وہ "راہبوں کی برادری" میں شامل ہوں۔ اُس نے کہا۔ میرے بیٹے بچپن سے ہمارے ساتھ رہتے چلے آتے ہیں۔ اور اس وقت تک اس برادری میں شامل نہیں ہوتے ہیں +

"خانہ مرومان" جیساکہ بابلی اسوری زبان میں پکارا جاتا تھا۔ ایک قسم کے راہبوں کی برادری تھی۔ جو بابل کے بڑے بڑے مندروں سے متعلق ہوتی تھی جو ایک قسم کا مٹھ سمجھا جاتا تھا۔ اس کا سرگروہ اور محافظ ایک مہنت ہوتا تھا۔ جسے لوگ ہر مہینے غلہ اور اشیاے خوردنی بہم پہنچایا کرتے تھے۔ جس سے وہ اپنا اور اپنے چیلوں کا پیٹ پالتا تھا۔ اس مٹھ کے لوگ مجرد رہتے تھے۔ وہاں عورتوں کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ اور نہ وہ مندروں کی پوجا میں شامل ہو سکتی تھیں۔ دھرم سالہ کا تمام خرچ کچھ تو زکوٰۃ اور چڑھاوے سے اور کچھ اوقاف اور دھرم ارتھ سے ادا کیا جاتا تھا۔ جو مندروں اور دھرم سالاؤں کے واسطے مخصوص کر دیا جاتا تھا۔ اس کی کیفیت پڑھکر ہمیں وہ مٹھ یاد آتا ہے جہاں حضرت دانیال مع اپنے رفقا کے ایک مہنت کے زیر نگرانی رکھے گئے تھے۔ اور شاہی محلوں سے ان کے لئے کھانا وغیرہ آیا کرتا تھا +

نام کرن سنسکار (عقیقہ) اہل بابل اور اسوریہ کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اچھا اور بُرا نام بچہ کی قسمت پر نیک یا بد اثر ڈالتا ہے۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ نام کی تبدیلی کا سوانح زندگی پر بہت اثر پڑتا ہے۔ جب سن حریب نے اپنا جانشین مقرر کرنے کا قصد کیا۔ تو اپنے چھوٹے پیارے بیٹے کا نام "آسر مدون" سے "آسراطل مکین ابلہ" یعنی آسر خداوند میرے بیٹے کا محافظ" میں تبدیل کر دیا۔

پیدا ہونے کے بعد ہی بچہ کا نام "آسپ" یعنی بنی کے سامنے رکھدیا جاتا تھا۔ اہل بابل ختنہ کے بھی پابند تھے۔ اس لئے گمان غالب ہے کہ ختنہ اور نام کرن سنسکار ایک ساتھ ہوتے تھے۔
اولاد نہ ہونے کی حالت میں کسی کا لڑکا یا لڑکی گود میں لی جاتی تھی جو سن بلوغت کو پہنچ کر خاندانی جائداد کا مالک و وارث بن جایا کرتا تھا۔

جولڑکا متبنےٰ بنتا تھا۔ اس کے لئے ضرور تھا کہ وہ متبنےٰ بنانے والے کے ہاتھ اٹھائے۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ وہ اس کے خاندان کا ممبر بن گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم نہایت قدیم زمانہ سے مروج ہوگی۔ اصولاً بابل بیل مردک دیوتا کی الٰہی حکومت کے زیر نگین سمجھا جاتا تھا۔ جب کوئی آدمی تخت نشین ہوتا تھا۔ تو اسے دیوتا کی مورتی کے ہاتھ پکڑنے پڑتے تھے۔ اس طرح وہ دیوتا مذکور کا متبنےٰ بن جاتا تھا۔ اور لوگ بھی اسے جائز دعویدار تخت سمجھتے تھے۔

ایک عجیب قسم کی دستاویز دستیاب ہوئی ہے۔ جس سے متبنےٰ بنانے اور انتقال جائداد کے گہرے تعلق پر روشنی پڑتی ہے۔ اس میں لکھا ہے ایک شخص نے ایک بیوہ سے شادی کی۔ جب کوئی اولاد نہ ہوئی تو اپنے سوتیلے بیٹے کو متبنےٰ بنانا چاہا۔ مگر اس کے باپ نے اپنی وصیت سے ایک رکاوٹ حائل کردی۔ اس نے قرار دیا۔ میری جائداد کا وہی شخص وارث ہو سکتا ہے۔ جو میرے بیٹے کا حقیقی لڑکا ہو۔ اگر اس کا اپنا بیٹا نہ ہو تو یہ جائداد میرے دوسرے بیٹے کے نام منتقل ہوگی۔ اگر وہ لاولد مرجائے۔ تو اسکی بہن اس کی وارث ہوگی۔ کسی حالت میں متبنےٰ اس کا مالک نہیں ہو سکتا۔ اس شخص کو ان شرائط پر قائم رہنا پڑا۔ اس دستاویز سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اہل بابل کو اپنی جائداد پر ہماری طرح پورا پورا اختیار حاصل تھا۔ جس طرح چاہتے وصیت کر سکتے تھے۔ مردہ ارتھی پر ڈال کر قبرستان میں پہنچایا جاتا تھا۔ اس کے پسماندگان اور عزیز اسکے پیچھے پیچھے روتے جاتے تھے۔ قبرستان عموماً شہر کے باہر ہوا کرتا تھا۔ جو بجائے خود ایک شہر تھا۔ نعش سرکنڈوں کی چٹائی میں لپیٹ کر زمین پر رکھدی جاتی تھی۔ اس پر کافی رال ڈالی جاتی۔ متوفی کے کپڑے اور زیور اور آرائش کی چیزیں بھی نعش کو پہنا دی جاتی تھیں۔ اس پر مٹی کی تہ اور پھر کھجور گندے بروزہ کے پتے اور صندل کی لکڑی رکھی جاتی تھی۔ پھر نعش کو آگ دی جاتی۔

ں سے سب کچھ جل کر بھسم ہو جاتا - یہ ان کا بہت ہی پرانا دستور تھا - مابعد کے زمانہ میں ینٹوں کی بھٹیاں تیار کی گئی تھیں جن کے اندر مٹی اور سرکنڈوں کا تابوت رکھدیا جاتا تھا - لیکن لاش اچھی طرح جلنے نہیں پاتی تھی - اس وقت مچھلی - پرندے - بھیڑ - بچھڑے اور کھجوروں کی بھینٹ بھی چڑھائی جاتی تھی - جو آگ کے ساتھ جل جایا کرتی تھی - اس کے بعد ہڈیاں یا تو وہیں پڑی رہا کرتی تھیں - یا جمع کر کے مرتبانوں اور صراحیوں میں ڈال دی جاتی تھیں - اور وہاں مقبرہ بنا دیا جاتا تھا - اور جب لاش صرف آدھی جلائی جاتی تھی تو بھی وہاں پر مقبرہ تعمیر ہو جاتا تھا ✤

اہل بابل کا یہ عقیدہ تھا کہ عالم ارواح میں بھی روح پرورش کی محتاج رہتی ہے - اس لئے مقبرہ کے اندر مٹی کے مرتبان میں کھجوریں - اناج - تیل اور شراب بھر کر رکھدی جاتی تھی - مقبروں کے درمیان پانی کے چشمے بنا دئے جاتے تھے - تاکہ مُردوں کی ارواح تازہ اور میٹھا پانی پی کر اپنی پیاس بجھالیں - زمانۂ قدیم بعید کی روایات سے عیاں ہے کہ پاتال کی ارواح کے تخت کے نیچے "چشمۂ حیات" بہتا تھا - خالص پانی تمام دینی رسوم میں لابدی سمجھا گیا تھا ✤

متوفین کی تکفین بڑے کر و فر سے ہوا کرتی تھی - قبرستان میں ان کے لئے خاص محل بنائے جاتے تھے - اور اسکے اندر ان کی لاشیں رکھی جاتی تھیں - انکے اندر انکے خویش و اقارب کے لاشے بھی رکھے جاتے تھے - پانی کی نہر ان کے اندر بھرتی تھی - اسلیے خوردنی بڑے تکلف اور بہتات سے متوفی کی روح کے واسطے رکھی جاتی تھیں - بعض وقت متوفی کا نام اور اسکے کارنامے ایک کتبہ پر کندہ کر کے اسکی قبر پر لگا دئے جاتے تھے - اور بعض وقت اس کا بت مقبرہ پر کھڑا کر دیا جاتا تھا - شاہی خاندان ہی کے واسطے یہ رعایت حاصل تھی کہ اسکے مردے شہر کے اندر گاڑے جاتے تھے - کسی ایک شاہی محل کے اندر ان کی نعش جلائی جاتی یا گاڑ دی جاتی تھی - ایک بادشاہ کا ذکر ہے کہ وہ سارگون کے محل میں جلایا گیا تھا - اور دوسرا اپنے ہی محل کے اندر مدفون ہوا تھا - یہ استحقاق صرف بادشاہوں ہی کو حاصل تھا - کہ وہ انہی محلوں میں جہاں وہ بود و باش رکھتے تھے - گاڑے جاتے تھے ✤

صرافہ اور ساہوکارہ وغیرہ

پیدائش کی کتاب میں شہر نینوہ کے ایک حصہ کا ذکر آیا۔ جو اسکے شمال مشرقی جانب میں واقع تھا۔ اور وہ صرافہ کا بازار تھا۔ ملک بابل اور اسوریہ کے ایک ایک شہر میں صرافہ ہوتا تھا۔ جہاں اہل شہر اور اہل تجارت لین دین خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ اسکے ساتھ ہی منڈی ہوا کرتی تھی جہاں ہر قسم کی اشیا فروخت ہوتی یا خریدی جاتی تھیں۔ تجارتی اشیا پر محصول لیا جاتا تھا۔ چنگی خانے شہر کے دروازوں پر ہوا کرتے تھے۔ جیسے آجکل دیکھا جاتا ہے۔ ان چیزوں پر مالک کو محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ بائع کے لئے یہ رعایت تھی کہ وہ چیز خریدنے کے دس دن بعد قیمت ادا کرے۔ اگر اس میں ادا نہ ہوتی تو اسے بیس فیصدی سود دینا پڑتا تھا +

مانگ و بہم رسانی بہتات یا قلت پر چیزوں کی قیمت موقوف ہوا کرتی تھی بنوکدنضر کے عہد سلطنت کے چوبیسویں سال میں موٹا تازہ بیل جو سپرہ کے سورج دیوتا کے مندر کے واسطے درکار ہوتا تھا۔ تیرہ شکل (تیس روپے) کو فروخت ہوا کرتا تھا کیمبسیس کے زمانے میں اسکی قیمت ساڑھے بائیس روپے تھی۔ اور ایک مرتبہ آٹھ بھیڑیں اکتیس روپے میں فروخت ہوئی تھیں۔ اسی بادشاہ کے عہد حکومت میں خاکستری رنگت کے گدھے ایک سو بارہ روپے کو فروخت ہوا کرتے تھے۔ اور ادنے قسم کے گدھے تیس تیس روپے کو فروخت ہوتے تھے۔ اسکے مقابلے میں یہ امر تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے کہ تانبے کی طشتریاں اور پیالے ساڑھے پانچ سو روپے میں فروخت ہوتے تھے۔ اسی زمانہ میں ایک عمدہ گھر مع ایک قطعہ اراضی کے چھ سو روپے میں آجاتا تھا۔ اسی قسم کے عمدہ ہوادار کشادہ مکانات کا کرایہ جن کے قرب میں پانی کا معقول انتظام ہوتا تھا ایک منہ (۱۳۵ روپے کے برابر) ماہوار ہوتا تھا۔ کاریگروں کو معقول اجرت دی جاتی تھی مگر مصالح مالک بہم پہنچایا کرتا تھا۔ اوزاروں کی ساخت کی بھی معقول اجرت دی جایا کرتی تھی +

بعض مرتبہ معماروں کو پل وغیرہ بنانے کا ٹھیکہ دیا جاتا تھا۔ مصالح اور دیگر

زردی سامان ٹھیکہ دار کو خود بہم پہنچانے پڑتے تھے مالک صرف زرنقد دیدیا کرتا تھا۔
یونیدس (۵۵۲ قبل مسیح) کی سلطنت کے پہلے سال میں ایک کشتی کو چمڑے سے
منڈھنے کے لئے ایک منہ (۱۳۵ روپے) خرچ ہوتا تھا۔ اسی بادشاہ کے چوتھے سال
ایک گدھے کی قیمت ایک منہ تھی۔ اور اسکے ایک سال بعد اچھے بیل کی قیمت ایک منہ
اور سات شکل تھی +

شرابوں کی قیمت مختلف ہوتی تھی۔ نئی شراب کے دو پیپے گیارہ شکل میں آتے
تھے۔ اور گھٹیا شراب کے پانچ پیپے دس شکل کو فروخت ہوتے تھے۔ شرابیں زیادہ تر
ملک آرمینیا اور شام سے آیا کرتی تھیں۔ لبنان کی شراب بڑی قیمتی سمجھی جاتی تھی ہلبان
کی شراب بنوکد نصر کے زمانہ میں بہت اعلےٰ تصور ہوتی تھی۔ پارچات نسبتاً ارزاں
تھے۔ بنوکد نصر کے زمانہ میں کوہستان میں پہننے کے لبادے ساڑھے چار چار شکل میں
فروخت ہوتے تھے۔ نبونیدس کے زمانے میں درزی بھی ہوتے تھے جو خلعت شاہی
تیار کرتے تھے۔ انہیں سرکار سے باقاعدہ مشاہرہ ملتا تھا +

غلّہ بہت سستا تھا۔ کمبسیس کے زمانہ میں دو ارتاب [۱۰ کوارٹ ذیتی پاؤ
کے برابر] غلّہ ساڑھے چھ شکل میں فروخت ہوتا تھا۔ قدیم زمانہ کے یونانی تین پاؤ
اناج روزانہ ایک آدمی کے لئے کافی سمجھتے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے
کہ بابل میں ڈھائی آنے روزانہ میں بآسانی ایک آدمی گزارہ کرسکتا تھا +

نبونیدس کے زمانہ میں چھ گر (پانچ ارتاب = ۷۵ سیر) تیل پر ایک منہ
خرچ ہوتا تھا۔ بنوکد نصر کی سلطنت کے ساتویں سال ۱½ ارتاب کھجوروں پر صرف
ایک شکل (دو روپے کے قریب) خرچ ہوتا تھا۔ اسی بادشاہ کے عہد کے اڑتیسویں
سال اس کی قیمت بہت گھٹ گئی تھی +

قیمتوں کا اندازہ غلّہ اور کھجوروں سے کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اہل بابل ان دونوں
چیزوں کے سب سے زیادہ شائق تھے۔ زرنقد کی بجائے جنس دی جاتی تھی۔
پجاریوں اور مہنتوں کو زکوٰۃ میں اناج دیا جاتا تھا۔ کمبسیس کی سلطنت کے اوّل
سال بیل کی قیمت ڈیڑھ سو گر دی جاتی تھی۔ بابل کے مندروں کے متعلقہ باغات

کے مالیوں کو تنخواہ میں کھجوریں ملتی تھیں۔ دارا کی سلطنت کے انیسویں سال ۱۸۰ گز کھجوروں کی قیمت ایک منہ اور پینتیس شکل دی جاتی تھی ×

مچھلی خواہ سمندری ہو یا دریائی۔ نہری ہو یا تالابی۔ عام طور پر کھائی جاتی تھی۔ جو غالباً بہت ارزاں اور بکثرت ہوگی۔ دیوتاؤں کو جو چیزیں چڑھائی جاتی تھیں۔ ان میں مچھلیاں بھی شامل تھیں۔ نمکین مچھلی بہت کھائی جاتی تھی۔ جیسا کہ ایتھنز پایہ تخت یونان میں مستعمل ہوا کرتی تھی ×

بازاروں میں ہر دو جانب دوکانیں ہوا کرتی تھیں۔ جہاں عورتیں اکثر خرید و فروخت کرتی تھیں۔ کیونکہ وہ عموماً دوکانوں میں شریک ہوتی تھیں۔ شرکت کا کاروبار بہت ہوتا تھا۔ حصہ دار مساوی رقوم سرمایہ لگایا کرتے۔ اور جو منافع ہوتا تھا۔ اسے برابر برابر آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ اگر کوئی آدمی زیادہ سرمایہ لگاتا تو اسے نقصان یا نفع بھی اس نسبت سے زیادہ ملتا ×

خاوند کی عدم موجودگی میں بیوی کاروبار بھگتایا کرتی تھی۔ خواہ بالکل اپنا ہو یا شرکت کا ہو۔ مؤخر الذکر حالت میں جب تک شوہر واپس نہ آجاتا بیوی کام چلاتی رہتی۔ اور اگر وہ مرگیا ہو تو جب تک اس کا جی چاہتا تن تنہا یا ساجھے کا بیوپار کیا کرتی تھی ×

روپے پیسے اور مکانات کے علاوہ اور اور معاملات میں بھی ساجھا ہو سکتا تھا۔ مثلاً شراب۔ کھجور۔ پرچ پیالے۔ بھیڑ بکری وغیرہ کے بیوپار میں دو یا زیادہ آدمی شریک ہو جاتے تھے۔ شاہی خاندان کے لوگ بنج بیوپار کرنے میں اپنی کسر شان نہیں سمجھتے تھے اور نہ اسے اپنی رسوائی اور ذلت کا موجب خیال کرتے تھے۔ معاہدہ کی دستاویزوں میں نبونیدس کے بیٹے بلشاذر کا نام اکثر پایا جاتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی تجارتی کاروبار میں شریک ہوتا تھا۔ گو وہ تمام معاملہ اپنے گماشتہ کے وسیلے سے کیا کرتا تھا اور کبھی کبھی اپنے سیکرٹری کی معرفت بھی بھگتایا کرتا۔ اون کی خرید و فروخت اس کا خاص بیوپار تھا۔ معاہدہ کی لوح سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تخت و تاج کے مالک کو اپنے حکمران والد کی ادنےٰ رعایا کی طرح تمام قانونی کارروائی کرنی پڑتی تھی۔ کاغذ ضابطہ کی صورت میں لکھا گیا۔ اور اس پر گواہوں کے دستخط ثبت ہوئے اور اس کی قاضی کے ہاتھ سے تصدیق

بھی کرائی گئی تھی۔ ایسے تو اعد اور ضوابط سے اہل بابل کی معاملہ فہمی پر بہت گہری روشنی
پڑتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شاہی اختیارات پر کیسے قیود عائد کئے گئے تھے +
ساہوکارہ ایک وسیع پیمانہ پر ہوتا تھا۔ بخت نصر اور اس کے جانشینوں کے زمانہ
میں شرح سود بیس فیصدی تھی جو ہر مہینے ادا کیا جاتا تھا۔ بعض حالتوں میں شرح سود ۱۳ ½
فی صدی لی جاتی تھی۔ قحط کے ایام میں نیک دل اور محب وطن ساہوکار سود بالکل معاف
کر دیا کرتے تھے۔ اگر سود مقررہ میعاد کے اندر اندر ادا نہ کیا جاتا تو اس پر بھی سود لگایا
جاتا۔ جبتک کہ وہ رقم ادا نہ ہو جاتی +
نینوہ میں تغلت پلیسر سوم اور سن چرب کے زمانے میں شرح سود بہت مختلف
تھی۔ ایک شخص نے چھ منہ اور دس شکل پر چار چند شرح سے سود لیا تھا۔ اسوریہ میں شاہی
سکہ کے علاوہ ہٹاشٹ قوم کا سکہ بھی تجارتی کاروبار میں مستعل ہوتا تھا +
دھات کی قیمت کا اندازہ وزن سے ہوتا تھا۔ خواہ سونا ہو یا چاندی۔ کانسہ ہو
یا پیتل۔ اس کے کچھ عرصہ بعد بابل والوں نے سکہ بنایا۔ دھات کا وزن ڈلے پر
لکھدیا جاتا تھا +
معاہدہ کی لوحوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بابل ایک بڑا تجارتی مرکز تھا۔
اور لین دین وسیع پیمانے پر ہوتا تھا۔ اس وقت کی معلومہ دنیا کے ہر حصہ کی اشیاء وہاں
پہنچتی تھیں۔ اور وہاں سے غلہ۔ کھجور اور تاڑ کی شراب اور اور ملکوں کو جاتی۔ غریب گروہ
کو جزیہ میں زر نقد دینا پڑتا تھا۔ کیونکہ سب پر عائد تھا۔ ساہوکارہ بہت رونق پر تھا کئی قسم
کے ٹیکس ایسے بھی تھے کہ ان کے لئے جنس دی جاتی تھی۔ باجگزار ریاستوں کا خراج۔ بڑے
بڑے شہروں اور اضلاع کی چوتھ جو ہر سال خزانۂ عامرہ میں داخل ہوا کرتی تھی نقد ادا کرنی پڑتی
تھی۔ یہ چوتھ بابل اور اسوریہ کے ہر ضلع سے وصول ہوا کرتی تھی۔ سن چرب کے زمانہ میں
نینوہ سے تیس توڑے چوتھ وصول ہوا کرتی تھی۔ اور کلاہ سے پانچ توڑے۔ اور قرچمنس
کو جو اہل ہٹاشٹ کا پرانا دارالخلافہ تھا سو توڑے ادا کرنے پڑتے تھے +
بابل میں اینٹوں کے بھٹوں پر بھی ٹیکس تھا۔ خشت سازی یعنی عمارت کا مصالح
بنانے کی سرکار سے اجازت لینی پڑتی تھی۔ یہ بھی اغلب ہے کہ مالکان جائداد کو شاہی

گھتے میں ہر سال اناج داخل کرنا پڑتا تھا۔ یہ گھتے ہر شہر میں ہوتے تھے۔ وہاں سے دیوانی اور دینی مقاصد کے لئے غلہ نکال کر دیا جاتا تھا۔

معلوم نہیں ہوتا۔ آیا مکانات پر ٹیکس تھا یا نہیں۔ کسی وثیقہ اور دستاویز سے اس امر کی شہادت نہیں ملتی۔ مگر مکانات کے خرید و فروخت یا کرایہ پر دینے کے متعلقہ قوانین بہت جامع تھے۔ قابل فروخت مکان یا جائداد کی حالت اور حدود اربعہ کے متعلق جملہ امور کی تشریح اور تفصیل مذکور تھی۔ کرایہ دار کے لئے یہ شرط تھی کہ وہ مکان کو اسی حالت میں رکھے جس حالت میں اس نے مالک مکان سے لیا تھا۔ خلاف ورزی کرنے والے کو جرمانہ کیا جاتا تھا۔ مکان کی قیمت اس کے عرض و طول۔ بلندی اور ساخت و خوبی پر موقوف تھی۔ کرایہ سہ ماہی اور ششماہی اقساط میں ادا کیا جاتا تھا۔ مرمت وغیرہ کرایہ دار کو کرانی پڑتی تھی۔ شرائط معاہدہ کی عدم تعمیل میں دس گنا جرمانہ کیا جاتا تھا۔ مکانات کے متعلق جو قواعد اسوریہ میں مروج تھے۔ وہی بابل میں بھی تھے۔ وثیقہ کی صوبہ دار کے سامنے باضابطہ تصدیق کی جاتی تھی۔ گواہوں کے دستخط ہوتے تھے۔ مشتری اور بائع کے انگوٹھے کے نشان کرائے جاتے تھے۔ اور تمام باقاعدہ کارروائی کی جاتی تھی۔ بابل میں تعلیم کا چرچا عام ہونے کی وجہ سے معاہدہ کنندگان اپنے دستخط اور مہر لگایا کرتے تھے۔ غیر ملکیوں کو اسوریہ میں جائداد خریدنے اور سرکاری عہدے حاصل کرنے کی کوئی ممانعت نہ تھی۔ مکانات وغیرہ بعض وقت ایجنٹوں کے ذریعے سے بھی خریدے جاتے تھے۔ بعض مرتبہ بیوی کے نام سے زمین اور مکانات خرید لئے جاتے تھے۔ کیونکہ قرضخواہ کی دست برد سے بیوی کی جائداد محفوظ رہتی تھی۔

برلن کے ایک ڈاکٹر کروسی نامی نے ایک ایسی دوا ایجاد کی ہے جسے اگر پچکاری کے ذریعے سے انسان کے جسم میں داخل کر دیا جائے تو اس پر سانپ کے کاٹے کا زہر اثر نہیں کرتا۔ چاہے سانپ کسی قسم کا ہو۔

ترقی

گزشتہ آٹھ سال کے عرصہ میں جو خدمت اس رسالہ نے کی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ سائنس۔ تاریخ۔ اخلاق اور تمدن کے متعلق مضامین اوراق ترقی میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ جو اب کتابی صورت میں فروخت ہو رہے ہیں۔ اور پبلک اُن سے فائدہ اُٹھا رہی ہے۔ ہم اپنے احباب کی عنایت اور قدردانی کے تہ دل سے ممنون و مشکور ہیں۔ اور دل و جان سے معترف ہیں کہ اگر اُن کا سایۂ عاطفت اُس کے سر پر نہ ہوتا تو ترقی ذرا بھی ترقی نہ کر سکتا۔ اور اب بھی وہ اُن کی نظر عنایت کا اُسی طرح محتاج ہے جس طرح کہ پہلے تھا۔ اُمید ہے کہ جو اُس کے بہی خواہ ہیں وہ اپنی امداد سے اُس کا حوصلہ بڑھاتے رہینگے۔ سال آیندہ کے لئے ذیل کا پروگرام تجویز کیا گیا ہے +

ترقی یعنی علمی حصہ کا پروگرام ۱۹۰۹ء کے لئے

مضامین مسلسل۔ کفایت شعاری۔ یہ مضمون ۱۹۰۹ء میں جاری رہیگا +

آئیون ہو۔ سروالٹر سکاٹ کا یہ مشہور ناول جو بعض اشخاص کی رائے میں سکاٹ کے تمام ناولوں میں بے نظیر سمجھا جاتا ہے۔ ۱۹۰۹ء میں ضرور خاتمہ کو پہنچ جاویگا +

اہل کیمیا اور اُنکے عجائبات۔ اس مضمون کے سلسلہ میں علم کیمیا کے اُن ماہروں کا ذکر کیا جائیگا جو اپنی تحقیقات اور تجربوں کے وسیلے ساری دُنیا کو اپنا ممنون احسان بنا گئے ہیں +

کاغذ کا پہلا موجد کون تھا؟ کم عمر طالب علموں کے لئے یہ انوکھا مضمون نہایت ہی مفید ثابت ہوگا +

مرقع حب انسانی۔ یعنی اُن بہادروں کی زندگی کا بیان جنہوں نے اپنے ابنای جنس

۸۹۱

کی بہبودی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا مصنف مشہور بلیکی +

طالبان حق - فیر صاحب کی مشہور کتاب سیکرز آفٹر گاڈ کا ترجمہ +

ماسوائے ان مسلسل مضامین کے اخلاقی مضامین بھی شائع ہوتے رہینگے - جن کے مطالعہ سے ہر عمر اور ہر قوم اور ہر مذہب کے پیرو برابر فائدہ اٹھائینگے +

متفرق مضامین یعنی اخلاقی - علمی - اور لٹریری مضامین فائدہ عام کے لئے درج کئے جائینگے +

مسیحی تجلی یا مذہبی حصہ

ناظرین پر روشن ہو کہ یہ مذہبی حصہ آیندہ سال سے مسیحی تجلی کہلائیگا۔ حسب معمول مذہب اور مذہب کے فلسفہ پر معقول اور دوستانہ بحث کا بازار گرم رہیگا + چراغ دین کے سلسلے سے نور حق کی کرنیں بدستور دل و دماغ کو روشن کرتی رہینگی - علاوہ بریں اُن اصحاب کی خاطر جو فلسفانہ بحث کی نسبت روحانی مضامین کو زیادہ پسند کرتے ہیں دو ایک مضامین ڈیووشنل صورت کے بھی شائع کئے جائینگے - کلیسیا اور کلیسیا کی مشنری خدمات کی خبریں بھی درج کی جائینگی +

۱۹۰۹ء کے لئے ذیل کا پروگرام پیش کیا جاتا ہے :-

مسلسل مضامین :- بائیبل کی اصل اور خاصیت - یہ کتاب مشہور پروفیسر مرقس ڈاڈز کے اُن درسوں کا ترجمہ ہے جو اُنہوں نے امریکہ میں دئے تھے کینن آف سکرپچر مکاشفہ - الہام - کلام الہٰی کا منزہ عن الخطا ہونا - نوشتوں کی معتبری - انجیلوں میں معجزانہ عنصر وغیرہ نادر مضامین پر نہایت عالمانہ طور پر بحث کی گئی ہے +

حیات پولوس - ڈاکٹر سٹاکر صاحب کی تصنیف نہایت دلچسپ صورت میں - اس سحر بیان مصنف نے پولوس رسول کے سوانح عمری قلمبند کئے ہیں +

خدا اور دُنیا کے متعلق مسیحی مذہب کی تعلیم - یہ کتاب قابل پروفیسر آر کی کتاب "دی کرسچن ویو آف گاڈ اینڈ دی ورلڈ" The Christian View of God and the World سے [illegible]

مصنف نے بڑی خوبی اور روشن اسلوب کے ساتھ اس کام کو انجام دیا ہے۔ جو انوکھے علم فلسفہ زرتشت سے دور کر گئے ہیں۔ ساتھ ہی مصنف نے یہ کام کیا ہے کہ تاریخی کتابیں تشکیک کی جگہ نہیں آتی۔

اے مشن آف دی سپرٹ (A mission of the spirit)
یہ لندن کے روحانی مزاج بشپ ونگرم صاحب کے ان مواعظ کا مجموعہ ہے جن میں روحانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔

متفرق مضامین ہندوستانی کلیسیا کی موجودہ ضروریات کے متعلق شائع ہوا کرینگے اور نیز قدیم کلیسیا کے دلچسپ سین ہدیۂ ناظرین کئے جائینگے۔

ہندوستانی کلیسیا کی شوشل اور مشنری تحریک اصول کے مطابق درج کی جائینگی اور کلیسیا کے مختلف پہلو کمال ہمدردی اور نیک نیتی سے نقادانہ نظر سے گزرینگے۔

این۔ ایم۔ ایس اور وائی۔ ایم۔ سی۔ اے اور بائیبل سوسائٹی کے نیک کام کے متعلق بھی کئی مضامین صفحات مسیحی تجلی کو زینت دیتے رہینگے۔

ہندو اور محمدی مذہب پر چراغ دین کے سلسلہ میں منصفانہ اور دوستانہ صورت سے بحث ہوتی رہیگی۔

قابل توجہ ایڈیٹر صاحبان اخبارات و رسالجات

جملہ ایڈیٹر صاحبان کی خدمت میں التماس ہے کہ رسالہ ترقی کے تبادلے کے اخبارات و رسالجات و کتب برائے ریویو و مضامین بغرض اندراج رسالہ آئندہ پادری طالب الدین صاحب بی۔ اے ایڈیٹر [illegible] مشن [illegible] کے نام ارسال فرمایا کریں۔

توجہ طلب اشتہار

ہم شروع ہی میں ناظرین کو مطلع کر چکے ہیں کہ جنوری ۱۹۰۹ء سے "مسیحی" اور "تجلی" بذریعہ الحاق ایک میگزین بن جائینگے اور یہ الحاق ان کے نئے نام "مسیحی تجلی" سے ظاہر ہوگا۔ اس کے متعلق چند ایک ہدایتوں کی ضرورت ہے جو ذیل میں درج ہیں:-

(۱) **مضامین** "مسیحی تجلی" کے لئے پادری طالب الدین صاحب بی اے (اے۔ پی چرچ نولکھا لاہور) کے نام بھیجے جائیں۔ مضامین کے متعلق جو کچھ لکھنا یا کتابوں پر ریویو کروانا منظور ہو تو اس کے متعلق مذکورۃ الصدر پادری صاحب کو مخاطب کرنا چاہیئے۔

(۲) **ترسیل زر** اور میگزین کے منگوانے یا بند کرنے۔ یا اڈریس کے تبدیل کروانے کے متعلق جو کچھ لکھنا منظور ہو وہ پادری جے علی بخش صاحب (سی۔ ایم۔ ایس۔ مہاں سنگھ کا باغ لاہور) کو لکھا جاوے۔ اگر اس ہدایت کی پیروی نہ کرنے پر کسی صاحب کو جواب نہ ملے تو وہ شکایت نہ کرے۔

(۳) **مسیحی اور تجلی** کے تبادلے میں جو اخبارات اور میگزین اب بھیجے جاتے ہیں وہ آیندہ سال سے پادری طالب الدین صاحب بی اے (اے۔ پی چرچ نولکھا لاہور) ایڈیٹر "مسیحی تجلی" کے نام بھیجے جاویں۔ اُمید ہے کہ سب ایڈیٹر صاحبان جو اپنے نامی اخبارات و رسالہ جات روانہ فرما رہے ہیں۔ اس عرض کو یاد رکھینگے۔

(۴) **مسیحی تجلی** کے متعلق سیکرٹری صاحب پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور کو خط و کتابت سے تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔

(۵) نئے میگزین کا پہلا پرچہ جنوری ۱۹۰۹ء کے آخر میں ویلیو پے ایبل کے وسیلے ارسال خدمت کیا جائیگا۔

فہرستِ کتب جدید

مشرق کی نابود شدہ تہذیب - جس میں قدیمی اقوام مثل فنیکی - ایرانی - عرب - بابل وغیرہ کے حالات درج ہیں - قیمت ۶ر

قدما کی حکمت - جس میں لارڈ بیکن نے یونانیوں و رومیوں کے علم الاصنام میں سے مسائل حکمت نکالنے کی کوشش کی ہے - قیمت ۶ر

او ٹوپیا - جس میں ایک خیالی قوم کی طرز معاشرت و اصول حکمت وغیرہ ایک ناول کے پیرائے میں ایک فلاسفر نے اپنے خیال ظاہر کئے ہیں - قیمت ۶ر

آویس - رومی قیصروں کے عہد کا دلچسپ فسانہ - قیمت ۸ر

آنے والی قوم - نہایت دلچسپ علمی ناول ہے - قیمت ۸ر

علوم طبعیہ کی تاریخ - اٹھارھویں صدی کے آخر تک جس میں تمام تجربات - دریافتوں اور علمی ایجادوں کا مفصل حال درج ہے - قیمت ۱۰ر

علوم طبعیہ کی تاریخ - انیسویں صدی میں - قیمت ۸ر

طلسم - سر والٹر اسکاٹ کے مشہور ناول طلسمان کا ترجمہ جس میں صلیبی لڑائیوں کے نہایت دلچسپ حالات ناول کے طرز پر بیان ہوتے ہیں - قیمت ۱۲ر

مکالمات افلاطون - جس میں افلاطون کے چار مکالمات تمام و کمال یونانی سے ترجمہ کئے گئے ہیں اور اردو میں پہلی دفعہ شائع ہوتے ہیں - قیمت ۱۰ر

تسخیر پنجاب - جس میں پنجاب کے انگریزوں کے قبضے میں آنے کا حال بطور ناول کے بیان کیا گیا ہے - نہایت دلچسپ ہے - قیمت ۸ر

ڈاکٹر جیکل و میاں حمید - یہ ایک آدمی تھا - لیکن دو جسم رکھتا تھا - قیمت ۶ر

جان ہیلیفکس جنٹلمین - ایک نہایت دلچسپ انگریزی فسانہ ہے جس میں ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہیں کہ کس طرح وہ ادنےٰ حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی سے ترقی کر کے دولتمند ہوگیا - نوجوانوں کے لئے نہایت مفید اور ابھارنے والا ہے - جلد اول ۱۲ر

نوجوانوں کا رہنما - اس کتاب میں کم عمری کی شادی اور زناشوئی کے تعلقات اور جوانی کی بیہودگیوں اور غلط کاریوں کا جن سے جوانوں کی صحت جسمانی اور قوائے عقلی خراب ہو جاتے ہیں مرقع کھینچ کر ان سے بچنے کی تدابیر و ہدایات درج کی گئی ہیں۔ نہایت مفید کتاب ہے - قیمت ۱۲/ +

درخواستیں بنام سکرٹری صاحب پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور آنی چاہئیں

ممیرے کا سرمہ

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کیمیکل اگزامنر صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

معزز انگریزوں میڈیکل کالج کے پروفیسروں نامور ڈاکٹروں والیان ریاست اور ولایت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ یورپین ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض ذیل کے لئے اکسیر ہے۔ ضعف بصارت۔ تاریکی چشم - دھند - جالا - پڑوال - غبار - پھولا - سبل - سرخی - ابتدائی موتیابند - ناخنہ - پانی جانا - خارش وغیرہ - معزز ڈاکٹر اور حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھوں کے مریضوں پر اس سرمہ کا استعمال کرتے ہیں - چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کی بھی حاجت نہیں رہتی - بچے سے لیکر بوڑھے تک یہ سرمہ یکساں مفید ہے - قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ عام و خاص اس سرمہ سے فائدہ اٹھا سکیں - قیمت فی تولہ جو سال بھر کے لئے کافی ہے دو روپیہ (عـہ) ممیرے کا سفید سرمہ اعلیٰ قسم فی تولہ مبلغ تین روپے خالص ممیرہ فی ماشہ بیس روپے - مصری سرمہ فی تولہ ۸/ - خرچ ڈاک ذمہ خریدار - درخواست کے وقت اخبار کا حوالہ ضرور دیں +

المشتہر پروفیسر میا سنگھ اہلو والیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب

اس سے بڑھکر اور کیا معتبر شہادت ہو سکتی ہے :-

میں نے ممیرے کا سرمہ جو سردار میا سنگھ نے تیار کیا ہے ان مریضوں پر کہ جنکی آنکھیں بہت کمزور اور بیمار تھیں استعمال کر کے دیکھا مفید پایا - میری رائے میں خاص کر ان مریضوں کے واسطے جنکی آنکھوں سے پانی جاری رہتا ہے اور دھند اور غبار - کمزوری نظر ہو یہ سرمہ نہایت ہی مفید ہے +

- راقم ڈاکٹر برج لعل گھوس رائے بہادر ایل - ایم - ایس - اسسٹنٹ سرجن و پروفیسر میڈیکل کالج لاہور - حال آنریری سرجن گورنر جنرل ہند +

فیض بخش سٹیم پریس فیروز پور شہر میں سکرٹری صاحب پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور کے لئے چھاپا گیا +

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۴۵

[illegible]

ترقی

ایک علمی اخلاقی تمدنی ادبی مجلسی تاریخی اور صنعتی

مضامین کا ماہوار رسالہ

قیمت سالانہ دو روپیہ آٹھ آنہ مع محصولڈاک پیشگی یا بذریعہ ویلیو ایبل

نمبر ۱	لاہور جنوری ۱۹۰۹ء	جلد ۴

فہرست مضامین

(اسٹیم کاتب)

ترقی کی فیاضی
یعنی جیب گھڑیوں کا انعام

ذرا سے کام سے بے دام۔ بے زحمت اور بے الزام انعام ملتا ہے۔ واقعی خریداروں کے لئے ایک مژدہ ہے۔ ہاتھوں ہاتھ لینے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اور وہ کام بھی جسکے صلہ میں گھڑیاں پریزنٹ کی جائینگی بہت مشکل نہیں ہے۔ ذرا سی کوشش درکار ہے۔ چھ نئے خریداروں کے نام اور ان کا سالانہ چندہ روانہ کردو اور گھڑی جیب میں ڈال کر رفتار زمانہ کے ڈھنگ سے فائدہ اُٹھاؤ۔ اور گھڑیاں بھی کیا ہیں سونے کی ڈبیاں ہیں۔ اگر کوئی زیور زیب تن کا باعث ہو سکتا ہے تو وہ زیور یہ گھڑیاں ہیں۔ سونے کا پانی پھرا ہوا ہے۔ گارنٹی کی ہوئی ہے۔ امریکہ کے سب سے لائق گھڑی ساز کو آرڈر جا چکا ہے۔ چند دن میں آجائینگی۔ جو پہلے آئے وہی پائے کا ز ہے۔ دیر نہ کرو۔ چھ نئے خریداروں کے نام مع زرچندہ روانہ کردو اور گھڑی فوراً لے لو۔ اس ہاتھ دو اور اُس ہاتھ لو کا سودا ہے۔ یکم جنوری ۱۹۰۹ء کے بعد جو نام بھیجے جائینگے۔ اُن کے لئے یہ انعام دیا جائیگا۔ مفت ہے مفت۔ لے لو۔

ترقی

لاہور بابت ماہ جنوری ۱۹۰۶ء

ایڈیٹوریل نوٹس | ناظرین ترقی کو نیا سال مبارک ہو۔ ترقی اپنی مفید زندگی کے [illegible] سال [illegible] [illegible] کے دوران میں جو خدمات زبان اُردو کے متعلق انجام دی ہیں [illegible] بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ معزز ناظرین اور علم دوست حضرات ان سے بخوبی [illegible] ہیں۔ ترقی اپنے ان قدر دانوں کی دستگیری اور سرپرستی کا کمال درجہ احسانمند ہے جن کی ہمدردی اور امداد کی بدولت وہ علم و فنون کی خدمتگذاری کے قابل ہوا ہے۔ [illegible] میدان ترقی میں سب سے آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ آپ کی حوصلہ افزائی کا محتاج ہے۔ آپ [illegible] سکتا ہے کہ آپ اس کا ہاتھ بٹائیں۔ اپنے احباب کو اس کی سرپرستی پر آمادہ کیجئے بڑا احسان ہو گا۔

۱۹۰۵ء حسب معمول اپنی تھوڑی سی زندگی کا ایک سال بسر کرکے اُدھر [illegible] گیا جدھر اس کے ہزاروں ہم قبیل راہی رواں ہو چکے ہیں۔ بیچارہ پیدائش ہی کے دن سے [illegible] چکر میں مبتلا رہا۔ انقلاب معمول زمانہ ہے۔ اور اس کا اس وسعت سے ہر جگہ رواج ہے کہ کسی [illegible] حکومت سے محفوظ نہیں ہے۔ ۱۹۰۵ء کی مختصر زندگی میں جو واقعات پیش آئے [illegible] نہیں [illegible] تاریخ [illegible] زمانہ مستقبل کا مورخ اپنی مرضی کے مطابق [illegible] [illegible] صرف سرسری نظر ڈالنے پر اکتفا کی جائیگی۔ اس کی ذات سے جو واقعات [illegible] [illegible] [illegible] ملک [illegible]

[illegible]

علاوہ گورنمنٹ ہند و بنگال نے بھی علیحدہ علیحدہ بے شمار امداد ... لوگوں کی دستگیری امداد کی تکالیف کے رفع کرنے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بے حد مسرت و اطمینان ہے کہ انکی کوشش بار آور ہوئی۔

جنوبی ہند میں بعض ناگوار اسباب سے شور و شر برپا ہوا۔ جسکا صدر شہر ٹوٹی کورن تھا۔ کئی معززاور موقر لوگ گرفتار ہوئے۔ وسط سال میں بعض حصص میں ایک نئی آفت نے سر اٹھایا۔ جس سے ملک ہند صدیوں سے محض بیگانہ تھا یعنی انارکزم نمودار ہوئی۔ جو برسوں سے شاہان و حکام یورپ کی جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ رہی ہے۔ مگر کلکتہ میں انارکسٹوں کی سازش طشت از بام ہوئی جسکی کیفیت سنتے ہی ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سنسنی پھیل گئی۔ بم کے دھماکے ہر دوسرے چوتھے سننے جانے لگے۔

موسم برسات میں بارشوں کا وہ تار بندھا کہ الاماں۔ چھوٹے چھوٹے ندی نالے دریا بن گئے۔ اور دریاؤں کے پاٹ خوفناک وسعت اختیار کر گئے۔ اپنی گزرگاہوں سے نکل کر کوسوں بھٹک گئے اور کئی جگہ آفت ڈھائی۔ فصلیں تباہ۔ بستیاں ویران۔ اور اپنے قرب جوار کے علاقہ کی جغرافیائی صورت میں انقلاب پیدا کر دیا۔ ڈیرہ غازیخاں کا کچھ حصہ سندھ کا نوالہ ہو گیا۔ حیدرآباد (دکن) کو رود موسیٰ نگل گیا۔ ہزاروں جانیں ہلاک ہوئیں اور کروڑوں روپے پر پانی پھر گیا۔

یکم نومبر کو سلطنت انگلشیہ کی پچاس سالہ حکومت کی تقریب میں ملک معظم ایڈورڈ ہفتم قیصر ہند نے ایک شاہی اعلان بنام والیان ریاست و رعایائے ہند نافذ فرمایا جس میں حضور ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے اعلان ۱۸۵۸ء کے تمام وعدوں کی تصدیق اور تائید مزید فرمائی اور ملکی اصلاحات اور نیابتی اصول حکومت کو رواج دینے کا وعدہ فرمایا۔ سپاہ ہند کی وفاداری جانثاری اور خدمات حسنہ کا موزوں انداز سے اعتراف فرماتے ہوئے ان کے مشاہرہ کے اضافہ کا اعلان فرمایا۔ (جنوری کے شروع سے دیسی فوج کے مشاہرہ میں حسب حیثیت ... اضافہ ہو گیا ہے)

اس ملک کی تاریخ انتظام میں جو آئندہ زمانہ میں خاص ... سے ... ہو گا ...

اصلاحات کی اسکیم ہے۔ جس کا اعلان لارڈ جان مارلے (بلیک برن) وزیر ہند نے ۱۷ دسمبر ۱۹۰۸ء کو ہوس آف لارڈز (دارالامرا) میں فرمایا تھا۔ اور اُنکی مراسلت انگلستان اور ہندوستان میں ایک ساتھ شائع ہوئی۔ ترقی کے ناظرین اس وقت تک اس اسکیم کے تمام پہلوؤں سے واقف ہوگئے ہونگے۔ لیکن جن حضرات کو موقع نہ ملا ہو۔ ان کی آگاہی کے لیے ہم نہایت اختصار سے اس کی چند خصوصیتوں کا ذکر کرتے ہیں (۱) پراونشل لیجسلیٹو کونسلوں میں غیر سرکاری ممبروں کی تعداد حسب خواہش ہوگی (۲) غیر سرکاری ممبروں کو کونسلوں میں یہ اختیار حاصل ہوگا کہ جس معاملہ پر چاہیں ایک ریزولیوشن پیش کرکے اس پر بحث کریں اور گورنمنٹ کو اس کی طرف متوجہ کریں۔ ضمنی سوالات پوچھے جائینگے۔ مگر اسکی منظوری یا استرداد گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہوگی۔ بجٹ (تخمینہ جات آمد و خرچ) میں ترمیمات پیش ہوسکینگی۔ (۳) وائسرائے اور گورنروں کی ایگزکٹو کونسلوں میں ایک ایک ہندوستانی بھی مقرر کیا جائیگا۔ لارڈ مارلے بنگال۔ صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ۔ پنجاب وغیرہ میں بھی ایگزکٹو کونسلیں قائم کرنے کے خواہشمند ہیں۔ ان میں بھی ایک ایک ہندوستانی بھرتی کیا جائیگا۔ (۴) لوکل سلیف گورنمنٹ۔ گورنمنٹ ہند اور لارڈ مارلے مقامی انتظام (میونسپل کمیٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ اور لوکل بورڈ وغیرہ) تمامتر ہندوستانیوں کے سپرد کردینا چاہتے ہیں (۵) ممبروں کا انتخاب آبادی کے تناسب پر ہوگا۔ چھوٹے چھوٹے گروہوں اور فرقوں کے فواید کی نگہداشت کا لحاظ کیا گیا ہے (۶) والیان ریاست کی ایک امپیریل کونسل کے قیام کا حضور وائسرائے کو وزیر ہند نے اختیار دیدیا ہے جسے وہ حسب ضرورت قائم کرسکتے ہیں۔ مراسلت کے مطالعہ سے عیاں ہے کہ لارڈ مارلے اور لارڈ منٹو انتظامی اصلاحات کے صدق دل سے خواہاں ہیں اور اہنائے ملک کو انتظام حکومت میں شریک کرنے کی سچی خواہش رکھتے ہیں ؂

اہل ہند کو گورنمنٹ ہند اور نیز حضور ملک معظم کی گورنمنٹ کا ان مراعات کے لیے تہ دل سے مشکور ہونا چاہیے۔ ایک خاص حد تک تعلیم یافتہ گروہ کے مطالبات پورے ہوگئے ہیں۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ نامور و مقتدر لیڈروں اور اخبارات نے اصلاحات کی اسکیم پر اطمینان ظاہر کیا ہے۔ بعض ایسے بزرگ اور باریک نظر حضرات

اخبارات بھی ہیں۔ جو ان مراعات کے حصول سے بہت خوش نہیں ہیں۔ مگر کثرت رائے مطمئن ہے اور گورنمنٹ کی شکرگزار ہے۔ مسلمانوں کی یہ شکایت ہے کہ ان کی پولیٹیکل اہمیت و حیثیت کے اعتبار سے نیابت کافی نہیں ہے۔ اس لئے وہ گورنمنٹ کے پاس عرضداشت بھیجنے اور اپنے لئے خاص رعایتوں کی درخواست کرنا چاہتے ہیں ہندو آبادی کا حصۂ کثیر خوش ہے۔ اہل بنگال کہتے ہیں۔ کہ جن انتظامی اصلاحات میں تقسیم بنگال کی ترمیم یا تنسیخ نہ ہو۔ وہ عام طور پر تسلی بخش نہیں ہو سکتیں +

۱۹۰۸ء کے واقعات خارجی میں سب سے مشہور پرامن انقلاب ترکی ہے۔ سلطان نے اپنی رعایا کو آئینی حکومت عطا کر دی۔ حالانکہ اور متمدن قوموں نے خون بہا کر پارلیمنٹری حکومت حاصل کی تھی۔ مگر ترکوں نے ملکی و قومی حریت ایسے گراں داموں پر حاصل نہیں کی ہے۔ سابق شاہ ایران کی بخشی ہوئی آزادی اور آئینی حکومت اسکے جانشین بیٹے اور ترقی کے مخالف امرا نے واپس چھین لی ہے۔ جس پر خانہ جنگیوں کی گرم بازاری ہو گئی حامیان اصلاح کبھی زیر اور کبھی زبر رہتے ہیں۔ شاہ اور رعایا کی ہنوز رسا کشی جاری ہے۔ دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے + ۱۹۰۸ء کے دوران میں جتنے آدمی ملک عدم کو روانہ ہوئے۔ ان میں چین کی کہنہ سال شہنشاہ بیگم اور نام نہاد شہنشاہ بھی ہیں۔ ایک خُرد سال لڑکا تخت نشین ہوا ہے۔ اور اس کا ایک سربراہ مقرر ہوا ہے۔ اندیشہ کیا جاتا ہے کہ شہنشاہ بیگم کی ملکی اصلاحات کبھی عملی صورت اختیار نہیں کرینگی +

۱۹۰۸ء چلتے چلتے یورپ میں ایک عجیب بم پھینک گیا۔ جو ملک اٹلی کے جنوب میں پھٹا یعنی آواخر دسمبر میں جزیرہ نما کلیبریا میں ایک نہایت ہولناک زلزلہ آیا۔ جس سے بہت سا اتلاف نفوس اور سخت نقصان مال و متاع ہوا۔ تازہ ترین اندازہ یہ ہے کہ دو لاکھ جانیں برباد ہوئیں۔ شہر مسینا کا ستیاناس ہو گیا۔ دو ایک اور شہر بھی بالکل برباد ہو گئے ہیں۔ جہاں زلزلہ کے صدمے خوفناک قوت کے ساتھ محسوس ہوئے۔ وہاں تختۂ زمین کی صورت بدل گئی ہے۔ جابجا شق الارض ہو گیا ہے۔ یورپ اور امریکہ نے زلزلہ زدگان کی دستگیری میں کمال عالی حوصلگی اور فیاضی سے کام لیا ہے

دسمبر کا آخری ہفتہ "قومی ہفتہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس لئے کہ ہندوستان کی کانفرنسوں کے سالانہ جلسے منعقد ہوتے ہیں۔ جہاں دردمندان وطن جمع ہوکر اپنی اپنی فلاح کی تجاویز سوچتے ہیں۔ انڈین نیشنل کانگریس کا چوبیسواں سالانہ اجلاس مدراس میں منعقد ہوا۔ جس میں زیادہ تر اعتدال پسند لوگ جمع ہوئے۔ انتہا پسند لیڈر ادھر ادھر منتشر ہو گئے ہیں۔ بعض جیلخانوں میں ہیں۔ اجلاس بخیر و خوبی سے انجام کو پہنچا۔ سر آرتھر لالی گورنر صاحب مدراس نے کانگریس کے معاملات میں بہت دلچسپی ظاہر کی۔ اپنے خیمے ڈیلیگیٹوں کی رہائش کے لئے عنایت فرمائے۔ مقتدر لیڈروں کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ اور ان سے مختلف مسائل پر گفتگو کی۔ صاحب ممدوح کا طرز عمل واقعی قابل تعریف ہے۔ جو مغائرت انگریزوں اور ہندوستانیوں کے درمیان واقع ہوتی جاتی ہے وہ حکام کے اس قسم کے سلوک سے بہت جلد دُور ہو سکتی ہے۔ پریسیڈنٹ ڈاکٹر راش بہاری گھوش تھے جنہوں نے ایک فاضلانہ ایڈریس پڑھا جس پر انتہا پسند اخبارات چراغ پا ہو رہے ہیں۔ اور بڑی بے باکی سے پریسیڈنٹ صاحب کے خیالات پر تنقید کر رہے ہیں۔ سوشل کانفرنس۔ انڈسٹریل کانفرنس۔ تھیسٹک کانفرنس (مجلس موحدان)۔ ٹمپرنس کانفرنس وغیرہ اسی شہر میں منعقد ہوئی تھیں۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس شہر امرتسر میں منعقد ہوئے۔ جہاں مسلمانوں کی تعلیمی اور ملکی فلاح و بہبود کی تجاویز پر مسلمان لیڈروں نے بحث کی۔

سنہ ۱۹۰۸ء میں بعض ایسے واقعات پیش آئے۔ جو ہمارے نقصان اور پست ہمتی کے موجب ہوئے۔ اور بعض ایسے واقعات بھی وقوع پذیر ہوئے جن سے ہمیں فائدہ پہنچا۔ مگر ہم پوری اُمید رکھتے ہیں کہ سال رواں یعنی ۱۹۰۹ء میں ہم ناخوشگوار واقعات سے دوچار نہیں ہونگے اور ایسے امور ظہور پذیر ہونگے جن سے ہمارے ملک کو ہر طرح سے فائدہ پہنچیگا۔ جن ناخوشگوار واقعات کے ہم بلاواسطہ یا بالواسطہ موجب ہوئے ہیں۔ اُمید کی جاتی ہے کہ سال رواں میں ہم محترز رہینگے۔ اور اپنے وطن مبارک اور ہندوستان کے بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھینگے۔

مشاغل علمی حسب ذیل کتب ہمارے پاس ریویو کے لئے پہنچی ہیں۔ (۱) اصلاح اخلاق [illegible] (۲) اصلاح [illegible] صنعت اور دستکاری کی ترقی [illegible]

"افلاس ہند کے قابل علاج اسباب" اور "اصلاح حفظان صحت" اور تقطیع ۱۲۲ ہے۔ کاغذ کتابت اور چھپائی نہایت عمدہ ہے۔ قیمتیں بہت ہی تھوڑی ہیں۔ یہ رسالے جناب ڈاکٹر جان مرڈک صاحب کی تصنیف ہیں جن کا ترجمہ پہلی مرتبہ اردو زبان میں شائع کیا گیا ہے۔ صاحب ممدوح اہل ہند کے سچے دل سے خیر خواہ تھے۔ سیکڑوں چھوٹی چھوٹی کتابیں باشندگان ہندوستان کے فائدہ کے لئے تیار کی ہیں جو ہر مسئلہ ہر بحث اور ہر علم و فن سے متعلق ہیں اور ان کی قیمتیں بالکل برائے نام ہیں۔ وہ ہماری بہتری دل سے چاہتے تھے۔ ان دو رسالوں میں وہ مفید تجاویز سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ جن پر عملدرآمد کرنے سے ہماری بہبودی ممکن ہے۔ زبان شستہ اور عام فہم ہے۔ رسالجات زیر ریویو کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کن مسائل پر ہیں۔ ہماری رائے میں ان کا مطالعہ اردو داں پبلک کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔ مصنف نے اصلاح کے متعلق ایسے امور پیش کئے ہیں جو بہت سادہ اور ممکن العمل ہیں۔ ہم اپنے ناظرین سے بزور سفارش کرتے ہیں کہ وہ ان رسالوں کی ایک ایک کاپی ضرور خرید کر پڑھیں جن کے پڑھنے سے انہیں ہر قسم کا فائدہ پہنچنے کی امید کی جاتی ہے۔ سیکرٹری صاحب کرسچن لٹریچر سوسائٹی لدھیانہ سے مل سکتے ہیں۔

گلدستۂ مضامین مؤلفہ جناب مولوی عبداللہ خاں صاحب سابق سیکنڈ ماسٹر ماڈل سکول لاہور حال ممبر پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی۔ قیمت چار آنے فی جلد۔ تقطیع وہی جو سرکاری کتابوں کی ہے۔ یہ مضامین پرائمری اسکولوں کی پانچویں جماعت کے لئے ہیں۔ نثر و نظم کے کل ۵۲ مضامین ہیں۔ کئی جناب مولانا الطاف حسین صاحب حالی۔ جناب خان بہادر مولوی ذکاء اللہ۔ جناب مولانا نذیر احمد صاحب اور مولوی سید احمد صاحب مؤلف فرہنگ آصفیہ وغیرہم کے قلم سے نکلے ہیں جو اس امر پر دال ہیں کہ یہ مضامین اچھی بہت مفید ہیں جن کے پڑھنے سے پرائمری اسکولوں کے لڑکوں کو بہت فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔ ان کے اخلاق کی تعلیم اور صحت ہو سکتی ہے۔ زبان سادہ اور سلیس۔ کاغذ کتابت اور چھپائی بہت عمدہ ہے۔

حکایات عجیب۔ قیمت چار آنے۔ کاغذ کتابت اور چھپائی سائز گلدستۂ مضامین ہی ہے۔ اسکے مصنف بھی ماسٹر صاحب موصوف ہیں۔ حکایات بہت دلچسپ اور مفید ہیں۔ بچوں کے لئے بہت سود مند ثابت ہوگا۔

عجیب غریب لطیفے۔ پچاس کے قریب دلچسپ لطیفے روزمرہ کی سلیس زبان میں نہایت پسندیدہ پیرایہ میں لکھے گئے ہیں۔ بچوں کے دل بہلاؤ کا عمدہ مصالح ہے۔ قیمت ڈیڑھ آنہ۔ حساب کا قاعدہ۔ اس میں بچوں کو ایک سے لیکر سو تک گنتی لکھنے کا آسان ڈھنگ بتایا گیا ہے۔ نقشے اور شکلیں [illegible] [illegible] قیمت فی جلد [illegible] ماسٹر صاحب [illegible]

بہت اچھی ہے قیمتیں نہایت ہلکی ہیں ۹ مؤلف سے مل سکتی ہیں

تاریخِ بابل

غلامی اور زرعی مزدوری

اسوریہ اور بابل میں غلامی عام تھی۔ جیسا قدیم زمانے کی دنیا کا دستور تھا۔ آزاد اور غلام کے درمیان جو امتیاز و تفاوت تھا۔ اسے معلوم کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ ان کے درمیان بہت وسیع مغائرت تھی مگر مستقل نہ تھی۔ غلام آزادی حاصل کر کے کسی اعلیٰ سرکاری عہدے پر مامور ہو سکتا تھا۔ اور کوئی امر اس کے اعلیٰ ترین مرتبے پر پہنچنے میں مانع نہ تھا۔ مگر آقا اور غلام کے مابین نسل و رنگت کا وہ تفریق و تخالف نہ تھا جو امریکہ میں دیکھنے میں آیا تھا۔ ان کے خیالات۔ عقائد۔ مذہب اور تعلیم بھی بہت مختلف نہ تھی۔ غلام خاندان کا ایک ممبر تصور ہوتا تھا۔ جیسا بچہ سمجھا جاتا تھا۔

شروع ہی سے غلاموں کی حفاظت کے واسطے خاص قوانین نافذ ہوتے رہے ہیں۔ اکادی قانون کی رو سے غلام کی جان پر مالک کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا تھا۔ اگر آقا اپنے غلام کو مار ڈالے یا پیٹے۔ یا اسے لنگڑا کر دے یا کسی طرح سے اسکی صحت برباد کرے تو اسے ہر روز ایک پیمانہ اناج ستم رسیدہ غلام کو دینا پڑتا۔ اگر وہ زندہ ہوتا اسکے مرجانے کے بعد معلوم نہیں کس کو دیا جاتا تھا۔ اگر دوسرا آدمی غلام کو مار ڈالتا۔ تو اسے ایک سنہ نقرئی اس کے آقا کو دینا پڑتا تھا۔

مابعد میں غلام کو مقدمہ کرنے کا بھی حق دیا گیا تھا۔ نبوچیدس کے عہد سلطنت کے دسویں سال میں ایک غلام نے عدالت میں ایک مقدمہ دائر کیا۔ پانچ ججوں نے مل کر غلام اور اس کے آقا کے حق میں فیصلہ دیا۔ مدعا علیہ ایک تیسرا شخص تھا۔ غلام کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ وہ اپنے طور پر کوئی کام کر کے روپیہ پیدا کر لیتا۔ اور پھر اپنی آزادی حاصل کر لیتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو گرایہ پر دوسرے شخص کے حوالے کر سکتا تھا۔ غلام یا تو شاہی حکم سے یا زرِ نقد ادا کر کے یا اپنی غلطیت ثابت کر کے رہائی حاصل کرنے کا مجاز تھا۔ اگر کوئی

شخص اسے متبنے بنالیتا تو بھی وہ آزاد ہوجاتا تھا۔ اگر بادشاہ کسی غلام کو اپنا خادم بنالیتا یا غلام عورت کو حرم میں داخل کرلیتا۔ تو آقا اپنے غلام کی خدمات سے محروم ہوجایا کرتا تھا۔ شاہی خدمت سپرد ہونے سے غلام کو کچھ اختیار بھی مل جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس رتبہ کے حصول کی سب خواہش و تمنا رکھتے تھے۔ بسا اوقات غلام فروخت کرنے کے وقت اپنی بیوی بچوں سے بھی علیحدہ ہوجایا کرتا تھا۔ کبھی ایسا اتفاق بھی ہوتا تھا۔ کہ میاں بیوی ایک ہی آقا کے ہاتھ بک جاتے تھے۔ اکادی قانون میں یہ بھی انتظام تھا۔ جو لڑکا اپنے باپ کو عاق کرے اس کا سر مونڈ کر اسے غلام بنا کر فروخت کردیا جائے۔

غلام مال و متاع کا حصہ گردانا جاتا تھا۔ شادی کے وقت لڑکی کے جہیز میں دیا جاتا تھا۔ قرض کی کفالت میں رکھا جاتا۔ مستعار دیا جاسکتا تھا۔ اور کرایہ پر اس کی خدمات دوسرے شخص کے حوالہ کی جاسکتی تھیں۔ اور جو کچھ وہ کماتا آقا کی جیب میں جاتا۔ غلام کی قیمت اس کی جسمانی قوت۔ قابلیت۔ عمر اور شکل و شباہت ڈیل ڈول پر موقوف تھی۔ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنےٰ سے ادنےٰ قیمت پر فروخت ہوا کرتے تھے۔

بابل اور اسوریہ میں غلامی کے قواعد و ضوابط ایک سے تھے۔ ماں باپ کو اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنے بیٹے یا بیٹی کو معقول قیمت لیکر فروخت کردیں۔ اور پھر قیمت ادا کرکے ان کی آزادی بھی حاصل کی جاسکتی تھی۔ غلاموں کی خرید و فروخت میں عورتوں کو بھی وہی حقوق حاصل تھے۔ جو مردوں کو ملے ہوئے تھے۔ اور یہ قوانین ہر دو ممالک میں یکساں تھے۔

بابل میں شاذ ہی کوئی ایسا آدمی ہوگا۔ جسکے پاس ایک آدھ غلام نہ ہو۔ غلام کو غلام خریدنے اور رکھنے کا بھی حق حاصل تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ بابل میں غلاموں کی قانونی حیثیت کیسی تھی۔

غلاموں کی کثرت کے سبب سے شرح مزدوری بہت ہلکی تھی۔ اس سے آبادی میں بھی اضافہ کثیر ہوگیا تھا۔ جو حالت جنگ یا ملکی شورش کے زمانہ میں خطرناک ثابت ہوتی تھی۔ غلاموں میں اتحاد نہ تھا۔ اور نہ تعلیم تھی اور نہ ان کا کوئی سرغنہ تھا۔ اور وہ مختلف اقوام سے متعلق تھے۔ وہ اپنی حالت سے خوش نہ ہوکر ہمیشہ برسر فساد رہتے تھے۔ وہ کئی فرقوں میں منقسم تھے۔ بعض خواجہ سرا یا شاہی غلام تھے۔ وہ اچھے مناصب پر سرفراز تھے۔ اور خود کو

غریب آزاد آدمیوں سے بدتر خیال کرتے تھے۔ بعض غلام مندروں سے متعلق تھے۔ اور تیسرا طبقہ خانگی غلاموں کا تھا۔ آسودہ حال آدمیوں کے غلام اچھا کھاتے اور اچھا پہنتے تھے۔ ان سے کام بھی تھوڑا لیا جاتا تھا۔ چوتھا طبقہ ایسے غلاموں کا تھا۔ جو کھیتوں میں کاشتکاری کا کام کرتے تھے۔ گو ان سے بہت سخت محنت لی جاتی تھی۔ باوجود اسکے بھی انہیں کسی قدر آزادی حاصل تھی۔ دیہات میں غلاموں کی تعداد شہر سے زیادہ تھی۔ اہل بابل زراعت پیشہ تھے۔ اور کاشتکاری کا سارا کام آزاد آدمی انجام دیا کرتے تھے۔ وہ آبپاشی اور فن باغبانی کا کام۔ بھیڑ بکریاں چرانے۔ مویشی پروری اور زراعت کا کام خود ہی کیا کرتے تھے۔ باغبان اور گڈریئے عام طور پر عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ روایت ہے کہ سارگون اول جو اول سامی سلطنت کا اور عظیم الشان کتب خانہ اکادی کا بانی تھا باغبان تھا۔ دیوی آستر نے اپنی محبت سے اسے تخت پر بٹھایا۔ وہ بچہ تھا۔ سرکنڈوں کی ٹوکری میں دریائے فرات پر بہتا ہوا جارہا تھا۔ کہ ایک آبپاش نے اسے اٹھا لیا۔ اور پرورش کی تاموز جو سورج دیوتا تھا وہ بھی گڈریہ تھا۔

اکادی زبان کی ایک کتاب سے جو فن فلاحت سے متعلق تھی۔ بابل کے کسانوں اور زراعت پیشہ لوگوں کی طرز معاشرت کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ اسکے بعض اجزا کا ترجمہ اسوری زبان میں کیا گیا تھا۔ اور مدارس کے نصاب میں داخل تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسان کو سال کے چھٹے مہینے میں اپنا کام کرنا پڑتا تھا۔ جب وہ زمیندار سے مالگزاری اور سرکاری ٹیکس کا فیصلہ کر لیتا تھا۔ اور کھیتوں کے اردگرد باڑھ لگاتا تھا۔ زرعی سال ماہ تشرین (تسری) سے شروع ہوتا تھا۔ نیساں یعنی مارچ سے اس کا آغاز نہیں ہوتا تھا جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں مالک مزارع کے درمیان کئی قسم کے سمجھوتے ہوا کرتے۔ جب مزارع زمین جوتنے اس میں تخم ریزی کرنے۔ کھاد ڈالنے۔ سیراب کرنے اور نصف پیداوار مالک کو دینے کا عہد کرتا تھا تو ملکیت مساوی ہوا کرتی تھی۔ بعض حالتوں میں مالک مزارع زمین کے مساوی مالک ہوتے تھے۔ آخر الذکر کاشت کرنے اور جوتنے کا کام انجام دیتا تھا۔ اور مقدم الذکر بیل۔ چھکڑے اور دیگر ضروریات کا اہتمام کرتا تھا۔ بعض حالتوں میں مالک مزارع کو تیسرا۔ چوتھا یا پانچواں اور دسواں حصہ پیداوار کا دیا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں اسے مقررہ ٹیکس بھی دینا پڑتا تھا۔ جو

یا تو اُن کھجوروں کی صورت میں ہوتا تھا۔ جو کھیتوں کی مینڈوں پر اُگی تھیں یا زرِ نقد۔ مالک کو یہ اختیار بھی حاصل تھا کہ مزارع کو جب چاہے برطرف کر دے۔ اور اس کا یہ فرض تھا کہ زمین کو برابر کاشت کرتا رہے۔ کھجوروں کے پیڑ لگائے۔ کھیتوں کے ارد گرد باڑھ باندھے۔ اور چھوٹے چھوٹے پودوں کو سینچے۔ جس زمینداری کے متعلق کوئی مکان نہ ہوتا۔ تو وہ بھی مزارع ہی کو بنانا پڑتا ۔

مذکرۂ بالا قوانین اور رسوم میں امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ بہت ردّ و بدل بھی ہوتے گئے۔ مگر اُن کی عام صورت میں بہت فرق نہیں آیا ۔

زراعت پیشہ لوگ اور کسان دہقانی گیت گانے کے بہت شائق تھے۔ جسے وہ کھیتوں اور کھلیانوں میں گا کر اپنا دل بہلاتے اور اپنی محنت ہلکی کرتے تھے۔ ان لوگوں میں طرح طرح کی ضرب الامثال بھی تھیں جو اُن کی ذہانت اور دانشمندی پر روشنی ڈالتی ہیں "پرانے تنور کی طرح مخالفت کے سامنے ثابت قدم رہ" یہ ایک نمونہ ہے۔ کہ دہاقین کے درمیان کس قسم کی ضرب الامثال مروّج تھیں ۔

حرفے اور پیشے

بابل اور اسوریہ کی سوسائٹی کی حالت اُس زمانہ میں بہت پیچیدہ ہو گئی تھی۔ جس کی کیفیت کتبوں اور خشتی کتابوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ ہر طرح کے پیشے اور حرفے مروّج تھے۔ کاشتکار۔ چرواہے اور گڈریئے۔ معمار۔ نجار۔ خشت ساز۔ آہنگر۔ سُنار۔ نوربافت۔ رنگریز۔ خیاط۔ نانبائی۔ مطبخ۔ گویّے۔ مطرب۔ حجام۔ شراب فروش۔ ملاح اور سپاہی۔ ماہران فن عمارت۔ ڈاکٹر اور طبیب۔ صراف اور مہاجن۔ شاعر۔ قانوندان۔ پروہت۔ کاتب اور منشی۔ کتب خانوں کے منتظم وغیرہ وغیرہ سب قسم کے لوگ تھے۔ اور اپنے اپنے پیشے سے معاش حاصل کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ جیسا کہ آج کل دیکھنے میں آتا ہے۔ ذات پات کا کوئی رواج نہیں تھا۔ جیسا کہ ہمارے ملک میں ہے ہر ایک آدمی اپنی مرضی کے مطابق پیشہ اور حرفہ اختیار کر سکتا تھا۔ باپ اپنے بیٹے کو اپنا حرفہ سکھانے کی کوشش کرتا تھا ۔

بابل اور اسوریہ میں بادشاہ کے پہلو بہ پہلو امرا کا طبقہ بھی موجود تھا۔ وزیر اعظم اور سپہ سالار وغیرہ بادشاہ کے فرمان سے مقرر ہوتے تھے۔ خواہ وہ طبقہ ادنےٰ سے ہوں یا طبقہ اعلےٰ سے۔ مگر بادشاہ مطلق العنان اور سفید و سیاہ کا مالک تھا۔ لیکن زبردست امرا اور ارکین سلطنت اور جابر عمال اس کے اختیار مطلق سے کام لینے میں مانع آتے تھے۔ جیسا کہ آجکل روس میں دیکھا جاتا ہے۔ ملک کا انتظام خاطر خواہ طور پر انجام پذیر ہوتا تھا۔ صوبوں اور شہروں پر گورنر اور صوبے دار حکومت کرتے تھے۔ معاملات داخلی اور خارجی کے انصرام و اہتمام کے لئے مشیر اور مدبر تھے۔ ہر ایک صیغہ کسی نہ کسی ہوشیار اور دانشمند و تجربہ کار حاکم کے ماتحت ہوتا تھا۔ دفتروں میں سیکڑوں کلارک کام کرتے تھے۔ ٹیکس سے جو آمدنی ہوتی تھی۔ اس کا ایک حصۂ کثیر حکام اور عمال کے مشاہروں پر صرف ہوتا تھا۔ اعلےٰ سرکاری عہدہ کے حصول کے لئے نوشت و خواند اور السنۂ خارجی کی دسترس لازمی قرار دی گئی تھی۔ اسوریہ میں عمال کا رسوخ اور اثر سپاہ کے سبب سے اس قدر وسیع نہ تھا۔ جس قدر بابل میں تھا۔ کیونکہ تربیت یافتہ اور قواعد دان اور مسلح لشکروں ہی کی بدولت سلطنت اسوریہ قائم ہوئی تھی۔ اور سپاہ کے تنزل کے ساتھ ہی سلطنت اور ملک بھی زوال پذیر ہوگیا تھا۔

اسوری سپاہ کمال کے اس درجہ پر کئی صدیوں کے بعد پہنچی تھی۔ جو اسے تغلت پلیسر سوم اور سارگون کے زمانے میں حاصل ہوا تھا۔ اس میں پیادے اور سواروں کے علاوہ رتھ بھی تھے۔ جن میں ایک جوڑی گھوڑوں کی جُتا کرتی تھی۔ اور ان پر جنگجو سپاہی سوار ہو کر میدان کارزار میں لڑتے تھے۔ وہ تیر کمانوں اور برچھوں سے مسلح ہوتے تھے۔

بادشاہت اسوریہ کے ابتدائی زمانہ میں رتھوں کو سواروں پر ترجیح دی جاتی تھی۔ مگر رفتہ رفتہ سواروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور رتھ گھٹتے چلے گئے۔ سوار گھوڑوں کی برہنہ پشت پر تیر کمان سے مسلح ہو کر چڑھا کرتے تھے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد زینوں کا رواج ہوگیا۔ گھڑچڑھے تیر اندازوں کے ساتھ ہی نیزہ باز سوار بھی عالم وجود میں آگئے۔ اُن کی ٹانگوں میں ایک طرح کے چرمی پاجامے اور ساق پر بوٹ ہوا کرتے تھے۔

یہ جدت شلمنصر سوم کے زمانہ میں رائج ہوئی تھی۔ سن حرب کے عہد میں بھی رائج ہوا تھا۔

پیادہ سپاہ کا شمار رسالہ سے دہ چند تھا۔ سر پر خود اور بدن پر ایک قسم کا کرتہ جو رانوں تک پہنچتا تھا۔ مگر سارگون کے زمانہ میں پیادے دو طبقوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک تیر انداز اور دوسرے نیزہ بردار۔ ان میں سے بعض سالم زرہ اور بعض ایک لمبا لبادہ پہنا کرتے تھے۔ جو ایڑیوں تک پہنچتا تھا۔ اس پر زرہ بکتر ہوتا تھا۔ ان کے ساتھ شاگرد پیشہ بھی تھے۔ جو بانس یا بید کی ڈھالیں اٹھا کر ان کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ نیزہ برداروں کے سر پر کلغی دار خود اور گول ڈھال ہوتی تھی مگر پاؤں سے ننگے۔

سن حرب نے فلاخن اندازوں کا بھی ایک لشکر تیار کیا تھا۔ جو مصری طریقہ جنگ آرائی کی تقلید تھی۔ انکے سروں پر آہنی ٹوپیاں۔ اور بدن میں زرہ بکتر۔ پنڈلیوں میں چمڑے کی جرابیں اور پاؤں میں چھوٹے بوٹ ہوتے تھے۔ اس بادشاہ نے تیر اندازوں کی وردی اور ان کی سلح داری میں بہت تبدیلیاں کی تھیں۔ فوج میں چند دستے سفر مینا کے بھی بڑھائے گئے تھے۔ ان کے سروں پر مخروطی شکل کی آہنی ٹوپیاں ہوا کرتی تھیں۔ ڈھالیں کئی قسم کی ہوتی تھیں۔ برچھیوں کی انی اور تیروں کے سرے کانسے کے ہوتے تھے۔ قدیم زمانہ کے خالدیہ میں پتھروں کے ہتھیار بھی مستعمل ہوتے تھے۔

کوچ کے وقت سپاہ کے ساتھ علم۔ خیمے۔ بار برداری کے چھکڑے۔ دیواریں توڑنے کے انجن اور معرکہ آرائی کے دیگر سامان بھی ہوا کرتے تھے۔ بعض وقت خیمے بہت بڑے بڑے ہوتے تھے۔ بادشاہ کے خیمے کے ساتھ کرسیاں۔ میز۔ مسہریاں۔ اور طرح طرح کے برتن ہوا کرتے تھے۔ کھانا پکانے اور کھانے کے لئے الگ خیمے تھے۔

محکمہ باربرداری اور بہم رسانی ذخائر بھی تھا۔ جسکی کچھ کیفیت ہمارے ہاتھ لگی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سپاہ کے لئے اشیائے خوردنی اور نوشیدنی (شراب) کا معقول انتظام سرکار کی طرف سے کیا جاتا تھا۔ ذخائر اور دیگر ضروریات جنگی کا اجارہ ٹھیکہ داروں کو دیا جاتا تھا۔ جو ایک وقت مقررہ کے اندر اندر مطلوبہ اشیا بہم پہنچایا کرتے تھے۔

اہل سومیریہ طبعاً جنگجو لوگ تھے۔ مگر انہوں نے بری جنگ آزمائیوں کے سا بحری

طریق جنگ کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔ جب سنحیرب نے مرادخ بلادن کی بحری کمک کا خلیج فارس کے اس پار تعاقب کرنا چاہا۔ تو اسے فنیقی ملاحوں سے کام لینا پڑا تھا۔ جو گھڑوں اور ایک قسم کی گول چھوٹی کشتیوں کے وسیلے سے لوگ دریائے دجلہ کے پار اترا کرتے تھے۔ اسوری لشکر بالعموم عارضی پلوں کے ذریعے سے دریا عبور کرتا تھا۔ یا چمڑے کی مشکوں کے سہارے تیر کر پار ہو جاتا تھا۔

اس لحاظ سے اہل بابل اور اہل اسوریہ ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے۔ خالدیہ والوں کا اصل وطن دلدلوں کے قرب میں تھا جو خلیج فارس کے دہانے پر واقع تھیں۔ ملک بابل میں تربیت و تہذیب کا ایک نہایت پرانا مقام بندرگاہ اریدو تھا جس کی تجارت کا سلسلہ آمد و رفت دور افتادہ ممالک سے تھا۔ بابل والے فن جہاز سازی اور جہازرانی سے خوب واقف تھے۔ شہروں اور ضلعوں کے نام جہازوں کو دئے جاتے تھے۔ زمانہ مابعد کے شاہان بابل کے پاس سپاہ بحری بھی۔ اور جہازوں کے بیڑے تھے۔ یہ نبونید اس کے زمانہ کا ذکر ہے۔

سامان لادنے اور لے جانے کے لئے جہاز کرایہ پہ چلتے تھے۔ دریائے فرات میں شاہی کشتی رہا کرتی تھی۔ جس پر سوار ہو کر بادشاہ دریا کی سیر کا لطف اٹھایا کرتا تھا۔

اہل بابل کا فن آہنگری خاص تذکرہ کا مستحق ہے۔ شروع میں تانبہ کا کام کرنے والوں کی چڑھ مچی ہوئی تھی۔ مگر جب لوہے کے استعمال کا رواج ہوا۔ تو تانبہ گری کی کساد بازاری ہو گئی۔ اور لوہاروں کی بن آئی۔ کیونکہ مکانات کی تعمیر اور تیاری میں بھی لوہے کی اشیا استعمال ہوتی تھیں۔ جس کی وجہ سے خرچ زیادہ بیٹھتا تھا۔

بابل اور اسوریہ میں طبیب مدت سے تھے۔ عوام بیماری کے وقت تعویذ گنڈوں اور مذہبی رسوم سے شفا حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ سحر سازوں اور جھاڑ پھونک کرنے والوں کے پاس جایا کرتے تھے۔ مگر جوں جوں تعلیم ترقی کرتی گئی۔ اطبا کی قدر و منزلت بڑھتی چلی گئی۔ کیونکہ تعلیم یافتہ لوگ جادوگروں اور افسوں سازوں کے علاج سے سخت بدظن تھے۔ نینوہ سے ایک خشتی کتاب کے اجزا برآمد ہوئے ہیں۔ جو علم طب سے متعلق ہے۔ اسے مدرسہ بورسپہ کے کسی استاد نے تصنیف کیا تھا۔ یہ کتاب بہت مشہور تھی۔ اس میں امراض

کے علاج اور مرض کی تشریح مذکور ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی امراض کا علاج بھی بتلایا گیا ہے۔ بعض نسخہ جات بہت طویل ہیں اور مختلف النوع ادویات تجویز کی گئی ہیں۔ ایک ہی مرض کے دفعیہ اور علاج کے لئے ایک سے زیادہ نسخے بتائے گئے ہیں تاکہ مریض جسے چاہے استعمال کرے۔ مثلاً تپ کے علاج کے لئے زبل کے تخم۔ اور کھجوریں تاڑی میں ڈال کر کھانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ یا گائے کے دودھ میں چرائتہ اور تاڑی ملا کر پینا تجویز کی گئی ہے۔ اور لہسن و چرائتہ تاڑی میں ملا کر استعمال کرنا بھی بتایا گیا ہے۔ اس میں توہمات باطلہ کا بھی لحاظ کیا گیا ہے۔ مثلاً لکھا ہے کہ جب کسی دوا سے افاقہ نہ ہو تو تعویذ گنڈے اور جنتر منتر سے کام لینا چاہئے۔ علم طب کو اہل مصر نے بہت ترقی دی تھی۔ غالباً یہودیوں نے انہی سے یہ علم حاصل کیا تھا۔ بادشاہ آسا کی بابت تواریخ کی دوسری کتاب میں مذکور ہے کہ وہ خداوند کی طرف شفایابی کے لئے رجوع نہیں ہوا تھا بلکہ اس نے طبیب کے علاج پر بھروسہ کیا تھا۔ جب حزقیاہ سخت بیمار رہا۔ تو یسعیاہ نے انجیروں کی پلٹس دنبل پر باندھنے کی ہدایت کی تھی۔ جس سے بادشاہ کو بہت فائدہ ہوا تھا۔

جس ملک کے باشندے تجارتی کاروبار اور دستکاریوں کو ذریعۂ معاش سمجھتے ہوں۔ اور جن کی روزانہ زندگی قوانین کے تابع ہو۔ وہاں قانونداں کا وجود لازمی ہے۔ رعایا کے باہمی تنازعات اور فسادوں کے نپٹانے اور تصفیہ کے لئے بادشاہ کے حکم سے جج مقرر ہوا کرتے تھے۔ اور ان کی نگرانی کے لئے ایک سب سے بڑا جج یا منصف اعلیٰ ہوتا تھا۔ جو اہم مقدمات کی سماعت اور تصفیہ کے وقت معمولی ججوں کے اجلاس کی صدر نشینی کرتا تھا۔ پنچایت کے وسیلے سے بھی جھگڑے طے ہوتے تھے۔ گواہ طلب کئے جاتے اور شہادت گزرانی جاتی تھی۔ مگر آخری فیصلہ حاکم کے حکم سے انجام کو پہنچتا تھا۔

شاعر اور مطرب ملک بابل میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ اسرائیلی قاضیوں کے زمانے میں بابل کے دربار شاہی کی طرف سے ایک شاعر کو جسکا قصیدہ بادشاہ کو بہت پسند آیا تھا۔ ایک قطعہ اراضی انعام ملا تھا۔ اسوری تصویروں میں مطربوں اور گویوں کی صورتیں دیکھی جاتی ہیں۔ انکے سازوسامان کی بھی شکلیں ملتی ہیں۔ طاؤس ستار۔ ڈھول مجیرہ۔ طنبورے۔ بانسریاں۔ ترئیاں۔ نرسنگے وغیرہ مروج تھے ہندی ہوتے

تھے جو تمام فاص موقعوں پر کلام میں لائے جاتے تھے۔ناچ بھی ہوتا تھا۔گانے کے ساتھ تالیاں بجائی جاتی تھیں۔ڈاکٹر صاحب کی رائے ہے کہ اسوریہ والے بگل سے کام لیا کرتے تھے۔سارنگی کی قسم کی ترشیاں بھی ان کے ہاں رائج تھیں۔دجلہ اور فرات کی دو عظیم بادشاہتوں کی رعایا کے پیشوں اور حرفوں پر نظر ڈالنے سے جو قابل غور بات ظاہر ہوتی ہے۔وہ اس کا صنعتی چلن ہے۔بابل والے دستکاریوں کے شائق اور انہیں ترقی دینے کی کوشش کرتے تھے۔اور وہ امن پسند و صلح جو تھے مگر اہل اسوریہ جنگجو اور فنون حرب کی طرف مائل پائے جاتے تھے۔آخر کار یہی ان کی تباہی کے موجب بھی ہوئے۔لیکن ملک اسوریہ میں تجار عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے اور ذی وقعت سمجھے جاتے تھے۔زمانہ مابعد کے بادشاہوں کی معرکہ آرائیوں کی بڑی وجہ تجارتی تنازع ہوا کرتے تھے۔ان دونوں ملکوں میں جاگیرداری بالعوض فوجی خدمات کا دستور نہ تھا۔بادشاہ اور عمال سے دوسرے درجہ پر طبقہ وسطےٰ تھا۔جس کا مقصد اعلیٰ اجتماع مال و متاع تھا۔آدمی کی حیثیت اور اس کے درجہ کا اندازہ تمول سے کیا جاتا تھا۔بابل میں دولت جمع کرنا گویا اقتدار اور رسوخ حاصل کرنا تھا۔اسی وجہ سے آبادی کے تمام طبقے اور گروہ تجارت میں مصروف تھے۔بادشاہ تک اس میں گہری دلچسپی ظاہر کیا کرتے تھے۔اسی کے طفیل سے عورتوں کو اسقدر آزادی حاصل تھی۔کہ وہ اپنے شوہروں کے بغیر خرید و فروخت کرنے اور جداگانہ جائداد بنانے کی مجاز تھیں۔مگر بابل کے نظام صنعت و تجارت میں ایک سخت نقص غلامی تھی۔اس سے آزاد مزدور سخت خسارہ میں تھے۔اہل سرمایہ اس پر ظلم کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔بابل کی تجارتی اقبالمندی کے زوال کی اصل وجہ غلامی تھی۔خارجی حملوں اور ملکی لڑائیوں سے اسے نسبتاً بہت تھوڑا نقصان پہنچا تھا۔

اہل بابل کا مذہب

اہل بابل اور اہل اسوریہ کے مذاہب میں بہت اختلاف نہ تھا۔انکے عقائد کی بنا اہل اکاد اور اہل سمیریا کے ابتدائی مذاہب پر قائم تھی۔ان کا اعتقاد تھا۔کہ قدرت کی ہر قوت اور شئے میں "آتا" اور "حیو" (روح اور زندگی) پایا جاتا ہے جو

انسان کے جیو اور آتما سے مشابہ ہے۔ انہی دو چیزوں کے سبب سے ستارے عرش آسمان پر چلتے پھرتے ہیں۔ تیر ہوا میں گذرتا ہے۔ اور آگ میں چیزوں کو بھسم کرنے کی قوت ہے ان کا عقیدہ تھا۔ کہ زمین اور آسمان میں یہ دونوں خواص پائے جاتے ہیں جن کے طفیل سے وہ اپنا عمل ظاہر کرنے کے قابل تھے۔ الغرض قدرت کی کوئی شے نہ تھی جو آتما اور جیو کے وجود سے خالی ہو۔ سب اشیا میں انسان سی زندگی ہے جو برابر ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے۔ خالدیہ کے ابتدائی باشندے زندگی اور حرکت کو مترادف سمجھتے۔ ان میں کسی قسم کا امتیاز نہیں کرتے تھے ‡

رفتہ رفتہ ارواح اشیا اور قویٰ سے علیحدہ ہو گئیں۔ جن کے ساتھ ابتدا میں ان کا تعلق سمجھا جاتا تھا۔ تمام دُنیا بھوتوں سے بھر گئی۔ اور وہ مافوق العادت ہستیاں شمار ہونے لگے مگر وہ اخلاقی ہستیاں نہ تھے۔ اگر جن چاہتا تو انسان کو نقصان پہنچا سکتا۔ یا چاہتا تو اسے فائدہ پہنچاتا۔ مثلاً آگ جو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ گرمی پہنچا کر انسان کے لئے مفید ثابت ہوتی ہے۔ مگر بھوت عموماً نقصان پہنچایا کرتے تھے۔ کیونکہ اس دور افتادہ تاریک زمانہ میں انسان کو قوائے قدرت پر قابو حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دُنیا میں خیر غالب ہے اور شر پائمال ‡

نقصان پہنچانے والے جنوں کو دور رکھنے کے لئے سحر سازوں سے سحر کرایا جاتا تھا۔ جس کے طفیل سے بعض وقت بھوتوں کو قابو کر کے ان سے مفید کام لئے جاتے تھے۔ جادوگر ہی کو اس قابل سمجھا جاتا تھا کہ وہ اپنے جادو اور افسون کے زور سے ارواح خبیثہ کو جن کے عالمگیر وجود کے اہل اکادیہ قائل تھے۔ بستی سے دُور بھگا سکتا ہے۔ مرض کی ابتدا روح بد سے منسوب کی جاتی تھی۔ جس سے رہائی حاصل کرنے کے لئے جھاڑ پھونک اور گنڈوں سے کام لیا جاتا تھا ‡

کچھ مدت کے بعد بعض روحیں جن کی حرکات سے انسان کو فائدہ پہنچتا تھا۔ باقیاندہ عالم ارواح پر متسلط ہو گئیں۔ مثلاً پاتال (ترلوک)، پانی، اور آسمان کی تینوں روحوں کو اُن روحوں پر جو پانی، پاتال، اور کرۂ ہوا کی اشیا میں پائی جاتی تھیں غلبہ حاصل ہو گیا۔ اس طرح بعض روحیں ہوتے ہوتے دیوتاؤں کے درجے تک پہنچ گئیں۔ بعض جادوگر

مقدس سمجھے جاتے تھے۔ اور ان کا گوشت کھانا حرام تھا۔ قبائل اور افراد کے نام جانوروں کے نام سے مشہور ہوتے تھے۔ مثلاً جو قبائل یا اشخاص مچھلی کو پاک جانور سمجھتے تھے وہ "مچھلی" کہلاتے تھے۔ ہوتے ہوتے ان پاک جانوروں کا تعلق روحوں کے ساتھ متعلق کیا گیا جو دیوتا ہوتی جاتی تھیں ✦

جب بعض ارواح دیوتاؤں کے درجے پر پہنچ گئیں۔ تو جادوگر بھی پجاریوں کے رتبے پر پہنچ گئے۔ اور ان دیوتاؤں کے مندروں میں جا رہنے۔ مگر سحر سازی کو ترک نہیں کیا۔ بلکہ اپنے افسوں اور منتر کے زور سے بد روحوں کو گھروں سے نکالتے تھے دیوتا کے مندروں میں پوجا پاٹ کرتے اور نذر و نیاز گزرانتے تھے ✦

اُس زمانہ میں ملک بابل میں دو مقامات مذہب و شائستگی کے مرکز تھے۔ ایک کا نام نی پور تھا جو اندرون ملک میں واقع تھا۔ اب اس کا نام نِفر ہے۔ اور دوسرا اریدو تھا۔ جو اب ابو الحجرین کے نام سے مشہور اور خلیج فارس کے کنارے پر ہے۔ نیپور میں مول اِل یعنی "خداوند عالم ارواح" کا مندر تھا۔ یہ دیوتا ابتدا میں "زمین کی روح" تھا مدت دراز تک یہ مقام ملک بابل کا سب سے بڑا بیت السحر رہا۔ اریدو پر خارجی تمدن کا بہت اثر ہوا تھا۔ جو غالباً مصری ہوگا۔ اس مقام پر مذہب نے زیادہ پاک صورت پکڑی تھی۔ اور وہ نیپور میں داخل پرستش ہوا۔ اریدو کا دیوتا ابتدا میں پانی کا جن تھا۔ اُسکے اوصاف عمدہ تر تھے۔ اس کا بیٹا مرادوخ تھا جو خالدیہ کے تمدن کا بانی ہوا۔ ہمیشہ اُنکی فلاح کو مدِنظر رکھتا تھا۔ یہ دیوتا ان کا مربی اور محافظ تھا۔ عربستان کے شمال کے سامی قبائل ابتدا میں ملک بابل میں بزور تلوار یا صلح و آشتی سے داخل ہوئے۔ پھر رفتہ رفتہ اپنا عمل جما لیا۔ انہوں نے اکادی تہذیب اختیار کر لی۔ اور اس میں ضروری ردوبدل کر کے اسے ترقی دی۔ مگر ان کا عقیدہ اصلی باشندوں سے بالکل مختلف تھا۔ اہل سام بعل دیوتا کی پرستش کرتے تھے۔ اس دیوتا کے پہلو میں اس کی بیوی اور اس کا بچہ بھی تھا۔ سامی لوگ بیوی کو اپنے خاوند کی باندی سمجھتے تھے۔ اور اکادی لوگ اسے اپنے شوہر کی ہمسر خیال کرتے تھے۔ اس واسطے اہل سام نے بیوی کو اپنے دیوتا کی لونڈی تصور کر کے اسے پرستش سے خارج کر دیا تھا ✦

جب سامی اور اکادی مذاہب کا ایک دوسرے سے ٹاکرہ ہوا۔ تو ایک قسم کی کشمکش پیدا ہوئی۔ کیونکہ موخرالذکر قدیم تہذیب اور لٹریچر سے متعلق تھا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد ان میں اتحاد ہو گیا۔ ہر دو قسم کے عقاید باہم گڈمڈ ہو گئے۔ اور ایک ایسا مذہب پیدا ہوا جو مدت دراز تک بابل میں قائم رہا۔ بلکہ وہاں کے نوآبادکار اسے اسوریہ میں بھی لے گئے جنہوں نے بعد میں وہاں سلطنت قائم کی۔ بابل کے راج دھرم میں اکادی دیوتا تسلیم کئے گئے۔ تین سو آسمانی اور چھ سو زمینی روحوں پر انہیں غالب مانا گیا۔ کیونکہ یہ روحیں اکادی دیوتاؤں کی خدمتگار ٹھہرائی گئی تھیں۔ بعض دیوتاؤں نے شمسی صورت اختیار کر لی۔ مرداخ اور مغول بل بعل کے ہمسر تسلیم ہوئے۔ ہوتے ہوتے (سنہ ۲۲۰۰ قبل مسیح) مرداخ بابل سب دیوتاؤں پر فائق ہو گیا ٭

سامی اثر کے سبب اکادی دیویاں یا تو اور دیوتاؤں کی ہمدم قرار دی گئیں یا دیوتاؤں کی صورت اختیار کر گئیں۔ مگر استار دیوی کی پرستش دیر تک ہوتی رہی۔ بابل کے سامی باشندے اس کی پرستش غیر ممالک میں بھی کرتے رہے۔ کیونکہ اس کا علاقہ بابلی تہذیب سے بہت گہرا تھا۔ مگر غیر ملکوں میں اس کی حیثیت اور ہیئت میں بہت فرق پیدا ہو گیا تھا۔ بابل اور اسوریہ میں اس کی صورت اور درجہ بدستور سابق قائم رہا ٭

اہل سام کے خالدیہ پر قابض ہونے کا دوسرا یہ انجام ہوا کہ مقدس کتابیں مرتب کی گئیں۔ دیوتاؤں کی تعریف و توصیف کے گیت اور جادو کے منتر وغیرہ سامی بابلی زبان میں ترجمہ ہو کر دو ضخیم جلدوں میں نمایاں ہوئے۔ سورج دیوتا کی حمد و ثنا میں بہت سے گیت تیار کر کے شامل عبادت ہوئے۔ مناجات کا حصہ کثیر اور بھجن وغیرہ سمیری اور اکادی زبان میں تھے ٭

مگر راج دھرم کا جمہور پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ اپنے پرانے دیوتاؤں کی پرستش کرتے رہے۔ ان کے پرانے توہمات بھی برابر قائم رہے۔ وہ جن بھوت کے قائل تھے۔ اور ان کے اثر مذموم سے محفوظ رہنے کے لئے سحر اور تعویذوں سے کام لیتے تھے ٭

جمہور بابل کا بہشت کی نسبت بھی عجیب عقیدہ تھا۔ ان کے تصور میں وہ جگہ نہ تھی۔ جہاں نیکوں اور بڑے بڑے آدمیوں کی روحیں جاتی ہیں۔ جیسا کہ اسوریہ کے شعرا

مانتے تھے جو سب سے بلند آسمان پر تھی۔ جس کا ذکر شاید حدیث طوفان میں ہے بلکہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر قرار دی گئی تھی جس پر دائمی بادل چھایا رہتا تھا۔ جو جس وقت کوہ "شرق" اور کبھی کوہ "عالم" کے نام سے مشہور تھا۔ ان کا خیال تھا کہ آسمان مذکورہ صدر پہاڑ کی چوٹی پر قائم ہے۔ وہ ملک عدم زمین کے نیچے سمجھتے تھے۔ جہاں مُردوں کی ارواح تاریکی میں بھٹکتی پھرا کرتی ہیں۔ سوائے خاک کے کوئی چیز ان کی خوراک کے لئے نہیں وہیں قدیم زمانے کے مشاہیر کے سائے تختوں پر رونق افروز تھے۔ وہ صرف بابلی بادشاہوں کی روح کو خوش آمدید کہنے کو انتظار کرتے تھے۔ اس کے سات دروازے تھے تاریکی کے وسط میں حکام ادنیٰ طلائی تخت پر بیٹھے رہتے تھے۔ جس کے نیچے آب حیات کا چشمہ بہتا تھا۔ اس کا پانی صرف ایسی روحیں پی سکتی تھیں۔ جو مراداخ (مردوں کو زندہ کرنے والا تھا) کی مدد سے اس کے کنارے پر پہنچتی تھیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ کس درجہ تک تعلیم یافتہ گروہ جمہور کے توہمات کا قائل تھا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ بعد میں طبقہ اعلیٰ میں پاکتر اور زیادہ روحانی خیالات پھیل گئے جن کا ادبیات میں اظہار کیا جاتا تھا۔ وہاں ایک فرقہ پیدا ہو گیا۔ جس نے تمام دیوتاؤں کو چھوڑ کر صرف ایک ہستی اولیٰ کی پرستش کو رواج دینے کی کوشش کی تھی۔ اسیریا کا دیوتا اشور "خداوندوں کا خدا" اور "دیوتاؤں کا دیوتا" مانا گیا تھا۔ نبوکدنضر کی ایک مناجات ہمارے زمانہ تک پہنچی ہے جس میں توحید کی رنگت جھلکتی ہے۔ مگر اس سے صدیوں پیشتر چاند دیوتا کی تعریف میں ایک بھجن بنایا گیا تھا۔ جس کی تاریخ تصنیف حضرت ابراہیم کے زمانہ سے بھی پیشتر کی سمجھی جاتی ہے۔ اس کی چند سطور ذیل میں دی جاتی ہیں "باپ تو جو صابر اور معاف کرنیوالا ہے۔ تمام بنی آدم کی زندگی کا سہارا ہے۔ تو پہلوٹھا۔ قائم بالذات۔ قادر مطلق ہے۔ تیرا دل بے انتہا اور لا محدود ہے۔ کوئی بشر اس کی تہ کا پتہ نہیں لگا سکتا۔ آسمان میں تجھ سے بڑا کون ہے؟ تو ہی اکیلا اعلیٰ ترین ہے۔ زمین پر کون افضل ترین ہے؟ تو ہی تنہا بالاترین ہے۔ تیری مرضی آسمان پر ظاہر ہوتی ہے۔ اور فرشتگان علیٰ سرخم کرتے ہیں تیری مرضی زمین پر نمایاں کی گئی ہے اسلئے تیرے حضور گرکر خاک چاٹتی ہیں؟"

اسور اور بابل کے مندر بلند ہوتے تھے۔ اور صحن میں ایک بلند مینار ہوتا تھا۔

جن پر چڑھکر اجرام فلکی کا مشاہدہ ہوسکتا تھا۔ مندر کے گرد ایک احاطہ ہوتا تھا جس میں کئی کمرے ہوتے تھے۔ ایک کمرہ میں کتب خانہ ہوا کرتا تھا۔ انہی کمروں میں پجاری رہتے تھے۔ انتہائی گوشہ میں پاک ترین جگہ ہوتی تھی۔ ایک مقام پر پانی کا حوض تھا۔ جو مذہبی مقاصد میں صرف ہوتا تھا۔ مقدس مقام پر دیوتا کی مورتی ہوتی تھی اور اس کے سامنے سونے کی میز جس پر بھینٹ چڑھائی جاتی تھی۔ تمام مندروں کے متعلق بہت سے پجاری ہوتے تھے۔ ان کا سرگروہ ایک مہنت ہوتا تھا۔ جو عموماً بادشاہ ہوتا تھا۔ اسوریہ میں بادشاہ سردار کاہن ہوا کرتا تھا۔ اس کے ماتحت اور کاہن بھی تھے۔ جیسے کہ یہودیوں کا سن ہدرم تھا۔ ادنےٰ درجہ کے کاہن مندر کی جھاڑ پونچھ کرنے پر مقرر تھے۔ پجاریوں کے سوا "نبی" اور اُن کے ملازم بھی تھے۔ جن کا تعلق براہ راست مندروں سے نہ تھا۔ یہ شخص آنے والے واقعات کی پیشگوئی کیا کرتا تھا۔ سلطنت کے اہم معاملات میں اس سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ وہ سپاہ کے ہمراہ میدان کارزار کو جایا کرتا تھا۔ جب "نبی" فتح حاصل ہونے کا یقین دلا دیتا تو سپہ سالار غنیم سے جنگ کرتا۔

دیوتاؤں کی خوشنودیٔ خاطر کے لئے۔ بیل۔ بھیڑ۔ بکری۔ قمریوں کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ اور علاوہ ازیں اشیائے خوردنی۔ تیل۔ کھجور اور شراب بھی چڑھائی جاتی تھی۔ جانور ذبح کرنے کے لئے آدمی مقرر تھے۔ مگر وہ پجاریوں میں سے نہ تھے۔ روزانہ بھینٹ چڑھائی جاتی تھی۔ دن اور رات کے وقت پوجا ہوتی تھی۔ سال بھر میں کئی بڑے تہوار ہوتے تھے۔ جنکے موقع پر دھوم دھام سے پوجا ہوتی اور قربانیاں دی جاتی تھیں۔ اسکے علاوہ خاص پوجائیں بھی تھیں۔ ایک مرتبہ اہل ستھیا سلطنت اسوریہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اسریوں نے روزۂ عام کی ہدایت کی "جو ایک سو دن تک کیا گیا"۔ ہلال بھی خاص طور پر مانا جاتا تھا۔ یہودیوں کی طرح اہل بابل اور اسوریہ سبت (سباتو) یعنی "راحت قلبی کا دن" مانتے تھے۔ جو ہر مہینے کے ساتویں۔ چودھویں۔ انیسویں۔ اکیسویں۔ اور اٹھائیسویں دن کو منایا جاتا تھا۔ اس روز ہر قسم کا کام موقوف کیا جاتا یہاں تک کہ کھانا بھی نہ پکتا تھا۔ نہ نئی پوشاک پہنی جاتی اور نہ دوا پی جاتی تھی۔ بادشاہ کے لئے اپنے رتھ پر چڑھنا ممنوع تھا۔ نبی پیشگوئی نہیں کر سکتا تھا۔

رات کے وقت دیوتاؤں کو خوشے کی نیاز چڑھائی جاتی تھی ◆

مندروں کا خرچ عوام کی [illegible] سے ادا ہوتا تھا۔ بادشاہ سے لیکر کسان تک اپنی کمائی کا دسواں حصہ مندروں کو دیتے تھے۔ جو زیادہ تر بصورت اناج دیا جاتا۔ نبونیدس نے تخت نشین ہوتے ہی (۵۵۵ ق م) بطور شکرانہ مندروں میں چڑھاوے چڑھائے تھے۔ منتیں وغیرہ مانی اور مرادیں پوری ہونے پر مندروں میں چڑھائی جاتی تھیں۔ کپڑے۔ اناج پھل۔ جانور وغیرہ نیاز دی جاتی ◆

اہل بابل پہلے درجہ کے توہم پرست تھے۔ انہیں ہر وقت کسی نہ کسی جن کی طرف سے خطرہ لگا رہتا تھا۔ ہر روز قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ حکومت میں پروہت کا درجہ نہایت اعلےٰ تھا ◆

مگر اہل اسوریہ ایسے وہمی اور پابند مذہب نہ تھے۔ وہ جنگجو طبیعت کے تھے۔ بادشاہ بحیثیت سپہ سالار سپاہ پروہتوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچایا کرتا تھا۔ اسوریہ والوں کا سب سے بڑا دیوتا اشور تھا۔ جو سب سے بڑا اور اعلےٰ ترین تھا۔ یہ قومی دیوتا تھا۔ جس کا کوئی حریف اور ہمسر نہ تھا۔ اور نہ اس کی بیوی تھی ◆

جب ہم بابل اور اسوریہ کے شریف ترین دیوتاؤں کا اس دیوتا سے مقابلہ کرتے ہیں۔ جو مٹھی بھر اور ناچیز قوم اسرائیل پر ظاہر کیا گیا تھا۔ تو وہ ہولناک خلیج تفاوت ظاہر ہو جاتی ہے۔ جو دونوں کے درمیان حائل ہے۔ اہل بابل اور اسوریہ کے مذاہب میں بعض ایسے عناصر تھے۔ جو ہماری عزت اور قدردانی کے مستحق ہیں۔ ان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ کہ دجلہ اور فرات کے کناروں پر ایسی قومیں آباد تھیں۔ جو حق کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔ مگر وہ لوگ انکشاف الٰہی کے بے طرح محتاج تھے۔ جو صرف ایک چیدہ اور برگزیدہ قوم کو دیا گیا تھا ◆

طبیعت

طبیعت انسان کے فہم اور عقل طاقت کا نام ہے۔ حکیم ٹاسٹر کی کہتے ہیں کہ جب طبیعت اندر ہی اندر اپنی ذات پر غور و خوض کرتی ہے۔ تو پہلی شے جو طبیعت میں آتی ہے وہ خیال ہے۔ اور طبیعت اُس وقت بہت سے منصوبوں کی طرف دوڑتی ہے۔ تب مختلف اقسام کے خیالات بنا لیتی ہے۔ اس طریقے سے وہ طور جو آدمی کے بدن پر بیرونی اسباب کے باعث پیدا ہوتا ہے اُس کا نام ہوش ہے۔ جب کوئی خیال بلا موجودگی کسی شے کے کسی کی طرف راجع ہوتا ہے اُس کا نام حافظہ ہے اور جبکہ کسی شے کو دیکھ لیا ہو اور پھر اس کو خیال کریں۔ اُس کا نام یاد ہے۔ جبکہ خیالات کو کسی شے کی خبر معلوم ہو جاتی ہے یا جبکہ ذہن میں جم جاتی ہے تو اسکا نام کوشش ہے۔ جبکہ طبیعت صرف ایک ہی خیال پر قائم ہوتی ہے اور اس کے کل اطراف پر نظر ڈالتی ہے اُس کا نام مطالعہ ہے۔ انسان کی طبیعت سے زیادہ کوئی شے خدا نے ممتنع الوجود پیدا نہیں کی۔ اسکے ذریعے سے ہم گزرے ہوئے حال اور آئندہ زمانوں کی کیفیت آنکھوں کے سامنے دیکھ لیتے ہیں۔ طبیعت ہی ہمیں دکھا سکتی ہے کہ نیوٹن زمین سے بڑے سیارے کی گردش کو جانچ رہا ہے۔ حکیم گلیلو ٹسکانی کا رہنے والا مذل برہ میں آئینہ گر کی دوکان میں بیٹھا ہوا دوربین اور خوردبین کو قابل استعمال بنا رہا ہے۔ نیلسن سا بہادر دم توڑ رہا ہے۔ مگر اپنے رفقا سے کہہ رہا ہے کہ "میں ہمیشہ اس رستے میں مرنا چاہتا تھا۔" الفرڈ تنہا قلعے میں اپنی بیوی سے کہتا ہے۔ کہ "اس فقیر کو آدھی روٹی دے دے ہی وہ جس نے چار روٹیوں اور سات مچھلیوں سے پانچ ہزار کو شکم سیر کر دیا تھا وہ ہمیں اور بھی دیگا۔" سڈنی پیاس سے جاں بلب ہے مگر اشارہ کرتا ہے۔ کہ یہ پیالہ پانی کا اُس غریب سپاہی کو دیدو جو اسے حسرت کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے۔" جیمز واٹ دُخانی انجن کی ایجاد میں مصروف ہے۔ بروٹس اپنی بی بی کو ذبح کر رہا ہے۔ کولمبس امریکہ کو جھانک رہا ہے۔ مجروح لینڈ کا جہاز چلا آتا ہے۔ اور اسکے علم آلود جھنڈے کو دیکھکر انگلستان کی مائیں اور بیبیاں

شکستہ دل کٹڑی میں سو فیرہ وغیرہ حال اور استقبال کا بھی یقینی خیال ہو سکتا ہے ◆

اے طبیعت تو ایسی بے بہا جوہر ہے کہ تیری شان میں یہ کہنا کہ انسان ہی مخلوق سے بہتر کے پاس اگر تو ہوتی تو خوب تھا۔ تجھے بے جا یا مبالغہ آمیز نہیں ہے مگر تو آدمی کی حقیقی ملحق اور کنیز ہے۔ جس طرف چاہیں سے تجھے بھیج دیں۔ جو کام تجھ سے کہیں۔ کرا لے۔ جس چیز کو تو دیکھ لے اُسے تو یہ کر دے۔ کر رہی ہے۔ کیا جیمز واٹ کے پاس کوئی اور چیز بھی طبیعت سے زیادہ مددگار انجن کے ایجاد کرنے میں تھی؟ نہیں نہیں۔ یہ سب تیری ہی خوبیاں اور جولانیاں تھیں ◆

طبیعت تو کسی کے پاس نہیں؟ سب کے پاس ہے۔ طبیعت سب کی جدا جدا ہے۔ مگر عقیل اور روشن دلوں کی اکثر چلتی جلتی ہے ◆

انسان کی طبیعت جس طرف حقیقی طور سے مائل ہو جاتی ہے۔ اُسکو وہ حاصل ہی کر کے چھوڑتی ہے۔ نارتن نے ایک دفعہ کہا کہ میں شلنگ کو دون یا شلنگ مجھے۔ چنانچہ وہ بڑا مالدار ہو گیا۔ جس کام کو آدمی کرنا چاہے تو خوب سوچ لے۔ اور بعد میں پیچھے کر یا کرے یا مرے۔ پھر دیکھیں تو کیونکر کامیاب نہیں ہوتا۔ عالی دماغ لوگوں کی یہی نشانی ہے کہ جس طرف وہ خیال کریں بغور کریں۔ اور جس چیز کو وہ دیکھیں۔ اُسکی ماہیت دریافت کرنے میں کوشش کریں۔ یہ نہیں کہ دیکھ لیا اور دل سے بھلا دیا۔ کسی شے کو سوچ کر باوجود اس کی امنگ کے نہ کرنا تیری کم لیاقتی کی دلیل ہے۔ عمدہ منصوبوں پر کامیاب ہونا بالکل تقدیر ہی کی طاقت نہیں بلکہ قابلیت حصول بھی شرط حصول ہے ◆

بڑی تعجب انگیز بات ہے کہ جب آدمی کسی خیال میں نہایت مستغرق ہوتا ہے۔ اگر اُس کے سامنے سو آدمی بھی باآواز بلند گفتگو کریں اُس کو اس سے زیادہ اور کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اُن لوگوں کے مُنہ ہل رہے ہیں۔ جان لکی کہتا ہے کہ جب آدمی بالکل سو جاتا ہے اور اُسکی نیند پورے جوبن پر ہوتی ہے۔ بیدار ہونے پر اُس کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کتنی دیر سویا۔ خیر یہ بات تو وقت کی نسبت ہے مگر یہی حال ایک جاگتے ہوئے متفکر آدمی کا بھی ہو سکتا ہے۔ اُس کو دنیا و مافیہا کی خبر نہیں ہوتی بلکہ فنا فی الخیال ہو جاتا ہے۔ اقلیم سخن کے روشن دل اور عالی دماغ

بادشاہ چارلس ایمپ نے لکھا ہے کہ دو شخص جو ایسے طالب علم تھے۔ ایک ان میں سے زبان آور اور دوسرا نرا خیالی کیف والا تھا۔ یا یوں کہو کہ ایک مصنف تھا اور دوسرا فصیح۔ ایک روز مصنف بغرض تصنیف اپنے علیحدہ مکان کی طرف جا رہا تھا کہ اثنائے راہ میں اس نے اپنے فصیح دوست کو دور سے آتے ہوئے دیکھ کر سوچا کہ اس شخص کی باتوں میں مفت وقت ضائع ہوگا کوئی ایسا حیلہ نکلے کہ اس سے جان بچاؤں مگر عجب بات یہ ہے کہ فصیح طالب علم کسی خیال میں ایسا غرق تھا کہ اگرچہ اسکی آنکھیں اپنے دوست کے چہرے پر تاک لگا رہی تھیں مگر اس نے بات نہ کی اور چپکا چلا گیا اور نہ بعد میں کچھ شکایت کی۔ یہ مصنف طالب علم حیران ہوا کہ یہ کیا بات تھی ؛

پس معلوم ہوا کہ جب تک طبیعت آدمی کی کسی شے کی جانب راغب نہیں ہوتی سب اعضا اور طاقتیں معطل رہتی ہیں۔ بے اسکے اشارے کے آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔ بغیر اسکے حکم کے ہاتھ حرکت نہیں کر سکتے۔ بغیر اسکے ارادہ کے پاؤں چل نہیں سکتے۔ علیٰ ہذا القیاس طبیعت میں کیا کیا طاقتیں ہیں۔ ان کا حصن و حصن بتانا ناممکن ہے۔ باوجود انکے ہونے کے ان کا نہ جاننا دنیا کے مقید ہونے اور قادر مطلق کی محیط اور بے انتہا خوبیوں کی دلیل ہے ؛

ہم میں ایک چیز ہے۔ اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس میں کیا بھرا ہوا ہے اور یہ کیا کر سکتی ہے۔ اسکے ارادے محدود ہیں یا بیشمار؟ اگر بے شمار ہیں۔ تو محسوس نہیں ہوتے اور اگر محسوس نہیں ہوتے تو کیا یہ نہیں ہیں؟ نہیں یہ ہیں اور ضرور ہیں۔ تجربہ اور آزمائش سچے گواہ ہیں۔ طبیعت کے اثرات آدمی کے ہونیوالے حالات کے بڑے سچے گردش کرنیوالے ستارے ہیں۔ آدمی کے دل میں عجیب طاقت ہے کہ اگر ہمیشہ درست اور اسکا انتظام بخوبی ہو تو آدمی حکیم بن سکتا ہے۔ کچھ اس میں ایسے ویسے اثر ہیں کہ ان کو آدمی جانتا ہے۔ مگر جبتک متأثر نہ ہو سکے ان کو پہچانتا نہیں۔ اس میں ایسے ایسے آئینے ہوتے ہیں کہ عکس ان میں پڑتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ گو یہ نہ ہو کہ کب اور کیسا پڑیگا۔ آدمی کے لئے اسکی طبیعت سے زیادہ کوئی رہنما نہیں۔ یہی آدمی کو رستے بتا دیتی ہے یہی مکان میں پہنچا دیتی ہے اور جس منزل کے لائق ہوتا ہے اس پر اسے قابض کر دکھاتی ہے۔ اگر آدمی کو دریافت کرنا ہو کہ اسکا خالق کون ہے تو نہ طبیعت کی زنجیر کو ہلائے جو اسکے دل کو جو گنجینہ اسرار الٰہی ہے خبر کر دیگی کہ اس زنجیر کا صانع ہی تیرا خالق ہے

خیال تخن اندازۂ حکمت سے ہے باہر
گو وسعت طبیعت سے طبیعت نہیں بھرتی

تاریخ یورپ

انگلستان

رومی انگلستان کو "برطانیہ" کہتے تھے۔ چنانچہ یہ نام اب تک چلا آتا ہے۔ کل جزیرہ یعنی انگلستان، ویلز اور اسکاٹ لینڈ کو "برطانیہ عظمےٰ" کہتے ہیں۔ جب ہم "سلطنت متحدہ" کا ذکر کریں تو جزیرہ آئرلینڈ جو برطانیہ عظمےٰ سے ملا ہوا ہے۔ اس کا نام جدا لیتے ہیں۔ مثلاً "برطانیہ عظمےٰ و آئرلینڈ"۔ ان کا مجموعی نام "جزائر برطانیہ" ہے۔ برطانیہ کا نام "انگلستان" اس سب کے بعد اُس وقت ہوا ہے جب سیکسن قوم اس پر حملہ آور ہوئی ہے۔ انگلستان یا برطانیہ ایک نہایت قوی اور دولت مند ملک ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ ذرا یورپ کا نقشہ ہاتھ میں لیکر دیکھو۔ برطانیہ کیسا چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ اسکے مقابلے میں اگر آس پاس کے دوسرے یورپین ملکوں پر نظر ڈالو تو ایسا معلوم ہوگا گویا ملک انگلستان کو نگل جانے کے لئے منہ کھولے ہوئے ہیں۔ لیکن اس پر بھی بلحاظ خرد قامت انگلستان ان میں سے کسی سے قوت میں کم نہیں ہے۔ روس باوجودیکہ اتنی وسیع سلطنت ہے۔ مگر انگلستان اس سے بھی کم نہیں ہے۔

جب ہم انگلستان کا ذکر کریں تو ہماری مراد صرف پست قامت چند میل جزیرۂ انگلستان سے نہیں ہوتی۔ بلکہ اس نام میں اسکے وہ مقبوضات بھی شامل ہوتے ہیں جو کرۂ ارض کے ہر حصے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور یہی مقبوضات ہیں جو "نادر ملک" کی موجودہ عظیم الشان قوت کا باعث ہیں۔ انگلستان کی دولت و عظمت کے کئی عنصر ہیں اور وہ یہ ہیں:-

(۱) اس کا جزیرہ ہونا اور جغرافیائی موقع کے لحاظ سے سطح ارض پر اس کا بیچ میں واقع ہونا۔

(۲) اس کی قرب و جوار انگلستان کے سمندروں کا اور گلف اسٹریم کا۔ جو اس کے ساحل کے

ریب ہی سے گذرتی ہے۔ عمدہ اثر +

(۳) ملک کی وسیع معدنی دولت

(۴) دریائے ٹیمز کے دہانہ کی غیر معمولی فراخی

اس امر کی تفصیل کہ یہ اسباب انگلستان کی عظمت کا کس طرح باعث ہوئے۔ بہت زیادہ طوالت چاہتی ہے۔ لیکن مختصراً اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ :- انگلستان کے جزیرہ ہونے کا یہ فائدہ ہے کہ وہ بیرونی حملوں سے مامون و محفوظ ہے۔ اور اس کا ساحلی سلسلہ وسیع ہو گیا ہے۔ بیرونی حملوں سے محفوظ رہنے کا یہ فائدہ ہوا ہے کہ انگلستان کو چین سے ترقی کرنے کا موقع ملا ہے۔ اور ساحلی سلسلہ نے یہ نفع پہنچایا ہے کہ انگلستان کا تجارتی اور جنگی بیڑہ اس وقت بے مثل ہے۔ اور سطح ارض کے وسط میں واقع ہونے سے وہ دنیا کے ہر حصہ سے یکساں آسانی کے ساتھ تجارت کر سکتا ہے۔ چاروں طرف سمندر ہونے اور گلف اسٹریم کے قریب سے گزرنے سے اس کی آب وہوا میں اعتدال آیا۔ اور اس اعتدال نے معدنیات پر بلا وقفہ کام جاری رکھنے میں مدد دی۔ انگلستان کی معدنیات میں قابل ذکر لوہے اور کوئلہ کی کانیں ہیں۔ اور یہ ایک دوسرے سے ایسے موقع پر واقع ہیں کہ ایک کے کام میں دوسرے سے بہت مدد ملتی ہے۔ ٹیمز کے دہانہ کی فراخی ہی کی وجہ سے لندن کو بحیثیت ایک بندرگاہ کے اس قدر عظمت حاصل ہوئی ہے۔ اگر ٹیمز کا دہانہ کشادہ نہ ہوتا تو برسٹل یا ہل کے بندرگاہوں کو اہمیت دینی پڑتی۔ لیکن اپنے موقع کے لحاظ سے یہ دونوں مقام ایسے نہیں ہیں کہ یورپ بھر کی تجارت کو اپنے قبضے میں کر سکیں۔ اور لندن میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود ہے۔

گذشتہ ابواب میں یہ بتایا جاتا رہا ہے کہ یورپ کے تمام ممالک اپنی تاریخ کے کسی کسی زمانے میں کس طرح متحد ہوئے۔ کس طرح ان کا ایک مرکز پیدا ہوا اور اس نے گرد و پیش کے حصوں کو جو اس کی قدرتی حدود کے اندر تھے اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آیا کہ تمام حصے ایک متحد سلطنت بن گئی۔ اور متفرق فرقے ایک قوم ہو گئے۔ ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہوگا کہ ان ممالک میں سے بعض ممالک اب سے بہت عرصہ پہلے متحد ہو چکے تھے۔ اور بعض جیسے جرمنی اور اٹلی حال ہی میں یکایک متحد ہوئے ہیں۔ لیکن

انگلستان کی صورت یہ ہے کہ وہ جب سے صدیوں پیشتر فتح ہو چکا تھا اور اس وقت تک
یورپ کے دیگر ممالک کو اتفاق نہیں ہوا کہ فتح کر لیتے۔ اس کے سبب یہ تھے کہ اول تو وہ
جزیرہ ہونے کے سبب یورپ کے دیگر ممالک سے بالکل الگ تھلگ تھا۔ دوسرے یہ کہ
وہ اتنا بڑا تھا کہ کسی غیر ملک کا ماتحت نہیں رہ سکتا تھا۔ تیسرے یہ کہ وہ اتنا چھوٹا تھا
کہ عرصۂ دراز تک چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم نہیں رہ سکتا تھا۔

انگلستان اپنی تاریخ کے زمانے میں تین بار کامل طور پر مفتوح ہوا ہے۔ مگر ان
فتوحات کا زمانہ اس قدر قدیم ہے کہ ان کا اثر انگلستان کے موجودہ وجود پر کچھ نہیں پڑتا
انگلستان دوسرے ممالک میں کبھی ملحق نہیں ہوا۔ بلکہ ہمیشہ اپنے فاتحوں کو ہی اپنے اندر
جذب کرتا رہا۔

انگلستان کے پہلے فاتح رومی تھے۔ اسی عہد میں وہ برطانیہ ہوا۔ اگرچہ اُسے
وہ رتبہ اُس وقت حاصل نہ تھا جو اب بحیثیت "سمندروں کی ملکہ" ہونے کے اُسے حاصل
ہے۔ جب رومیوں کی سلطنت کو تنزل ہونے لگا تو انہوں نے اپنی فوجیں انگلستان سے
واپس بلا لیں۔ کیونکہ اس وقت روم کو اپنے گھر ہی کا سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس طرح
تین چار صدی تک قابض رہنے کے بعد رومی بدھنا بوریا لیکر انگلستان سے چلتے پھرتے
نظر آئے۔

اسکے بعد "جوٹ" "سیکسن" اور "اینگل" قومیں حملہ آور ہوئیں۔ یہ نام انکے
مورخوں نے رکھ دئے ہیں۔ ورنہ درحقیقت وہ اسی قسم کے وحشی و لٹیرے تھے جن کا
ذکر اسکینڈنیویا کے بیان میں آچکا ہے۔ سب سے آخر میں اینگل آئے۔ اور انہی
سے جزیرہ کا نام "اینگل ستان" رکھا جو اب کثرت استعمال سے انگلستان ہوگیا ہے۔

ہنجسٹ اور ہورسا نامی دو بھائی جوٹ قوم کے لیڈر کینٹ کے کسی مقام پر اُترے
تھے۔ ان کو وہاں کے بادشاہ ورٹیگرن نے "پکٹ" اور "اسکاٹ" حملہ آوروں کو نکالنے
کے لئے بلایا تھا۔ ہنجسٹ کے ساتھ اس کی خوبصورت لڑکی روونا بھی تھی جس پر ورٹیگرن
روونا کے حسن سے ایسا فریفتہ ہوا کہ اس سے شادی کر لی۔ کچھ عرصہ تو خیریت رہی
لیکن اس کے بعد جوٹ اور دیگر قومیں آنی شروع ہوئیں اور انہوں نے کل ملک فتح کر لیا

اس کے بعد انہوں نے آپس میں ملک کے قبضے کے لئے لڑنا شروع کیا - یہاں تک کہ اجبرٹ شاہ ویسکس [یعنی ویسٹ (مغربی) سیکسنز] نے سب پر غلبہ پایا اور کل انگلستان کو متحد کر دیا - یہ اب سے ہزار سال پہلے کی بات ہے - اور اگرچہ اس کے بعد نارتھمین (شمالی قوموں) کے حملوں کی وجہ سے عارضی طور پر ملک کے ٹکڑے ہو گئے - لیکن وہ بہت جلد دوبارہ متحد ہو گیا ❖

اس کے بعد انگلستان کی تاریخ کا نہایت مہتم بالشان دور شروع ہوا - یعنی نارمن فتح وقوع میں آئی - قدیم انگریزی بادشاہ جو اجبرٹ کے زمانہ سے فتح نارمن تک ہوئے (سوائے ایک کے) سب کے سب نہایت نابکار تھے - ان دو صدیوں کی تاریخ خونریزیوں اور عام مصائب سے لبریز ہے - وہ ایک مستثنے الفرڈ اعظم تھا - جس کی زندگی سویڈن کے بادشاہ گسٹاوس واسا کے مشابہ تھی - ایتھلنی جہاں الفرڈ نے اپنی مصیبت کے زمانہ میں پناہ لی تھی - گریٹ ایسٹرن لائن کی ایک شاخ کا اب ایک چھوٹا سا اسٹیشن ہے - بعض مورخ الفرڈ کو انگلستان کے تمام بادشاہوں سے بڑا مانتے ہیں - وہی انگلستان کے بہترین قوانین کا واضع ہے - اس نے ۱۱ کتابیں قانون پر لکھی تھیں - اور چھ کتابیں قدیم لاطینی سے سیکسن زبان میں ترجمہ کی تھیں - جو گویا انگریزی زبان کی بنیاد تھی - اس وقت کوئی مطبع نہ تھا - نہ آلۂ کتابت تھا - اس لئے ضرور ہے کہ یہ کتابیں مختصر ہونگی ❖

آخری بادشاہ سیکسن خاندان کا ایڈورڈ معترف تھا - اور جب وہ لاولد مرا تو تخت انگلستان کے دو دعویدار پیدا ہو گئے - لیکن ان دونوں میں سے ایک بھی اس کا حق دار نہ تھا - ان میں سے ایک گوڈون کا بیٹا ہیرلڈ تھا - جس کی حالت ابتدا میں نہایت مبتذل تھی - لیکن ناجائز وسائل سے کینٹ کا ارل بن گیا تھا - دوسرا مدعی ولیم ڈیوک آف نارمنڈی رابرٹ "شیطان نفس" کا بیٹا تھا - ان واقعات کی تاریخ نہایت دلچسپ ہے - لیکن تفصیل باعث طوالت ہوگی - لہذا صرف اسی قدر بتلانے پر اکتفا کی جاتی ہے کہ ہیرلڈ موقع ہی پر یعنی انگلستان میں تھا اور ایڈورڈ معترف کے مرتے ہی تخت پر بیٹھ چکا تھا - ولیم سندپار نارمنڈی میں تھا - اور سرزمین انگلستان پر اس کا ایک حامی نہ تھا - تاہم ولیم کے عزم کو ملاحظہ کیجئے کہ اس نے نہ صرف ہیرلڈ سے تخت چھین لیا

بلکہ انگلستان میں مستقل حکومت قائم کیں۔

ہیرلڈ شاہ انگلستان کا ٹاسٹگ نامی ایک بھائی تھا۔ جسے ہیرلڈ کا تخت نشین ہونا ناگوار گزرا اور اس نے ہیرلڈ ہارڈریڈا شاہ ناروے کو اپنے بھائی پر لاچڑھایا۔ اس حملے کو روکنے کے لئے ہیرلڈ شاہ انگلستان (جس کو نہایت تیز دوڑ سکنے کی وجہ سے "خرگوش پا" بھی کہتے تھے شمال کی جانب روانہ ہوا۔ شاہ ناروے نے چاہا کہ صلح ہو جائے اور اپنے ایلچی ہیرلڈ کے پاس شرائط صلح طے کرنے کے لئے بھیجے۔ سفیروں نے پوچھا: "آپ اپنے بھائی ٹاسٹگ کو کیا مراعات دیجئے گا؟ ہیرلڈ نے جواب دیا "وہ میرا بھائی ہے۔ میں اس سے بھائی کی طرح سلوک کرونگا۔ اور اس کے جو حقوق ہیں وہ سب اس کو دونگا" پھر سوال کیا گیا کہ "اور آپ ہیرلڈ شاہ ناروے کو کیا دینگے"؟ اس سوال کا جو جواب ہیرلڈ نے دیا وہ سننے کے قابل ہے۔ اس نے کہا کہ "اسے میں صرف چھ فٹ زمین دونگا۔ میں نے سنا ہے کہ وہ بہت دراز قامت ہے۔ تو اس صورت میں اسے سات فٹ زمین دیدونگا۔ اس سے زیادہ کچھ نہ دونگا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں صرف قبر کے لئے اسے زمین دیدونگا۔ اس جواب سے بھلا حملہ آور کب مطمئن ہو سکتے تھے۔ آخر دونوں فوجیں دریائے ڈروَنٹ پر اسٹیمفرڈ برج کے قریب مقابل ہوئیں۔ اور بڑا سخت رن پڑا۔ ہیرلڈ ہارڈریڈا نہایت جانبازی کے ساتھ لڑا۔ مگر حلق میں نیزہ کا زخم کھا کر گرا اور مر گیا۔ پھر کیا تھا انگریزی فوج نے ہلا بول دیا اور میدان ہیرلڈ "خرگوش پا" کے ہاتھ رہا۔ اور ناروے والے بھاگنے لگے۔ انگریزی سپاہ نے پل پر سے ان کا رستہ روکنا چاہا۔ لیکن ایک قوی ہیکل نارویجن تبر جنگ لیکر پل پر کھڑا ہو گیا اور اپنے پسپا ہونے والے ہموطنوں کی حفاظت کرتا رہا۔ جو انگریزی سپاہی پل پر سے عبور کرنا چاہتا اس کے ایک ایسا ہاتھ جماتا کہ وہ وہیں رہ جاتا۔ آخر ایک انگریزی سپاہی کشتی میں سوار ہو کر پل کے نیچے پہنچا۔ اور تختوں کے شگاف میں ہو کر اپنا لمبا نیزہ نارویجن بہادر کے جسم میں بھونک دیا۔ اور جب پل کا رستہ صاف ہو گیا تو انگریزی سپاہ نارویجن سپاہ پر جھپٹ پڑی اور اس کو ذبح کر دیا۔

اس معرکے کے بعد تین دن مشکل سے گزرے تھے کہ ایک سوار جنوب سے دوڑا ہوا آیا اور اس نے خبر دی کہ ولیم ڈیوک نارمنڈی فوج کثیر کے ساتھ سسکس پر اتر آیا ہے

ہیرلڈ کو فوراً سرعت کے ساتھ جنوب کی طرف بڑھنا پڑا۔ اس وقت کوئی ریل نہ تھی اور سڑک بھی غالباً ایک ہی تھی۔ یعنی گریٹ نارتھ روڈ۔ ولیم سینلاک کے مرتفع مقام پر ہیرلڈ کا منتظر تھا۔ ۱۴ اکتوبر ۱۰۶۶ء روز شنبہ کو دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ ٹیلیفر دآہن تراش) نامی ایک بہادر نارمن فوج کی صفوں سے نکلا۔ اور اول اس نے ایک رجزیہ نظم پڑھی۔ اس کے بعد اپنا تبر جنگ اچھالا اور غنیم کی جانب سے مبارز طلب کیا۔ انگریزی سپاہ کی طرف سے تین جنگجو متواتر آئے اور نارمن حریف نے تینوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ چوتھی مرتبہ ہیرلڈ کا بھائی گرتھ آیا اور اپنے بھالے سے دشمن کو زیر کیا۔ دن بھر دست بدست لڑائی ہوتی رہی۔ لیکن پرجوش نارمن نبرد آزماؤں کی انگریزی نیزہ بازوں کے آگے کچھ پیش نہ گئی۔ آخر ولیم نے اپنے تیر اندازوں کو سامنے کا حکم دیا۔ ایک تیر جا کر ہیرلڈ کی آنکھ میں لگا اور وہ پشت زین سے مردہ گرا۔ اس کے دو بھائی گرتھ اور لیوفون بھی اس کے ساتھ مارے گئے۔ جس سے انگریزی سپاہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور ولیم کی فتح کامل ہو گئی۔

ولیم "فتح مند" نے انگلستان کی قوت کو توڑ کر سارے ملک پر قبضہ کر لیا۔ کسی مورخ نے اس سوال کا جواب صاف نہیں دیا کہ اس قدر جلد اور ایسی آسانی سے ولیم ملک پر کس طرح قابض ہو گیا۔ قیاس چاہتا ہے کہ ہیرلڈ لوگوں کے دلوں کو مسخر نہ کر سکا تھا۔ اور ان کو ولیم کے چند در چند خوشنما وعدوں پر اعتبار آ گیا تھا۔ لیکن درحقیقت انہیں سخت دھوکا ہوا۔ ولیم اور اس کے نارمن امرا نے بہت جلد انگریزوں کے ساتھ ذلیل رعایا کا سا سلوک کرنا شروع کر دیا۔

عرصہ دراز تک نارمن اور انگریز بالکل جدا جدا قومیں رہیں۔ نارمن اپنے آپ کو فاتح ہونے کی حیثیت سے مفتوح انگریزوں سے ہر طرح اعلیٰ سمجھتے تھے۔ اور ان سے ادنیٰ لوگوں کا سا سلوک کرتے تھے۔ (فاتح و مفتوح کا فرق اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ انگلستان میں اس خیال کے لوگ اب بھی موجود ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہمارے باپ دادا نارمنڈی سے آئے تھے اس لئے ہم خالص نسل کے انگریزوں پر ترجیح ہونی چاہیئے)۔ مگر خوش قسمتی سے کچھ عرصہ بعد دونوں قومیں باہم شیر و شکر ہو گئیں جن سے موجودہ انگریزی قوم پیدا ہوئی۔

ماہرانِ برقیات

برقیات یعنی علم برق میں فی زمانہ بڑی دریافتیں اور ترقیاں ہو رہی ہیں۔ برقی قوت سے کلیں، ریل اور ٹرام کاریں چلائی جاتی ہیں۔ چند ہی منٹوں میں دور سے زمین پر خبر پہنچ جاتی ہے۔ دستکاریوں میں اس سے طرح طرح کے کام لئے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر لوگ پیچیدہ اور امراض مزمنہ کا علاج برق کے وسیلے سے کرتے ہیں۔ یورپ و امریکہ کے تمام شہروں میں برقی قوت سے روشنی کی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں کے چند نامی شہروں میں بھی برقی روشنی ہوتی اور ٹرام کاریں ملتی ہیں۔ الغرض برقیات کی اختراعات اور ایجادات اور انواع و اقسام کی دریافتوں نے زمانہ حال کے تمدن اور معاشرت میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ اگر تمدن موجودہ کو برقیات کا محتاج اور دست نگر قرار دیا جائے تو غیر انسب نہ ہوگا۔ اگر برقیات کی دریافتوں اور جن کاموں میں وہ کام آتی ہے۔ ان کا مفصل ذکر کیا جائے۔ تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائیگی۔ جیسا کہ انگریزی جرمن اور فرنچ زبانوں میں درجنوں کتابیں موجود ہیں۔ ہم اس نمبر میں اس شخص کی سوانح عمری ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جسے ماہران علوم برق کا پیشوا کہنا بیجا نہیں ہے:-

ثالیس

برقیات یعنی علم برق کی ابتدا کہرباء و مقناطیس کی فطری کشش سے واقع ہوئی تھی گو یہ معلوم نہیں کہ کب اور کس کے مشاہدہ میں آیا تھا یہ ہمیشہ ایک راز سربستہ رہیگا۔ لیکن علمائے سلف بیان کرتے ہیں کہ ثالیس باشندہ ملیطس نے سب سے پہلے اس کشش کو دریافت کیا تھا۔ اور اسے ایک "روح" قرار دیا تھا۔ جو پتھروں میں رہتی ہے۔ حقیقت میں یہ پہلا شخص ہے جس کی بابت معتبر حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے برقی مظاہر کا مشاہدہ اور مطالعہ کیا تھا۔ اور ان کے اسباب اور علل کی ابتدا دریافت کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس لئے یہ ماہرین علم برق کا قبلہ سمجھا جاتا ہے۔

تالیس ایسے زمانے میں پیدا ہوا تھا۔ کہ جب تاریخ کی تولید بھی نہیں ہوئی تھی اور جو کچھ اس کی بابت ہمیں معلوم ہوا ہے۔ وہ زیادہ تر روایات و حکایات سے متعلق ہے مشہور یونانی مورخ ہیراڈوٹس جو تالیس سے ایک سو سال بعد ہوا ہے۔ ارسطو اور پلوطارخ اور دیگر علما نے اپنی تصنیفات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اسکی شہرت یونان کے تمام انتہائی حصوں اور گوشوں اور نیز تمدن سے ناآشنا قوموں اور ملکوں میں بھی پہنچ گئی تھی۔ مگر اس کے مختصر حالات جو ہمارے پاس پہنچے ہیں۔ دیوجانس لیرشس نے قلمبند کئے تھے

تالیس شہر ملیطس میں سنہ [illegible] قبل مسیح میں پیدا ہوا تھا۔ مگر اسکی صحیح تاریخ ولادت معلوم نہیں ہے۔ یہ شہر اہل ایتھنز کی بستی آئیونیا کا جو ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل پر واقع تھی صدر تھا۔ اس زمانے میں یونانیوں کی بہت سی بستیاں بحیرۂ روم کے چھوٹے چھوٹے جزیروں اور راسوں پر تھیں۔ مگر آئیونیا کی بستی نوّے میل لمبی اور بیس سے لیکر تیس میل تک چوڑی تھی۔ اس میں بارہ مشہور شہر تھے۔ اہل سلف کہتے ہیں کہ اس خطہ میں اسی قدر عجائبات قدرت موجود تھے۔ جس قدر خاص یونان میں۔ اسکی آب و ہوا نہایت خوشگوار اور فرحت افزا تھی۔ زمین زرخیز اور کئی ندی نالوں سے سیراب ہوتی تھی۔ وادیاں پھولوں اور پھلوں سے مالامال تھیں۔ ساحلوں پر نفیس اور عمدہ بنادر تھے۔ شہروں میں عالیشان اور خوبصورت مندر و معبد تھے۔ جہاں دیوتاؤں کی پرستش ہوتی تھی۔ مشاہیر پرستی بھی زوروں پر تھی۔

جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس وقت ملیطس ایک سرسبز شہر تھا۔ اس کے چاروں طرف فصیل تھی۔ چار بندرگاہ تھے۔ ان میں ایک تو ایسا تھا۔ جہاں جہازوں کا ایک سالم بیڑہ پناہ گزین ہو سکتا تھا۔ اہل ملیطس جہازران اور تجارت پیشہ تھے۔ انکی تجارت بحیرۂ روم پر حاوی تھی۔ اور انہوں نے کئی ایک بستیاں اکسائن اور [illegible] کے ساحلوں پر آباد کی تھیں۔ ان میں سے [illegible] ابی دوس اور سنوپ اب تک قائم ہیں [illegible] آمد و رفت آکرتی تھی۔ جو نمک فرجیہ کے پہاڑوں سے آتی تھی۔ بحیرۂ اسود کے کناروں سے [illegible] سے قالین اور غالیچے۔ عرب سے زعفران اور عود۔ ہاتھی دانت اور سونا۔ مصر سے بیش قیمت ارغوانی رنگت کے ریشمی کپڑے فاشر

اور قسم سے ورلعہ ہوا کرتے تھے۔ جن سے باشندے رہتے تھے۔

باشندگان ملیطس مختلف النسل تھے۔ کیونکہ یہ شہر ابتدا میں اہل کارین کی بستی تھا۔ مگر جب ایتھنز کے نوآبادکاروں نے زیرکمان نیلوس اس شہر پر دس اور گیارہ سال قبل مسیح میں حملہ کیا۔ تو انہوں نے اصل باشندوں کو تہ تیغ کیا۔ اور اُن کی عورتوں کو اپنی بیویاں بنالیا۔ ہیراڈوٹس لکھتا ہے کہ ان عورتوں نے اپنے اصل شوہروں کے قاتلوں کو نام سے پکارنے یا اُن کے ساتھ بیٹھکر کھانا نہ کھانے کا حلف اُٹھایا تھا۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ آئیونیا کے تمام نوآبادکار یونانی اصل سے نہ تھے۔ بلکہ ان کا ایک حصہ کادمین نسل سے تھا۔ قرائن سے پایا جاتا ہے کہ اس فرقہ کے کچھ لوگ ملیطس میں جا بسے تھے۔ دیوجانس لیئرشس لکھتا ہے کہ بعض مصنفین کی رائے میں ثالیس فنکی نژاد تھا۔ اور اُس قبیلہ سے تھا۔ جو قدموس اور اجنار کی اولاد میں شریف ترین تھا۔ مگر ایک اور بیان سے یہ پایا جاتا ہے۔ کہ ثالیس ملیطس کا اصل باشندہ اور عالی نژاد تھا۔ ان بیانات کو خلط ملط کرکے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ثالیس کے آبا و اجداد اُن اہل کادمین سے تھے۔ جو ایتھنز سے آئیونیا میں جاکر آباد ہوئے تھے۔ یہ قبیلہ قدموس ابن اجنار جس نے یونان میں فنکی حروف تہجی کو رواج دیا تھا کی اولاد سے تھا۔ اجنار کے متعلقان بوئشیا ایتھنز کے باشندے ہوگئے تھے۔ قدموس کی اولاد نے آئیونیا کے باشندوں سے ناطے رشتے پیدا کرلئے تھے۔ جس سے ثالیس جو یوناسیاس اور کلیوبول کا بیٹا تھا۔ مخلوط النسل تھا یعنی فنکی اور یونانی اور فنکی خون سے تھا۔

ثالیس کی طفولیت کے حالات سے ہم واقف نہیں ہیں۔ گمان غالب ہے۔ کہ وہ بچپن ہی میں اپولو الکیوس دیوتا کے جو ملیطس کا محافظ تھا۔ نام پر نہاد کیا گیا تھا۔ دیوجانس لیئرشس کہتا ہے۔ کہ مصری کاہنوں اور پروہتوں کے سوا اُسکا کوئی اور استاد نہ تھا۔ مگر اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اُس نے ابتدائی تعلیم کسی اُستاد سے حاصل نہیں کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی والدہ نے اُسے ہومر کی کتابیں پڑھائی ہونگی۔ کیونکہ اُس زمانہ کے یونانی لوگ ان کتب کو نہایت گہری عزت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔ اور وہ بمنزلہ دینیات کے سمجھی جاتی تھیں۔ یہ امر تحقیق نہیں ہے۔ آیا اُس زمانہ میں سرکاری تعلیم گاہیں اور مدارس بھی جاری تھے یا نہیں۔

مگر ہیراڈوٹس لکھتا ہے کہ پانچ سو برس قبل مسیح بھی یونان میں مکاتب تھے جہاں لڑکے دن کے وقت نوشت وخواند۔ حساب و کتاب اور موسیقی سیکھا کرتے تھے۔ تھالیس کے زمانہ تک زمانہ میں تاریخ۔ ریاضی اور فلسفہ نہ تھا۔ فلسفہ تو ابھی عالم طفلی ہی میں تھی۔ دن کا ایک حصہ ورزش جسمانی کے لئے بھی مخصوص تھا۔ چھلانگنا۔ کودنا۔ کشتی لڑنا اور بھالا پھینکنے کی مشق لڑکے میدان میں کیا کرتے تھے۔ تمام لڑکے بدن پر تیل مل کر ننگے دھڑنگے ورزش کرتے تھے۔ مجموعاً یونانی لوگ تربیت جسمانی اور عقلی مساوی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ناچنا بھی سکھایا جاتا تھا کیونکہ مذہبی رسوم میں داخل تھا۔ اور عوام کا بھی یہ خیال تھا کہ "دیوتا لہو و لعب اور رقص و سرود کو پسند کرتے ہیں"۔ جیسا افلاطون نے ایک موقع پر کہا تھا۔ سولہ برس کی عمر میں لڑکے کو حقوق شہریت عطا ہو جاتے تھے۔ بالعوض اسکے حکومت کی وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا تھا ٭

دیو جانس لیئرشس کہتا ہے کہ اپنے تئیں مطالعہ فلسفہ کے لئے وقف کرنے سے پیشتر تھالیس معاملات ملکی میں بہت گہری دلچسپی ظاہر کرتا تھا۔ ہیراڈوٹس لکھتا ہے کہ جب تھالیس نے اہل لڈیہ کی ملکی قوت بڑھتی دیکھی تو اس نے اہل آئیونیا کو یہ مشورہ دیا۔ کہ سب شہر اور ریاستیں مل کر ایک عام جتھا بنالو۔ اور ملیاس میں ایک مجلس عامہ قائم کرو کیونکہ یہ شہر بیچ وسط میں تھا۔ اور سب شہروں اور صوبوں کے لئے مساوی فاصلے پر تھا۔ وہاں تمام ریاستوں کے نائب جمع ہو کر تحفظ عامہ کی تدابیر و تجاویز پر بحث کیا کریں۔ مگر لوگوں نے اس کی نیک و مفید مشورت پر عمل پیرا ہونے سے انکار کیا۔ صرف ایک اختیاری جتھا قائم کیا گیا جس کی بنا اتحاد نسل و زبان اور موافقت دین و ایمان پر قائم تھی مگر کریسوس کے تدبر اور اس کی پیشقدمی کے آگے اس اتحاد کی کوئی پیش نہ گئی۔ یہ جتھا بالآخر آئیونیا کی بربادی اور تباہی کا موجب ہوا۔ مگر آئیونیا کامل طور پر اس وقت لڈیہ کے زیر نگین ہوا۔ جب تھالیس بڈھا ہو گیا تھا۔ تاہم اسکے عالم شباب میں ایسے اسباب پیش آئے تھے جن کے باعث شیدز ملندہ ملک فاتح یعنی شاہ لڈیہ کے بآسانی ہاتھ لگ گیا۔ اس نے اپنے حکومت کے آخری سات سالوں میں (۶۱۲-۵۷۵ قبل مسیح) میں ملیشیں کے خلاف جنگ جاری رکھی۔ جب وہ اسے تکمیل تک پہنچانے سے پیشتر ہی مر گیا۔ تو جو ہاتھ ہیں [illegible]

کو فتح کر گیا۔ کہ ایتھوپیا کو مطیع و منقاد بنائے بغیر کسی مصیبت سے بہت بیش قیمت تحفے و مصیبت بیکار بنہ ہو کر کمیشن کو آ جاتا۔ امریا غوبا کو جن کے گر ضمیں نتھی برباد کر دیا اور تمام ملک کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ منروا دیوی کا مندر جو اسی شہر میں تھا۔ اس کے سپاہیوں نے اتفاقاً جلا دیا۔ بادشاہ (الیاطیس) بیمار ہو گیا۔ جسے اس نے دیوی کی خفگی سے منسوب کیا۔ اس نے فی الفور اپنے قاصد ڈلفی کو روانہ کئے تاکہ وہ وہاں کے مشہور مندر کے پجاری سے جسے دیوتا کی طرف سے غیبی اسرار کا القا ہوتا تھا علالت سے شفایابی حاصل کرنے کی تدبیر معلوم کریں۔ جواب ملا کہ منروا دیوی کا مندر از سر نو تعمیر کیا جائے تب شفا حاصل ہو گی۔ چنانچہ بادشاہ الیاطیس نے ملیطس کے سردار کے پاس اپنے ایلچی بھیجکر عارضی صلح یعنی مندر تعمیر کرنے کی مہلت چاہی۔ مگر وہاں کے ستمگر اور سفاک حاکم کو جس کا نام طریسی بیولس تھا الیاطیس کے ارادہ کا کسی نہ کسی طرح پہلے ہی پرچہ پہنچ گیا تھا۔ چنانچہ اس نے بڑی فراست اور معاملہ فہمی سے کام لیکر اشیائے خوردنی کے ذخائر کا منڈی میں ایک عظیم الشان ڈھیر لگا دیا۔ جسے الیاطیس کے سفیر دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ ان سامانوں اور تیاریوں کا انکے دلوں پر نہایت گہرا اثر ہوا۔ انہوں نے اپنے بادشاہ سے تمام ماجرا کہہ دیا۔ جسے سنکر وہ بہت پریشان ہوا۔ اس کے دل پر ایک قسم کا رعب اور خوف چھا گیا۔ انجام یہ ہوا۔ اس نے نہ صرف مندر ہی تعمیر کیا۔ بلکہ صلح کر کے محاصرہ اٹھا لیا اور الٹے پاؤں واپس لوٹ گیا۔ ضمناً یہ بھی بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں ایشیا کے شمال کی وحشی اور جنگلی قوموں یعنی اہل سمریا اور اہل سیتھیا کی یورشوں سے جو ایشیائے کوچک پر ہو رہی تھیں بہت خائف اور ہراساں ہو گیا تھا۔ انکی غارتگریوں میں سے ایک دو یہ تھیں کہ انہوں نے شہر سگنشیا کو جو دریائے میاندر پر واقع تھا خوب لوٹا۔ اور افسس کے مندر ارتمس کو تاراج کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

اہل تاریخ کہتے ہیں کہ تالیس۔ بقراط (ماہر ریاضی) کی طرح بیج بیوپار کیا کرتا تھا۔ یہ مشغلہ کمتر نہ تھا۔ اس زمانہ میں کوئی پیشہ اور حرفہ بہ سبب تحقیر و تذلیل خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ تجارت ایک بڑی عزت اور عمدہ پیشہ تھا۔ کیونکہ اس کے طفیل سے وحشی قوموں کی پیداوار اپنے ملک میں لائی جاتی تھیں اور حکمرانوں اور شاہوں سے تعارف پیدا کر سکنے کا موقع

بھی پہنچ جاتا تھا اور حصول علم اور تجربہ کا ایک وسیع میدان پیش نظر ہوتا تھا۔ ایکسرما مشہور مقنن سولون بھی شروع زندگی میں تجارت پیشہ تھا۔ جس سے اس کی غرض معلومات پیدا کرنے اور سیر و سیاحت اور اشتیاق پورا کرنا تھا۔ حصول تمول اس کی غایت نہ تھی۔ اپنی سیاحت کے اخراجات ادا کرنے کی غرض سے افلاطون مصر کو تیل لے جایا کرتا تھا۔
سمتی خس کی مساعی حسنہ سے جس نے ایونیا کے لشکر کی مدد سے تاج و تخت حاصل کیا تھا مصر اور یونان کے درمیان سلسلۂ تجارت قائم ہوا تھا۔ تالیس کے زمانہ میں شہر نوکراطس ایک خاص رعایت یافتہ مقام تھا۔ جہاں یونانی تاجر اپنا مال لیجا کر بلا روک ٹوک فروخت کر سکتے تھے۔ یہ شہر دریائے نیل کے مغربی دہانے اور شاہی شہر سائس کے قریب واقع تھا۔ وہاں یونانیوں کی کوٹھیاں معبد اور مکانات تھے۔ جن کے اردگرد فصیل تھی جسے اہل ملیطس نے بنوایا تھا۔ گمان غالب ہے کہ تالیس اسی مقام پر جہاز سے اترا اور سائس کو چل دیا۔ جہاں وہ مہنتوں سے قبل دقال کرنا چاہتا تھا۔ پھر وہ سولون کی طرح ممفس اور ہلیا پولس کو بھی گیا ہوگا۔ مصر اپنے قدیم تمدن کے سبب سے عجائبات روزگار کا نمونہ تھا۔ جب اہل یونان پہلے پہل وہاں گئے ہونگے۔ تو اس کی شائستگی اور اسکے عجائب و غرائب دیکھکر ان کی آنکھوں میں چکا چوند آگئی ہوگی۔ اسکی فطری شادابی اور زرخیزی۔ اسکے دریا کا شاندار پاٹ۔ باشندوں کے رسوم و رواج۔ اسکے مخروطی میناروں اور معبدوں کی عظمت و رفعت۔ اس کے پجاریوں کی علمیت و فضیلت۔ اور دربار شاہی کی شان و شکوہ سے وہ متحیر و متعجب ہوتے ہونگے۔ وہاں انکے مشاہدے میں وہ اشیا آئی ہونگی۔ جس سے ان کی آنکھیں محض بیگانہ اور حواس ناآشنا تھے۔ انکے دلوں میں اسی قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہونگے۔ جو ہمارے دلوں میں انگلستان کے عجائبات دیکھکر پیدا ہوتے ہیں۔ اہل مصر ترقی تمدن میں یونانیوں سے کہیں آگے تھے۔ فنون صنعت اور فلاحت میں بھی وہ یونانیوں کے استاد تھے۔ انھوں نے علم طب علم ہیئت میں اعلیٰ دسترس پیدا کرلی تھی۔ دریائے نیل کے سالانہ سیلابوں کے سبب سے اضلاع اور زمینوں کے حدود ملیامیٹ ہو جاتے تھے۔ جنکی حفاظت اور قیام کے لئے انھوں نے علم ہندسہ کا کام لینا شروع کر دیا تھا۔ چونکہ مطلع عموماً بے بادل اور صاف رہا کرتا تھا۔ اسی فلکیات کے مطالعہ اور اجرام فلکی

ڈی بریسی :۔ میں نے جو کچھ کیا وہ اُس بشر کی عزت لحاظ رکھکر کیا ہے جسے میں اپنی
جان و مال کی مالک اور دونوں کی راحت سمجھتا ہوں۔

روینا (گھبرا کر) :۔ میں آپ سے واقف نہیں۔ اور ایک شخص جو سوداگروں کے لباس
میں ہے اُسے ایک شریف کی تنہائی میں مخل نہیں ہونا چاہئے ؟

ڈی بریسی :۔ گو میری اور آپ کی شناسائی نہیں ہے۔ تاہم آپ نے میری بہادری کے
افسانے سُنے ہونگے ؟

روینہ :۔ یہ تعریف تو بھاٹوں اور گویّوں وغیرہ کے لئے رکھ چھوڑئے۔ یہ تو آپ کی زبان
کی نسبت اُن ہی کے مُنہ سے زیادہ زیب دیتی ہے۔ مگر یہ بتائیے کہ گزشتہ شب کا
چھاپہ جو آپ نے بیکسوں پر مارا اس کی تعریف کون گاتا پھریگا۔ آپ رہزن ہیں"۔

ڈی بریسی :۔ "خاتون آپ نا منصف ہیں۔ تم اُس جنون کے لئے جو تمہارے حسن
پیدا کیا ہو اسے کوئی حیلہ نہیں ڈھونڈھ سکتیں"۔

روینہ :۔ "مجھے ایسی گفتگو سے معاف رکھیں جو بھاٹوں کی ہے۔ کیونکہ وہ شریفوں
یا سورماؤں کو زیب نہیں دیتی۔ آپ نے تو گنڈوں کی سی باتیں شروع کر دیں"۔

ڈی بریسی :۔ مغرور خاتون۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ میں نے تجھے بیوی بنانے کے
لئے وہی کیا جو شایاں تھا۔ آپ کو طبعاً جُھک جانا چاہئے نہ کہ درباری پیرایہ میں
بحث کرنا چاہیئے۔

روینہ :۔ "مہذب پیرایہ میں کہو! آپ نے تو رہزنوں کا پورا انداز اختیار کر لیا ہے"۔

ڈی بریسی۔ کچھ ہی کہو۔ مگر اب تو اس قلعہ سے آپ کا نکلنا مشکل ہے۔ ہاں میری
بیوی بن کر سہل ہے"۔

روینہ :۔ "ممکن ہے۔ ابھی وہ وقت تو آنے دو۔ صرف ایک شخص مجھے نکال لیجائیگا"۔

ڈی بریسی :۔ "میں آپ کا مطلب سمجھ گیا۔ آپ میرے رقیب کا ذکر کرتی ہیں یعنی ولفریڈ
عرف آئیونہو کا۔ لیکن وہ میرے قبضہ میں ہے۔ اور ابھی قلعہ کے اندر۔

روینہ :۔ "ولفریڈ یہاں ہے"؟

ڈی بریسی :۔ "جی ہاں۔ جنگل میں پالکی میں یہودی کے ہمراہ وہی تو لیٹا ہوا تھا"

روونیہ "اگر وہ یہاں ہے تو چند روز قید میں رہیگا یا ہاروِن ویک چلا جائیگا"
ڈی بریسی "خاتون تم کس خیال میں ہو۔ ڈی بیف اُسے ٹھکانے لگا کر کیا نقد حاصل کریگا۔ وہ بڑا ظالم ہے۔ اور تم اُمید ہو کے لئے ساری عمر روتی ہی رہوگی"
روونیہ (ہمت ہار کر) "تو اُسے خدا کے لئے بچا لو"
ڈی بریسی "تمہاری خاطر میں یہ کر سکتا ہوں۔ بشرطیکہ تم مجھ سے شادی کرنے پر راضی ہو جاؤ۔ ورنہ وہ چاہے اسی قلعہ میں مر جائے۔ لیکن رہائی دشوار ہے۔ اُسکے ساتھ سیڈرک کی بھی موت سمجھو"

روونیہ "کیا یہ بھی ارادہ ہے"؟
ڈی بریسی "فی الواقع۔ مگر اُس کی رہائی بھی صرف تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ ورنہ اُس کی بھی خیر نہیں"

یہ کلمہ سُنتے ہی روونیہ کی ہمت فسخ ہو گئی۔ اور وہ سخت اضطراب میں پڑ گئی۔ اُسکی حالت غیر تھی۔ چہرے کا رنگ فق تھا اور بے قراری سے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ ڈی بریسی کو اُس پر رحم آتا تھا۔ وہ اُسے سمجھاتا اور اپنے مُدعا کے لئے آمادہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جب وہ اس کوشش میں لگا ہوا تھا تو بگل کی آواز پے در پے آنے لگی۔ اور اُسے روونیہ کو اُسی حالت میں چھوڑ کر قلعے کے صحن کا رُخ کرنا پڑا

ربقہ اور سورما گلبرٹ کی گفتگو

جس وقت کہ خاتون روونیہ کے ساتھ ڈی بریسی گفتگو کر رہا تھا اُسی وقت ربقہ یہودن کے ساتھ ٹیمپلر صاحب مصروفِ کلام تھے۔ ربقہ کو دو آدمیوں نے ایک ایسے مکان میں جا کر ٹھیرا دیا جس میں ایک بوڑھی عورت رہا کرتی تھی۔ اور چرخہ کاتنے میں مصروف رہتی تھی۔ تکلے کی گردش کے ساتھ جو ایک طرح کا رقص تھا وہ سیکزن زبان میں کوئی گیت بڑبڑاتی رہتی تھی۔ جوں ہی کہ ربقہ اُس مکان میں داخل ہوئی تو اُس بڑھی ڈائن نے اُسے نفرت اور حسد کی نگاہوں سے دیکھا

ایک شخص "ارے اری بڑھیا اب تو اس جگہ سے رخصت ہو۔ کیونکہ نواب صاحب کا

تھا کہ یہ بھی یہاں ایک نازنین تمام کر گئی۔

بڑھیا اڈبنا کر " غضب کیا نہ وقت کا ہونہ ہی ہے۔ میرا بھی وہ بھی زمانہ تھا کہ میری بات بڑے بڑے سرداروں کو گھوڑے سے اُتار لیتی اور ملازمت سے نکلوا دیتی تھی اور آج تم سے سائیس مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں یہاں سے چلی جاؤں"۔

دوسرا شخص " ہاں یورفرایڈ۔ بحث نہ کرو۔ صرف یہاں سے چلی جاؤ۔ آقا کے پیاسیوں کی بات پر جلد عمل کرنا چاہیے۔ تیرا زمانہ ضرور تھا۔ مگر اب تیرا تیرا اقبال ڈھل گیا اب تو تُو اس جنگلی گھوڑے کی مانند ہے جسے بڑھاپے میں بے لگام چراگاہ میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ لے اب جلد یہاں سے چلی جا"۔

یورفرایڈ " اے کُتو تم دونوں شگون بد ہو۔ تمہاری قبر موری میں بنے۔ چاہے تیرے پُرزے پُرزے کر دئے جائیں۔ مگر جب تک کہ میں اس پندیا کو نہ کات چکونگی تب تک تو یہاں سے ٹلنے والی نہیں"۔

ایک شخص " تو بھلا چڑیل تجھے نواب صاحب کے آگے جواب دینا پڑیگا"۔ یہ کہہ کر دونوں نے ربقہ کو اُسکے پاس چھوڑا اور چلتے بنے۔

یورفرایڈ " اب وہ کس شرارت کا منصوبہ کر رہے ہیں"۔ یہ اور دیگر باتیں اُس نے اپنے دل کو مخاطب کر کے کہیں۔ مگر کبھی کبھی کن انکھیوں سے ربقہ کو بھی دیکھ لیتی تھی" لیکن اس کا قیاس کر لینا تو آسان ہے۔ ہاں بالکل آسان ہے کہ انہوں نے اس نازنین کو اس مینار میں جہاں سے آواز تک باہر نہیں جا سکتی کس مقصد سے بھیجا ہے"۔ اور ربقہ کو مخاطب کر کے " اے نازنین آ تو تیرے پڑوسی ہونگے۔ تو بے وطن ہو کر رہیگی۔ تو بھوتنی بن کر رہیگی۔ تو کس ملک کی رہنے والی؟ مسلمان ہے۔ یا مصر کی عورت۔ جواب کیوں نہیں دیتی؟ تو رو سکتی ہے۔ مگر کیا تو بول نہیں سکتی"؟

ربقہ " نیک دل بڑھیا ناخوش کیوں ہوتی ہے"۔

یورفرایڈ " اب زیادہ باتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اب اور کچھ نہ کہہ۔ لوگ لومڑی کو تو اُس کی بو سے پہچان جاتے ہیں۔ اور ایک یہودن کو اُس کی باتوں اور لب و لہجہ سے"۔

ربقہ:- خدا کے واسطے مہربانی کر کے یہ تو بتا دو کہ اُس شخص کا جسکے قبضے میں مجھے یہاں بند کرایا گیا ہے انجام کیا ہوگا؟ کیا وہ میرے مذہب کا بدلہ لینے کے لئے میری زندگی کے خواہاں ہیں؟ اگر یہ بات ہے تو میں بخوشی جان دیدونگی۔

یورفرایڈ:- اے حسن کی مورت تیری جان! بھلا جان لیکر اُنہیں کیا خوشی حاصل ہوگی؟ میری بات کا اعتبار کر کہ تیری جان کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ تیرے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو کبھی ایک سیکزن نواب زادی کے لئے شایان سمجھا گیا تھا۔ اور کیا ایک یہودی محض اس لئے افسوس کریگی کہ اُس کے ساتھ اس سے بہتر سلوک نہ کیا جائے؟ ذرا میری طرف دیکھ۔ میں تجھ سے دوچند حسین تھی۔ جس وقت کہ اس ڈی بف کے باپ نے اس قلعہ پر چڑھائی کی تھی۔ میرے باپ اور اُسکے سات بیٹوں نے اس قلعہ کی خوب ہی حفاظت کی۔ اس قلعہ میں چپہ چپہ زمین خون سے رنگی گئی۔ مگر میرا باپ اور اُس کے سارے لوگ مارے گئے۔ لیکن اُن کا دم نکلنے سے پیشتر ہی مجھے فاتح کی نفرت کا شکار بننا پڑا۔"

ربقہ:- کیا میرے لئے کوئی چارہ کارگر نہیں؟ کیا میں کسی طرح نہیں بچ سکتی؟ اگر تو میری مدد کرے تو میں اُس کے لئے بہت کچھ انعام دونگی۔"

یورفرایڈ:- اس کا تو خیال بھی نہ کرنا۔ یہاں سے تو نکلنا ہی نصیب نہ ہوگا۔ البتہ موت کے دروازہ میں ہو کر ممکن ہے۔ مگر ہمارے لئے اس دروازے کے کھلنے میں ابھی دیر ہے۔ لیکن ہمیں تو اس خیال سے تسکین ہوتی ہے کہ اس دُنیا میں ہمارے بعد بھی ایسے لوگ رہینگے جو ہم جیسے بدنصیب ہونگے۔ اے یہودن اللہ حافظ! چاہے تو یہودن ہو یا کافر۔ مگر تیرا انجام بھی وہی ہوگا۔ کیونکہ تیرا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑیگا جو نہ پرہیز کرتے ہیں اور نہ رحم کھاتے ہیں۔ میں تجھے اللہ حافظ کہتی ہوں۔ میری بپتا بھی پوری ہوگئی۔ مگر تیرا کام اب شروع ہوگا۔

ربقہ:- خدا کے واسطے ذرا تو اور ٹھیر۔ چاہے مجھ پر لعنت بھیج لے اور چاہے مجھے گالیاں دے لے۔ مگر ذرا اور ٹھیر۔ تیری موجودگی ہی کسی قدر میری حفاظت ہے۔

یورفرایڈ:- تجھے تو مقدس مریم بھی نہیں بچا سکتی۔ (ایک مورت کی طرف اشارہ کر کے) دیکھ وہ تو وہ کھڑی ہے۔ آزما لے کہ آیا وہ تیری مصیبت کا بدلہ لیتی ہے۔

دیکھ کر جو مبلغ نے بیٹھ ہوتی اور نفرت آمیز تبسم کے ساتھ چلتی بنی وہ آہستہ
آہستہ نیچے سے اترنے لگی۔ ربقہ اس سے زیادہ بُرے سلوک کی متوقع ہو سکتی تھی
جو کہ سوویٹ کے ساتھ کیا جاتا۔ تاہم اُسے ایک فوقیت تو دویٹ پر حاصل تھی کہ وہ ان
مصائب کا مقابلہ کرنے کے لئے جو اس پر آتیں زیادہ کڑے دل سے آمادہ ہو سکتی تھی
چونکہ وہ اپنی قوم کو مظالم کا نشانہ بنتے ہوئے بارہا دیکھ چکی تھی۔ اس لئے اُسے صاف
دکھائی دے رہا تھا کہ ایک تلوار اُسکے سر پر لٹک رہی ہے۔ ان باتوں کے باعث
وہ مصیبت کے جھیلنے کے لئے اُسی استقلال کے ساتھ تیار ہو گئی جسکی ایسے موقع پر
ضرورت تھی۔ اور اُس نے اپنے حواس اور اوسان مجتمع کر لئے ❖

سب سے اول اُس نے کمرے کو خوب باریک بین نگاہوں سے دیکھا۔ لیکن
اُس میں سے نکل جانے یا وہاں پناہ پانے کا کوئی ذریعہ نظر نہ آیا۔ نہ اُس میں سے کوئی
راستہ جاتا تھا اور نہ کوئی دوسرا دروازہ تھا صرف ایک دروازہ تھا۔ مگر اندر سے اُس میں
بھی نہ چٹخنی تھی اور نہ سلاخ۔ البتہ ایک کھڑکی ضرور تھی جو اُس بیرونی جگہ تک
پہنچا سکتی تھی جو کہ مینار کے گرد اگرد تھی۔ اس کے ذریعہ سے ربقہ کے دل میں نکل جانے
یا بچ جانے کی کسی قدر اُمید پیدا ہو گئی۔ لیکن یہ جگہ بھی صرف چھجہ کا کام دے سکتی تھی
کیونکہ اُس کا تعلق کسی دوسری عمارت سے نہیں تھا۔ وہ بذات خود علیحدہ تھی ❖

الغرض ربقہ کو بچاؤ کا کوئی ذریعہ نظر نہ آیا۔ اس لئے اُسے یہ یقین ہو گیا کہ
وہ آزمائش کا وقت ہے۔ اور اسی لئے اُس نے اپنے آپ کو آنے والے خطرے
کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کرنا شروع کیا۔ جس وقت کہ کسی کے قدموں کی آہٹ
سنائی دی تو ربقہ کا رنگ فق ہو گیا اور وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ آخر کار مینار کا دروازہ
آہستہ سے کھلا اور ایک دراز قامت شخص رہزنوں کے لباس میں داخل ہوا۔ وہ
جس ارادے سے آیا تھا اُس کے انجام دینے میں اُسے شرم معلوم ہوئی۔ اس لئے
وہ ربقہ کے مقابل کھڑا ہو گیا۔ لیکن آخر کار اُس نے ظاہر کر دیا کہ وہ کس غرض
سے آیا ہے۔ ربقہ نے اُس کا ارادہ معلوم کر کے پہلے ہی سے دو قیمتی کنگن اور ایک
طوق اتار لیا تھا اور ان چیزوں کو اُس نے فرضی راہزن کے حوالے اس خیال

سے کر سمجھا گیا کہ اس سے معمولی سی بے عزتی ہو جائیگی اور یہ کہ وہ اس پر رحم کھائیگا۔
دلبقہ (دلقہ پر جھک کر) "ان کو لے لو۔ اور خدا کے واسطے مجھ پر اور میرے بدقسمت
باپ پر رحم کرو! یہ زیور اگرچہ قیمتی ہیں تاہم اُس مہربانی کے بدلے کے طور پر جسکے
ذریعے تم ہمیں اس قلعہ سے نکال سکو گے بالکل ناچیز ہیں"
راہزن "اے گل فلسطین! یہ موتی مشرق کے ہیں تاہم تیرے دانتوں کی سفیدی
کے آگے ہیچ ہیں۔ یہ ہیرے درخشاں ہیں لیکن وہ تیری نگاہوں کے سامنے ناچیز
ہیں۔ اور میں نے جب سے کہ رہزنی کا پیشہ اختیار کیا ہے ہمیشہ دولت پر حسن و
شباب کو ترجیح دی ہے"
دلبقہ "ایسی غلطی کبھی نہ کرنا۔ تاوان لے لو۔ اور رحم کرو! اس کے عوض خدا تمہیں
خوشی عطا کریگا اور تم سے خوش رہیگا۔ لیکن ہم سے برا اور بدسلوک کرنے سے تم کو
افسوس حاصل ہوگا۔ تم پچھتاؤ گے۔ میرا باپ خوشی کے ساتھ تمہاری انتہائی خواہش
پوری کرسکیگا۔ اور اگر تم عاقلانہ روش اختیار کرو گے تو تم کو جو کچھ ہم سے حاصل ہوگا
اُس کے ذریعے سے تم بڑے معزز بن جاؤ گے۔ تم گزشتہ گناہوں اور خطاؤں کی
معافی حاصل کر لوگے۔ اور آیندہ خطاؤں کے مرتکب ہونے کی ضرورت سے بھی
بچ سکو گے"
راہزن (فرنچ زبان میں) "کیا اچھی بات کہی۔ تیرا باپ ایک ایسے کیمیاگر کے قابو
میں ہے جو کہ تانبے کو سونا بنا سکتا ہے۔ وہ تو ایسے ایک انسان کے قبضے میں ہے
جو اس سے بلا میری اور تیری التجا کے جو کچھ چاہے لے لیگا۔ تیرا تاوان محبت اور
حسن سے ادا کیا جانا چاہئے۔ اور اسے میں کسی اور سکہ کی شکل میں قبول بھی
نہیں کرونگا"
دلبقہ "تم راہزن نہیں ہو۔ کیونکہ کوئی راہزن بھی ایسی چیزیں لینے سے انکار
نہیں کرتا۔ اور نہ اس ملک کا کوئی راہزن تمہاری سی بولی بولتا ہے۔ تم تو نارمن
ہو۔ اور کوئی قابل خاندانی شخص ہو۔ اس بھگل کو اتار پھینکو"
ڈی بریسی (فرنچ) "راہزن کا یہ علم تھا۔ اور تم بھی جو اس قدر لطافت رکھتی ہو تو

بنی اسرائیل میں سے نہیں ہو بلکہ حور بہشتی ہو فی الواقع میں راہبوں میں نہیں ہوں اور میں تجھ کو ان لذیذات سے محروم کرنے کی جگہ اُن کو ہیروں اور جواہرات سے لاد دونگا۔ کیونکہ وہ اسی قابل ہیں۔"

ربقہ:۔ "تم مجھ سے کس بات کے طالب ہو؟ اگر دولت کے نہیں تو اور کس چیز کے؟ ہم میں کوئی بات مشترک نہیں ہے۔ تم عیسائی ہو اور میں یہودن۔ ہماری شادی یا رشتہ مذہباً بھی ناممکن ہے۔"

گلبرٹ:۔ "اگر در اصل یہ بات بھی ہو تو بھی شادی تو یہودن سے ذکر ے۔ بخدا اگر وہ ملکۂ سبا بھی ہو تو بھی نہ کرے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ اگر کوئی عیسائی بادشاہ اپنی بیٹی کے ساتھ میری شادی کرے اور ملک و مال بھی جہیز میں دے تو بھی میں قبول نہ کروں۔ کسی عورت سے محبت کرنا میرے فرقہ کے اصول کے خلاف ہے۔ البتہ طریق عشق کے ساتھ میں تجھ سے محبت کرونگا۔ میں ٹیمپلر فرقہ سے ہوں۔ یہ دیکھ میری صلیب۔"

ربقہ:۔ "کیا تم موجودہ جیسی حالت میں بھی اس بات کی درخواست کرنے کی جرأت کرتے ہو؟"

گلبرٹ:۔ "اور اگر میں ایسا کروں تو اس سے تیرا کیا واسطہ۔ کیونکہ تُو تو ہمارے مذہب کی قائل ہی نہیں۔"

ربقہ:۔ "میں اپنے بزرگوں کے عقیدے کو مانتی ہوں۔ اور اگر میرا عقیدہ غلط ہے تو خدا مجھے معاف کرے۔ لیکن جناب سورما آپ کا عقیدہ کیا ہے جبکہ بلا پس و پیش اُس عقیدے کا واسطہ دیتے ہیں جسے آپ متبرک سمجھتے ہیں۔ اور خاص کر اس حالت میں جبکہ آپ ایک سورما اور ایک دینی پیشوا کی حیثیت سے اپنے عہد کو توڑتے ہیں۔"

گلبرٹ:۔ "اے یہودن تو وعظ تو خوب اچھا کرتی ہے۔ لیکن تعصب نے تیری آنکھیں بند کر دی ہیں۔ شادی کر لینا ایک ٹیمپلر کا سب سے بڑا گناہ خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن اُس کی اس سے کمتر بیوقوفی معاف ہو سکتی ہے۔ ہمارے فرقہ کے حقوق سے بادشاہوں کے حقوق بھی کمتر ہیں۔ کیونکہ ہم سلیمان کی ہیکل کے محافظ ہیں۔ وہ اُسکی

تقلید میں سند حاصل کر سکتے ہیں "۔

ربقہ:۔ اگر تم دین کتب سے اپنی خطاؤں کی سند لئے ہو تو تمہارا گناہ اس شخص کا سا ہے جو ضروری جڑی بوٹیوں میں سے زہر نکالتا ہو "۔

گلبرٹ (خفا ہوکر) "ربقہ سنو۔ اب تک تو میں ملائم الفاظ سے پیش آیا۔ مگر اب میں ایک فاتح کے الفاظ استعمال کرتا ہوں ۔ تم کو میں نے گرفتار کیا ہے اور تمام قوموں کے قوانین کے مطابق تم میری مرضی کے تابع ہو۔ اور میری بات کو تم نے التجا کے ذریعے قبول نہیں کیا اُسے زبردستی حاصل کرنے کے لئے میں اپنے حق سے ذرہ بھر بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتا ہوں "۔

ربقہ:۔ "پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو۔ ہاں پیچھے ہٹ کر۔ اور قبل اس کے کہ تم اسقدر بھاری گناہ کے مرتکب بنو میری بات سن لو۔ گو تم میری طاقت پر غالب آسکتے ہو۔ کیونکہ خدا نے عورت کو کمزور بنایا ہے۔ مگر میں تم کو سارے یورپ میں بدنام کرسکتی ہوں ۔ اور جس بات کو تمہارے فرقہ اور مذہب والے ازراہ ترحم مجھے دینے میں انکار کرینگے اُسے میں مذہب کا واسطہ دیکر حاصل کرلونگی ۔ اور سب جان جائینگے کہ تم نے ایک کافر بن کر ایک یہودن کے ساتھ گناہ کیا ہے ۔ جو لوگ کہ تیرے گناہ کے آگے نہیں کانپتے وہ تجھے اس لئے ملعون قرار دینگے کہ تو نے صلیب میری قوم کی ایک عورت کی راہ پر چل کر بے عزت کردیا "۔

گلبرٹ ۔ "ای یہودن تو بڑی عقلمند اور چالاک ہے۔ لیکن تیری آواز تو اُسی وقت کارگر ہوسکتی ہے جبکہ وہ اس قلعہ کے باہر جاسکے۔ مگر اس کے اندر تو چیخ پکار التجا اور گریہ وزاری سب ہی بیکار ہیں ۔ ربقہ صرف ایک بات تجھے بچا سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ تو اپنی قسمت پر صبر و شکر کر اور ہمارا مذہب قبول کرلے۔ اور اس وقت نارمن قوم کی بہت سی معزز خواتین تیرے آگے اس لئے سر جھکائینگی کہ تو ہمارے فرقہ کے ایک بڑے مشہور سردار کی چہیتی ہوگی "۔

ربقہ:۔ "قسمت پر صبر و شکر کر لوں اور کس قسمت پر! تمہارا مذہب قبول کرلوں! اور وہ مذہب ہی کیا ہے جو تم جیسے شریر دشمن کو پناہ دیتا ہے ۔ لے اپنے فرقہ کے سردار سا

مشاہیر بہی خواہان بنی آدم

جان ہوورڈ

جان ہوورڈ اس برگزیدہ شخص کا نام ہے۔ جو اٹھارھویں صدی میں بنی نوع انسان کی محبت اور ہمدردی اور ایثار نفس کے چمکدار جوہر اپنی پیشانی میں لیکر دُنیا میں نمودار ہوا تھا۔ ایک صدی کے قریب ہونے پر آیا ہے۔ کہ سارے یوروپ پر اس خبر وحشت اثر سے ایک سناٹا سا چھا گیا۔ کہ یہ نیک دل مرد خدا روسی ترکستان کے ایک دور دراز قریہ میں طعمۂ نہنگ اجل ہو گیا ہے۔ اس زمانہ میں کئی محبان بنی نوع انسان پیدا ہوئے۔ اور اُن کے کارنامے ہمدردی کے آسمان پر ستارے بن کر چمکے۔ مگر اس آفتاب عالم افروز کے سامنے سب کا نور و ضیا ماند پڑ گیا۔ جوں جوں زمانہ گزرتا چلا جا رہا ہے۔ جان ہوورڈ کا نام بقائے دوام کے دربار میں زیادہ نمایاں امتیاز حاصل کر رہا ہے۔ ایک نامعلوم زمانہ کے درخت کی طرح ہوورڈ کی شہرت چارسو پھیل رہی ہے۔ اور اُس کا نام ماہتاب کی طرح سیاہ ابر کے درمیان چمک رہا ہے۔

یہ بات ٹھیک طور پر معلوم نہیں۔ کہ جان ہوورڈ کہاں اور کب پیدا ہوا۔ ایک کتبے کے رو سے جو اس کی یادگار پر لگا ہے۔ وہ مڈل سیکس میں بمقام ہیکنی ۲ ستمبر ۲۶اء کو تولد ہوا۔ اُس کا باپ شہر لندن میں ایک سوداگر تھا۔ نہایت [illegible] دل اور خدا ترس تھا۔ بہت سا روپیہ جمع کر کے وہ تجارت کے کاروبار سے دستکش ہو گیا۔ اور [illegible] میں ایک [illegible] خرید لیا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ

ہوورڈ کا باپ کنجوس تھا۔ مگر یہ بیان مبالغہ سے خالی نہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ پیسے دھیلے کا کفایت شعار اور محتاط آدمی تھا۔ وہ پیوریٹن اور پرجوش مذہبی آدمی تھا۔ عبادت میں کبھی ناغہ نہ کرتا تھا۔ اُس نے اپنے فرزند کی [illegible] طریق پر تربیت کی نہیں بلکہ اپنے خیالات کا عکس اپنے بیٹے کے دل پر ڈال دیا۔ ان خیالات کی ہی برکت تھی۔ کہ ہوورڈ دُنیا میں درخشاں ستارہ بن کر چمکا۔ ہوورڈ کوئی بڑا عالم نہ تھا۔ زمانہ طالب علمی میں۔ سکول میں ذہانت کے آثار اُس میں نمایاں نہ تھے۔ ان خیالی کی لہریں جو گاہے ماہے اُس کے دل کے سمندر میں تلاطم پیدا کرتیں۔ تو معلوم ہو جاتا یہ طفل مکتب کوئی معمولی لڑکا نہیں ہے ٭

اُس کے باپ نے اگرچہ تجارتی کاروبار چھوڑ دیا تھا۔ مگر ابھی تک اُس کو تجارت سے دلچسپی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے ہوورڈ کو ایک پنساری کا شاگرد بنا لیا۔ جہاں فرض کی وجہ سے ہوورڈ اپنے فرائض تو کما حقہٗ طور پر ادا کرتا۔ مگر اس کا دل اس کام میں نہ لگتا تھا۔ اُس کو روپیہ پیسہ سے محبت نہ تھی۔ اور نہ ہی مالداروں کی وہ محض دولت کی وجہ سے عزت کرتا تھا۔ ابھی وہ شاگرد ہی تھا۔ کہ اُس کا باپ اس دار ناپائدار سے چل دیا۔ اور وہ اور اُس کی بہن ایک عظیم جائداد کے مالک بنے۔ اُس وقت ہوورڈ کی عمر سولہ سال کی تھی۔ بہت سا روپیہ اور بیڈفورڈ شائر کی جائداد اُس کی مرضی پر منحصر تھی۔ ایک متمول نوجوان کی حیثیت میں اُس کا کیرکٹر ہر طرح قابل تعریف رہا۔ اُس نے اپنے آپ پر خوب ضبط رکھا۔ مطالعہ کا مذاق پیدا کیا۔ مذہبی فرائض کو توجہ سے ادا کیا۔ اور عیش و عشرت کی مجالس سے جن میں اکثر متمول مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کوسوں دور رہا ٭

پچیس برس کی عمر میں اُس نے ایک عجیب غیر معمولی بات کی۔ یعنی مسز لارڈ نامی ایک معزز و مہذب بیوہ سے جس کی عمر باون سال کی تھی شادی کی۔ عمر میں بہت بڑا فرق ہونے کے علاوہ مسز لارڈ صرف رتبہ [illegible] دیگر احسانات جلیلہ میں بھی ہوورڈ سے بہت گھٹیا تھی۔ مگر ایک خدمت گزاری کی علامت ہے کہ ہوورڈ [illegible] مکان پر [illegible]۔ [illegible] نے [illegible]

[illegible]

ہوا - اس کو ایک جنگی جہاز نے گرفتار کر لیا - اور جہاز کے تمام مسافر بریسٹ کی بندگاہ
میں قید کر دئے گئے - اس زمانہ میں اسیران جنگ سے سخت ظالمانہ سلوک کیا جاتا تھا
اب ہوورڈ کو بھی اس سلوک کا مزا چکھنا پڑا - گو دنیا کو اس کی قید سے بھی فائدہ پہنچا کیونکہ
اس سلوک سے متاثر ہو کر اس نے دل میں ٹھان لی - کہ قیدیوں کی مصیبت کو گھٹانے
کے لئے جدوجہد کرنا میری زندگی کا مقصد اعظم ہو گا - اعلیٰ شخصیت کی وجہ سے زمانہ قید
میں وعدہ پر جیل نے اس کو شہر میں رہنے کی اجازت دیدی - اس کی زبان کافی ضمانت
تصور کی گئی - سرکاری اشخاص سے نامہ و پیام کے بعد اسے اس شرط پر انگلستان جانے
کی بھی اجازت مل گئی - کہ اگر وہ برٹش گورنمنٹ سے اپنے عوض میں موزوں تبادلہ نہ دلا سکا
تو پھر قید میں واپس آجائیگا - اس وعدہ کو پورا کرنے کے بعد اس نے دوسرے قیدیوں کے
لئے بڑا زور لگایا - اور خلق خدا کی فیض رسانی کے لئے مختلف وسائل اختیار کئے +

اب ہوورڈ کی زندگی کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا - اور وہ کارڈنگٹن میں اپنی چاہتی
بیوی ہیرئٹ (یہ دوسری بیوی تھی) کے ساتھ خوش خوش بسر کرنے لگا - یہاں اسکی فیاضی
اور داد و دہش کا سمندر ایسے جوش میں آیا - کہ غریبوں اور محتاجوں کی کشت آرزو ہری بھری
ہو گئی - جہاں اس کی فیاضی کی لہر گئی - وہیں داغ باغ ہو گیا - اپنے مزارعین اور آبادکاروں
کی اخلاقی - تمدنی اور مادی حالت کو سنوارنے کے لئے ان میاں بیوی نے وہ جدوجہد
کی کہ آسمان سے بھی مرحبا مرحبا کی صدائیں بلند ہونے لگیں - اپنی دولت اور جائداد کو
وہ ایک عطیہ الٰہی سمجھتے تھے - اور خیال کرتے تھے کہ یہ ایک امانت ہے جو خلق کی
خدمت کے لئے خدا نے ہم کو دے رکھی ہے +

ہر سال کے خاتمے پر وہ اپنی آمد و خرچ کا حساب کرتے - اور جو رقم فاضل بچتی
اُسے راہ خدا پر خرچ کر دیتے - اور ایسے خرچ سے اُن کو بہت ہی خوشی حاصل ہوتی
شادی کے بعد ایک بڑی رقم فاضل بچی - ہوورڈ نے لندن کی سیر کی ٹھانی - اس کی
نیک دل بیوی ہیرئٹ نے کہا کہ جو روپیہ لندن کی سیر پر خرچ ہوگا - اُس سے ہم
[illegible] مکانات تعمیر کر سکتے ہیں - [illegible]
[illegible]

اس تمام زمانہ میں ہیورڈ کی زندگی انجیل مقدس کی تعلیم کے مطابق رہی۔ اس کی دلی خواہش اور کوشش تھی کہ نبیوں اور رسولوں کی سی پاک زندگی بسر کرے۔ تاکہ نجات ابدی کا مستحق ٹھہرے۔ وہ زندگی کی جدید نمائشوں اور تہذیب کی نئی لہروں سے بیزار تھا۔ اس کا خیال تھا۔ تہذیب جتنی بڑھتی ہے۔ اتنی ہی برائی بھی پھیلتی ہے۔ وہ ایک صاف عیسائی بن کر رہنا چاہتا تھا۔ اس کو یقین تھا کہ انجیل مقدس کے ورق تمام علوم کا سرچشمہ ہیں یہ عقل و دانش کی بنیاد ہیں۔ وہ خدا کے کلام کو تمام کلاموں سے افضل تر اور برتر سمجھتا تھا۔ اور اس کی ہی تلاوت کرتا تھا۔ اور اس کی تعلیم کے مطابق اس نے اپنی زندگی کو ایسے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ کہ وہ کامل و مکمل انسان بن جائے۔

کارڈنگٹن میں اس کی زندگی کا یہ مرحلہ ایک نہایت پُردرد نظارہ پر ختم ہوتا ہے ۱۷۶۵ء میں اس کی چاہتی بیوی ایک لڑکا جننے کے بعد اچانک داعی اجل کو لبیک کہہ گئی۔ غریب خاوند پر رنج و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اسے سخت غم ہوا۔ دنیا اس کی نظروں میں اندھیر ہو گئی۔ وہ خوبصورت ہنریٹہ کو دل سے محبت کرتا تھا۔ اس کی ایک ایک پل کی جدائی اسے شاق تھی۔ مگر تقدیر کا سایہ سب پر غالب ہے۔ دوا اور دعا کی کوئی پیش نہ چلی اور ہنریٹہ ہمیشہ کے لئے اس دار ناپائدار سے رخصت ہو گئی۔

جان دی۔ دی ہوئی اسکی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اب سوائے اس کے چارہ ہی کیا تھا کہ مظلوم ہوورڈ نے کلیجہ پر صبر کا پتھر رکھا۔ اور یوں پتھر کا دل کر کے اُسے مرحومہ کی یادگار سے گرما کر موم کی طرح پگھلانے لگا۔ اب اس کی زندگی کا سارا نقشہ بدل گیا۔ کارڈنگٹن کا آسمان آفتاب سے خالی ہو گیا۔ ہوورڈ کا دل اس صدمہ سے ہمیشہ کی تاش بن گیا۔ وہ ہر سال اس کی برسی مناتا۔ اس کی یاد میں خون دل آنکھوں کے راستے بہاتا۔ سرد آہیں بھرتا۔ اور فاقے کاٹتا۔

کچھ مدت تک وہ کارڈنگٹن میں رہا۔ مگر جب اس کی صحت جواب دینے لگی تو وہ بغرض تبدیلی آب و ہوا [illegible] روانہ ہو گیا۔ اس نے ارادہ کیا کہ ۱۷۶۹ء کا سال [illegible] بسر کرے۔ مگر خدا کی یاد میں وہ اس قدر محو تھا کہ [illegible] نقصان سے [illegible] دل اچاٹ ہو گیا۔ [illegible]

اور بارگاہ ایزدی میں خشوع وخضوع سے دعا مانگی ۔ وہ واپس چلا آیا۔ مگر صحت کی خرابی نے پھر اُسے اٹلی جانے پر مجبور کیا ۔ یہاں وہ صحت حاصل کرنے کے ساتھ ہی اپنی روحانی اصلاح میں بھی مصروف رہا ۔ اور دلی توبہ سے دعائیں مانگتا رہا ۔ جب ہوورڈ بر اعظم کے دورہ سے واپس آیا ۔ تو بیڈفورڈ کا شرف مقرر۔ سٹیٹ ایکٹ ابھی تک نافذ تھا ۔ اور ہوورڈ اس کے مخالف تھا ۔ اُس زمانہ میں قاعدہ تھا کہ شرف کے فرائض ماتحت افسر ادا کرتے ۔ اور شرف خود کوئی کام نہ کرتا ۔ بلکہ اس عہدہ کو صرف امارت کا ایک نشان سمجھتا ۔ مگر ہوورڈ ایسا آدمی نہ تھا کہ اپنے کرنے کا کام دوسروں سے کراتا ۔ وہ نہایت تندہی سے اپنے فرائض منصبی کو سرانجام کرنے لگا ۔ جیل خانے کا معائنہ کرتا اور ہمیشہ اُس میں کوئی نہ کوئی اصلاح کرتا رہتا ۔ یہ ایک اتفاق کی بات ہے کہ اُس کی تحویل میں وہی جیل خانہ تھا ۔ جس میں بنیان ۱۶۶۰ء سے ۱۶۷۲ء تک قید رہا تھا ۔ اور جہاں اُس نے اپنی غیر فانی کتاب ڈریم Dreams (خواب) حوالہ قلم کی تھی ۔ ہوورڈ نے اپنی زندگی کے اگلے بیس برس جیسا کہ وہ خود کہتا ہے ۔ اُن اشخاص کے دیکھنے میں جن کو جیوری نے باتفاق رائے بے قصور قرار دیا تھا ۔ اور اُن کو جن کو جیوری نے زیر تفتیش رکھنا مناسب نہ سمجھا ۔ اور اُن کو جن کے مستغیث حاضر نہ ہوتے ۔ اور وہ پھر بھی جیل خانہ واپس بھیجے گئے اور اس وقت تک مقید رہے ۔ جب تک کہ داروغہ جیل اور کلرک عدالت وغیرہ کی فیس ادا نہ کی ۔ صرف کئے ۔ اس ظلم کی بیخ کنی کرنے کے لئے اُس نے ججوں سے درخواست کی کہ داروغوں کو فیس کی بجائے مقررہ تنخواہ ملنی چاہیئے ۔ ججوں نے اس درخواست پر ہمدردی سے غور کیا ۔ اور اُس کو شرف قبولیت بخشنے کی خواہش ظاہر کی ۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا ۔ کہ اخراجات کے لئے اپنے ماتحت حلقہ کے لوگوں سے روپیہ وصول کرنے کے لئے کوئی مثال چاہیئے ۔ ہوورڈ مثال کی تلاش میں چند حلقوں میں گیا ۔ مگر اُس کو معلوم ہوا ۔ اُن میں بھی ایسا ہی ظلم ہوتا ہے ۔ اور وہاں کے جیل خانوں میں بھی ایسا ہی اندھیر چھایا ہوا ہے ۔ ان باتوں کو دیکھ کر وہ جیل خانوں کی اصلاح پر بیش از پیش آمادہ ہوا ۔ اُس زمانہ میں درحقیقت جیل خانوں کی حالت سخت ابتر تھی ۔ دیوانی اور فوجداری قیدیوں کی حالت سخت قابل رحم تھی ۔ داروغے بازاری چلن اور زبون عادات کے ہوتے تھے ۔

اُن کی مناسب نگرانی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ وہ اکثر اپنے حکام بالادست کے احکام اور پارلیمنٹ کے قانون کو پسِ پشت ڈال دیتے تھے۔ اُن کو اکثر حالتوں میں باقاعدہ تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ وہ قیدیوں اور اُن کے دوستوں سے جو کچھ ملتا جھپٹ لیتے۔ فلیٹ کے ظالم داروغہ بیمبرج (Bambridge) نے یہ عہدہ سابق داروغہ ہگنس کو ۵۰۰۰ پونڈ دیکر حاصل کیا تھا۔ یہ ظالم مظلوم قیدیوں پر ناگفتہ بہ مظالم کرتے۔ قیدیوں کو نہایت بُری حالت میں رکھا جاتا تھا۔ سولہ فیٹ مربع کمرے میں تیس تیس چالیس چالیس اور اکثر پچاس پچاس قیدی رات کے وقت بند کئے جاتے۔ جسمانی ایذائیں دینا تو معمولی بات تھی۔ وہ مقروض قیدی جو محافظوں کی مُٹھی اُن کی حسب خواہش گرم نہ کر سکتے اُن کو مُردوں کے ساتھ رکھا جاتا۔ چنانچہ ایک قیدی گورنر کے حکم سے ایک ہفتہ تک ایک ایسے زیرین کمرے میں جہاں دو لاشیں دنوں سے پڑی تھیں رکھا گیا۔ کمرہ مہلک حشرات الارض سے بھرا ہوا تھا۔ اور بدبو اور تعفن سے دماغ پھٹتا تھا ؛

اکثر ایسا بھی ہوتا۔ کہ مقروض میعاد قید گزرنے کے بعد فیس نہ ادا کرنے کی وجہ سے قید رکھے جاتے۔ صرف فلیٹ کے جیل خانے میں باون اشخاص اسی طرح خلاف قانون قید رکھے گئے۔ اُن میں سے بعض نو۔ دس اور گیارہ سال تک ناکردہ گناہ زندان میں سڑتے رہے۔ کارڈف میں ہوورڈ نے معلوم کیا۔ کہ ایک شخص اُس کے معائنہ سے کچھ عرصہ پہلے ہی فوت ہوا ہے۔ جو سات پونڈ قرض کے عوض دس سال سے جیل خانہ میں مصیبت کے دن کاٹ رہا تھا۔ پن زینس میں اُس نے ایک آدمی ایسی جگہ میں مقید دیکھا۔ کہ کمرہ میں کوئی ہوادان نہ تھا۔ فرش کچا اور سیلا ہوا تھا۔ اور چار ہفتہ سے اُس کا دروازہ نہ کھولا گیا تھا۔ جب ہوورڈ گیا۔ تو دروازہ کھلا۔ اور محافظ کمرہ صاف کرنے لگا۔ صرف ایک قیدی ایسا تھا جو مضبوط معلوم ہوتا تھا۔ مگر دس ہفتوں کی قید سے اُس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ اُس کا ایک بھائی جو غریب اور عیالدار تھا۔ اُسے تھوڑی سی خوراک لا دیتا تھا۔ کمرہ سیلا ہوا تھا۔ فرش پر کوئی کوئی تنکا گھاس کا تھا۔ قیدی نے مجبور ہو کر گھر سے بستر منگوا لیا۔ اُس کی ایک بیوی اور دس بچے تھے۔ جن میں سے دو اثنائے قید میں مر چکے تھے۔ اور باقی فاقوں سے نیم جان ہو رہے تھے۔ ہوورڈ

نبرس بارو کے جیل خانہ کے متعلق بیان کرتا ہے کہ "اس میں کوئی چولھا نہیں۔ فرش کچا ناہموار اور سخت خراب ہے۔ شہر کی ایک بدرو اس میں سے گزرتی تھی۔" ہوورڈ کے معائنہ سے کچھ مدت پہلے ایک بدقسمت افسر اس جیل خانہ میں ڈالا گیا۔ اس کو اس جگہ کا علم تھا وہ بطور حفظ ماتقدم اپنا کتا ساتھ لایا۔ تاکہ حشرات الارض سے محفوظ رہے۔ چند دنوں میں کتا ہلاک ہوگیا۔ اور اس افسر کو بھی کسی بچھو وغیرہ نے ہاتھ اور چہرے پر ایسا کاٹا کہ بچارا نکما اپاہل ہوگیا +

پولی موتھ میں ہوورڈ نے ایک جیل دیکھا۔ سترہ فیٹ طویل۔ آٹھ فیٹ عریض اور صرف ساڑھے پانچ فیٹ بلند۔ ایک جوان آدمی اس میں سیدھا کھڑا نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ کمرہ ایسا تاریک اور بند تھا کہ اس میں نہ ہوا آتی تھی اور نہ ہی روشنی۔ دروازہ میں ایک چوکھٹ پانچ انچ قطر کی تھی۔ بس وہی روشنی اور ہوا کا مخزن تھی۔ ہوورڈ یہ معلوم کرکے خوف خدا سے کانپ اٹھا کہ اس تاریک کوٹھڑی میں تین آدمی دو ماہ تک رکھے گئے ہیں۔ وہ نہ تو دیکھ سکتے تھے اور نہ ہی بخوبی سانس لے سکتے تھے۔ اور نہ سیدھے کھڑے ہو سکتے تھے۔ اپنے آپ کو زندہ رکھنے کو وہ باری باری چوکھٹ کے پاس آتے۔ اور تازہ ہوا کا سانس لیتے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے۔ تو دم گھٹ کر عدم کو سدھارتے۔ ان تنگ و تاریک اور بدبودار جیل خانوں اور مظلوم قیدیوں کے انبوہ کی وجہ سے ایک خوفناک بیماری جسے جیل کا بخار کہتے ہیں پیدا ہوگئی۔ اس بخار سے کئی قیدی تلف ہوئے۔ سنہ ۱۷۳۰ء میں لارڈ چیف بیرن آف انگلینڈ۔ کامن سرجنٹ ایک شرف اور کئی ملازم اس بخار کی وجہ سے نہنگ اجل کا لقمہ بنے۔ مگر پھر بھی کسی کے کان پر جوں نہ رینگی اور کوئی انتظام نہ کیا گیا۔ بیماری کا خوف معائنہ کے لئے ایک بڑی رکاوٹ تھا۔ ڈر کے مارے کوئی افسر جیل خانہ کے اندر نہ جاتا تھا +

کئی جیل خانوں میں دیوانی اور فوجداری قیدیوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ بعض میں مرد اور عورت قیدی اکٹھے رکھے جاتے تھے۔ قیدیوں کو خوراک اور کپڑا انہیں دیا جاتا تھا۔ اور نہ ہی ان سے کوئی کام لیا جاتا تھا۔ سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ ثبوت

اور خیانت کی کوئی حد نہ تھی۔

ہوورڈ نے انگلستان۔ سکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ کے جیل خانوں کا معائنہ کیا۔ اور اسی غرض سے براعظم پر ۴۲۰۰۰ میل سفر کیا۔ اُسکے سارے کارنامے کے اقتصاد کے لئے بھی ایک دفتر چاہیئے۔ ہم اس کے صرف چند حصوں کا ذکر کرتے ہیں تاکہ ناظرین اس باب میں اُس کی اَن تھک کوششوں کا کچھ اندازہ کرسکیں۔

آئرلینڈ میں اُس نے جیل خانوں کی حالت مقابلتاً اچھی دیکھی۔ اُس کو یہ معلوم کرکے بڑی خوشی ہوئی کہ یہاں قیدیوں کے ہاتھ شراب فروخت کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ سکاٹ لینڈ میں اُس کا تپاک سے خیر مقدم کیا گیا۔ گلاسگو پہلا شہر تھا جس نے اُس کو پبلک اعزاز دئے اور شہر کی آزادی بخشی۔

کلیسیا کے ماتحت جو جیل خانے تھے۔ اُن کی اور بھی ابتر حالت تھی۔ براعظم پر بھی یہی اندھیر نگری کا عالم چھایا ہوا تھا۔ ہیگ۔ گنٹ اور مالٹا کے جیل خانوں نے ہوورڈ کو خاص طور پر اپنی طرف متوجہ کیا۔ میڈرڈ کا جیل خانہ دیکھنے کی اُس کو اجازت نہ دی گئی۔ سخت منت و اصرار کے بعد صرف ایک دو کمرے دکھائے گئے۔ روم اور دیگر شہروں میں تو اتنی بھی اجازت نہ ملی۔ بیسٹل کے جیل خانہ کے معائنہ کی درخواست بھی رد ہوئی۔ ایک دن اُس نے اس جیل خانہ میں داخل ہونے کی دلیری کی۔ مگر چند قدم جاکر ہی واپس پلٹ آیا۔ ورنہ اُس کی جان کی خیر نہ تھی۔ فرانس اُس کو اس جسارت کی کبھی معافی نہ دیتا۔ مگر ہوورڈ کی زندگی میں ہی بیسٹل کا جیل خانہ مسمار کردیا گیا۔ فرانس میں جب وہ آیا۔ تو اُس کو معلوم ہوا کہ فرانس کے قواعد کی رو سے کوئی اجنبی جیل خانہ کے اندر نہیں جاسکتا۔ مگر وہ اس تکلیف پر ایک نہایت عجیب ڈھب سے غالب آیا۔ اُسکو معلوم ہوا کہ پارلیمنٹ کا ایک قانون ہے کہ صرف وہ اجنبی جیل خانہ کے اندر داخل ہوسکتا ہے جو قیدیوں کو خیرات دینا چاہے۔ ہوورڈ اس بات سے بہت خوش ہوا اور اگرچہ اُس کا زرکثیر خرچ ہوگیا۔ مگر اس نے جیل خانوں کا معائنہ کیا۔ مگر اُسکی خیرات کی کوئی حد نہ تھی اُس نے اپنے سفروں اور خیراتوں میں ۳۰ ہزار پونڈ صرف کئے۔ جب وہ کسی قیدی کو تھوڑے سے قرضہ کے بدلے میں جیل خانہ میں دیکھتا۔ تو اُسکا قرضہ اپنی گرہ سے ادا کرکے مصیبت سے خلاصی دلا دیتا۔

طالبانِ حق

پہلی فصل

حکیم سنیکا

لڑکپن اور خاندان

سنیکا کی پیدائش کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہے۔ لیکن گمان غالب ہے کہ سن عیسوی کے آغاز سے سات سال پیشتر واقع ہوئی تھی۔ اس شخص کی زندگی کے مطالعہ میں عجیب قسم کی گہری اور سنجیدہ دلچسپی پیدا ہوجائیگی۔ اگر ہم اس بات کو یاد رکھیں کہ جس پُر آشوب اور اخلاق سے نا آشنا زمانہ میں اس کی طفلی کا عالم گزرا۔ وہ وہی زمانہ تھا جب مسیح ملک فلسطین میں بنی آدم کو اپنی تعلیم سے مالامال کر رہا تھا۔

وہ عظیم و پیچیدہ مسائل جن کی تحلیل کے لئے سنیکا برسوں سے سخت دماغ سوزی سے کام لے رہا تھا۔ اور جو مدت سے اس کی طبیعت کی پریشانی اور اضطراب کے باعث ہو رہے تھے۔ ایک دور افتادہ ملک میں ایسی قوم کے وسیلے سے حل پذیر ہوئے۔ جن کے عقیدے اور طرز معاشرت کو وہ نظر حقارت سے دیکھتا تھا۔ جس زمانہ میں وہ اپنے خانہ زاد غلام کی زیر حفاظت شہر روما کے بازاروں سے جو طوائف الملوکی کے سبب سے خطرناک اور غدار بنے ہوئے تھے۔ مدرسہ کو جایا کرتا تھا۔ اس زمانہ میں پطرس[لہ] اور یوحنا چھوٹے چھوٹے لڑکے تھے۔ اور

لہ نوٹ صفحہ ۶۲ پر

جھیل ٹبریاس کے کناروں پر مچھلیاں پکڑنے میں مشغول رہتے تھے۔ جب سنیکا اپنے استاد اطالوس (Attalus) کے جو ایک اسٹوئک فیلسوف تھا زیرنگرانی کمال شوق سے تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس وقت پولوس دلسوزی اور تندہی سے گملئیل کے قدموں میں بیٹھکر دینیات کی تربیت پا رہا تھا۔ سنیکا کی شہرت نصف النہار پر پہنچنے سے بہت مدت پیشتر جسکے حصول میں اسے ہزارہا مصائب اور دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ وہ شخص مصلوب ہوا تھا۔ جس کی ذات بابرکات سے وہ بالکل ناآشنا تھا۔ اور جس کی قدرت اور توسط سے ہم ابدی راحت اور سکھ حاصل کر سکتے ہیں۔

جب وہ دو برس کا تھا تو اُس کے والدین کارڈوا واقع ہسپانیہ سے شہر روما کو چلے آئے۔ دیکھنے میں آتا ہے کہ جن لوگوں کو شہرت اور تفوق حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی ہے۔ اوائل عمر میں طرح طرح کے امراض میں مبتلا رہتے تھے۔ یہی حال سنیکا کا تھا۔ جو لڑکپن اور عالم شباب کو پہنچنے سے قبل دائم المریض تھا۔ وہ ایک مہلک مرض کا خود ذکر کرتا ہے۔ جس سے اسے اپنی خالہ کی تیمارداری کے سبب رفتہ رفتہ شفا حاصل ہوئی تھی۔ تمام عمر اسے دمہ کی سخت شکایت رہی۔ جسے وہ تمام امراض کا ذاتی تجربہ حاصل کرنے کے بعد سب سے بڑی بیماری قرار دیتا ہے۔ ایک مرتبہ مرض نے ایسا زور پکڑا اور اسے اتنی شدید تکلیف ہوئی۔ کہ وہ خودکشی پر آمادہ ہو گیا۔ مگر اپنے والد کی خاطر سے

لے خداوند مسیح کے بارہ حواری تھے جن کے نام یہ ہیں۔ پطرس اور اس کا بھائی اندریاس۔ یعقوب اور اس کا بھائی یوحنا فیلبوس۔ بارتھولما۔ تھوما۔ متی۔ یعقوب ولد حلفیاس۔ تدیاس۔ شمعون کنعانی۔ اور یہوداہ اسکریوتی۔ ان میں پطرس اور یوحنا بڑے مشہور ہیں۔ جنہوں نے غیر ملکوں میں جاکر مسیحی مذہب پھیلایا۔ اول الذکر بڑا سرگرم اور پرجوش رسول تھا۔ پولوس رسول سب رسولوں میں بڑا سمجھا جاتا ہے۔ ابتدا میں یہ شخص عیسائیوں کا جانی دشمن تھا اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتا تھا۔ لیکن قدرت و برکت الٰہی سے مسیحی ہو گیا۔ اور اس مذہب کی اشاعت میں تمام عمر مصروف رہا۔ اس کی کوششوں سے مسیحی مذہب سلطنت روما میں بہت پھیل گیا تھا۔

عه اسٹوئک فلسفہ یعنی اسٹوئسزم۔ یونان کے فیلسوف زینو نے ۳۰۸ قبل مسیح میں اس فلسفہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ اسکے پیرو اسٹوئک کے نام سے مشہور ہیں۔ زینو کی تعلیم یہ تھی کہ انسانی جذبات سے مخلصی حاصل کرو خوشی اور رنج کے احساس سے پاک رہو۔ نیکی اور پاکیزگی اعلےٰ ترین خوبی ہے۔ اسکے حصول کے لئے جسقدر تکالیف برداشت کرنی پڑیں بلا شکوہ و شکایت جھیلو۔ اس فلسفہ کے مشہور بانیوں میں کلینتھس۔ اور کری سپتوس کا نام بھی ہے۔

سه یہ ایک یہودی عالم متبحر اور فریسیوں کے طبقہ سے تھا۔ موسوی شریعت کا ایک نہایت جید فاضل تھا۔ پولوس رسول نے اپنے لڑکپن میں اسی بزرگ سے دینیات کی تعلیم حاصل کی تھی۔

اس ارادہ سے باز آیا۔ اور اسکے کچھ عرصہ بعد بھی جب اُس نے جسمانی تکالیف سے تنگ آکر دوبارہ خودکشی کا قصد کیا۔ تو صرف اپنی بیوی کی محبت کے سبب سے اس پر عمل پیرا ہوتے ہوتے رہ گیا۔ سنیکا نے اپنی زندگی کے باقیماندہ دُکھ بھرے دن مطالعجات اور غور و فکر میں بسر کئے تھے +

سنیکا نے اپنے عالم طفولیت کے واقعات میں صرف اسی موذی اور درد انگیز مرض کا ذکر کیا ہے۔ اور کوئی دلچسپ امر مذکور نہیں کیا ہے۔ سلف کے مصنفین اور نیز شعرا اپنی زندگی کے اوائل کے حالات کا جھوٹوں بھی ذکر نہیں کرتے ہیں۔ اگر کہیں بھولے بھٹکے سے کرتے بھی ہیں۔ تو نہایت سرسری طور پر۔ ان کی اس عجیب طرز عمل کی وجہ دریافت کرنے میں ہمیں چاہے کامیابی ہو یا نہ ہو۔ مگر یہ امر بالکل یقینی ہے کہ وہ اپنے بچپن کے حالات رقم کرنے میں دانستہ گریز کرتے تھے۔ زمانہ حال میں شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہوگا جو اپنے لڑکپن کے قابل یاد اور خوشگوار واقعات کا خوش دلی سے ذکر نہیں کرتا۔ مگر زمانۂ قدیم میں ایسا ایک بھی شاعر نہ ملیگا۔ جس نے اس بحث پر باقاعدگی سے کچھ لکھا ہو۔ یا اپنے عالم طفلی کے سوانح کا چرچا کسی خوشگوار پیرایہ میں کیا ہو۔ لڈگیٹ[۱] سے لیکر ٹینی سن[۲] تک جتنے شاعر گزرے ہیں۔ انہوں نے بلا استثنا لڑکپن پر نظمیں لکھی ہیں۔ اور طرح طرح کے مضمون باندھے ہیں۔ اور عالم طفلی کے نوخیز جذبات اور تمناؤں کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ دکھایا ہے کہ معمولی درخت لڑکوں کو آسمان سے باتیں کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ قوس قزح کو دیکھکر ان کے دل فرط انبساط اور کثرت شادمانی سے بلیوں اوپر اچھلتے ہیں۔ تیتریوں کو پکڑنے کے لئے وہ بڑے شوق سے ان کا تعاقب کرتے ہیں۔ اور اسی قسم کے امور کا جو لڑکوں کے بچپن کے مشاغل تفریح ہیں۔ زمانۂ حال کے شعرا نے بڑی خوبی سے دلفریب پیرایہ میں ذکر کیا ہے۔ گویہ باتیں

---

[۱] جان لڈگیٹ ۱۳۷۰ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۴۶۱ء میں انتقال کیا۔ ہنری ہشتم کے زمانہ میں ایک خانقاہ کا مہنت اور شاعر تھا۔ زمانہ وسطےٰ کے مشہور شاعر جیوفری چوسر کا جانشین تھا +

[۲] لارڈ الفریڈ ٹینی سن ۱۸۰۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹۲ء میں رحلت کی۔ دربار انگلستان کے شاہی شاعر تھے۔ اپنے زمانہ کے نہایت ممتاز اور اعلےٰ پایہ کے شاعر تھے۔ آپ فطرت انسانی سے خوب واقف تھے اور سچائی کا نہایت پاکیزہ اور شستہ پیرایہ میں اظہار کیا کرتے تھے۔ "ان میموریم" "کوئن میری" وغیرہ مشہور تصانیف ہیں +

بہت ہی معمولی قسم کی ہیں۔ مگر شاعرانہ تخیل اور دلآویز بیان سے بہت ہی مزیدار اور پر لطف ہو گئی ہیں۔ ہر ایک شاعر کے گیتوں میں ان کا تذکرہ موجود ہے ✦

لیکن کیا وجہ ہے کہ زمانۂ قدیم کا تمام ادبیات ان باتوں میں بالکل تہیدست ہے۔ کیا باعث ہے کہ روما اور یونان کے شعرا کو زندگی کا ابتدائی حصہ جو اس قدر "فطری راحت اور برکت" سے لبریز ہے۔ خالی از لطف معلوم ہوتا ہے اور اسکی کوئی بات ذکر کے قابل نظر نہیں آتی؟ کیا سبب ہے کہ سسرو[41]۔ ورجل[42]۔ اور ہوریس[43] ایسے جید اور غیر فانی مصنفین جو روزمرہ کی زندگی کے واقعات کو ایسے دلچسپ انداز سے بالتفصیل بیان کرتے ہیں۔ اپنی ماؤں کے خواص پاکیزہ اور اوصاف حمیدہ کا کوئی ذکر نہیں کرتے ہیں"؟

ان سوالات کا جواب شافی دینے کے لئے ایک جامع اور مطول مضمون لکھنے کی ضرورت لاحق ہوگی۔ جس میں زمانۂ قدیم اور زمانۂ حال کی معاشرت کے اختلافات اور امتیازات دکھانے پڑینگے۔ اور مصنف نفس مضمون سے بھٹک کر کہیں سے کہیں جا پہنچیگا۔ اس موقع پر صرف اسی قدر کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلاف بچوں سے بڑی بے اعتنائی اور لاپروائی کا سلوک روا رکھتے تھے۔ جس کے سبب سے ان کے لئے بچپن کا زمانہ ایسا خوشی و راحت کا زمانہ نہ تھا۔ جیسا زمانۂ جدید میں دیکھنے میں آتا ہے۔

---

[41] سنہ ۱۰۶ قبل مسیح میں پیدا ہوا تھا۔ ایک رومی سردار (ناشٹ) کا بیٹا تھا۔ روما کا مشہور فلاسفر اور سیاست دان کا ایک بڑا عالم تھا۔ فن فصاحت و بلاغت میں اس سے بڑا کوئی مقرر روما میں نہیں گزرا ہے۔ ابھی لڑکا ہی تھا کہ جنگ مارس میں شریک ہونا پڑا۔ سنہ ۶۳ قبل مسیح میں سسلی کا صوبہ مقرر ہوا۔ اپنی فصاحت کے زور سے بہت جلد مشہور ہو گیا اور اپنے واسطے ایک وقیع جگہ حاصل کرلی۔ سنہ ۵۸ قبل مسیح میں یونان کو نقل مکان کیا۔ مگر جلد بلا لیا گیا۔ جولیس سیزر اور پامپی کے جھگڑے کے وقت موخر الذکر کے ساتھ شریک ہو گیا۔ مارک انٹونی کا دشمن تھا۔ جس کی شہ سے وہ سنہ ۴۳ قبل مسیح میں ایک سازش کے وسیلے سے مارا گیا ✦

[42] ورجلیس پبلیس مارو ورجل روم کا ایک بہت مشہور شاعر تھا جس نے رزمیہ نظم لکھکر غیر فانی شہرت حاصل کی تھی۔ سنہ ۷۰ قبل مسیح میں پیدا ہوا تھا۔ شہنشاہ اس کا بڑا مربی تھا۔ اس نے "ہسپیڈ" کے علاوہ دو ایک اور مشہور نظمیں بھی لکھی ہیں۔ جو لطافت بیان اور نزاکت فکر اور حسن ادا کے لئے یکتا ہیں۔ سنہ ۱۹ قبل مسیح میں انتقال کیا ✦

[43] ہوریشس کونٹس فلیکس ہوریس سنہ ۶۵ قبل مسیح میں پیدا ہوا اور سنہ ۸ قبل مسیح میں انتقال کیا۔ روم کا ایک بہت مشہور شاعر۔ شہنشاہ آگسٹس کا منہ چڑھا اور ورجل کا ہمعصر تھا۔ اسکی نظم ادبیات قدیمہ میں سب سے زیادہ مقبول عام ہے ✦

حکیم سنیکا

جب کسی یونانی یا رومی گھرانے میں کوئی بچہ پیدا ہوتا۔ تو کسی قسم کی خوشی کا اظہار نہ کیا جب وہ پہلے پہل باپ کے سامنے لایا جاتا۔ اگر وہ اسے اُٹھا کر گود میں لے لیتا۔ تو بچہ خاندان کا ممبر سمجھا جاتا۔ اور اگر وہ التفات ہی نہ کرتا تو اس کی قسمت کا فیصلہ وہیں ہو جاتا۔ یعنی دائی بچہ کو اُٹھا کر بستی سے دُور جنگل میں چھوڑ آتی۔ جہاں وہ یا تو درندوں کا لقمہ بن جاتا۔ یا اگر کوئی خداترس راہگیر ادھر آنکلتا۔ تو اسے اُٹھا کر اپنے گھر لے جاتا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو بچہ سات آٹھ برس تک زنانخانہ کے اندر رکھا جاتا۔ باپ بہت کم اسے پیار کرتا یا اپنی گود میں اُٹھا کر کھلاتا۔ محبت کا برتاؤ اس کے ساتھ نہ ہوتا تھا۔ اس کی تفریح اور دل بہلاؤ کے لئے کسی قسم کا سامان بہم نہ پہنچایا جاتا۔ جبتک وہ بالکل بالغ نہ ہو جاتا۔ اُس کی موت اور زندگی کا مالک مختار اس کا باپ تھا۔ اسے کسی قسم کی آزادی اور کسی قسم کے حقوق حاصل نہ تھے جس کے سبب سے وہ نہایت کس مپرسی کی حالت میں رہتا تھا۔ اُس زمانہ کے لوگ اپنی شخصی زندگی کو بڑی بیقدری کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انکی فطرت ایسی تھی کہ اپنے ذاتی فوائد اور بچے کے حقوق کو جمہوری فلاح اور حکومت کی بہبود عامہ پر فائق سمجھتے تھے۔ اور انہیں بڑی خوشی سے قربان کر دیتے تھے۔ اس واسطے اپنی نجی زندگی سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ ان کی نظروں میں زیست عام یعنی حکومت کی زندگی سب کچھ تھی۔ خانگی زندگی یعنی نجی معاشرت انکے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھی۔ خانگی راحت و آرام مجلسی دلبستگیوں اور اہل و عیال کے ساتھ رہنے سہنے سے جو شادمانی اور لطف حاصل ہوتا ہے۔ اُس کی وہ کچھ قدر نہیں کرتے تھے۔ لڑکپن میں یہ اُمید لگائی جاتی تھی کہ عالم شباب میں خوشی اور شادمانی کا زمانہ آئیگا۔ اس لئے جب وہ جوان ہو جاتے۔ تو اپنے لڑکپن کو بالکل یاد نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ ہر طرح کی خوشیوں سے مُعرا تھا۔ اگر سنیکا کی تصانیف کا قدیم زمانہ کے مصنفوں سے مقابلہ کیا جائے تو ظاہر ہو جائیگا کہ وہ ایک نئے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ زمانۂ حال کے مصنفوں کی تصنیفات میں جو خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ وہی سنیکا کی کتابوں میں بھی نمایاں اور ممیز ہیں۔ وہ اپنی والدہ کو محبت بھرے لفظوں میں مخاطب کرتا ہے۔ اور اپنے لخت جگر اور نور نظر کا ایسے ڈھنگ سے ذکر کرتا ہے کہ پڑھنے سے رقت

ہوتی ہے۔ اور دل پسیجتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوش محبت سے ے دل میں ایک سیلاب اُمنڈا چلا آتا ہے +

ایک اور قابل غور امر یہ ہے کہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ سیرت انسانی کی نشو ونما کا دار و مدار اخلاقی قوانین کی پہچان اور پیروی پر منحصر ہے۔ یا یوں کہیں کہ سیرت اُس جدّ و جہد سے کمال کو پہنچتی ہے جو نفسانی حظّ اور فرائض کے درمیان ہوتی رہتی ہے۔ کبھی نیکی کرنے کی خواہش اور کبھی بدی کی آزمائش غالب آتی ہے اور جیسا ہم نے کہا۔ زمانۂ حال کے اہل الرائے کے نزدیک یہ جنگ و جدل انسان کی خصلت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ مگر اہل سلف کا تصور اخلاق ہمارے خیال سے بالکل مختلف تھا ان کا اخلاقی ذمہ داری کا اعتقاد بھی ایسا اعلےٰ اور درست نہ تھا۔ اور نہ ہمارا ادراک ایسا لطیف وارفع تھا۔ جن گناہوں کو ہم سختی سے معتوب کرتے ہیں۔ وہ انکے خلاف ملائم لہجہ میں اظہار ناپسندیگی کرتے تھے۔ اور جن بدکاریوں سے ہم ایسی گہری نفرت رکھتے ہیں۔ وہ ان سے اتنی تھوڑی گھن رکھتے تھے۔ کہ ہم خیال نہیں کر سکتے کہ وہ لڑکپن میں اُن پیچیدہ اور لاینحل خیالات کو جو فرائض انسان کے نام سے مشہور ہیں بخوبی سمجھتے تھے۔ اور اُن قوانین و قیود سے جو ایک کامل اخلاقی ہستی کی چاررُخی نشو ونما کے لئے لازمی ہیں کما حقہٗ واقفیت حاصل کر لیتے تھے۔ کیونکہ اعلےٰ شخصی ترقی کے واسطے ان امور سے آشنا ہونا لابدی ہے +

اس واسطے ہمارے پاس نہ تو ایسا مصالح موجود ہے اور نہ وہ وسائل حاصل ہیں جن سے کام لیکر سنیکا کے لڑکپن کے حالات کی ایک روشن اور مکمل تصویر بنا سکیں لیکن جو کچھ قرائن سے پایا جاتا ہے اور جو کچھ اُس کے خاندان کے چلن کی بابت ہمیں معلوم ہے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ بآسانی اخذ کر سکتے ہیں۔ کہ وہ نہایت خوش نصیب تھا۔ سنیکا کا خاندان متموّل اور بہت فارغ البال اور ذی عزت تھا۔ ان کا مذاق شستہ و پاکیزہ اور سب مشاغل علمی کے دلدادہ۔ ان کا چلن اعلےٰ و افضل۔ اور ان کے اطوار دل کو گرویدہ کرنے والے تھے۔ خاندانی تموّل اور آسودگی کے طفیل سے وہ معاش کی طرف سے مستغنی اور بے فکر تھے اس لئے بڑے آرام اور آزادی سے

مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ حالانکہ ان کے ہمعصر اور ہم پیشہ لوگ روزی کی فکر میں سرگرداں پھرا کرتے تھے۔ جس سے ان کی راہِ ترقی میں ایک رُکاوٹ حائل ہوگئی تھی۔ انہوں نے اپنے رتبہ اور اپنی شائستگی کی بدولت اُن اشخاص سے دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ جو رومی حلقوں میں معزز اور ذوالاقتدار سمجھے جاتے تھے۔ اپنی طرزِ معاشرت کی پاکیزگی اور شرافت کے سبب سے اُس اوباش گروہ کی صحبت مذموم سے محفوظ رہے جن کی علانیہ بدکاریوں اور بے انتہا عیاشیوں کے لئے اُس زمانہ کی دُنیا کا [illegible] یعنی شہر روم بدنام تھا +

سنیکا فلاسفر کے والد بزرگوار کا نام نامی مارکس ریناس سنیکا تھا۔ اُس کی نسبت ہمیں بہت تھوڑی باتیں معلوم ہیں۔ وہ فن فصاحت کا ایک مشہور استاد تھا۔ اُس نے اپنے بیٹوں اور شاگردوں کے لئے اپنے فن کی چند مشقیں تیار کی تھیں جو اب تک موجود و محفوظ پائی جاتی ہیں۔ اُن میں کئی تاریخی اور بعض خیالی مباحث پر بڑی بلاغت سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے مطالعہ سے صرف اتنا فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ انسان کی قوت استدلال تیز اور قوی ہوجاتی ہے۔ اسکی یاد بڑی زبردست تھی۔ دو ہزار الفاظ سُننے کے بعد بالترتیب ان کا اعادہ بلا تکان کر دیا کرتا تھا۔ الغرض بڈھا سنیکا ایک آسودہ حال دُنیادار عقلمند اور بڑا معاملہ فہم شخص تھا۔ وہ تقریر کرنے میں اعلےٰ مہارت رکھتا تھا۔ اسے خیالی باتوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ ہر ایک بات میں اپنا فائدہ مدِنظر رکھتا تھا +

سنیکا کی ماں کا نام ہل ویہ تھا۔ جو کچھ اس کی تعریف میں لکھا ہے۔ اگر اسے معتبر سمجھا جائے۔ تو ہم یہ خیال کرینگے کہ وہ کوئی معمولی قسم کی عورت نہ تھی۔ اگر اُس کا شوہر علم و حکمت سے اس قدر متنفر نہ ہوتا۔ تو وہ ان دونوں میں اعلےٰ دسترس حاصل کر لیتی۔ کیونکہ اُس نے تھوڑے ہی عرصہ کے مطالعہ سے علم میں بہت ترقی حاصل کر لی تھی۔ مگر اس کی ذہانت و فراست ایسی اعلےٰ نہ تھی جیسی اس کی شرافت نفسی اور عالی حوصلگی تھی۔ اُس زمانہ کی اور عورتیں اپنے لڑکوں کو اس سبب سے عزیز رکھتی تھیں۔ کہ ان کی اقبالمندیوں سے اُن کی دلی تمنائیں بر آتی تھیں۔ اور ان کی کمائی میں حق

دولت سے اپنے حوصلے پورے کرتی تھیں۔ مگر ہل وِیہ اپنے بیٹوں کو اس وجہ سے پیار کرتی تھی کہ وہ اس کے جگر کے پارے اور کلیجے کے ٹکڑے تھے وہ انہیں سب چیزوں سے زیادہ عزیز رکھتی اور زر و جواہر ان پر تصدق کرنے میں تامّل نہ کرتی۔ ان کی پیدا کی ہوئی دولت اپنے مصرف میں کبھی نہیں لاتی۔ ان کے ورثہ ترکہ کا بڑی خودغرضی سے خود اہتمام کرتی تھی۔ اور اسے اپنے کام میں لانا حرام سمجھتی تھی۔ بلکہ اپنے گنج کا روپیہ خرچ کر کے انہیں اعلےٰ عہدوں پر پہنچانے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ وہ اپنے زمانے کی بُرائیوں اور خرابیوں کے اثر مذموم سے بے لوث تھی۔ رومی عورتوں میں پاکدامنی اور عصمت عنقا تھی۔ عیاشی کی وہ گرم بازاری تھی کہ اس کا انسداد انسانی عقل و فہم سے بعید تھا۔ مگر ہل وِیہ کا دامنِ عصمت و اخلاق بالکل بے داغ تھا۔ وہ زر و جواہر کو حقیر سمجھتی تھی۔ وہ اپنے جوان بیٹوں کے سامنے نوعمر عورت معلوم نہیں ہوتی تھی۔ تاہم وہ اس امر سے شرمندہ نہ ہوتی۔ ایک مرتبہ سنیکا نے ایام جلاوطنی میں اپنی ماں کا حوصلہ بڑھانے کو لکھا: ”آپ نے اپنے چہرے پر اخروٹ کا رس کبھی نہیں لگایا ہے۔ اپنا دل خوش کرنے کے لئے وضعدار لباس[لہ] کبھی نہیں پہنا ہے۔ آپ کا زیور وہ حسن تھا جسے عمر برباد نہیں کر سکتی۔ آپ کا مایۂ ناز اور سرمایۂ افتخار وہ اعلےٰ عفت و پاکیزگی ہے جو سب پر عیاں ہے“۔ پینی سن کہتا ہے:۔ ”خوش نصیب ہے وہ شخص جس کی ایسی ماں ہو! عورت ذات کی پاکیزگی عصمت کا خیال اس کی فطرت میں خمیر کی طرح جاگزین ہے۔ وہ نفس کو افضل و برتر بنانے والی باتوں کو بہت آسانی سے مان لیتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ وہ نیکی کی راہ سے بھٹک کر کسی قابل الزام حرکت کا مرتکب ہو۔ مگر ناپاک چیزوں کا اثر صرف اس کے بدن ہی پر ہوگا۔ اور اس کی روح تمام آلائشوں سے پاک صاف رہیگی“۔

سنیکا کی ماں ہی ایک ایسی شریف النفس نیک بخت عورت نہ تھی جسکی پاکیزہ خصلتوں کا اُسکے بچپن پر ایسا گہرا اثر پڑا تھا۔ بلکہ اُسکی خالہ کی ذات کا جو بیماری میں اُسکی

لہ رومی عورتیں جو وضعداری کی دلدادہ تھیں اپنے چہروں پر کئی قسم کے غازے لگایا کرتی تھیں جن سے انکی رنگت نکھر جاتی تھی۔ اور حسن دوبالا۔ اس قسم کی چیزوں کا استعمال عام تھا۔ مگر سنیکا کی ماں ایسی لغویات سے متنفر تھی۔

ہوا کے عجائبات

رقیق ہوا

... راسکولوں کے چھوٹے چھوٹے

... ، جس میں چار حصے نائٹروجن اور

... ، دونوں گیسوں کا امتزاج ایسا

... اور آکسیجن بالکل ایک دوسرے ... ہو جاتا ہے ... نہیں ہوا جیسا پانی میں

سے اس طرح چھٹی رہتی ہیں گویا ایک دوسری کی جانی دشمن ہیں۔ لیکن ہوا کے معمولی استعمال میں کام یہ دونوں آتی ہیں۔ جب ہم چائے پیتے ہیں تو چائے کا محلل اور ... دونوں ایک وقت میں ہمارے حلق سے اترتے ہیں۔ یہی حالت ہوا کے ان دونوں اجزا کی ہے کہ باوجود امتزاج کیمیائی نہ ہونے کے سانس کے ساتھ دونوں ایک وقت میں ہمارے پھیپھڑوں میں داخل ہوتی ہیں ٭

یہ تو ہوا لیکن اس بات کا علم ابھی بہت ہی کم لوگوں کو ہے کہ ہوا رقیق بھی ہو سکتی ہے۔ اور یہ سن کر بعض لوگ سخت تعجب کرینگے (بلکہ شاید یقین نہ کرینگے) کہ ہوا کو ہم پانی کی طرح بوتل میں بھر سکتے اور گلاس میں انڈیل سکتے ہیں۔ لیکن اس میں ذرا سی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ ہوا کی رقت ایک مسلمہ امر ہے ٭

قدیم ماہران علم طبیعیات کو ہوا کے اس خواص کا علم نہ تھا۔ لیکن سائنس دانوں کے سرکردہ نے گزشتہ صدی سے اس مسئلہ کی جانب پوری توجہ کی ہے۔ اور اس ضمن میں لائٹر۔ کولیٹن۔ تھلوریر۔ نیٹرر۔ اینڈریوز۔ کیلیٹے۔ پکٹے۔ روبلوسکی۔ اولسزیوسکی۔ وار۔ میسول۔ لائنڈ۔ ہیمپسن۔ ٹریلر اور مائیکل فیریڈے کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں ٭

رقیق ہوا کا مفصل ذکر کرنے سے پیشتر چند ابتدائی باتیں بتانی ضرور ہیں۔

اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ مادہ کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ وہ یا تو (۱) منجمد ہوتا ہے
(۲) رقیق۔ یا (۳) ہوائی شکل میں اور ان تینوں حالتوں کی عمدہ مثال (۱) برف
(۲) پانی۔ اور (۳) بھاپ ہوسکتی ہے۔ مگر ان میں سے ہر ایک کی اندرونی ساخت
یا ان میں سے ایک دوسرے کے قریبی تعلقات کی نسبت عام لوگوں کو مطلق واقفیت
نہیں ہے۔ اور نہ وہ اس قسم کی واقفیت حاصل کرنی چاہتے ہیں۔ اور اگر انہیں یہ بتایا
کہ برف دراصل کوئی ٹھنڈی چیز نہیں ہے (کیونکہ اس دُنیا میں کسی مطلق ٹھنڈی چیز کا
وجود ہی نہیں ہے) تو حیرت سے اپنے مخاطب کا منہ تکنے ... بات ہے کہ
یہ کہا جاسکتا ہے کہ فلاں چیز بہ نسبت فلاں چیز کے زیادہ ... زیادہ گرم ہے۔
یا ایک ہی چیز ایک حالت میں ٹھنڈی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اُسی سے دوسری حالت
میں گرم کا کام لیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر برف کو لیجئے۔ بازار میں چلتے ہوئے
کسی آدمی کو برف دکھایئے اور اس سے پوچھئے کہ یہ چیز ٹھنڈی ہے یا گرم
وہ فوراً کہیگا کہ اس میں تو گرمی نام کو بھی نہیں۔ لیکن اسی برف پر اگر ہم تھوڑی سی
رقیق ہوا ڈال دیں تو وہ آگ کی سی گرمی دینے لگیگا۔ اور اس سے ہم چیزیں اُبال
سکینگے ۔

پروفیسر ٹنڈل نے اس مسئلہ کو دریافت کیا ہے کہ گرم
سرد چیزوں کے اجزائے ترکیبی کی حرکت پر منحصر ہے۔ اس کو یو
سردی کے موسم میں اگر ہم اپنے کمرے میں انگیٹھی میں کوئلے دہکا
ہمارا کمرہ خوب گرم ہو جائیگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے کمرہ
اب اگر اس گرم ہوا کے اجزائے لا یتجزیٰ کو دیکھیں تو معلوم ہوگا
نہایت تیزی کے ساتھ گیند کی طرح اُچھل رہا ہے۔ اور ایک دو
ہے۔ بخلاف اسکے اگر ہوا ٹھنڈی ہو تو اس کے اجزا میں یہ چستی
اور اگر حرارت درجہ صفر پر پہنچ جائے تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ
موقوف ہوگئی ۔

لیکن درجہ حرارت کی تبدیلی کے ساتھ عموماً حجم کی بھی تبدیلی

دگیلن بھاپ کا پانی بنائیں تو پانی صرف ایک پاؤنڈ رہ جائیگا۔
برف بنایا جائے تو اس کا وزن ایک پاؤنڈ دو اونس ہوگا۔ اس
ربہ کرنے والوں نے ہوائی شکل کے مادوں کو رقیق کرنے کے لئے ان پر آزما
لیا۔ لیکن اس میں اُنہیں کامیابی نہ ہوئی۔ وآئنا کے پروفیسر نیٹرر نے
رنے کے لئے اس پر اتنا دباؤ ڈالا جتنا دو توپوں کے چلنے سے ہوا پر پڑ سکتا
ہو تجربہ کرتا تھا وہ رقیق نہ ہوتی تھی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ نیٹرر بھی ایسی
ہوا کو جس میں اس زمانہ کے اور سائنس داں پڑے ہوئے تھے کہ گیسوں
میں لانے کے لئے صرف حجم کے تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کے خیال میں
آئی تھی کہ حجم کے ساتھ گیس کا درجہ حرارت بھی کم کرنا چاہئے +
کے بعد سائنس دانوں نے گیسوں کو پانی بنانا تو شروع کر دیا۔ لیکن جن
یعے سے یہ عمل ہوتا تھا وہ اس قدر کثیر اور قیمتی ہوتے تھے کہ ہر شخص
ہیں لے سکتا تھا۔ اب سے ۸۵ سال پیشتر یعنی فیریڈے کے زمانہ
یہی آلات کام میں آتے رہے۔ رائل انسٹیٹیوشن لندن کے پروفیسر
ریٹری کے اندر خاص اس غرض کے لئے اتنے آلات جمع کئے تھے کہ
ے کو۔ جو ان آلات کے لئے مخصوص تھا" مشینوں کی دوکان" کہنے لگے
کچھ کیلیٹے۔ زوبلوسکی۔ اولسنر یوسکی وغیرہ نے اس کام میں سہولتیں
یہ کام اتنا آسان نہ ہوا جتنا ہونا چاہئے۔ مگر امریکہ کے مسٹر سی ای ٹرپلر
آلہ ایجاد کر لیا ہے جو بہت کم قیمت میں تیار ہو جاتا ہے۔ اور جس سے
کے ساتھ کثیر مقدار میں گیس پانی بن سکتی ہے۔ چنانچہ بقول ڈاکٹر سلوان ٹرپلر
کے پیپوں میں بھر بھر کر ریل کے ذریعے سے بیرونجات کو بھیجا کرتا ہے
ہے جو فیریڈے اور ڈیوار وغیرہ کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ رقیق
نہ مفید شے ثابت ہوئی ہے۔ اور اس سے نہایت عجیب وغریب کرشمے
ہیں۔ اگرچہ ابھی تک اس کا استعمال عام نہیں ہوا۔ لیکن وہ زمانہ دور
مختلف اغراض کے لئے کثرت سے کام میں آنے لگے +

ا ... ی کی تعلیم

بھا ... نو نہ رکھنے

سرکا ... ہے۔ یہ کہ

دالن ... ں علم الاقتصاد

رکیوا ... کے غریب

سلے میں ... تے ہیں۔ آپ کی رائے میں بیونٹ ...

ں قائم ہونے چاہئیں۔ آپ کا یہ بھی دعوےٰ ہے کہ اگر نو

اسکی ماہیت۔ اسکی ضرورت اور قدر و قیمت۔ اور اسکے

یں۔ اور نیز انہیں وہ فرائض بتلائے جائیں جو روپیہ

نے سے وابستہ ہیں۔ تو اس سے اُن کی اثر پذیر اور ا

ے اثر پڑیگا۔ ملک بلجیم کے تمام قومی اسکولوں میں گزشتہ

شعاری کی عادت پیدا کرنے کی تعلیم دینے کا طریقہ اختیا

منتظم کمیٹی کی رائے یہ ہے کہ کفایت شعاری کا محنت مزدو

ں اخلاقی اور مالی حالت پر بہت نیک اور مفید اثر پڑتا

ر ان لوگوں میں جُزرسی کی عادت بدستور قائم رکھنا چاہو

ایت شعاری کی تعلیم دی جائے۔ اور ان سے ایسا

ائدہ اشخاص کو سکھانا بہت مشکل ہے۔ مگر